معروف بہ

مخزن جاوید

جلد دوم

مولفہ ایم - اے منصف دہلوی خلف الصدق
عالیجناب آنریبل راے بہادر گیانشی

سنہ ١٩١١ع

آصفجاہ
نظام الملک

بحضورِ اقدس اعلیحضرت قدر قدرت بندگانِ عالی متعالی مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر محبوب علیخان بہادر

فتح جنگ آصفجاہ سادس جی سی ایس آئی جی سی بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

ہندوستان میں زبانِ اردو کی تصنیف یا تالیف کیلئے اس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہوسکتی کہ شاہ دکن اعلیحضرت میر محبوب علیخاں جی سی ایس آئی - جی سی بی اپنے نام پر اسکا ڈیڈیکیشن منظور فرماویں - یہ امتیاز جو آج توجہاتِ شاہانہ سے میری تالیف کو حاصل ہوتا ہے کہ اردو کے سب سے بڑے سرپرست نے جو علاوہ سرآرائے سلطنت ہونیکے خود اقلیم سخن کا بھی تاجدار ہے - اس ناچیز نذر کو خلعتِ قبول عطا فرمایا ہے میرے لیے ہمیشہ سرمایۂ ناز رہیگا - برسوں کی محنت کا صلہ بندگانِ عالی کی اس ذرہ نوازی سے ملگیا ؎

غبارِ راہ گشتم - سرمہ گشتم توتیا گشتم
بچندیں رنگ گشتم تا بچشمِ آشنا گشتم

میں نہایت ادب کے ساتھ تذکرہ خمخانۂ جاوید کو حضور کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس مبارک نام کی بدولت یہ تذکرہ بھی حیاتِ جاوید پائے گا ۔

گزرانیدہ خادمِ انام سری رام

LALA SIRI RAM, M. A.

Engraved by Mehta Dial Dass Roorkee.

پابند - طالب علی نام رسالۂ رہنمائے تعلیم لاہور کے اڈیٹر ہیں - کلام جو انہوں نے ارسال کیا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

بہت مشہور کوئے عشق میں فرہاد و مجنوں ہیں ۔۔۔ تو اِس کوچے میں اپنی بھی انوکھی شان پیدا کر

نہ خواہش ہمیں جنت میں ہرگز مر کے جانے کی ۔۔۔ اجازت ہو اگر کوچے میں اُس دلبر کے جانیکی

نہ ہرگز وصل کی شب کو اٹھاؤ زلف تم رُخ سے ۔۔۔ کہ جُوں جوں ہٹتی جاتی ہے سحر کرلاتی جاتی ہے

پادشاہ - ابو النصر سلیمان جاہ نصیر الدین حیدر دوئم بادشاہ ملک اودھ - شاہ زمن ابو المظفر غازی الدین حیدر بادشاہ اول اودھ کے خلف الرشید اور جانشین تھے - ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۲۴۳ ہجری مطابق ۱۲ - اکتوبر سنہ ۱۸۲۷ء کو ۲۵ برس کی عمر میں مسند حکومت پر جلوس فرمایا مسند نشینی کی تاریخ یہ ہے

ہر تو اے بادشہ فیض رسان عالم	تخت ایں مملکت ہند مبارک باشد
سال تاریخ جلوس طرب افزا بشنو	جاوداں سلطنت ہند مبارک باشد

اور سبک شکیل اور خوش رو جوان تھے۔ سلطنت ہاتھ آتے ہی لہو و لعب کی طرف مائل ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ جملہ کاروبار ریاست سے غافل ہو گئے۔ نواب معتمد الدولہ آغا میر کو بوجہ پرخاش و خصومت زمانۂ ولی عہدی برخاست کر کے نواب اعتماد الدولہ فضل علیخان دہلوی کو وزیر بنایا۔ تین برس بعد نواب روشن الدولہ کا ستارہ چمکا۔ اور خلعت وزارت عطا ہوا۔ یہ بادشاہ دادو دہش میں اپنے زمانہ کا حاتم تھا۔ شکار کا بہت شوق تھا۔ اور اکثر فوج کی درستی کی طرف بھی توجہ رہتی تھی۔ مگر تھوڑے عرصہ میں خوشامد چغلخور اور نمک حرام رفقا اور مصاحبین کے بدولت عیش کے بندے ہو گئے۔ انہیں لوگوں نے والدہ مکرمہ نواب بادشاہ محل صاحبہ سے بھی بگاڑ کرا دیا۔ بیگم صاحبہ اپنے پوتے منا جان کو لیکر الماس باغ جا رہیں۔ اسپر بادشاہ نے کوتاہ اندیش مشیروں کے مشورہ سے ایک اشتہار اس مضمون کا تمام قلمرو اودھ میں شائع کرا دیا کہ منا جان ہمارا بیٹا نہیں ہے۔ حالانکہ ولیعہدی کا خلعت انہیں پیشتر دے چکے تھے۔ حضرت کی شادی بادشاہ بیگم صاحبہ نے عالم مرزا سلیمان شکوہ برادر اصغر اکبر شاہ ثانی کی دختر سے بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ یہی بیگم سلطان بہو کے خطاب سے مشہور تھیں۔ لیکن بادشاہ کو اس شاہزادی کی طرف کبھی التفات نہیں ہوا۔ اور بے اولاد رہیں۔

محلات تو صدہا تھے مگر وہ ہمیں مفصلہ ذیل قابل ذکر ہیں۔ نواب ملکہ زمانی۔ نواب تاج محل صاحبہ۔ نواب قدسیہ محل۔ ان محلات معلی نے اپنی علو حوصلگی۔ فراخدلی۔ اور سیر چشمی سے ایک عالم کو گرویدۂ احسان بنا لیا تھا۔ ان کی شانِ امارت۔ کر و فر اور اخراجات شاہانہ کے واقعی حالات اگر لکھے جائیں تو فسانوں سے زیادہ مزہ آئے۔ نواب ملکہ زمانی کو چھ لاکھ سالانہ کی جاگیر کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ ماہوار جیب خرچ کے لئے ملتا تھا۔ ایسے ہی بیش قرار مواجب دوسرے محلات کے تھے۔ نواب قدسیہ محل کا عروج و اقتدار جملہ دیگر محلات سے بڑھ گیا تھا۔ تقدیر کا کرشمہ دیکھو کہ انہیں ایام میں کسی روز ایک معمولی بات پر بادشاہ ان سے ذرا کبیدہ خاطر ہو گئے۔ اور بیگم نے اس رنج میں سفوف الماس

کھاکر خودکشی کرلی - اِس حادثۂ روح فرسا سے تمام لکھنؤ میں حشر برپا ہوگیا - بادشاہ کو انکی وفات سے کمال صدمہ ہوا - اور یہ داغ مدت العمر لوحِ دل سے نہ مٹا - بادشاہ کے حکم سے قدسیہ محل کے غم میں تمام شہر سوگوار بنا - اور عجیب کہرام برپا ہوا -

امام باڑہ ملحق عمارات چھتر منزل لکھنؤ - کربلا گومتی پار و تخت گاہ بنام نہاد بارہ امام مجازی حسین آباد آپ ہی کی عہد سلطنت کی یادگار ہیں - تخت گاہ میں قوم سادات کی دختران کمسن بہ لقب اچھوتی یعنی ازواج ائمہ معصومین تلاش کر کے جمع کیگئیں تھیں جہاں حضرت بادشاہ کی طرف سے اُنکی ہر طرح کی خدمت کیجاتی تھی اور لکھوکھا روپیہ کے نقد جنس کے علاوہ زیورات مرصع وملبوس فاخرہ انھیں بطور نذر دیے جاتے تھے - صرف یہی نہیں بلکہ کاروبار سلطنت میں اُنکا اور اُنکے اعزا اور اقربا کا بڑا دخل تھا - کوئی امر اُنکی مرضی کے خلاف نہونے پاتا تھا - الغرض شاہی اخراجات حد اندازہ وقیاس سے افزوں تھے اور اسی طرح سے اسلاف کا خزانہ بالکل خالی ہوگیا -

بادشاہ کے مزاج میں لااُبالی پن اور لہو ولعب کا شوق ازحد تھا - تلوّن مزاجی اور غصہ کا یہ عالم تھا کہ وزرا اور ہم جلیسوں کی جان ہتیلی پر رہتی تھی - اراذل کا ہر وقت گرد ہجوم رہتا تھا - انگریزی طرز معاشرت کے دلدادہ تھے - چنانچہ اکثر انگریزی لباس زیب بدن ہوتا تھا حتی کہ ٹوپی بھی انگریزی پہنتے تھے - مے نوشی حدِ اعتدال سے متجاوز ہوکر بلائے جان ہوگئی تھی - رفتہ رفتہ قوائے جسمانی کمزور اور قوت اشتہا زائل ہونے لگی - اسی اثنا میں ۳ ربیع الآخر ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء دھنیا مہری نے جو مقرب خاص وہمراز تھی طمع دنیوی سے بادشاہ کو زہر دیکر کام تمام کردیا ۔ ۳۵ سال کی عمر پائی اور دس برس ۵ روز سلطنت کی - اپنی کربلا میں جو گومتی کے اُس پار بنائی تھی دفن کئے گئے - اور خلد منزل خطاب پایا - اس قلیل مدت سلطنت میں محاصل ملک کے علاوہ ۲۰ کرور روپیہ منجملہ اندوختہ متروکہ جد امجد نواب سعادت علیخان مرحوم صرف میں آیا - تاریخ رحلت سے

رفت شاہِ جہاں سلیمان جاہ	سوئے جنت ز بارگاہِ اودھ
ہاتفے گفت از سرِ افسوس	بارم رفت بادشاہِ اودھ

آپ کے حقیقی چچا نواب نصیر الدولہ محمد علی شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے۔ اگرچہ حضرت کی والدہ نواب بادشاہ محل صاحبہ نے فریدون بخت مناجان کو تخت نشین کر دیا تھا لیکن چونکہ بادشاہ اُنکی تبنیت سے انکار کر چکے تھے رزیڈنٹ نے اُنہیں تخت سے اُتار کر نواب نصیر الدولہ کو اورنگ نشین کر دیا۔ اور بیگم صاحبہ اور مناجان کو بجرم بغاوت چنارگڈھ میں نظر بند کر دیا۔

حاصل کلام یہ کہ طبیعت موزوں رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی اُردو اور فارسی میں بھی شعر گوئی کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ اُن کی اُردو کی یہ غزل بہت مشہور ہے۔ فارسی کے بھی چند اشعار تذکرۂ آفتاب عالمتاب اور روز روشن میں نظر سے گذرے۔

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے	کہ ساقی لئے ساغرِ مشکبو ہے
سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری	جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے
جتاؤں میں کیا اپنا حالِ پریشاں	عیاں زلفِ دلدار سے موبمو ہے
چلو قبرِ فرہاد پر فاتحہ کو	مگر آبِ شیریں سے لازم وضو ہے
نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے	یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے
گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا	نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے
ستایا ہے ناحق ہمیں تو نے ظالم	یہ انصاف اللہ کے روبرو ہے
کیا چاک وحشت نے ایسا گریباں	نہ بخیہ کے قابل نہ جائے رفو ہے
شفق سبز کے ہوتا ہے گردوں پہ ظاہر	یہ کس کشتۂ بیگنہ کا لہو ہے
عبث مجھکو ہنس ہنس کے دیتے ہو گالی	زباں کو سنبھالو یہ کیا گفتگو ہے
اگر آپ سے بولا شبِ وصلِ جاناں	چھری اور مرغِ سحر کا گلو ہے
رہے سایۂ پنجتن بادشاہ پر	خداوندِ عالم نگہباں تو ہے

پارسا

پارسا۔ منشی منفیض پارسا شیخ احمد سرہندی کی اولاد میں تھے۔ غدر سے ۲۰-۲۵ سال پیشتر دہلی کے مدرسے میں مدرس حساب تھے۔ گاہ گاہ شعر ریختہ بھی کہتے تھے۔ انہیں بزرگ کی تحریک سے

غازی الدین خان کے مدرسے میں جو اجمیری دروازہ کے باہر واقعہ ہے مجلس مشاعرہ کی بنا پڑی مدت تک یہ مشاعرہ نہایت رونق سے جاری رہا مشاہیر شعرائے پایۂ تخت مثل شاہ نصیر۔ مومن ذوق۔ آزردہ۔ غالب۔ شیفتہ۔ صہبائی اور اُنکے تلامذہ رشید جمع ہوکر دادِ سخنوری دیتے تھے۔ شاہ نصیر نے لکھنؤ میں بعض شعرائے نامی کی تحریک سے دو غزلیں کہیں تھیں جنکی ردیف اور قافیہ یہ تھا۔ نفس کی تیلیاں۔ دہن تپھر کے جب اکثر شعرائے دہلی نے ان زمینوں میں غزلیں کہیں۔ توشاہ نصیر کو یہ امر بہت ناگوار ہوا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس زمین میں پچاس غزلوں کے قریب کہکر اپنے تلامیذ کو دیدیں۔ اور اس جلسہ کے بعد یہ التزام ہوا کہ ہر مشاعرہ میں طرح کی غزل کے علاوہ یہ طرح بھی برابر جاری رہی۔ الحاصل کئی ماہ تک تیلیوں کی ردیف پر غزلیں ہوتی رہیں۔ یہانتک کہ صدہا غزلیں اس زمین میں لکھی گئیں۔ شاہ نصیر مرحوم کی تلاش قابل صاد اور لایق داد ہے۔ کہ وہ ہربار ستر اسّی شعر کا دو غزلہ پڑھتے تھے۔ ان کے علاوہ شاگردوں کی بھی غزلیں ہوتی تھیں۔ خاقانی ہند ذوق نے بھی اسی زمین میں ایک بڑا قصیدہ مرزا ابوظفر ولیعہد (جو بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوئے) کی تعریف میں کہکر سرمشاعرہ پڑھا۔ انجام کار باہمی نزاع کیوجہ سے بزم مشاعرہ درہم وبرہم ہوگئی اور اسکے بعد دہلی میں اس رتبے کا دوسرا مشاعرہ نہ ہوا۔ جناب پارسا کے یہ دو شعر دستیاب ہوئے۔

نت ہے فریاد و فغاں گریہ وزاری ہے مُدام	کاش انساں نہ ہمیں حق نے بنایا ہوتا
کوئے الفت کے خاکسار اے دل	مثل آئینہ صاف طینت ہیں ہم

پارسا۔ منشی محرم علی پارسا۔ رندانہ مشرب بیباک وضع آدمی تھے۔ شعر گوئی میں مرزا صابر سے اصلاح لیتے تھے۔ یہ اُنکا کلام ہے ۔

جو دیوانے ہیں اُس پریرو کے	اُن کو کیا کام ہوشیاری سے
نام کو پارسا ہوں میں لیکن	مست ہوں نرگسِ خماری سے

پاکباز۔ میر صلاح الدین عرف پیر مکھن خلف شاہ کمال نبیرۂ شاہ جمال شاگرد مصطفےٰ خان یکرنگ شاہ مبارک آبرو کے بڑے عزیز دوست تھے۔ چنانچہ بعض اشعار میں بطور کنایہ اسطرف اشارہ کیا

سے ہے۔ اور یہ سچ بھی آبرو نے اُنکے نام کا کیا خوب کہا ہے۔ "عالم ہمہ دروغ است و محمد لکھن" ان سے تین ہزار بیت کا دیوان یادگار ہے۔ آدمی یارباش خوش وضع اور شکیل تھے۔ اکثر وقت ظرائف اور ریاضت میں صرف کرتے تھے۔ یہ آپ کے کلام کا نمونہ ہے۔

مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب	خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب
چھوڑوے گھر سے نکلنا ورنہ او بانکی ادا	آجکل تلوار چلتی ہے تری رفتار پر
تلوار ڈھال کیونکہ کریں ایک دم جُدا	اس عاشقی میں رکھتے ہیں بہتو سے لاگ ہم
جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں یہ ہم کہاں	تو تو سجن ہمیشہ ہوا افسوس ہم نہیں

پذیر۔ منشی محمد عشرت خان دہلوی۔ ان کے والد نوازش حسین خاں تنویر اچھے شاعر تھے۔ یہ خود دہلی کی عدالت میں سررشتہ دار رہے۔ اپنے والد کے ہمراہ نیپال بھی گئے تھے۔ ۱۲۶۶ ہجری سال ولادت ہے۔ مندرجہ ذیل کلام آپ سے منسوب ہے۔

سیماب کی طرح کسی کروٹ نہیں قرار	خانہ خراب ہو دلِ پر اضطراب کا
آنکھوں کو شوقِ دید نے نرگس بنا دیا	جب سے بندھا خیال ہے اُس مستِ خواب کا
جب ہو یار تو اُس جینے سے مرنا بہتر	تو بھی کچھ کیا ہے تری ادا دلِ بیمار صلاح
دل سے ہے بیتاب وہ آتا کسی صورت سے نہیں	کچھ تو دے آج تو او ناصحِ غمخوار صلاح
کیا کیا ہیں بشر جینے پہ نازاں کوئی دن کے	سامان تو برسوں کے ہیں مہماں کوئی دن کے
حال اُس سے کہوں یا ملک الموت کو دم دوں	دم لب پہ جب آیا تو وہ لینے خبر آئے

پروانہ۔ راجہ جسونت سنگھ مرحوم معروف بہ کاکاجی ابن مہاراجہ بینی بہادر نائب نواب شجاع الدولہ شاگرد لالہ سروپ سنگھ دیوانہ۔ ظاہری وجاہت اور حسن اخلاق کے باعث اپنے ہمعصر امرا میں ممتاز تھے ایک تذکرہ میں تو اُنکی خوبصورتی کی یہانتک تعریف لکھی ہے۔ کہ جوان یوسف مثال تھے۔ اور ایک زمانہ زلیخا وار انکا دیوانہ اور فریفتہ تھا۔ استعداد علمی بہت معقول تھی کچھ غزلیں میر مرحوم اور مصحفی کو بھی دکھائیں تھیں۔ ۱۷۸۹ء میں لکھنؤ میں شان و شوکت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ صاحبِ دیوان تھے

کلام بہت پاکیزہ اور عمدہ ہے خوش فکر اور طبّاع امیر تھے۔ ہندی کبت خوب کہتے تھے اور ارباب کمال کے بڑے قدردان تھے حضرت جرأت کا انتقال اُنکے زمانہ میں ہوا چنانچہ اُنھوں نے تاریخ وفات کہی ہے کہو جنت نصیب جرأت ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کے کتب خانے میں ان کا دیوان موجود تھا۔ ۱۸۵۱ء میں انتقال کیا کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کیا کیجئے ہمدم کہ اُسے دیکھ کے ہم تو
ہر چند سنبھالے رہے پر دل کو غش آیا

کرتے تو کیا قتل پہ خوں بہتے جو دیکھا
ٹھہرا نہ گیا سامنے قاتل کو غش آیا

آئینہ ساں ہے صاحب جوہر کو زخم غم
اس دور میں تو عیب و ہنر دونوں ایک ہیں

جو کثرت میں وحدت سدا دیکھتے ہیں
بتوں میں وہ نور خدا دیکھتے ہیں

جو وہ تیغ ابرو ہیں خونریز ایسے
تو اکثر یہ گردن جدا دیکھتے ہیں

پھسلتا ہے پائے نگہ اسپہ ہر دم
ترے رخ کی جب ہم صفا دیکھتے ہیں

مقرر یہاں غیر آتا ہے شب کو
ترے گھر میں ہم نقش پا دیکھتے ہیں

جدا ہے جو پروانہ اُس شمع رو سے
نہایت دل اُسکا بجھا دیکھتے ہیں

چشم بد دور پری ہے کہ کوئی حور ہے تو
سر سے پا تک جو تجھے دیکھیں اک نور ہے تو

لاکھ تدبیر کریں ہاتھ کوئی آتا ہے
اپنے نزدیک تو اے جان بہت دور ہے تو

بحر ہستی میں ترا جسم ہے مانند حباب
تپہ اکدم کی ہوا کھانے پہ مسرور ہے تو

اُسکی ہمچشمی انہیں آنکھوں نے بس دی نرگس
تجھ کو بینائی سے بہرہ نہیں معذور ہے تو

تن بدن میں جو لگی آگ تو اے پروانہ
کیا کرے اپنے جلا دینے میں مجبور ہے تو

ضعف ہے غش ہے ناتوانی ہے
بن ترے موت زندگانی ہے

کون مدفون ہے چمن میں صبا
جسکی تربت پہ گل فشانی ہے

پوچھتے اب ہو مرغ دل کا حال
کب سے وہ جنت آشیانی ہے

آپ نے رات چھپکے پی ہے شراب
رنگ چہرہ کا ارغوانی ہے

آہ پروانہ شمع سے لیکن
زور اس میں شرر فشانی ہے

ایدل تو نڈر حلقۂ گیسو سے کسی کے
یہ سانپ ہیں کیلے ہوئے جادو کسی کے

دل یار سے اور درد مرے دل سے کبھی ہی
جانے کا نہیں اب تو یہیں پہلو سے کسی کے

تڑپتے جو دیکھی ہیں لاشیں تو دل اب
ترے کوچے کو کربلا جانتا ہے

کہتی ہے عندلیب چمن میں پکار کے
اپنے بھی دن پھریں جو پھریں دن بہار کے

جسنے دیکھا اُسے کیا سجدہ
غرض اُس بت نے بھی خدائی کی

قطعہ

دیکھ تو ہم سے راست بازو نے
تونے آخر یہ کج ادائی کی

ہمسے رکھکر غبار خاطر میں
جاکر اغیار سے صفائی کی

اے دل آزار تو ہی کر انصاف
ہے یہی طرز دلربائی کی

عہد کیا کیا تھے اور قول و قرار
آہ لیکن بھی بے وفائی کی

سدا ہے جام سے شرمندہ چشم مست سے تیری
صراحی بھی خجل ہے اس تری تصویر گردن سے

ایک دن دیکھا نہ تو عاشق کی غمخواری کرے
بیوفا تجھسے کوئی کب تک وفاداری کرے

کوچۂ گیسو میں دل کو ڈھونڈئیے
کیا ہوا گر راہ کا کچھ پھیر ہے

نسیم آہ نے شاید کسی کے کی تاثیر
شگفتگی سی ترے غنچۂ دہاں پر ہے

پروانہ

پروانہ - منشی پروانہ علی مرادآبادی - رند مشرب - آزاد منش جوان اور اوائل میں منشی مراد علی حیرت کے شاگرد تھے پھر قیام الدین قائم سے تلمذ اختیار کیا - اکثر کلام باواز بلند کوچہ و بازار میں شعر پڑھتے پھرا کرتے تھے - آخر کار دیوانے ہوگئے - آخر اٹھارویں صدی میں حیات تھے۔

ہمت حضرت قائم سے اگر ہو امداد
چند ایام میں کر لیجئے دیوان درست

کیوں میاں پروانہ ہوئے جل کر ڈھیر
پھر بھی کسی شعلہ رو کو چاہئے

کیونکہ پیغام مجھے اُسکا زبانی آوے
نام سنتے ہی مرا جسکو گرانی آوے

جھوٹ کہتا ہے تو قاصد یہ زبانی پیغام
مجکو باور نہیں جب تک نہ نشانی آوے

پرویز

پرویز۔ منشی مرتضےٰ خانصاحب پرویز لکھنوی شاگرد حکیم سید علی ضامن صاحب شوق ابن جناب میر علی اوسط صاحب رشک لکھنوی آپ سنہ ۱۸۷۴ء میں حیات تھے اس سے زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ یہ چند اشعار آپ کے نتائج افکار سے ہیں۔

ترا احسان ہو دورِ فلک میں زندگی بھر کا — ہمیں ساقی جو دے ساغر شرابِ روح پرور کا
کسی صورت نہیں ہٹتی نہیں کھلتے رخ و عارض — نقاب یار پردہ ہوکا ہوا سدِ سکندر کا
سرائے دہر حیرت زا مسافر سب ہیں وہ دن کے — بنا ہے شکل عبرت دیکھو آئینہ سکندر کا
نہ کیوں عشاق ٹھنڈی سانسیں بھر بھر کے مر جائیں — چراغوں کو بجھا دیتا ہے جھونکا بادِ صرصر کا
دمِ تزئین وہ خود بیں دیکھکر صورت کو کہتا ہے — خدا کی شان ہے میرے آگے آئینہ سکندر کا
ترس کھایا تڑپنے پر نہ کچھ پرویز کے اے بت — بتا بہرِ خدا تیرا کلیجہ کیا ہے پتھر کا

پرویز

پرویز۔ منشی سید یوسف حسین صاحب شاگرد مولانا بیدل آجکل حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں۔ اور وہاں کے نومشق شعرا میں گنے جاتے ہیں یہ کلام کا رنگ ہے۔

ہوتی کیونکر دلنشیں تیری نصیحت ناصحا — دل میں تھے رخنے ہزاروں اور سینہ چاک تھا
سوزنِ تدبیر سے کیونکر رفو ہو چارہ گر — دامنِ تقدیر جب ہاتونے اُنکے چاک تھا
کوئی واعظ سے پوچھے آپ کو کیا — جسے چاہا اُسے ہمنے دیا دل

پرویں

پرویں۔ لالہ انگ رائے نائب محافظ دفتر کچہری فرخ آباد۔ غالباً نواب کلب حسین خاں صاحب نادر سے تلمذ تھا عرصہ ہوا انتقال کیا۔ کلام حاضر ہے۔

تیرے وصال کی نہ کبھی آرزو کریں — کیوں داغدار دل کو ہم اے لالہ رو کریں
دل کیوں جلائیں جان کو کیوں کھوئیں بے سبب — تجھ کو کبھی نہ پیار ہم اے لالہ رو کریں
مانگا جو ہمنے بوسۂ شیریں تو ناز سے — بولے وہ ہنس کے آپ نہ یہ آرزو کریں

پریشان

پریشان۔ پنڈت منولال صاحب دہلوی شاہ نصیر کے فیض تلمذ سے بہرہ ور اور اپنے ہمعصروں میں نامور تھے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

خوباں کی ادا کوئی کب ناز سے خالی ہے	ہر بات پہ جھڑکی ہے ہر حرف پہ گالی ہے
ہم آئیں تو اُٹھ جاؤ غیر آئے تو آ بیٹھو	یہ وضع نئی جاناں کیا تم نے نکالی ہے

پریشان

پریشان - مولوی رشید محمد واجد خلف شاہ تراب الحق - آپ داناپور پٹنہ کے پیرزادوں میں تھے اور مولوی ذاکر علی ذاکر بنارسی کے تلمذ سے بہرہ ور۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ چند شعر ملے جنکا انتخاب درج ذیل ہے

دل بنا ہے سنگِ مقناطیس مجھ ناشاد کا	تا نہ طرف غیر جائے تیر اُس صیاد کا
خوب اے شیخ ریاکار بنا ہی توبہ	دل میں وہ بت ہے زباں پر ہے الٰہی توبہ

پریشان

پریشان - شیخ محمد نیاز علی پریشان ابن شیخ رجب علی ساکن قدیم سندیلہ مقیم اکبرآباد۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر کے شاگرد و صاحب تذکرہ شعراء سخن و مثنوی سرمایۂ عشق ہیں۔ ۱۸۶۶ء میں اڑتیس سال کی عمر تھی۔ اور اکبرآباد میں مشاعرہ کیا کرتے تھے یہ اُنکا کلام ہے۔

نگاہیں پھیر کر صاحب تو بندے سے خفا ٹھیرے	تمہارے تیر کچھ کیں اور نشانے کی خطا ٹھیرے
بہاؤ چار آنسو بھی جو ہمکو قتل کرتے ہو	ملالِ خاطرِ نازک ہمارا خوں بہا ٹھیرے
کچھ ایسے پاؤں بہکے رہروانِ دشتِ الفت کے	بھٹک کر بتکدہ کی راہ سے کعبہ میں آٹھیرے

پنڈت

پنڈت - پنڈت دیارام کشمیری خلف پنڈت روپ چند۔ نواب عماد الملک غازی الدین خان وزیر کی رفاقت میں باعزاز و آبرو زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اُنکی جاگیر کی دارالریاست فرخ آباد میں زیادہ تر قیام رہتا تھا۔ فارسی کلام میں حافظ غلام محمد آزاد سے مشورہ لیتے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں فروغ پایا آپ کے کچھ شعر مولوی قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے انتخاب ہوکر درج کیے گئے

اُس نے ابتک ادھر گذر نہ کیا	آہ نے آہ کچھ اثر نہ کیا
کیا تو نے خراب خانۂ دل	اے صنم کچھ خدا کا ڈر نہ کیا
جان سے ہم گذر گئے لیکن	کبھی تو نے ادھر گذر نہ کیا
آیا جو وہ گل تو گل چمن میں	پھولے نہ سمائے پیرہن میں
اے جان اگر چلا تو یہ جان	تجھ بن نہ رہے گی جان تن میں

پہنچی ہیں جو لب کی تیری باتیں
بیقدر عقیق ہے یمن میں

لایا جو وہ جوئے شیر تو کیا
اُستاد تھا تیشہ کے وہ فن میں

آنکھوں سے بہاتا خوں کا دریا
طاقت یہ کہاں تھی کوہکن میں

اب تم بھی تو کچھ سلیقہ پنڈت
پیدا کرو شعر اور سخن میں

کیونکر دل اُس پر شیدا نہ ہووے
جس کا کہ ثانی پیدا نہ ہووے

اک عمر سے ہے زلفوں کا لٹکا
ڈرتا ہوں دل کو سودا نہ ہووے

سن سن کے ہمارے آہ و نالے
نالاں ہیں پاس رہنے والے

دیکھا ہے وہ جب سے لالہ رخسار
جینے کے پڑے ہیں ہمکو لالے

ہوتی ہیں مژہ کی برچھیاں پار
وہ شوخ ادھر جو دیکھے بھالے

بالا ہی بتاوے سرو بالا
ہیں کان میں جب سے پہنے بالے

ہم پر بھی نگاہ ڈالے پنڈت
اُس بت کے خدا یہ دل میں ڈالے

پورن - منشی پورن سنگھ کایستھ ساکن شاہجہان آباد - نواب سعادت یار خان رنگین کے تلامذہ میں مشہور اور شہر کے نامور اطبا میں انکا شمار تھا۔ سنسکرت سے بخوبی ماہر اور بالخصوص فن ویدک (طب) میں اپنے زمانے میں بےمثل سمجھے جاتے تھے۔ گاہے گاہے تفنن طبع کے طور پر شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء سے دس بارہ برس پیشتر انتقال فرمایا۔ یہ ان کے اشعار ہیں۔

ہم نام رہائی سے بیزار ہیں اے ہمدم
دل چاہ زنخداں میں ہے جب سے اسیر اپنا

شمشیر تو وہ ابرو اس دل پہ چلا بیٹھے
چھوڑا ہے نگہ ظالم تو بھی کبھی تیر اپنا

اس رہ میں روا رو ہی لازم ہے سدا پورن
سامان سفر رکھے طیار فقیر اپنا

پیچ و خم کاکل میں مت جا تو دل شبکو
اس راہ میں تو چلکر ہووے نہ خجل شبکو

پہنچا - ان بزرگ کا نام معلوم نہیں ہوا۔ مسٹر ایلف فیلن اپنے تذکرہ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت فردوس آرامگاہ کے عہد میں دہلی میں رہتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ہندو تھے

بعض سے کہتے ہیں کہ مسلمان تھے - یہ تین شعر اُنکے ہیں۔

ہر چند کہا دل کو اُسنے نہ کہا مانا	پھر دیکھا تو بیجا ہے دیوانیکا سمجھانا
چمن میں نکتہ کہا جب صبا نے تجھ لبکا	دہن جو گل کا کھُلا تھا مُندا نہیں تب کا
زلف کو کہنا پریشاں عقل کی دُوری ہے	ہر گرہ میں اُسکے دل ہے گانٹھ کی پوری ہے

پیام

پیام - شرف الدین علیخاں پیام سراج الدین علیخان آرزو کے شاگرد اور اکبر آباد کے رہنے والے تھے تذکرہ نویسوں نے انہیں طبقۂ دوم کے شعرا میں مانا ہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں فروغ پایا۔ تاباں کے دیوان میں انکی تاریخ وفات موجود ہے۔ فارسی میں بھی صاحب دیوان تھے۔ اور ضروریاتِ فن سے باخبر۔ فکر صائب و طبع رسا رکھتے تھے۔

	قطعہ	
دلی سے کج کلاہ لڑکوں نے ہو		کام عشاق کا تمام کیا
ایک عاشق نظر نہیں آتا		ٹوپی والوں نے قتل عام کیا
تم ہو بوس و کنار کی صورت		ہم ہیں امیدوار کی صورت
بے نوا ہوں زکاۃ حسن کی دے		او میاں مالدار کی صورت ہو
بات منصور کی فضولی ہے		ورنہ عاشق کو آہ شولی ہے

پیام

پیام - مرزا حیدر بیگ مغل پورہ من مضاف دہلی کے باشندے - اور اوائل میں وہیں رہتے تھے۔ دہلی میں شادی ہوجانے کے باعث یہاں آرہے تھے۔ غدر سے چند سال پیشتر کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے اوائل مشق کا کلام حاضر ہے۔

اس آہ بے اثر نے کیا کچھ نہ کچھ اثر	کل پوچھتا تھا میری گلی کا نشاں وہ شوخ
دیکھا تو کیا جوابِ نزاکت کہ کل پیام	بیتاب ہوگیا تر اسنکر فغاں وہ شوخ
مرجائے بھی کوئی تو تاسف نہ ہو اُسے	پالا پڑا ہے آن کے کس سنگدل کے ساتھ
میرے نالوں سے ہوا سینۂ گردوں افگار	کہ پڑا شام و سحر خون شفق ٹپکے ہے

پیر

پیر - منشی مہاراج سنگھ ساکن متھرا - ذات کے چوبے اور جائے تعجب ہے کہ بہت کم خوراک تھے۔ خط شکستہ

کی تحریر میں اچھی مہارت حاصل تھی۔ اوائل میں جوان تخلص کرتے تھے۔ پھر پیر تخلص اختیار کیا۔ دہلی قبل از غدر اکثر آیا کرتے تھے۔

رات دن کا ہے ترا مشغلہ آرائشِ زلف	اس سے کیا تجکو کہ ہے حال پریشاں میرا
میں وہ خاکستر افسردہ ہوں جوں صبح کہ پیر	داغ خورشید ہے اک اخگر سوزاں میرا
قبر پر فریادیوں کے اپنے تو ہرگز نہ جا	تیرا پیچھا کب چھٹا اس خاکِ دامن گیر سے

پیر جی

پیر جی - پیرجی قمر الدین صاحب دہلوی۔ شاگرد نواب اسد اللہ خان غالب و سالک مرحوم۔ کتب فروشی اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ ۱۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

رہ و رسم و محبت سے خبر تمکو نہیں اصلا	ٹھکانا زاہدوں کیا ہے تمہارے دین و ایماں کا
پیر جی عشق میں گھلے ایسے	اُڑ گیا گوشت رہگیا چھلکا
پوچھتا کیا ہے شب مجھکو ہوئی کیونکر بسر	رات بھر چھاتی پہ رکھا ہے تری تصویر کو
وہ کیا غیر سے رشتہ مہر توڑیں	کہ یہ بھی نزاکت کے شایاں نہیں ہے
مرے دل کو کس طرح سے ہو مسرت	کہ اس بزم میں ہائے رضواں نہیں ہے
ہر اک شعر اس کا ہے گنجِ معانی	مقرر یہ غالب ہے شاداں نہیں ہے

تاب

تاب - پنڈت مہتاب رائے دہلوی - آپ کا اصلی وطن کشمیر تھا مگر کئی پشت سے دہلی میں خاندان کی سکونت تھی - استعداد علمی معقول اور شعر نہایت اچھا کہتے تھے - انیسویں صدی کے شروع میں حیات تھے - لِنکے یہ دو شعر فرط شہرت سے انکی طباعی اور نکتہ سنجی کے کافی گواہ ہیں -

خُو ہوتی ہمیشہ سے تمہاری اگر ایسی	تو کاہیکو نبھتی مری اسے فتنہ گر ایسی
یا تنگ نکر ناصحِ ناداں مجھے اتنا	یا چلکے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

تاب

تاب - میر حیدر قوال ولد میر محبت علی ساکن پانی پت - غدر سے دس بارہ برس پیشیر دہلی میں رہتے تھے - فن موسیقی کو عالم شباب میں ایک درویش کامل وسرم داس نامی سے جو اس فن میں عدیم النظیر تھے حاصل کیا تھا - نکاتِ فن سے کامل واقفیت کے علاوہ نہایت خوش گلو اور خوش لہجہ تھے - آواز میں غضب کا درد تھا - شعر گوئی کیطرف بھی کبھی توجہ ہو جاتی تھی - یہ دو شعر مرزا صابر کے تذکرے سے منتخب ہو کر درج ہوئے -

میں تو تھا عاقل زمانے کا یہ الفت کے طفیل	کوئی سودائی کہے ہے کوئی دیوانہ مجھے
کثرتِ دل ہر شکن میں دیکھ غیرت سے مُوا	آفتِ جاں ہوگیا زلفوں کا سلجھانا مجھے

تاب

تاب - مرزا الطاف حسین اشرف تاب گورگانی - خلفِ مرزا امداد اشرف - غدر کے چھ مہینے بعد انہوں نے ظاہر ہو کر حکام سرکار انگریزی سے مدد معاش چاہی بعد تحقیقات پچاس روپیہ ماہوار پنشن مقرر ہوئی اور اور جزیرۂ موروی سوگن کو بھیجے گئے - یہ ایک شعر انکا ہے -

دیا ہے ہمنے دل اے تاب کس بھیڑ کو دیکھو	کہ پروا ہو نہ اُسکو اور اُسپر اپنا دم نکلے

تاباں

تاباں - میر عبد الحی دہلوی، سلسلۂ نسب انکا حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام تک پہنچتا ہے - یہ دلی میں پیدا ہوئے - ایسے حسین وجمیل تھے کہ لوگ انکو یوسفِ ثانی کہتے تھے - دلی میں ان کی خوبصورتی کی یہ شہرت ہوئی کہ ایک بار خود شاہ عالم بادشاہ انکے دیکھنے کے مشتاق ہوئے - حبش خاں

کے پھاٹک کے پاس مکان تھا اور وہ بڑا دروازہ جو کوچہ ندکور سے لاہوری دروازے کے بازار میں نکلتا ہے اُس کے بالاخانے پر انکی نشست تھی (یہ مکان ابتک موجود ہے)۔ ایک روز بادشاہ سوار ہو کر اس راہ سے نکلے۔ انہیں بھی اسکی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی۔ بازار کی طرف مونڈھا بچھا کر آ بیٹھے۔ بادشاہ جب اس مقام پر پہنچے تو اسلئے کہ سواری ٹھیرا نے کو ایک بہانہ ہو آبِ خاصہ مانگا اور اُسے نوش فرما کر دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ میر تاباں حُسن یوسفی کے ساتھ عاشق مزاج بھی تھے۔ قاسم نے انہیں تیسرے طبقے کے شعرا میں لکھا ہے۔ یہ اپنے زمانے میں ہر دلعزیزی کے باعث امرا اور رؤسا کے جلسوں کی جان سمجھے جاتے تھے۔ اور معمولی حیثیت میں بھی امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ رنگین مزاج ایسے تھے کہ کوئی میلا تماشا بغیر جائے نہ رہتا تھا۔ شوق بھی اپنے تذکرے میں انکی حسن و خوبی اور خندہ جبینی کی تعریف کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ابتدائے جوانی میں انکو اسقدر میگساری کا شوق ہوا کہ شب و روز مست مخمور رہنے لگے۔ اس وجہ سے سخت بیمار ہوئے اور افسوس کہ عرصے قلیل میں وہ آفتاب تاباں افق ظلمت سے ہمکنار ہوا اور اپنی رحلت سے جہان کو تیرہ و تار کر دیا۔ میر تاباں حضرت میرزا مظہر جانجاناں علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ فن سخن میں کئی استادوں سے فیض پایا تھا۔ شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے میں جہاں اپنے تلامذہ کا ذکر کیا ہے اس زمرے میں انکا نام بھی لکھا ہے اور خود انکے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے میر محمد علی حشمت سے بھی اصلاح لی تھی۔ شیفتہ کا قول ہے کہ تاباں مرزا رفیع سودا کو اپنا کلام دکھاتے اور اُنکی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ انکا لباس اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ جو اُنکی دلکش شکل اور جامہ زیب بدن پر نہایت بھلا معلوم ہوتا تھا۔ قدیم تذکروں میں انکے حسن و جمال اور طرز معاشرت کی خوب خوب حالات لکھے ہیں۔ فیلن صاحب کہتے ہیں کہ میر تاباں ۱۷۹۵ء میں بقید حیات تھے۔ بہر حال انہوں نے عالم شباب میں دہلی میں انتقال کیا۔ فن سخن میں بھی نامور ہوئے۔ صاحب دیوان تھے۔ اور زبان خوب کہتے تھے۔ خصوصاً معاملے کے اشعار نہایت صاف ہوتے تھے۔ دیوان انکا میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اسمیں سے اشعار ذیل منتخب ہوئے۔

اے مرد خدا ہو تو پرستار بتاں کا
مذہب ہی میں مرے کفر ہے انکار بتاں کا

مجھے آتا ہے رونا ایسی تنہائی پہ اے تاباں
نہ یار اپنا نہ دل اپنا نہ تن اپنا نہ جاں اپنا

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا
جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا

بلبلو کیا کرو گے اب چھٹ کر
گلستاں تو اجڑ چکا کب کا

یاں پلک بھی نہ ہم سکیں جھپکا
ایسا قاصد تو جائیو لپ کا

جفا پہ اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا
تری بلا سے مری جی پہ جو ہوا سو ہوا

پنائی خاک بھی تاباں کی ہمنے پھر ظالم
وہ ایک دم ہے ترے روبرو ہوا سو ہوا

رخسار و زلف میں ہے اُس گلبدن کے مجھکو
مانند شمع و شبنم لیل و نہار رونا

تبسم دیکھ اُس غنچہ دہن کا
جگر ٹکڑے ہوا ہے ہر کلی کا

تاباں تو رشتۂ غم و اندوہ توڑ اب
تارِ نگہ میں اشک کے موتی پرو چکا

میں خواب میں دیکھا ہے اُسے مہندی لگاگے
کیا جانئے کس کس کا لہو آج بہے گا

تاباں فلک سے کیونکہ بھرے ساغر مراد
رہتا ہے واژگوں یہ پیالہ حباب کا

کس کس طرح کی دلمیں گذرتی ہیں حسرتیں
ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا

اُڑا دے صبا خاک میری اگر تو
تو کوچہ میں اُس بیوفا کے ہی لیجیا

حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ بتکدہ میں شیخ
کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا

اخگر کو تہ خاک چھپا رکھیں ہیں دیکھ بجھا
تاباں تو تہ خاک بھی جلتا ہی رہیگا

خزاں تک تو رہنے دے صیاد ہمکو
کہاں یہ چمن پھر کہاں آشیانا

ترے غم سے لبیاں ہے یانتک کہ مجکو
اُدھر بات کہنی اُدھر بھول جانا

کمی کیا مے کی ہو جاویگی میخانہ میں اے ساقی
اگر ہمکو پلا دے گا کبھی اک جام کیا ہوگا

اسباب جہاں کی تو ولا فکر نہ کر تو
حاصل نہیں کچھ اسمیں بجز رنج و مشقت

یہ وہ بت ہیں جنھوں نے رام عالم کو کیا اپنا
کوئی انسے لگا کر دل چھڑا سکتا ہے کیا قدرت

ہنستا ہے گل چمن میں تو نالاں ہے عندلیب
وہ دل خوشی نہ دیکھے کبھی اس جہاں کے بیچ

دیکھو اسکو خواب میں جب آنکھ کھل جاتی ہے صبح
کیا کہوں میں کیا قیامت مجھ پہ تب لاتی ہے صبح

آگے تو اپنے حسن پہ مغرور تھا ہی تو
اب چاہنے سے میرے ہے دونا ترا گھمنڈ

ہجر میں ساقی کے یارو جب کبھی آتا ہے ابر
تب ہمارے سر پہ کیا روز سیہ لاتا ہے ابر

جو عاشق مرے عشق کی راہ میں
کرو کوچۂ یار میں اسکی قبر

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

منصور کو ہوتی نہ اگر دار سے سیڑھی
تو راہ وہ پاتا ترے دیدار کی کیونکر

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں برنگِ شعلہ
کوئی جاں سوختہ جلتا ہے تہِ خاک ہنوز

دیکھ قاصد کو مرے یار نے پوچھا تاباں
کیا مرے ہجر میں جیتا ہے وہ غمناک ہنوز

دل مرا بسکہ ہے لبیکِ حرم سے بیزار
جا کے بتخانہ میں سنتا ہے صدائے ناقوس

پالکی بھی سب مجھے خدا نے دی
تو بھی تاباں رہا میں خانہ بدوش

کسی سے اسلئے کرتے نہیں ہیں ہم اخلاص
کہ ہے نفاق زمانہ میں اب ہے کم اخلاص

ان بتوں کو تو مرے ساتھ محبت ہوتی
کاش بنتا میں برہمن ہی مسلماں کے عوض

ماہ پہونچے ہے کہاں منہ کی جھلک کو تیرے
وہ بھی ہر چند کہ روشن ہے پہ یہ نور نہیں

کوئی دن دیکھنے دے موسم گل
ارے صیاد پھر بہار کہاں

گلشن میں بیٹھنے کو تمہارے دہن کے ساتھ
کھولا تھا منہ کو کلیوں نے پر کچھ نہ بولیاں

سودے میں گذرتی ہے کیا خوب طرح تاباں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

سن فصلِ گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں
کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

انجان ہو تو اس سے کوئی دردِ دل کہے
جو جانتا ہو میں اسے آگاہ کیا کروں

ذرا اے گل نہ آیا رحم اس صیاد کے دل میں
رہی حسرت چمن کی بلبلِ ناشاد کے دل میں

اسی کا کام تھا جو بات کہکر جی دیا اپنا
نہ آیا کچھ بھی دھڑکا جان کا فرہاد کے دل میں

مرے نزدیک شادی اور غم دونو برابر ہیں
کوئی عاشق ہوا اسپر تو اسکو قتل کرتا ہے
یہاں تک تپش ہے عشق کی مجھ میں کہ بعد مرگ
مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہونچے
تیرے کمند زلف کے ملک بہ ملک ہیں اسیر
گر اُٹھے شعلۂ سوز جگر پروانہ
جو بخشتہ مغز ہیں سو سوز دل نہیں رکھتے
عاشق کے واقعہ کو کیا سُنکے یار نے
اے باغباں اب تو جاتے ہیں ہم قفس میں
جاتی ہے عمر ہر دم ہمکو خبر نہیں ہے
نہ تجھے شرم بے وفائی ہے
ظالم میری وفا کا جو لیتا ہے تو حساب

کہ اصلاً غم نہیں ہوتا کبھی آزاد کے دل میں
ترحم کچھ نہیں تاباں مرے جلاد کے دل میں
گل بھی مرے مزار پہ گل کر گلاب ہو
ٹک تمکو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہونچے
بسمل خنجر نگاہ جنانہ کو بہ کو
آپ سے آپ جلیں بال و پر پروانہ
کبھی اُنے شمع سے جلتے میں کچھ سُنا بھی ہے
مرنے نہ دیا اسکو جو ہوتی خبر مجھے
چھوٹے تو پھر ملیں گے گر بال و پر رہینگے
کیا جانئے کہ کبتک ہم بے خبر رہینگے
نہ مجھے طاقت جدائی ہے
اپنی جفا و ظلم کا بھی کچھ شمار ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
کروں دعوے خوں میں قاتل سے اپنے
میں شکوہ کروں جور ظالم کا لیکن
اسیری سے یاں تک ہوئی اب تو الفت
مقرر نہیں کوئی تاباں کا مذہب

مجھے بات کرنے کی طاقت کہاں ہے
کب آئے گی یارب قیامت کہاں ہے
مجھے آہ و نالے سے فرصت کہاں ہے
کہ شام قفس ہمکو صبح چمن ہے
کہیں ہے مسلماں کہیں برہمن ہے

علاج دلفگاراں ہے تری آنکھوں کی مخموری
تجھے اے ماہرو میں شمع سے تشبیہ دوں کیونکر
کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے
محفل کے بیچ سُنکے مرے سوز دل کا حال

کہ صد نافع ہے زخمی کے تئیں صہبائے انگوری
کہ کچھ نسبت نہیں ہے اسکو وہ ناری ہے تو نوری
آہ اس بات میں میری بھی تو رسوائی ہے
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جوں شمع زباں میری
یاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری

تو مے پی اسقدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہووے
ترا بیہوش ہوجانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

قیامت مجھپہ کل کی رات اسکے ہجر میں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی
بیخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجکو خمار شب کا۔ لا صبح ہوئی
شیشہ میں جو کچھ کہ مے ہے باقی ساقی

آتش عشق کی کب ہے دلِ بیتاب کو تاب
قایم انارہ بھی سیماب کہیں ہوتا ہے

سبھی فعلوں سے کہا تاباں کے ناصح
وہ جانے اور اسکا کام جانے

تضمین

میں تیرے عشق سے ازبسکہ کفر میں آیا
طریق مسجد و بتخانہ ایکسا سوجھا
تمام خلق سے مشہور ملحد و بیدیں کیا
دیا ہے قتل کا قاضی نے بھی مرے فتویٰ

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آکہ خوش تماشائیست

مری حیرت کی صورت دیکھ آئینہ ہوا حیراں
مری فریاد سن سنکر جرس بھی ہے سدا نالاں
مرے افسردہ دلکو دیکھکر کمہلا گئیں کلیاں
مری واسوختگی کو دیکھ ہر شب شمع ہے گریاں

مری بیتابیوں کو دیکھکر جلتا ہے پروانہ

تاباں

تاباں - مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں خلف الرشید نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب مرحوم خلف اکبر نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر مغفور رئیس لوہارو ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ علوم مشرقی میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں۔ فن سخن میں پہلے نواب حسین علیخان شاداں مرحوم سے تلمذ اختیار کیا پھر حضرتِ داغ سے مستفید ہوئے۔ آپکے دو دیوان مرتب ہوچکے ہیں۔ کچھ عرصے سے ریاست حیدرآباد میں بھی وظیفہ خوار رہے، اب دہلی میں خانہ نشین ہیں۔ میرزا باقر علیخان کامل خلف متبنیٰ حضرتِ غالب کی بیٹی انکے نکاح میں ہیں۔ آپ کا منتخب کلام اچھا ہوتا ہے۔ مشاق اور ر

زود گو ہیں اور کم و بیش جملہ اصناف سخن میں دخل رکھتے ہیں۔ شطرنج کا شوق ہے اور اچھا کھیلتے ہیں راقم تذکرہ کے ولی عنایت فرما ہیں زبان صاف بندش درست ہے۔ طبیعت میں آمد غضب کی ہے۔ اور کیوں نہو شبانہ روز یہی مشغلہ ہے۔ اپنی نازک خیالی اور شاعری پر فریفتہ ہیں۔ کلام کا جو انہیں کا عطیہ ہے انتخاب درج ذیل ہے۔

لیا ہے پہلے دل اب جان لیلے
کریگا اور الفت آزما کیا

ہوا تاباں کو جینا مرنے سے بدتر جو یاد آیا
طلب کا جاں بحق ہونا دہر مغفور مائل کا

ارمان رہے نکل سکے شبِ وصلِ یار میں
پہ نکلے نہ رہ سکے دلِ امیدوار میں

آئینہ سے بھی رشکِ رقابت ہے کس لئے
وہ بھی تو دیکھتا ہے بناؤ سنگار میں

تا استواریاں ترے وعدہ کی ہو وفا
ہیں استوار وعدۂ نا استوار میں

پریشاں کر چکی ہیں میری آہیں
یہ ممکن ہے کہ وہ غیروں کو چاہیں

تلوّن انکا شیوہ ہو گیا ہے
محبت ایک سے کیونکر نباہیں

کیا زخمی مرے دل کو جگر کو
چلیں ہیں تیر بن بنکر نگاہیں

نہ آیا راہ پر وہ شوخ ہم سے
نکالیں سینکڑوں ملنے کی راہیں

دھرا کیا ہے بجز اسکے تنِ زارِ محبت میں
کہ ہے تارِ نفس الجھا ہوا تارِ محبت میں

کسی پر مر مٹے ناصح تو اسکو حال کھل جائے
کہ کیونکر رات دن کٹتی ہے افکارِ محبت میں

ہوا ہے سب سے بیگانہ زمانہ میں یگانہ ہے
عجب وارفتگی پاتا ہوں سرشارِ محبت میں

کہتے ہو تم کہ مجھسا جہاں میں حسیں نہیں
آئینہ دیکھکر بھی کہوگے کہیں نہیں

تری شوخیاں اور مری حسرتیں
سرِ بزم سب کچھ بیاں کر چکیں

نگاہیں تری اُسپہ پڑنے لگیں
نگہبانیاں پاسباں کر چکیں

وعدہ وہ وعدہ ہے جو وقت پہ ایفا ہو جائے
یوں تو ہر ایک سے وہ وعدہ کیا کرتے ہیں

نظر آگیا جو وہ جلوہ نہیں ہے
اُسے دیکھنا کچھ تماشا نہیں ہے

جو اُس بت کی چوکھٹ کو چوما تو بولا
یہ کعبہ نہیں ہے کلیسا نہیں ہے

ہاتھ سے وضع دیدیے ہی بنی
غیر سے آشتی کیے ہی بنی

وہ جو روٹھے شراب بھی چھوٹی
مَن گئے جب کبھی پیے ہی بنی

دل کے لیتے ہی دین بھی مانگا
جو کہا اُس نے وہ کیے ہی بنی

آج تاباں سے متقی کو بھی
دُرد آلودہ مے پیے ہی بنی

ابرو کی تیغ سے سرِ مقتل لٹا مجھے
مرجاؤں نہیں تو بن کے مسیحا جلا مجھے

خیالات زاہد کو ہیں دور کے
مزے چل کے جنت میں لو حور کے

یہ ہونا ہے اکدن کہ تجھے چھوڑ کے بیٹھیں
کب تک ترا کہنا دلِ ناشاد کرینگے

یہ دعائیں مانگتا ہوں مَر دل میں آرہی
آپ کا تیرِ نظر خنجر بنے اور ٹوٹ جائے

جفا پر وفا مجھ وفادار کی
زبانوں پہ بن کر کہانی رہے

تو ہی بتا دے ناصحِ ناداں میں کیا کروں
دل اختیار میں ہے نہ وہ اختیار کے

تاباں

تاباں - منشی احمد خاں خلف منشی عباد اللہ خان متوطن خورجہ ضلع بلند شہر - آغا شاعر دہلوی سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں - طرزِ جدید میں بھی فکر کرتے ہیں - اگرچہ ابھی نو مشقی کا عالم ہے مگر طبیعت تیز اور ذہین ہے اگر کہے گئے تو اچھی ترقی کر جائیں گے - زبان کی صفائی کی طرف توجہ زیادہ ہے - صاف شعر کہتے ہیں - ۱۸ برس کی عمر سے فکر کرتے ہیں ۲۶ برس کی (۱۹۰۸ء) عمر ہے اور گوالیار امپریل سروس انفنٹری میں کپتان ہیں - یہ آپ کا کلام ہے -

گھر کر گئی ہے دل میں یہ کچھ لذتِ ستم
ڈرتا ہوں ہو نجائے وہ بت مہرباں کہیں

یہ مقتضائے طرزِ تمدن ہے ورنہ شیخ
دوزخ کہیں ہے اور نہ باغِ جناں کہیں

یاروں کی ایک چال تھی یہ بھی ڈرو نہیں
دنیا میں حشر کرتی ہیں آہ و فغاں کہیں

کیا پوچھتے ہو جیتے ہیں مرنے کی آس پر
وہ دن خدا دکھائے کہ آئے قضا کبھی

بسم آپ شوق سے سر کاٹ لیجیے
پھیریں گے منہ نہ تیغ سے اہلِ وفا کبھی

آج وہ برگشتہ مژگاں غیر کی محفل میں ہے	ہائے کیا چبھتا ہوا کانٹا ہمارے دل میں ہے
سُنا منصور کا قصہ تو مجھ سے ہنس کے فرمایا	گنہ گارِ محبت کے لئے یہ بھی سزا کم تھی

تابش

تابش - محمد جعفر نام - انکا اصلی وطن الہ آباد تھا مگر غدر سے بیس پچیس برس پیشتر دہلی میں آن رہے تھے جوانی میں معقول عہدوں پر ممتاز رہے - موزوں طبع تھے اور اسطرح کہتے تھے -

کبھی بن بادہ رہ نہیں سکتے	تو یہ کچھ ہمکو سازگار نہیں
دل میں خوش ہیں عدو پرائے تابش	وہ ستمگر کسیکا یار نہیں

تابش

تابش - محمد عبدالباری نام، خلف منشی سید محمد قاسم مرحوم، مولد و مسکن صاحب گنج گیا ہے عمر ۱۹ سال کی ہے - فارسی بقدر مناسب جانتے ہیں اور ہنوز زیر تعلیم ہیں - حافظ محمد عبدالرحمن بسمل سُنہاروی کے حلقۂ درس میں داخل ہیں - منشی سید مہدی حسن سازش جونپوری خلف اوسط مولوی حکیم سید اولاد علی کاہش جونپوری کے نواسے ہیں - اُنکے والد بھی شاعر تھے اور قمر تخلص کرتے تھے - وہ مولوی فصیح احمد حشر بتہیوی سے اصلاح لیتے تھے - تابش کو عرصہ قلیل سے شعر گوئی شوق ہوا ہے - خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی شاگرد شیخ محمد جان شاد پیرو میر سے تلمذ ہے - ایک غزل اُنکی ہمیں ملی، اُسمیں سے یہ شعر منتخب ہوئے -

صاف انکار سے وعدہ تو نہ ٹالا ہوتا	معذرت کا کوئی پہلو بھی نکالا ہوتا
اور کیا تھا جو میں دیتا عوض اک بوسے کے	نقدِ دل پیشکش خدمت والا ہوتا
عشق کرنا تھا حسینوں سے اگر اے تابش	پہلے اپنے دلِ نالاں کو سنبھالا ہوتا

تاثیر

تاثیر - خواجہ محمد جان صاحب لکھنوی شاگرد نسیم دہلوی - عرصہ ہوا انتقال کیا - کچھ غزلیں نظر سے گزریں اُنکا انتخاب حاضر ہے -

بال کھولے ہوئے زلفوں کی پریزاد آیا	دام بردوش چمن میں مرا صیاد آیا
بتکدے سے طرفِ کعبہ چلے ہم آخر	ایسا اُس بت نے ستایا کہ خدا یاد آیا
ہے وہ تیزی کہ تصور نے بنایا بسمل	آپ کا خنجر ابرو جو مجھے یاد آیا

خوب ہشیار کیا اُسکے تغافل نے مجھے
بھولا وہ بت مجھے ایسا کہ خدا یاد آیا

ستاتے ہیں لحد میں مری برباد کرتے ہیں
ستم ایجاد اب تک یہ ستم ایجاد کرتے ہیں

وہ بلبل ہیں ہمیں صیاد جب آزاد کرتے ہیں
عوض شورِ مبارکباد کے فریاد کرتے ہیں

نشانِ جسم تک باقی نہیں ہے ناتوانی سے
عبث تدبیرِ محبوسی مرے صیاد کرتے ہیں

واقف ہے دردِ دل سے مگر خوب وہ حسیں
کیوں پوچھتا ہے پھر سببِ انتشارِ دل

تاثیر

تاثیر - لالہ کنھیا لال ولد لالہ کیول کشن باشندہ فرخ آباد - منشی سید اسمٰعیل حسین صاحب منیرؔ کے تلامذہ خوش فکر سے تھے - ایام غدر میں حیات تھے - زیادہ حال معلوم نہو سکا - یہ انکے اشعار ہیں

خنجر سے دل کے سینکڑوں ٹکڑے جو کر دیئے
میرا کلیجہ بڑھ گیا اے گل ہزار ہاتھ

ہاتھوں کو ناچ میں جو مکرر اُٹھائیے
دریائے حسن آپ کا بڑھ گیا چار ہاتھ

تاثیر کوئے دامنِ قاتل نہ چھو سکا
دوڑائے بسملوں نے عبث بار بار ہاتھ

تاثیر

تاثیر - حافظ محمد حسین دہلوی - غدر سے پیشتر دہلی میں موجود اور خدابخش خاں تنویرؔ کے شاگرد تھے - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ کلام ہے -

وہ ہوا پاس تو قابو میں دل اپنا نہوا
ہائے مطلب تو ہوا حسبِ تمنا نہوا

بیمار کیا اور بھی اِس کم نظری نے
ظالم ہمیں مارا تری بیدادگری نے

بتخانے کے خیال نے کعبہ جھکا دیا
الفت بتوں کی لائی کہانسے کہاں مجھے

تاثیر

تاثیر - حکیم محمد حسن خاں - سنام ریاست پٹیالے کے رہنے والے اور موجودہ کے شعرامیں ہیں - آپکو غالباً مولانا شوکت سے تلمذ رہا ہے - کلام ملاحظہ ہو:

وصالِ یار سے بڑھکر ہے لذت سوزِ فرقت میں
مزہ پاتا ہوں دوزخ میں مرا جاتا ہوں جنت میں

چراغ مہر لیکر ڈھونڈھنے کو مہر نکلا ہے
مری گم گشتہ قسمت کو غبارِ شامِ غربت میں

آبلہ پا ہوں مجھے چھوڑا ہے کیوں گلزار میں
لیجیلو مسکن ہے میرا وادیٔ پرخار میں

کیوں نہ آجائے قیامت کھیلتی بازار میں
خود اُلجھتے آرہے ہیں اپنی ہی رفتار میں

تاج

تاج - منشی محمد تاج مقیم انبالہ - آپ کو مولانا شوکت میرٹھی سے تلمذ ہے - زیادہ حال معلوم نہو سکا - اب کلام ملاحظہ ہو -

پہلو میں رشک ماہ تھا دورِ شراب تھا	اک برج میں قِران مہ و آفتاب تھا
پل پل جب انگلیوں پہ گنے ہمنے روزِ ہجر	اپنے حساب تو وہی روزِ حساب تھا
سینے پہ بحرِ حسن کے ابھرا ہوا تھا کچھ	یہ قلزمِ شباب کا شاید حباب تھا
آنیسے یہاں کر کرتے ہو ایجابِ جاں نہیں	اے میرے یجانِ جانیں اب میری جاں نہیں
کیوں پست حوصلہ ہوں مقدر کے سامنے	ہے یہ تو شکوہ عدل کا داور کے سامنے
خورشید یوں ہے عارضِ انور کے سامنے	جیسے چراغ مہرِ منور کے سامنے
اس چاہ نے خدا سے مجھے سرنگوں کیا	کرتا ہوں سجدہ اک بتِ کافر کے سامنے
آنکھوں میں کس غضب کی ہے تسخیر سامری	افسوں چلے نہ چشمِ فسوں گر کے سامنے

تاج

تاج - سید عظمت شاہ صاحب رامپوری شاگرد منشی عابد حسین اوج رامپوری زمانۂ حال کے نو مشق لوگوں میں ہیں - یہ کلام کا انتخاب ہے -

میکشی سے خاک اب توبہ کریں	ایک دو دم زندگانی اور ہے
توبہ بھی کر لینگے ناصح پی تو لیں	کوئی دن کی یہ جوانی اور ہے
کیا ہوا گر حشر تک زندہ رہے	خضر عمرِ جاودانی اور ہے
فائدہ کیا جبہ و دستار سے	دین کی زاہد نشانی اور ہے

تاسف

تاسف - سید محمد حسن صاحب حضرت پوری تلمیذ حضرت عشق لکھنوی آپکا مطبوعہ دیوان موجود ہے - جسکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے - باوجود تلاش حالات دستیاب نہ ہو سکے - کلام سے یہ بات ظاہر ہے کہ شعر گوئی میں خاصی قدرت رکھتے تھے - مضمون کی طرف بھی طبیعت دوڑتی ہے نشست الفاظ اور انداز بیان بھی خاصہ ہے - اب کلام ملاحظہ ہو -

کیا ترحم آگیا کچھ دل کو تیرے وقتِ ذبح	ہاتھ کیوں چلتا ہے قاتل حلق پر رکتا ہوا

شعلۂ عشق سربلند رہا ۔ اُس پہ دل صورتِ سپند رہا

سوختہ قسمت ہوں ایسا مزرعِ اُمید پر ۔ برق گرتی ہیں اگر بارانِ رحمت مانگتا

آبِ رحمت سے بجھاتا گر نہ خالق روزِ حشر ۔ شعلۂ دل سے امان مہرِ قیامت مانگتا

وہ آگ دل میں لگی تھی تمہاری فرقت سے ۔ کہ ابرِ دیدۂ گریاں جسے بجھا نہ سکا

رخِ محبوب جب پیشِ نظر تھا ۔ چراغِ طور گویا جلوہ گر تھا

پسِ مرگ بھی حشر برپا رہا ۔ ہماری محبت کا یہ چرچا رہا

مسیحا کی صورت نہ آئی نظر ۔ مریضِ غمِ ہجر مرتا رہا

ہم تھے قریبِ مرگ کہ وہ مہرباں ہوا ۔ پیری جب آئی بخت ہمارا جواں ہوا

ہوا ممنون میں تیرِ نظر کا ۔ نشاں بھی اب نہیں دردِ جگر کا

شہرہ ہمارے قتل سے انکا سوا ہوا ۔ ناحق کا خون غازۂ تیغِ جفا ہوا

ہوا سے اُڑ گئیں زلفیں جو اُنکے روئے روشن پر ۔ ہوا مستو نمیں غل کالی گھٹا چھائی ہر گلشن پر

اے فلک جاؤں کدھر میں کوئے جاناں چھوڑ کر ۔ بلبلِ نالاں کہاں جائے گلستاں چھوڑ کر

رخسار سے بہم ہیں جو گیسو الگ الگ ۔ بل کھا رہے ہیں کیا یہ سیہ رُو الگ الگ

باندھا گلا کسی نے تو کاٹا کسی نے سر ۔ کرتے ہیں ظلم گیسو و ابرو الگ الگ

ہو کے ابرو نگہ سے تری بسمل قاتل ۔ لذتِ قندِ مکرر ہوئی حاصل قاتل

تیز بھوؤں سے بھی خنجر کو نہیں کرتا ہے ۔ حق نے پتھر کا بنایا ہے ترا دل قاتل

ہزاروں عاشقوں کا خون ہوگا وہ نکھرتے ہیں ۔ دھرا ہے سامنے آئینہ گیسو سنورتے ہیں

ہر جا ہے اُسکا جلوۂ رخ وہ کدھر نہیں ۔ پر جس سے دیکھ لیں وہ ہماری نظر نہیں

مضمونِ درد قابلِ شرح و بیاں نہیں ۔ تم جسکو سن سکو وہ مری داستاں نہیں

چرخ کو چکر زمیں کو زلزلہ لرزاں ہیں کوہ ۔ خوف میری آہِ سوزاں سے تمہیں لیکن نہیں

کیونکر نہ زندگی ہو بسر اضطراب میں ۔ دل پھنس گیا ہے کاکلِ پُر پیچ و تاب میں

تمہارے گیسو و خالِ جبیں کا وصف ہو کیونکر	نہ ایسا دام دیکھا ہے نہ اس انداز کا دانہ
محبِ اندوہ سے بہتر نپایا کوئی دنیا میں	بچھوڑا ساتھ مرنے پر اسے کہتے ہیں یارانہ
زلفِ سنبل اور ہے گیسوئے جاناں اور ہے	زلفِ پیچاں اور ہے زلفِ پریشاں اور ہے
بجائے اشک اب خونِ جگر آنکھوں سے بہتا ہے	الٰہی کس طرح کا درد ہے جو دل میں رہتا ہے
خلوت ہے کنجِ باغ ہے فصلِ بہار ہے	ساقی شباب آ کہ ترا انتظار ہے
یاد تیرے زلف و ابرو کی میں بھولوں کس طرح	پاؤں میں زنجیر ہے اور حلق پر شمشیر ہے
گلے سے لگانیکے قابل نہیں ہے	دلا ماہِ نو تیغِ قاتل نہیں ہے
تاسف وہ گل کیا ترے بس میں ہوگا	کہ قابو میں تیرے ترا دل نہیں ہے
کہتے ہیں وہ نظر مری تجھ پر رہا تو کی	لایق اگر وفا کے نہ تھا تو جفا تو کی
شکوہ کیا نہ آنے کا اُنسے تو یہ کہا	دل میں تمہارے یاد ہماری رہا تو کی
آہ ابتک کوئی نکلی نہ شرر سے خالی	اشک ٹپکا نہ کوئی لختِ جگر سے خالی
جُدا ہی کر دیا تیغِ جفا سے	بہت اچھی دوا ہے دردِ سر کی
تعلق دستِ وحشت کو ہوا اپنے گریباں سے	بہار آتے ہی جنگل کو چلے اُٹھ کر گلستاں سے

تاسف

تاسف - جناب ناصر الدین حیدر صاحب خورجوی ضلع بلندشہر۔

ناکام آرزوئے محبت کا کام کر	ابرو سے کام لے کوئی خنجر اگر نہ ہو
ہم اور ترکِ عشقِ بتاں واہ ناصحا	یہ تو کبھی نہ ہم سے ہوا عمر بھر نہ ہو

تائب

تائب - مولوی محمد حسین تائب برادر زادہ حقیقی مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔ فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے تلمذ سے فیضیاب تھے۔ شعر بہت کم کہتے تھے مگر سخن فہم اعلےٰ درجے کے تھے۔ دورِ موجودہ کے مشہور شاعر قاضی غیاث الدین خورشید آپ ہی کے شاگرد ہیں دس بارہ سال ہوئے انتقال فرمایا۔ یہ آپکا کلام ہے۔

مجھکو جب عہدِ وفا یاد آیا	اُسکو بھی شغلِ جفا یاد آیا

سکھے اس بت کو مشا کس کے | دیکھکر جس کو خدا یاد آیا
عہد پیری میں جوانی کی اُمنگ | آہ کس وقت میں کیا یاد آیا
پھر کتاں وار جگر چاک ہوا | پھر کوئی ماہ لقا یاد آیا

تابؔ

تابؔ۔ ان کا اور حال معلوم نہوا۔ صرف اسقدر واقفیت ہے کہ ۱۲۷۲ھ کے گلدستۂ شعرا میں ان کی غزلیں دیکھی گئیں انہیں کا انتخاب درج تذکرہ ہے۔ کلام کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی مشاق اور طبیعت دار تھے۔

غضب ہے یار ترے پھول سے بدن کی بہار | بنائے گی ہمیں دیوانہ اس چمن کی بہار
جو دیکھ پائیں عنادل ترے بدن کی بہار | نظر میں انکے ابھی خار ہو چمن کی بہار
دکھا رہا ہے عجب رنگ کوہ پر لالہ | پس فنا ہے عیاں خون کوہکن کی بہار
ضرور عارض گلرنگ تیرے دیکھے ہیں | نہیں سفید ہے بوجہ نسترن کی بہار
کسی روش نہ ریاض جہاں پہ ہو راغب | کہ پنج روزہ ہے تابؔ بس اس چمن کی بہار

وہ لڑکپن کی چال چلتے ہیں | بوسہ دینے پہ بھی مچلتے ہیں
ہم ادھر ہو رہے ہیں سینہ سپر | تیر مژگاں اُدھر سے چلتے ہیں
باغ دنیا میں وہ شجر ہیں ہم | پھولتے ہیں کبھی نہ پھلتے ہیں
ٹکڑے ہیں دامن و گریباں کے | خوب وحشت کے ہاتھ چلتے ہیں
ڈھونڈھتا ہوں اُنھیں جو اے تابؔ | خانۂ دل میں وہ نکلتے ہیں

تابؔ

تابؔ۔ مولانا حافظ شاہ احمد خان شاہجہانپوری عرف بدہن خاں خلف رن باز خاں عربی فارسی کے جید عالم اور سن رسیدہ آدمی ہیں۔ شاہجہانپور روہیلکھنڈ کے متوطن اور قوم کے پٹھان ہیں۔ ۱۲۵۳ھ سال پیدایش ہے اس حساب سے اب ۵۷ سال کی عمر ہے۔ بچپنے ہی میں عارضہ چیچک کی بدولت آنکھوں سے معذور ہوگئے۔ لیکن چونکہ حافظہ بہت درست پایا تھا اُستاد کی اندک توجہ سے حافظ قرآن ہوگئے۔ اسی طرح کتب درسیہ اکثر حفظ کرلیں۔ نواب غلام احسن خاں

رئیس سے فارسی پڑھی اور اُنھیں کے فیضان صحبت سے شاعری کیطرف توجہ ہوئی بعد فراغ تحصیل علوم درس دینا شروع کیا۔ اکثر منتہی طالب علم اُنسے درس پا چکے ہیں۔ سنہ ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ اسلامی بمبئی کے مدرسی کے واسطے طلب ہوئے مگر چند ماہ بعد ملازمت ترک کر کے اپنے ہموطن دوست معشوق علیخان صاحب جوہر کے پاس بھوپال چلے گئے۔ اُنکی وساطت سے نواب عالمگیر محمد خاں کی سرکار سے تیس ۳۰ روپیہ ماہوار اور خاصہ مقرر ہوگیا۔ ۶ ماہ وہاں قیام کیا اور طلبار کو درس دیتے رہے۔ ریاست میں باضابطہ ملازمت کا سلسلہ درپیش تھا کہ ناموافقت آب وہوا کے باعث علیل ہوکر وطن چلے آئے۔ اور پھر ۱۶ برس تک مدرسہ عربی کے ہیڈ مولوی رہے۔ اب بطور خود منتہی طلبار کو گھر پر درس دیتے ہیں۔ شعر کا بہت شوق ہے۔ شاہجہانپور کے شاعروں کی رکن رکین سمجھے جاتے ہیں۔ تصانیف میں دیوان اُردو کے علاوہ انشا مشہد عشرت نام بڑی ضخیم کتاب ہے جسمیں متعدد اقسام نثر کے نمونے دکھائے ہیں۔ آپ کے شاگرد بکثرت ہیں جن میں تحمل جلالپوری صاحب دیوان ہیں۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

داغ بیچارہ رہے دلمیں نہو کیونکر ساقی
نہیں چلتا کوئی فقرہ نہیں بنتا کوئی حیلہ

تنگ وجود مجھسا جہاں میں کہیں نہیں
کھینچے ہوئے ہیں چلہ گماں کی کمان کا

سر پہ نہیں یہ چرخ ہے اُڑتا ہوا دھواں
بلبل کے سوز دل نے بھڑک کر جلا دیا

بدتر کسیکی موت سے یوں زندگی نہو
برسیں ہوئیں سسکتے نکلتی نہیں ہے جان

دفتر مرے گنے گئے جو بے گرہ لگ گئے
غم نہیں تلخی دشنام نے گر زہر دیا

ساغر مے ہوا لالۂ گلشن اُن کا
یسان کوشش بیجا برنگ سعی باطل ہوں

آنسو کے پونچھنے کیلئے آستیں نہیں
چٹکی سے چھوٹتے کا خدنگ یقیں نہیں

چھالا پڑا ہے پاؤں کے نیچے زمیں نہیں
کلیاں قبای گل ہیں ہنیں آستیں نہیں

جیسا میں بدنصیب ہوں یارب کوئی نہو
مرجانا عاشقوں کا ترے دل لگی نہو

تیوری جو مغفرت نے چڑھائی ٹھٹک گئے
لب قاتل میں ہے اعجاز مسیحائی بھی

شہیدِ ناز کا مٹھی میں کسدن خوں بہا لائی شہادت کا تمسک شوخیِ رنگِ حنا لائی

گلا ہم سخت جانوں کا اجل سے کٹ نہیں سکتا چڑھا کر سان پر سو بار شمشیرِ قضا لائی

خدا کے سامنے ہوگا مرا ہاتھ اور ترا دامن جو اُس کوچے سے میری خاکِ برباد صبا لائی

تھے کدہر اسے مری آنکھو نئے گذرنے والے شیشۂ دل میں پری بن کے اُترنے والے

وے اگر اللہ دلِ انسان کو رکھدے اُسمیں داغ عشق کا سودا عطا کردے جو سر پیدا کرے

واہ ری قسمت کہ ہم پیدا ہوئے اس عہد میں عیب سے بدتر ہے گر کوئی ہنر پیدا کرے

رند کہتے ہیں خدا انساں سے پوشیدہ نہیں دیکھنے کے واسطے زاہد نظر پیدا کرے

بے خبر ہیں نہیں کچھ ہمکو خبر ہوتی ہے صبح ہوتی ہے کہاں شام کدہر ہوتی ہے

ضعف کا بعدِ فنا بھی یہ اثر ہے باقی میرے مرنیکی جو برسوں میں خبر ہوتی ہے

بیقراری سے دلِ مضطر کی کیا حاصل مجھے کرچکا تیرِ نگاہِ جانستاں بسمل مجھے

کچھ نہیں معلوم کس آفت کی ہے تاثیرِ حسن بھول جاتا ہے تجھے پاتے ہی میرا دل مجھے

ابر کے پردہ سے باہر آفتاب آنے کو ہے توڑ کر جوبن کی دیواریں شباب آنیکو ہے

رخصت اے وسوسۂ توبہ کہ ہے فصلِ بہار خیر مقدم ہوسِ بادہ کہ بادل آئے

شمع فانوس ہوئے بزم میں اندھیر ہوا تم جو آنکھوں میں لگائے ہوئے کاجل آئے

خوبرو یونہیں جلا کرتا ہوں تائب مثلِ شمع ہیں پری پیکر سمجھتے مشعلِ محفل مجھے

تائب

تائب - مولوی عبد القادر - مولانا شوکت میرٹھی کے شاگرد ہیں - قصبہ بوڑیہ ضلع انبالہ انکا وطن تھا اور ۱۸۸۴ء میں شملے میں آرمی پریس کے مالک تھے - یہ چند شعر انکے نتائجِ افکار سے ہیں -

کیا فائدہ سر لاکھ زمیں پر کوئی رگڑے پیشانی کا لکھا کبھی زائل نہیں ہوتا

طے ہو نہیں سکتے کبھی عرفاں کے منازل رہبر جو کوئی مرشدِ کامل نہیں ہوتا

تیغِ ابرو سے شہادت ہے مری قسمت میں مجکو دم دیتا ہے ہر دم دمِ شمشیر عبث

کب کسی کے یہ ہوئے ہیں بتِ بے پیر کہو جان پر کھیلتے ہیں عاشقِ دلگیر عبث

سیم و زر خاک کا ہے ڈھیر جو قسمت میں نہو
سنگ پارس ہے عبث نسخۂ اکسیر عبث

تابؔ

تابؔ ۔ منشی کھنولال صاحب خلف منشی جھاؤلال صاحب تلمیذ و نبیرۂ جناب واجب لکھنوی ملازم کوٹھی خزانہ میرٹھ بنک۔ آپ قوم کے کائستھ ہیں اور ریاست حیدر آباد سے بھی کچھ وظیفہ پاتے ہیں۔ عرصہ تک وہاں رہے بھی ہیں۔ دو تین چھوٹے چھوٹے رسالے جنمیں گانے کی چیزیں جمع کی ہیں تالیف کرکے شایع کرا چکے ہیں۔

اب کس طرح سے کہیے جیئے گا وہ غمزدہ
تابؔ کو تمنے دلسے بھلایا یہ کیا کیا

کھول کر بال جو وہ گیسوؤں والا نکلا
کوئی مجنوں کوئی مفتوں کوئی شیدا نکلا

قیس نے دشت میں دیکھا جو بگولہ اُٹھتے
دوڑ کر کہنے لگا ناقۂ لیلیٰ نکلا

چاہت میں جوانی ہوئی برباد ہماری
سُنتا نہیں اب بھی دلِ ناشاد ہماری

بیکار چبھوتا ہے مرے جسم میں نشتر
خالی ہیں رگیں خون سے فصاد ہماری

صحرا میں مجھے دیکھ کے مجنوں یہ پکارا
اس وقت مدد کیجیے اُستاد ہماری

دیکھئے کس کس کے ماتھے جائے کس کسکا ہو خوں
نیمچہ زیبِ کمر ہے ہاتھ میں شمشیر ہے

دل کھنچا آتا ہے میرا خود بخود آنکھوں کی راہ
ہائے کس کافر کی یہ جادو بھری تصویر ہے

کہتے ہیں جسکو تیرگیِ شامِ ہجر لوگ
سائے ہیں وہ فقط مرے بختِ سیاہ کے

مرے آپکے حسن و الفت کا قصہ
جہاں دیکھئے اب وہاں ہو رہا ہے

نہ کیونکر عاشقِ جانباز تیرا دل سے بندہ ہو
عجب اللہ نے اے بت تری صورت بنائی ہے

نہیں طاقت ہے مجھ میں دو قدم بھی راہ چلنے کی
کشش تیری محبت کی یہاں تک کھینچ لائی ہے

تبارک

تبارک ۔ ابو البرکات سید محمد تبارک حسین صاحب سہسرامی مقیم شہر کلکتہ تلمیذ حضرت داغ دہلوی۔ زیادہ حال معلوم نہیں یہ چند شعر اُنکے ہیں۔

اثر تجھ میں بھی گر اے نالہ ہائے بے اثر ہوتے
وہ کیچبر نام ہی کو مہرباں ہوتے مگر ہوتے

زمیں پاؤں کے نیچے سے سرک جاتی ہے ہجر میں
کسیکو بھی نہ دیکھا ہمنے حامی وقت پر ہوتے

فلک کو درد کیوں ہوا ہے دلِ درد آشنا میرا — کسیکے دلمیں کیوں پیدا ہو یہ میرا جگر ہوتے

تبسم

تبسم - شیخ الٰہی بخش لکھنوی ملازم حضرت واجد علیشاہ بخشی گری کی خدمت پر ممتاز اور منشی مظفر علی ہنر کے شاگرد تھے - عرصۂ دراز تک مٹیا برج کلکتے میں رہے ۱۸۸۴ء میں زندہ و سلامت موجود تھے یہ ان کا کلام ہے ؎

جس کا دل ہو نہ گرفتار اُسے قید کرو — مجکو دکھلاتے ہو تم زلفِ گرہ گیر عبث

باغباں اُنکے لئے پھولونکا زیور لیجپلا — غنچہ مٹھی میں نچھاور کے لئے زر لیچلا

رل چکے مٹی میں بھی ہم ہو چکے برباد بھی — اب کہاں یہ خاک اے چرخِ ستمگر لیچلا

بیکار نہیں ناخنِ تدبیر کسی وقت — کھلتا نہیں یہ عقدۂ تقدیر کسی وقت

اسقدر ہے اُسکے بسمل کو تڑپنے کی ہوس — خود بخود جھکتا ہے قاتل کے نمکداں کیطرف

انقلابات زمانے کے یہ دیکھے ہمنے — کل جو آباد تھی ہے آج وہ صحبت برباد

عشق کے ہاتوں سے گھر در سے اُٹھے بیٹھے ہیں — کرچکے صبر و شکیبائی و طاقت برباد

آرزو یہ ہے کہ وہ خوش رہیں آباد رہیں — اے تبسم ہوئے ہم حسن کی بدولت برباد

قانع وہ ہوں کہ میری قناعت یہ کہتی ہے — دستِ طلب ہو قطع بریدہ ہو پائے حرص

درد کیوں رکھے نہ حسن و عشق کا افسانہ شمع — شمع کا پروانہ کشتہ یار کی پروانہ شمع

رخ سے اُٹھا دیا ہے جو اُسنے نقاب کو — دن کر دیا ہے آج شبِ ماہتاب کو

لازم ہے راہِ عشق میں ثابت قدم رہے — رحمت خدا کی سمجھے بتوں کے عتاب کو

تبسم

تبسم - نواب سید علی محمد تبسم رئیس تحصیل مراد آباد - فن شعر کا بھی شوق ہے یہ چند اشعار انکے ہیں -

کب تک رکھو گے منہ کو چھپائے نقاب میں — کبتک رہے گا چاند سا مکھڑا حجاب میں

کہتے ہو پھر کہ ہمسے تعلق کسیکو کیا — لیتے ہو چٹکیاں دلِ خانہ خراب میں

کہتے تھے ہم بتوں سے لگاؤ نہ اپنا دل — آخر کو پھنس گئے نہ تبسم عذاب میں

تبسم - خواجہ مرتضیٰ حسین شاگرد حضرت داغ - پیام یار سے کلام نقل ہوا -

ہجر صنم میں مجھکو عجیب اضطرار ہے
عاشق کی زندگی ہو کہ معشوق کی وفا

کچھ یاس۔ کچھ اُمید ہے کچھ انتظار ہے
دنیا میں کب کسیکو ثبات و قرار ہے

تپاں۔ منشی سید ابرار حسین تپاں شاگرد منشی بشیر حسین نسیم بھرتپوری۔ طبیعت شوخ پائی ہے شعر مزیکا کہتے ہیں اور زبان اور بندش کا بھی خیال رکھتے ہیں فتحپور سیکری ضلع آگرہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کے اشعار آمد سے خالی نہیں ہیں۔ ولی کا رنگ ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ ترتیب تذکرہ کے وقت کچھ کلام موصول ہوا اُسمیں سے کچھ اشعار منتخب ہوکر درج ہوئے۔

عرض مطلب پہ وہ کہتے ہیں ابھی صبر کرو
چرخ سے ہے ہمیں شکوہ نہ رقیبوں سے گلا
ایک تم ہو کہ وفا پر بھی جفا کرتے ہو
بھولے بھالے ہیں حسیں جور و جفا کیا جانیں

ہائے کیا سہل سی تدبیر بتا دیتے ہیں
ہم تو بیٹھے ہوئے قسمت کو دعا دیتے ہیں
ایک ہم ہیں کہ ستم سہکے دعا دیتے ہیں
چاہنے والے ہی کمبخت سکھا دیتے ہیں

خلوت گزیں وہ رات سے دشمن کے گھر میں ہے
آساں نہیں ہے اُس بت بدخو کا سامنا
دونوں کی فکر رہتی ہے ہر حال میں مجھے
داغوں کی سیر دیکھئے پہلو میں بیٹھکر
سر مارتا ہے بادہ پرستوں سے رات دن
کہتا نہ تھا کہ غیر کی نیت پہ یوں نہ رو
اسی سے کرتے ہوا اقرار وصل کا مجھسے
تم اپنے وصل کے ارماں بھی ساتھ لیجاؤ
ترے خیال سے واعظ یہاں تو پی نہ سکے
رنگے ہیں میرے لہو میں کسی نے اپنے ہات
ولمیں دل دشمن کے ڈالا دوستی کے واسطے

بیتاب میری آہ تلاش اثر میں ہے
قاصد کا سر ہتیلی پہ ہے خط کمر میں ہے
تم ہو جو میرے دلمیں تو دشمن نظر میں ہے
اک باغ سا کھلا ہوا میرے جگر میں ہے
شوریدگی کمال کی واعظ کے سر میں ہے
اب درد میرے سر میں ہے یا تیرے سر میں ہے
یہی زبان عدو کے دہن میں دی ہوگی
پرائے مال کی ہمسے نہ چوکسی ہوگی
خدا نے چاہا تو کوثر پہ ڈٹ کے پی ہوگی
حنا بھی دیکھ کے دل میں بہت پسی ہوگی
جو نہ کرنا تھا کیا اُن کی خوشی کے واسطے

کاہشیں سی کاہشیں ہیں حسرتیں سی حسرتیں — لوگ کیوں مرتے ہیں ایسی زندگی کیواسطے

ہم سے اچھا ہے عدو؟ دیکھو خدا لگتی کہو — اپنا کیوں ایمان کھوتے ہو کسی کے واسطے

گواہِ خونِ عاشق اور کوئی تھا تمہیں کہدو — تمہاری آستیں محشر میں مارِ آستیں نکلی

شبِ غم تو بھی گھر جاتے ہوئے غیروں کے ڈرتی ہے — تجھے کمبخت ہمنے جب کبھی دیکھا نہیں نکلی

تپاں آنے میں آنا کیا جو وہ آئے دمِ آخر — تمنا میں تمنا کیا جو وقتِ واپسیں نکلی

تپش

تپش - مرزا محمد اسمٰعیل معروف بہ مرزا جان - ان کے والد مرزا یوسف بیگ دراصل بخارا کے رہنے والے تھے - مگر تپش کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی - نسبی سلسلہ سید جلال الدین جلال بخاری سے ملتا ہے - آپ طبقۂ دوم کے مشاہیر شعرا میں گذرے ہیں - بقول فیلن ۱۱۸۰ھ آپ کا سال ولادت ہے - آپ کو فن سخن میں خواجہ میر درد سے تلمذ حاصل تھا - اور زبان سنسکرت میں بھی فی الجملہ مہارت حاصل تھی - ایک کتاب شمس البیان - مثنوی بہار دانش اور ہندی میں ضرب الامثال کی کتاب ان کی تصنیف سے مشہور ہیں - سپاہی پیشہ مرد اور مرزا جہاندار شاہ جواں بخت ولیعہد کی سرکار میں افسر ہو کر اُنکے ہمراہ بنارس بھی گئے تھے - شعر سے دلی عشق تھا - چنانچہ زبان میں صفائی - فصاحت اور مضمون کی تازگی کلام کا لطف بڑھاتی ہیں ۱۸۱۲ء میں کلکتے میں موجود تھے - اُنکی مثنوی بہار دانش کا انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے - کلام میں درد ہے اور چونکہ

لگ گیا پہلو سے پہلو متصل دکھتا رہا — لگ گیا دکھنے سے جب پہلو تو دل دکھتا رہا

ہماری شمع نے دیکھی جو اشکباری رات — کٹی بچاری کو روتے ہی رو تمہاری رات

سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا — یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمہاری رات

ترا وہ نامہ جو تھا ہمنے کر رکھا تعویذ — سو بعد مرگ ہوا وہ ہی قبر کا تعویذ

نہ تیغ چل سکی مجھپر تو منفعل ہو کر — لگا یہ کہنے کوئی اُسکے ہے بندھا تعویذ

آئے تو ہو کہیں سے آخر ملے ولے تم — کیا ہو جو پھر مرے بھی لگجاؤ اب گلے تم

آواز میری سنکر غرفہ سے جھک کے بولا — کس واسطے کھڑے ہو دیوار کے تلے تم

جیوں کہا میں دیکھیے میرا تجھ سوا کوئی نہیں
سُنتے ہی بولا کہ ہاں سچ ہے ترا کوئی نہیں

تم تو کہتے ہو کہ دم کے بعد آجاتا ہوں میں
پر خدا جانے ہمیں دم کا بھروسا کچھ نہیں

دشنام کا نہیں کبھی انعام کا نہیں
خود کام وہ مرا تو کسی کام کا نہیں

ساقی سے ہے دور ہے شبِ ماہتاب ہے
لیکن یہی غضب ہے کہ تو مستِ خواب ہے

رشک سے تیرے لعل گلگوں کے
غنچے پیاسے ہیں اپنے ہی خوں کے

کس کی طرف سے آج تپش تجکو یاس ہے
سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اداس ہے

میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تجھ سے التماس
کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے

ناز سے انداز سے ہر دم نئی اک آن سے
دلربائی کا غرض تیار سب سامان ہے

شاعر اکثر آئینہ رو کہتے ہیں معشوق کو
لیکن آئینہ کو بھی دیکھا تو یاں حیران ہے

کبھی تو پاؤں کی ٹھوکر سے تیرے آشنا ہوتے
اگر خوابیدہ کوچے میں ترے جیوں نقشِ پا ہوتے

ہمیں تو اشک کے قطرے کا بھی ہے تھامنا مشکل
بھلے وہ لوگ ہیں جنکے تئیں دل تھام آتا ہے

قطعہ

ہر طرف آج ہے بسنت کی دھوم
سیر میں ہے ہر اک تماشائی

کتنے گل رو جو ہیں بسنتی پوش
جی میں کھٹکے ہے جنکی رعنائی

کہتے ہیں آن کے مجھے ہنس ہنس
دیکھکر میری ناشکیبائی

ہو مبارک تمہیں جنون تپش
پھر نئی رُت نئی بہار آئی

تپش

تپش - دہلوی - منشی یوسف علی تپش دہلوی - شاگرد مرزا قادر بخش صابر - خوش مزاج خندہ پیشانی شخص تھے - مرزا صابر کے تذکرے کی ترتیب کیوقت (۱۸۵۲ء) دہلی میں موجود تھے یہ انکا کلام ہے

غصہ اُٹھا اُٹھا کے یوں ہی بار بار کا
اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

اک روز اے تپش کوئی آفت اُٹھائیگا
حسرت سے دیکھنا یہ اُدھر بار بار کا

اضطراب دل سے کہتے ہیں تپش زِ جاں لی
روز کے جھگڑوں سے چھوٹا مر گیا اچھا ہوا

سب طرح پھنس گیا ہے مصیبت میں ہمدمو
آتا ہے رحم اس دلِ ناکردہ کار پر

دل کھنچتی ہیں اور کسی کو خبر نہیں	کرتی ہیں کام تیری نگاہیں نقاب میں
کوئی مرجائے یا کوئی تڑپے	وہ تو خنجر کو آزما بیٹھے

تپش

تپش - منشی غلام محمد خاں تپش سابق اوڈیٹر اودھ اخبار و مالک مشیر قیصر کئی برس تک نواب اکبر علی خاں - والیِ پاٹودی کی مصاحبت میں رہے - پھر پندرہ بیس برس تک مختلف مقامات میں اقامت گزیں رہے - اردو فارسی میں ملکۂ راسخہ حاصل تھا - اخبار نویسی میں اچھا نام پایا تھا - شعر بھی خاصہ کہتے تھے - زبان شستہ بندش درست ہے - لکھنؤ میں عرصے تک اودھ اخبار اور مشیر قیصر کے اڈیٹر رہے - دہلی کی زبان کی حمایت میں اکثر مضامین لکھا کرتے تھے سنہ ۱۸۹۰ء کے قریب انتقال کیا - یہ چند شعر اُنکے نتائجِ افکار سے ہیں -

زاہد و ذکرِ خدا ہم کیا کریں	ہے بتوں کی یاد ہر دم کیا کریں
اپنے غم میں مر رہے ہیں آپ ہم	غیر کے مرنے کا ماتم کیا کریں
میرے مرنے کی خبر سُنکر تپش	بولے وہ بیساختہ ہم کیا کریں
شکوۂ جور و ستم سنکے زباں سے میری	بولے وہ عشق میں جتنی ہو مصیبت اچھی
بھولکر مجلس رنداں میں نجانا واعظ	صحبت بد نہیں اک دم کی بھی حضرت اچھی
ہمیں آب خنجر سے دیں گے وہ تسکین	اگر شکوۂ تشنہ کامی کریں گے
ہوئے ایک جلوے میں بیہوش موسےٰ	تو کیا دعوے ہمکلامی کریں گے

تپش

تپش - مولوی سید مدد علی خلف مولوی میر نجف علی جعفری سبزواری بسنہ ۱۸۱۹ء سال ولادت تھا اور سنہ ۱۸۶۹ء میں اگرہ میں بود و باش تھی - فن شعر میں پہلے حضرت نظیر کے صاحبزادے خلیفہ گلزار علی کو چند غزلیں دکھائیں پھر مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے - فارسی اور اردو دونوں میں فکر کرتے تھے - شعر گوئی کا ملکہ اچھا تھا - اور صاحبِ استعداد تھے - خزینۃ القواعد - محاربات ہند - جغرافیہ منظوم - کئی رسالے ان سے یادگار ہیں سنہ ۱۸۶۹ء کے مشاعرے کی غزل کے چند شعر حاضر ہیں -

کبھی ناداں سے بنے ہم گاہ فخر الاذکیا ٹھیرے
کبھی رندِ شرابی اور کبھی ہم پارسا ٹھیرے

گدا تیرے کرم سے خسروِ حاجت روا ٹھیرے
تری دیوار کے سایہ تلے اگر ہما ٹھیرے

بسانِ دانۂ تسبیح جسکو ہو سدا گردش
قضا کے ہاتھ پھر کیونکر نہ اُسکا فیصلا ٹھیرے

غم و درد و الم رنج و مصیبت ساتھ ہیں میرے
خدا جانے یہ کس منزل پہ جا کر قافلہ ٹھیرے

رہوں چپکا تو کہتے ہیں زباں کیا تنگئی تیری
کبھی کچھ بولتا ہوں تو وہ شکوہ اور گلہ ٹھیرے

تجلّی

تجلّی - دہلوی - میر حسین عرف میر حاجی دہلوی - پسر میر حسن کلیم - شاگرد و خواہرزادۂ حقیقی ملک الشعراء میر تقی مرحوم - لیلی مجنوں کا قصہ اُردو میں نظم کیا تھا - طبیعت ظریف اور نکتہ سنجی کیطرف مائل تھی اپنے زمانہ کے مشہور شعراء میں سے تھے زبان بھی شیریں ہے اور کلام میں مزا ہے اور کہیں کہیں حضرتِ میر کا پرتو آشکارا ہے - دہلی میں بیگم کے باغ واقعہ چاندنی چوک میں رہتے تھے - یہ انکا کلام ہے ؎

مری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم
یہ سر یہ تیغ ہے اب تو اعتبار آیا

یہ شوق دیکھو پسِ مرگ بھی تجلّی نے
کفن میں کھولدیں آنکھیں سنا جو یار آیا

حال ہووے گا بھلا یا کہ بُرا ہووے گا
دل تو ہم دے چکے اب دیکھئے کیا ہوویگا

کر گلہ شکوہ کو موقوف میاں بس چُپ رہ
میں بھی بولونگا تو ناحق تو خفا ہوویگا

عشق میں تیرے تجلّی نے کیا ترک لباس
بے نوا وار سرِ راہ کھڑا ہووے گا

آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میر جاں
دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہُوا

عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلّی کو عبث
وہ بچارا کبھی اس کوچے میں آیا نہ گیا

یہاں تک گریہ میں روئے سحر تک
گلی کوچے میں پانی ہے کمر تک

تر دامن آگیا جو ہیں روزِ حساب میں
کہنے لگے بٹھاؤ اِسے آفتاب میں

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی
ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی

ہم زیرِ خاک لیکے جو یہ چشم تر گئے
اندھے کنوئیں بھی جتنے تھے پانی سے بھر گئے

لوگ اُسکی تو جفاؤں کی خبر رکھتے نہیں
بیوفا مجکو ہی کم ملنے سے ٹھہرانے لگے

حال تیرا اُسنے کیا کتا تجلی ہیں بھلا
وہ تو تیرے نام ہی کو سُنکے شرمانے لگے
وہ ابتو ہمیں بھول گئے ہیں یہ تجلی
جب ہم نہیں ہونگے بہت یاد کرینگے

تجلی

تجلی - تجلی علی شاہ ساکن حیدرآباد، نہایت نیک خصلت پاک طینت درویش مشرب تھے ؂

دامن کا کس کے عکس پڑا ہی کہ آجتک
پھیلا رہے ہیں سر و لب جویبار ہات

تجلی

تجلی - منشی محمد افضل خلف مولوی رجب علی - قوم کے شیخ صدیقی اور سندیلہ ضلع ہردوئی کے قدیم متوطن تھے - لیکن اِنکے دادا مولوی محمد مکین ۱۸۵۰ء میں بہ تقریب ملازمت آگرہ آئے اور پھر یہیں سکونت اختیار کرلی - ان کے بھائی ڈپٹی مولوی سید محمد حسن فیروزآباد کے تحصیلدار تھے - فن شعر میں مرزا عنایت علی بیگ ماہ سے استفادہ کرتے تھے آپ خود ۱۸۶۱ء میں آگرہ کی منصفی میں سررشتہ دار تھے - ۱۸۴۵ء سال ولادت اور یہ کلام کا انتخاب ہے -

مر بجاں آپ رُتبے میں مسیحا سے سوا ٹھیرے
تن بیجاں میں جان آئی سرِبالیں جو آ ٹھیرے
خریدے نقد جاں دیکر زلیخا حسن کا سودا
جو شہر مصر میں جا کر مرا یوسف لقا ٹھیرے
پری تمثال ہو خورشید وش ہو ماہِ کامل ہو
میں کیا تمکو بتاؤں تم مری نظروں میں کیا ٹھیرے

تجلی

تجلی - للہ جی متخلص تجلی شاگرد منشی بنیڈولال زار لکھنوی - واجد علیشاہ کے زمانہ کے شعرا لکھنو میں سے تھے - ۱۸۷۰ء تک حیات تھے - یہ اُنکا کلام ہے ؂

مختار ہے چاہے وہ مجھے دیکھے نہ دیکھے
آنکھ اپنی تو اُس رونقِ محفل سے لگی ہے
مرجائیے کچھ کھا کے یہی دل سے لگی ہے
کیوں آنکھ مری اُس بتِ غافل سے لگی ہے
صورت اُسے دکھلا دے ذرا سُنتی ہے لیلی
مجنوں کی نظر پردۂ محمل سے لگی ہے
لے آئے گی اگر روز اُسے میری طرف کو
شمشیرِ قضا قبضۂ قاتل سے لگی ہے
موسیٰ کو نظر آیا تھا جس دشت میں جلوہ
لو اپنی تجلی اُسی منزل سے لگی ہے

تجلی

تجلی - کنور شنکر دت صاحب دوبے بہادر تجلی - برادر راجہ جونپور - وسیم خیرآبادی سے اصلاح سخن لیتے ہیں - ۲۶-۲۷ برس کی عمر اور یہ کلام ہے -

مصحفِ رخ پہ لٹکتا ہے وہ گیسوئے سیاہ
بوسے قرآن کے لیتا ہے یہ ہندو ہوکر

کھیلتی ہیں تری آنکھیں دلِ عاشق کا شکار
صید شیرونکو یہ کرلیتی ہیں آہو ہوکر

لبِ ہر زخم سے نکلی یہ صدا بسم اللہ
دل میں بیٹھا جو ترا تیر ترازو ہوکر

کبھی آتا تو ہے تو اُسکی عیادت کیلئے
یہ برا بھی ترے بیمار کا حال اچھا ہے

تصویر ہے گھٹا مری چشمِ پرآب کی
تجلی سے ہے ایک مدت سے اضطراب کی

وہ مستِ ناز ہاتھ سے اپنے جو مے پلائے
پھر کس کو سوجھتی ہے عذاب و ثواب کی

تجلّی - منشی سید منتخب الدین - شاگرد مرزا ضیا گورگانی و حضرت داغ پہلے خمار تخلص کرتے تھے ۳۴ ۳۵ برس کی عمر ہے - اور کلام صاف ہے - زبان اور بندش بھی قابلِ ستایش ہے - معاملہ گوئی کا شوق ہے - طبیعت اس فن سے مناسبت رکھتی ہے - مشق جاری رہی تو امید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے

کلام ملاحظہ ہو -

سرخ ہو جائیں دشت کے کانٹے
جب مزا ہے برہنہ پائی کا

دیر سے زاہد میں کیوں جاتا وہاں
کیا حرم میں ہی خدا کا نور تھا

تارِ نظر سے دل کا ہوا ہے چارہ گر رفو
ہے زخم میرے دل پہ کسی کی نگاہ کا

خواہاں ہیں آپ دل کے تو حاضر ہے لیجئے
اس شرط پر کہ قول ہو پہلے نباہ کا

کیا بدحواس آئے ہو تم دل کو تھام کر
دیکھا اثر ستائے ہوئے دل کی آہ کا

شیخ کل میکدہ میں بیٹھا تھا
آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

جو تمہاری جفائیں سہتا تھا
وہ مرا دل مرا کلیجا تھا

دیکھکر اسکو کیوں تڑپتا تھا
اے دل مبتلا بتا کیا تھا

میں تو دل اپنا مفت دیتا تھا
کیوں نہ تمنے لیا برا کیا تھا

[illegible]

دشمن بنا ہے جال لگا میری وہ ہائے ہائے
اپنوں کو جس کے واسطے بیگانہ کردیا

حضرتِ دل زلف میں پھنسکر نکلنے کا خیال
توبہ توبہ ہے بہت مشکل رہائی آپ کی

شوخی غضب ہے قہر ہیں انداز یار کے
خواہاں کبھی ہیں دل کے کبھی جانِ زار کے

تجمل

تجمل - محمد عظیم بیگ۔ لکھنؤ میں رہتے تھے یہ حضرتِ جرأت کے شاگردی سے نامور تھے۔ ظریف اور شوخ طبع شخص تھے۔ یہ شعر اُنکے ہیں۔

سمجھنا سخت مشکل ہے مری شیریں مقالی کا
کوئی خسرو سے پوچھے لطف اس مضمونِ عالی کا

مزے کہاں سے اُٹھیں عیشِ زندگانی کے
دو ولولے نہ ہے عہدِ نوجوانی کے

کتابِ قصۂ فرہاد و دفترِ مجنوں
یہ دو ورق ہیں مری عشق کی کہانی کے

تجمل

تجمل - کسی لکھنؤ کے خوش فکر کا تخلص ہے جو قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی تیاری کیوقت وہاں بہ اطمینان زندگی بسر کرتے تھے۔ کلام سے زبان کی صفائی اور خوش گوئی ظاہر ہے کیا خوب کہتے ہیں۔

چلے سیر باغ کو وہ کوئی جسے رنج و غم سے فراغ ہو
اُسے لالہ زار سے کام کیا جسے سینہ اپنا ہی باغ ہو

شبِ ماہتاب میں ساقیا لبِ آبجوئی رواں نکل
عجب اک بہار ہو گر تجھے سر ذوقِ شرب ایاغ ہو

گل داغ داغ سے ہجر کے مرا سینہ رشکِ بہار ہے
ذرا تو بھی آن کے سیر کر جو ہوائے گلشن و باغ ہو

یہ وہ عشق خانہ خراب ہے کہ نہیں ہے اہلِ غرور کو
کوئی دن میں خاک نشیں کریں اگر آسمانپہ دماغ ہو

نہ کریں تجمل خوش سخن کسی زباں سے برابری
نہیں خوب بلبلِ خوش نوا جو چمن میں ہمسرِ زاغ ہو

تجمل

تجمل - حکیم تجمل رسول خاں تجمل - خلف ممتاز الدولہ نواب غلام رسول خاں دہلوی شاگرد آغا جان عیش - ایک دیوان اور قصہ طوطا مینا اور چند رسائل اِن سے یادگار ہیں مہاراجہ ہندو راؤ رئیس گوالیار مقیم دہلی کی سرکار میں بزمرۂ اطبا ملازم تھے - اکثر خطوط بہت عمدہ لکھتے تھے - اِس فن کو خاص محمد امیر پنجکش سے حاصل کیا تھا - ۱۲۹۲ھ میں بعمر پچاس سال انتقال کیا - یہ کلام کا نمونہ ہے -

رکھا رہے گا طاق پہ اعجازِ عیسوی
کشتہ ترے ستم کا جلایا نجائے گا

منظور ناصحا تری ساری نصیحتیں
پر اسکا دھیان دل سے بھلایا نجائیگا

مطلب ہزار دل میں ہیں پر اُسکے روبرو
سچ تو یہ ہے کہ لب بھی ہلایا نجائیگا

قطعہ

یہ سرخ بدکیش کو کیا کوسوں بچھوڑی اسنے
وہ نزاکت بھرے انسان وہ اہلِ تمکین

خوں رُلایا انہیں جلّادِ فلک نے کیا کیا	قطعہ	وہم سے کرتے نہ جو ہاتھ حنا سے رنگین
سو سو اٹکھیلی سے چلتی تھی جہاں بادِ نسیم		بادِ صرصر کا بھی دیکھا تو نہ تھا نام کہیں
آشیانے ہیں وہاں زاغ و زغن کے صدہا		تھے جہاں سینکڑوں طاؤس ہزاروں شاہیں
ہفت اقلیم میں اس شہر کی تھی دھاک بڑی	از فغان دہلی	کوئی دنیا میں نہ تھا شہر بسانِ دہلی
ہر گلی کوچہ تھا اس شہر کا صد رشک ارم		غیرتِ خلد تھا ہر ایک مکانِ دہلی
ہائے رے حُبِّ وطن صدمے اٹھائے کیا کیا		آپ بھی آن بسے لوگ میانِ دہلی
چشم نمناک دل افسردہ و صد پارہ جگر		بیٹھے اس طرح سے ہیں عمزدگانِ دہلی
اور مت آگ لگا شمع خیالِ جاناں		خود جلے بیٹھے ہیں دل سوختگانِ دہلی
ڈھونڈتی پھرتی ہیں آنکھیں ہر جا		کیا ہوئے اہلِ کمالِ دہلی

تجمل

تجمل ۔ حکیم تجمل حسین خاں ابن عبد العلی عظیم آبادی ۔ محکمۂ ڈاکٹری کے ہاسپٹل اسسٹنٹ ہیں دو دیوان ان کے آگرہ میں چھپے ہیں وہ نظر سے گذرے ۔ طبیعت تشبیہ و استعارہ کیطرف مائل ہے اور اس رنگ میں خاصہ کہتے ہیں ۔ چند شعر انتخاب ہو کر درج تذکرہ ہوئے ؎

بیاں مخلوق سے کب ہو سکے خالق کی قدرت کا	جو خود مصنوع ہو وہ کہہ سکے کیا راز صنعت کا
ہوئے کونین اک کُن سے تماشا ہے یہ قدرت کا	خدائی میں تری خالق کسے ہے دخل حجت کا
جُدا کب کُل سے ہے جز جز سے کب کُل ہے جدا یارو	عجب بیفائدہ جھگڑا ہے ہندو اور مسلماں کا
یارب نہ ہم سے پوچھ تو اپنے کرم کو دیکھ	غیر از سکوت کیا ہے گنہگار کا جواب
گردن تسلیم رکھدی جھکے مقتل میں دلا	یاس کی تیغ نگہ کا امتحاں ہونے کو ہے

تجمل

تجمل ۔ ڈپٹی سید تجمل حسین خاں صاحب رئیس فیض آباد و گونڈہ ۔ آپ کو حضرت اسیر لکھنوی کے بڑے صاحبزادے جناب سید غضنفر علیخان بہادر صولت جنگ متخلص بہ حکیم سے تلمذ رہا ۔ موزوں طبع شاعر اور اچھے مشاق ہیں ۔ زبان اور بندش بھی صاف ہے مگر درد ذرا کم ہے آپ کا مطبوعہ دیوان نظر سے گذرا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم و بیش جملہ اصناف سخن

میں آپ کو دسترس حاصل ہے۔ آپ عرصہ تک نواب گنج میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔ اب پنشن لیلی ہے۔ مطبوعہ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

خلیل اللہ کو نمرود نے چاہا جلا ڈالے
گلستاں بنگئی آتش ہوئے گل نار سے پیدا

وہ آدم ہی ہے بعد مرگ بھی جو عشق رکھتا ہو
نہیں جلتا ہے شمع مردہ پر محفل میں پروانہ

دیکھکر سینۂ صد چاک کو ظالم رویا
داغ جب عشق کا اُسکے مرے دل پر نکلا

دولت دنیا کی جب سے ہے ہوس
قبر میں جب ہاتھ خالی جائیگا

نہیں علم و ہنر جسمیں بہائم سے وہ بدتر ہے
وہی انساں ہے دنیا میں جسے کچھ بھی کمال آیا

کہے گا مسیحا نہ کوئی جہاں میں
نہ بیمار کی گر دوا کیجئے گا

ہوگیا آرام ہمکو رنج رخصت ہوگیا
موت کا آنا شب فرقت غنیمت ہوگیا

بتو نکے در پہ کئے سجدے سارے عالم نے
صنم کدہ تھا مگر کعبے کا جواب رہا

آنکھ کھلتے ہی ملا کنج قفس اے صیاد
پوچھتا کیا ہے کہ کب مجھسے گلستاں چھوٹا

دامن دشت سے منہ ڈھانپکے کانٹے روئے
مر کے مجھ آبلہ پا سے جو بیاباں چھوٹا

دل دے چکے تھے جان بھی اب نذر یار کی
کہنے سے فائدہ نہیں جو کچھ دیا دیا

اے دل بیقرار کیا کہنا
برق سے ہے شرمسار کیا کہنا

بشر اسکو کہنا مناسب نہیں
نہو جس سے دنیا میں کار ثواب

زباں ایک احسان لاکھوں ترے
کروں شکر یارب ادا کس طرح

ہیں رن میں قاتل کے اور تیور ستیاں ہے سینے میں قلب مضطر
مہم ہو کس طرح دیکھئے سر رُکا ہے قاتل کھنچا ہے خنجر

مفلسی اپنے کو بیگانہ بنا دیتی ہے
پوچھتا کون ہے ان کو جو ہیں نادار عزیز

ملا ہے خون عاشق کا جو اپنے دست رنگیں میں
ذرا کئے قصاص اسکا نہیں کیا آپ کے دیں میں

کہتا ہے دو مسیح ہے عالم مرا ہوا
میں ایک جان کے مُردے جلاؤں کہاں کہاں

فغاں سے عرشِ معلےٰ ہلا دیا کس نے
یہ نعرہ کس کا ہے اے دل بتا دے تو تو نہیں

حیراں ہیں سب کہ بول رہا ہے بدن میں کون
کھلتا نہیں کسی پہ یہ راز اس پیرہن میں کون

یہ کیوں آپ تیغ و سپر باندھتے ہیں
یہ کس بیگنہ پر کمر باندھتے ہیں

یونہیں وعدہ کیا کرتی ہیں آتی ہیں نہ جاتی ہیں
نہ میرے گھر وہ آتے ہیں نہ اپنے گھر بلاتے ہیں

غضب کی بیقراری ہے کہ اس پر بھی نہیں تھمتا
دلِ بیتاب کو ہم دونوں ہاتھوں سے دبائے ہیں

پڑتا اگر نہ عکسِ رخِ یار رات دن
ہوتی نہ روشنی کبھی خورشید و ماہ میں

اللہ ہو گئی ہے جوانی کی شام صبح
لیکن شبِ فراق کی پیدا سحر نہیں

شوق کے معنی یہ ہیں گو وہ نہیں لکھتا جواب
خط ہزاروں جا چکے پھر نامہ بر جانے کو ہے

ہوں قائل ظاہری اسلام کے کیا اہلِ بتخانہ
خدا کے گھر میں رہکر شیخ محوِ بت پرستی ہے

تری فرقت میں ایسی نیند عاشق کی اچٹتی ہے
نہیں کاٹے کسی صورت سے کالی رات کٹتی ہے

مرقد پہ کیوں نہ پاؤں سے ٹھوکر لگا گئے
تم کھلکے کیوں نہ مجکو مسیحا جلا گئے

کیا بیکسی کا وقت ہے اللہ کی پناہ
مُردے کو زندے لا کے لحد میں لٹا گئے

گلے سے اپنے اسے مہرو لگا کر
یہ سارے داغ سینے کے مٹا دے

کس لئے ہو گئے خفا مجھ سے
بولتے کیوں نہیں بھلا مجھ سے

ہمارے دلمیں ایسی اندنوں وحشت سمائی ہے
کہ چھینیں نجد مجنوں ذہن میں یہ بات آئی ہے

آئی ہے پھر بہار چمن سب ہرے ہوئے
ہر شاخِ گل ہے پھولوں سے دامن بھرے ہوئے

چلیں گے کوچۂ جاناں میں شام ہونے دو
ابھی سے حضرتِ دل بیقرار ہونے لگے

عشق میں تیرے ہم تو مرتے ہیں
تجکو اسکی خبر نہیں نہ سہی

تجمل

تجمل ۔ سید تجمل حسین صاحب بریلوی شاگرد میر سعادت علی صاحب عیش ۔ کہنہ مشق شاعر تھے بندش اور زبان اچھی ہے ۔ عرصہ ہوا انتقال کیا ۔ بریلی کے مشاعرے کی غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں ؎

زندگانی ہوگئی دشوار ہجرِ یار میں
روتے روتے پڑگئے ناسور چشمِ زار میں

شاخ گل کی ہوئیں تختے دامن گل کا کفن
دفن بلبل اُس روش سے چاہئے گلزار میں

یہ مہینہ بھی نہ جائے یار خالی قتل سے
ماہِ نو تم دیکھکر منھہ دیکھو تلوار میں

کس سہی قد کی ہے آمد باغ میں جو بلبلیں
شاخِ گل پر چہچہے ہیں پھول سے منقار میں

عشق نے خود رفتہ اُسکو رفتہ رفتہ کر دیا
جو کہ تھا پردہ نشیں پھرتا ہے وہ بازار میں

تجمل

تجمل - منشی میر تجمل حسین تجمل - اُستاد اور بڑے قابل - ذکی اور طبیعت دار آدمی ہیں - ۳۰-۳۵ برس سے آپ محمود آباد میں ریاست کے وظیفہ خوار ہیں - آنریبل راجہ سر امیر حسن خانصاحب مرحوم رئیس محمود آباد اپنے کلام میں آپ سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے - اکثر شعراے گرامی کر روشناس ہیں اور خود بھی اچھے مشاق ہیں - سن شریف اب ۶۲-۶۳ برس سے زائد ہے - اور یہ کلام کا انتخاب ہے - اوائل مشق سخن میں آپنے خواجہ آتش کی شاگرد محمد عباس سلیم کو چند غزلیں دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد نواب احمد حسین خاں جوش

آئینہ روبرو ترے آٹھوں پہر نہ تھا
خود بینی کا رواج کبھی پیشتر نہ تھا

صبح شب وصال قیامت کی صبح تھی
کم صور سے وہ نالۂ مرغ سحر نہ تھا

قتل بے تیغ ہوئے دیکھی جو ابرو کی طرح
چبھ گئی دلمیں مژہ تیر بہ پہلو کی طرح

پہلوئے یار سے اُٹھنے کو تو اُٹھے لیکن
درد کیطرح اُٹھے - گر پڑے آنسو کی طرح

لحاظ شرط ہے پست و بلند عالم کا
زمیں پہ رہ کے اُٹھا سر نہ آسماں کیطرح

مقرِ گناہ کے اے کردگار ہم بھی ہیں
غفور تو ہے تو امیدوار ہم بھی ہیں

جو آج جائزہ لیتا ہے جاں نثاروں کا
ہمارا نام بھی لے کر گنہگار ہم بھی ہیں

فلک پہ برق کو تنہا نہیں ہے بیتابی
زمیں پہ ہجر میں اک بیقرار ہم بھی ہیں

سوئے رقیب کرم کی نظر نہیں چھپتی
میں دیکھتا ہوں چھپاتے ہو پر نہیں چھپتی

کلام شاعر بے علم چھپ نہیں سکتا
صفیرِ بلبل بے بال و پر نہیں چھپتی

رقیب سے نہ ملے تھے تو کل یہ شور تھا
ہزار آج چھپاؤ مگر نہیں چھپتی

ہزار اپنی خطا کو چھپائے بندہ پر
خدا سے اے بت بیدادگر نہیں چھپتی

برا اب ہجر کے حق میں لب ماہرو نکلتا ہے
نہ تن سے جاں نکلتی ہے نہ دل سے تو نکلتا ہے

مری تقدیر کی ذلت بھلا وہ کیا مٹائیں گے
جو دل سے تم بھی کہتے تھے زباں سے تو نکلتا ہے

ترے چہرے کی رنگت رنگ گل سے کچھ فزوں ہو گی
ذرا شمشاد سے کچھ قامت دلجو نکلتا ہے

خدا اچھوں کے باعث کار مشکل سہل کرتا ہے
محبت میں گلوں کے دم برنگ بو نکلتا ہے

جگہ دینے پہ ہے پہلو میں اپنے عشق خوباں کو
ہمارے دل کی باتوں سے برا پہلو نکلتا ہے

مصیبت حد سے جب گذری تو ظاہر ہو نہیں سکتا
بہت غم میں۔ بہت کم آنکھ سے آنسو نکلتا ہے

تجمل تیرے دل نے کچھ کہیں صدمہ اٹھایا ہے
ترے ہر شعر سے اک درد کا پہلو نکلتا ہے

سمجھے تجھے مسیحائے بیمار تپ ہجر
واں فضل الٰہی سے دوا بھی نہیں آتی

خستانے کی راحت کو لحد والو سے پوچھو
اس گھر میں ہیں جس گھر میں ہوا بھی نہیں آتی

تجمل حاجی تجمل حسین جلال پوری آپ کو حافظ نثار احمد صاحب تائب شاہجہانپوری سے تلمذ ہے۔ عرصہ دراز سے بمبئی میں سکونت پذیر اور مطبع کریمی میں ملازم ہیں۔ بیحد پُرگو ہیں بمبئی میں آپ کے شاگرد بھی بکثرت ہیں دو دیوان شایع کر چکے ہیں۔ راقم تذکرہ سے بمبئی میں ملاقات ہوئی تھی۔ منکسر المزاج اور خلیق شخص ہیں۔ ۴۲-۴۳ برس کی عمر اور یہ کلام کا نمونہ ہے

شاد لائی یہ مرے دل کو خبر دیتی ہے
نامہ بر آتا ہے پیغام خوشی کا لے کر

پہنچاتی ہے کیا کیا دل مضطر یہ ہمارے
جاتے ہیں کبھی وہ جو برابر سے نکلکر

اس مست ناز کو جو کہیں دیکھ پائے دل
محشر میں ایک اور نہ محشر اٹھائے دل

اٹھکے کب بستر سے روانہ ہوں سوئے منزل قبر
طاقت اتنی بھی نہیں اب ترے بیمار میں

جمع اغیار بہت رہتے ہیں اس کوچے میں
چُن دیئے جائیں کہیں روزنِ دیواروں میں

رہ گئے حشر کے دن اہل عبادت محروم
خوانِ رحمت ہوئے تقسیم گنہگاروں میں

گھر میں چھپ چھپ کے تجمل وہ پیا کرتے ہیں
زہر کی لیتے ہیں جو بیٹھکے میخواروں میں۔

کس کا جادو چل گیا کس پر بتاؤ تو سہی	تم فسوں گر ہو زیادہ یا فسوں گر آئینہ
پہنچے کعبہ میں کبھی تو کبھی بتخانہ میں	تیرے ملنے کیلئے ہمنے کیا کیا کیا کچھ
صورتِ حرفِ غلط مٹ چکے اے بخت مگر	نہیں معلوم کہ ہے اور لکھا کیا کیا کچھ
نہ ساقی مرکے گردشِ جام سے	کٹے عمر پیتے پلاتے ہوئے
داورِ محشر نے بھی مجرم ٹھیرایا اسے	ہائے یاں بھی بات اس ظالم کی من مانی ہوئی
تمکو دل بے آزمائے بندہ پرور دیدیا	ہاں ہمیں چوکے ہمیں سے سخت نادانی ہوئی
ہائے کیا فتنۂ محشر کو کریں گے بیدار	اپنی سوتی ہوئی قسمت تو جگائی نہ گئی
اپنا عالم ہی جدا ہے عشق میں	اپنی حوریں اپنی جنت اور ہے
سارے جہاں نے اسے بت کافر چھڑا دیا	ملکر تری نگاہ نے میری نگاہ سے
دل صدپارہ کیوں پھوٹی ہوئی قسمت اٹھا لائی	بھلا کس کام کی ہے یہ نکمی چیز کیا لائی
نہ اٹھتے کشتۂ تیغِ تغافل خوابِ مرقد سے	نہ آتے سوئے محشر تیرے گھونگرو کی صدا لائی
جمال اس برق وش کا اے نظر تو دیکھ سکتی تھی	دکھلائے تجھے ہم یا کہ تو ہمکو دکھلا لائی
نہ پوچھو میرے آئینہ کا سبب کچھ اپنی محفل میں	جو خوش ہو آپ آئے ہم جو ناخوش ہو قضا لائی
عجب عالم میں ہیں ہم کس سے پوچھیں کون بتلائے	کہاں آئے کہاں ہمکو تلاشِ دلربا لائی

تحسین

تحسین ۔ علی مولا خاں باشندہ شاہجہانپور ۱۸۵۲ء میں انکا عنوانِ شباب تھا۔ وجیہہ اور خوبرو جوان تھے۔ اور دہلی میں رہتے تھے۔ مزاج میں ظرافت اور طبیعت میں بیحد شوخی تھی۔ صرف ایک شعر ملاّ حسن بدل معلوم ہوا اسلئے درج کیا گیا ؎

کیا لکھیں اور ذرا غور کریں آپ اسے	ڈرتے ڈرتے یہ لکھا ہے کہ پڑھیں آپ اسے

تحسین

تحسین ۔ منشی محمد حسین خان تحسین مالک مطبع مصطفائی۔ دہلی غدر سے پہلے انکا چھاپہ خانہ دہلی میں بہت مشہور تھا۔ غدر کے بعد میرٹھ میں مطبع احمدی جاری کیا۔ فن سخن میں حضرت ذوق سے فیض پایا تھا۔ نہایت خلیق۔ بامروت اور کارگذار شخص تھے۔ انکے مطبع کی چھپی ہوئی کتابیں نہایت شوق

سے خریدی جاتی تھیں۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ اشعارِ ذیل اُنہیں کے نتائجِ افکار سے ہیں ؎

آزار ہوا اسکو مگر عشقِ بتاں کا — بے طور سے ہے نقشہ دلِ بیتاب و تواں کا
جب بت سے نہ راضی ہوں تو بتخانہ میں کیا کام — تحسین چلو کعبہ کو جھگڑا ہے کہاں کا
اے دل تو عشق کیجو مگر دیکھ بھال کے — غافل کو چاہئے کہ کرے فکر دور کا
کوئی کیوں کر بچائے جاں ہمدم — ایک خنجر گذار ہیں آنکھیں
لب کی خوبی میں کیا سخن ہے پر — فتنۂ روزگار ہیں آنکھیں
صیاد اسطرح جو نہ گرمِ عتاب ہو — کیوں آشیاں چمن میں ہمارا خراب ہو
تحسین ان کو دیکھنے جاتے تو ہو مگر — ایسا نہو کہ جان کو ہی پھر عذاب ہو
خیالِ بتاں دل میں رکھتے ہو تحسیں — مگر تم بھی رُسوا ہوا چاہتے ہو ؎
ہوئے ذلیل تو عزت کی جستجو کیا ہے — کیا جو عشق تو پھر پاسِ آبرو کیا ہے
یار کہوے کہ اُٹھ رو دے — دل یہ کہوے یہیں رہا کیجے

تحصیل

تحصیل ۔ منشی محمد کبیر صاحب تحصیل ساکن ترٹھگڑہ ریاست میسور شاگرد حضرتِ داغ۔ موجودہ زمانہ کے موزوں طبع شعرا میں ہیں۔ اور خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ اکثر رسالوں اور اخباروں میں انکا کلام شایع ہوتا رہتا ہے۔ ۴۰ برس کے قریب عمر ہے۔ کلام ہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ؎

کیا لڑکپن کہوں میں قاتل کا — کھیل سمجھا تڑپنا بسمل کا
آزادی ہو نصیب کہاں اہلِ طمع کو — چھوٹے کبھی نہ قیدیِ دامِ بلائے حرص
ہے چراغِ حسن پر کس ماہ کے پروانہ شمع — رات بھر جلتی ہے اور گلتی ہے بیتابانہ شمع
کہو تھی کونسی وہ بات ایسی ہائے — نہ نکلی منہ سے جو آکر زباں تک
مریضِ عشق کو مرنا شفا ہے — ملا دو زہر کچھ میری دوا میں
مریضِ عشق کو آرام کب ہو ان طبیبوں سے — کہ اُسکا تو مرض تم ہو دوا تم ہو شفا تم ہو

لالے کی طرح دل نہ کوئی داغدار ہو	یارب یہ گل کسی کے گلے کا نہ ہار ہو

تحیرؔ

تحیرؔ - مرزا محمد بیگ ولد مرزا رستم بیگ خراسانی مقیم لکھنؤ۔ آپ کو میر امداد علی بحرؔ سے تلمذ تھا۔ کلکتے بھی بطریق سیر گئے تھے۔ یہ انکا کلام ہے ؎

شکارِ مرگ ہوئی ہے فراقِ یار میں روح	پھڑک رہی ہے بہت دامِ انتظار میں روح
لگا کے تیر مجھے بوٹے گل نے صید کیا	رہی خزاں میں سلامت گئی بہار میں روح
کیا ہے عشق نے مجبور سر بسر مجکو	نہ اختیار میں دل ہے نہ اختیار میں روح
میں تڑپتا ہوں ادھر اسکو خبر کچھ بھی نہیں	بدنصیبوں کی محبت میں اثر کچھ بھی نہیں
سینکڑوں ذبح ہوئے سینکڑوں مر کر چھوٹے	ہم اسیروں کی رہائی کی خبر کچھ بھی نہیں
مجھ خزاں دیدہ کے بیگانہ مزاجی دیکھو	کب بہار آئی گئی مجکو خبر کچھ بھی نہیں
نیست نابود تحیرؔ نظر آیا عالم	ہم ادھر سیر کو نکلے کہ جدھر کچھ بھی نہیں

تحیرؔ

تحیرؔ - غلام مصطفےٰ خلفِ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی۔ ان کے خاندان کی بزرگی اور سبب شہرت محتاج بیان نہیں۔ جناب تحیر مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ کے بھتیجے اور حکیم ثناء اللہ خاں فراقؔ کے شاگرد تھے۔ مگر اپنے خاندانی ورثہ یعنی علم و فضل سے محروم رہے۔ اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ رکھتے تھے۔ موزونی طبع کی مدد سے کبھی کبھی فکرِ سخن کیا کرتے تھے چنانچہ یہ شعر اُن کے ہیں۔

عید کے دن مجھے کہنے یہ ہر اک یار لگا	ہو مبارک تری چھاتی سے وہ دلدار لگا
جُدا اب مجھسے جب وہ دل آرام ہوگا	اجل کا اُسی وقت پیغام ہوگا
فکر اطفال کو ہے سنگ اُٹھا لانے کی	آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانہ کی

تدبیر

تدبیر - شیخ محب اللہ ساکن دیوبند مرد خلیق و خوش مزاج تھے۔ غدر سے بیشتر کسی تقریب سے دہلی آئے اور یہیں کے ہو رہے زیادہ حال معلوم نہیں۔

اور ہی کچھ ڈھنگ ہے اپنی گرفتاری کا ہائے	یوں تو زلفوں میں تری کس کس کا دل اُلجھا نہیں

تدبیر

تدبیر ۔ دہلوی ۔ مرزا محمد سکندر قدر ابن میرزا خورشید قدر قیصر گورگانی نبیرۂ شاہ عالم ثانی لکھنؤ میں مقیم تھے ۔ یہ انکے اشعار ہیں ۔

دل ہو تو کچھ بیان کریں ماجرائے دل	معلوم ہی نہیں کہ کہاں بھول آئے دل
دل ہے تو بھی خدا نے دیا ہے بتو ڈرو	بے درد یو لئے تم نہ دکھاؤ پرائے دل
دل سوز جانتا ہے اسی شمع رو کو ہم	پروانہ وار جس نے ہزاروں جلائے دل
راحت سے کام کچھ نہیں میں رنج دوست ہوں	پہلو میں رکھدو سنگ جراحت بجائے دل
شکوہ جفا کا حسن کے یہ کہتے ہیں ناز سے	کچھ دل لگی نہیں جو کسی سے لگائے دل

تراب

تراب ۔ نواب حشمت الدولہ افتخار الملک مرزا ابو تراب خاں متخلص بہ تراب ۔ آپ نواب مرزا ابو طالب خاں کے صاحبزادے اور حضرت محمد علی شاہ اودھ کے داماد تھے ۔ فکر رسا کی امداد سے صاحب دیوان تھے ۔ مگر ہمیں صرف دو شعر دستیاب ہوئے ۔

اُڑا کے لیگئی اکبار کوئے قاتل میں	ہماری جان کی دشمن ہوئی ہوا دل کی
ہیں لوگ قصۂ فرہاد و قیس بھول گئے	کہانی ہوتی ہے اب میری جابجا دل کی

تراب

تراب ۔ شاہ تراب علی مرحوم ولد شاہ کاظم مغفور سجادہ نشین درگاہ قصبہ کاکوری ۔ بڑے خدا پرست درویش حق آگاہ تھے ۔ ان کا کلیات چھپ گیا ہے ایک مثنوی مسمی عاشق و صنم بھی انکی تصنیف سے یادگار ہے ۔ تراب مرحوم کا کلام معرفت سے پر اور نہایت دردانگیز ہے انکی اکثر ٹھمریاں مشہور ہیں ۔ کہنہ مشق شاعر تھے ۔ کلام میں سنجیدگی اور متانت بہت ہے اکثر اخلاقی مضامین نہایت نفاست سے باندھا کرتے تھے سنہ ۱۲۷۲ھ میں انتقال کیا ۔

کاکل کہ چند موئے پریشاں کا نام ہے	دل کے لئے خدا نے اُسے دام کر دیا
کوئی اس ناآشنا سے آشنائی کیا کرے	آشنا سے اپنے جو ناآشنائی کر گیا
ہم نہیں کرنے کے اسکی خیر خواہی میں قصور	کیا ہوا گر ہم سے وہ ظالم برائی کر گیا
وصف اُسکا میں کیا کہوں ناصح	وہ تو کچھ ہے بیان سے باہر

قطعہ

چمن میں جب میں اس گلفام کے ساتھ — گیا جوں بادِ صرصر بے تکلف
کہا یار سے مجھے تیری بدولت — ہوئی جنت میسر بے تکلف

یار و صورت میں نظر باز حقیقت کم ہیں — آنکھ والے ہیں بہت اہل بصیرت کم ہیں

یہ کہتا ہے جرس اپنی زباں میں — مسافر ہیں سبھی اس کارواں میں

ہمارے یار کے دو ہی سپتے ہیں — کمر پتلی صراحی وار گردن

مجھے یار سے اب یہی گفتگو ہے — جو تو ہے سو میں ہوں جو میں ہوں سو تو ہے

اسے کیا درد ہے گر صید بسمل آہ کرتا ہے — جو بیدردی سے وقتِ ذبح بسم اللہ کرتا ہے

بہت امید جنت پر بہت دوزخ کی وہشت سے — کوئی کمتر عبادت خالصاً للہ کرتا ہے

جی کسی پر کوئی فدا نکرے — دل کسو سے لگے خدا نکرے
عشق کا امتحان ہو کیونکر — گر کسی پر کوئی جفا نکرے

محمود ایاز ہو گیا ہے تو — کیا ناز نیاز ہو گیا ہے

بتِ ظالم نہیں سنتا کسی کی — غریبوں کا خدا فریادرس ہے
دلیل کارواں بانگِ جرس ہے — گواہِ دردِ دل اک نالہ بس ہے
عبث ہے آرزو دنیا و دیں کی — تراب اللہ بس باقی ہوس ہے

دیدار کی تاب نہ سہی جل گئے تمام — پروانے جا کے شمع سے جب متصل ہوئے

وحدت کا پیا جام دوئی سے نرا کام — ہے ترک خودی نسبتِ تفرید ہماری

تیرے لطف و کرم سے اک جہاں معمور ہے پیارے — عجب ہے رہ گئے تیرے کرم سے ایک ہم خالی

موت سے یار وہی سب ڈرے ہے — زندگی میں آپ سے جو مر رہے

ہم سے کیا کہتا ہے عشقِ خوبرویاں چھوڑ دے — شیخ تو ہی آرزوئے حور و غلماں چھوڑ دے

نیکی کرو کام آئے گی آخر کو نکوئی — ساتھ اپنے عمل ہونگے وہاں اور نکوئی

کعبہ و مسجد میں جاتے ہو بھلا جی کس لئے — وہ تو ہے دل میں تمہارے پھرتے ہو تم جس لئے

ترحم۔ مرزا اکرم بخت گورگانی میرزا قیصر بخت فروغ خلف الرشید میرزا قادر بخش صابر گورگانی کے خلف اصغر اور جناب آثم کے برادر خُرد ہیں۔ آپ کی ولادت شہر بنارس میں جہاں آپ کی ننھیال ہے واقع ہوئی اور وہیں ہوش سنبھالا۔ فارسی اُردو کے علاوہ زبان انگریزی میں بھی معقول دخل حاصل ہے۔ الغرض تعلیم یافتہ اور مہذب نوجوان ہیں شاعری اور زباندانی آپ کی میراث سمجھنا چاہیے۔ چند غزلیں اپنے والد نامدار کو دکھائی تھیں پھر اُن کے انتقال کے بعد سے بطور خود کہتے ہیں۔ ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام عنایت فرمایا اُس کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے اب (۱۹۰۸ء) میں آپ کی عمر ۳۴ و ۳۵ برس کے قریب ہے۔ اور بنارس محلہ شوالہ میں قیام ہے۔

تمہیں سے ہے منوّر گھر نشاط و کامرانی کا
تمہارا حُسن ہے شعلہ چراغ زندگانی کا

دہن ہے چشمۂ حیواں اور اُسمیں میرا نام آیا
دیا خلعت مجھے تم نے حیاتِ جاودانی کا

دُرِ خوش آب مضموں کیوں نہ ہاتھ آئیں ترحم کو
کہ اُسکی فکر میں عالم ہے دریا کی روانی کا

سوزِ شب فرقت کا مداوا ہو ترحم
ملجائے جو تھوڑا سا بھی کافور سحر آج

حُسن میں حُسن گر ہوا نہ کرے
جان اپنی کوئی فدا نہ کرے

مجھ سے سیکھو اگر نظر بازی
کبھی یہ تیر پھر خطا نہ کرے

جب کہا بیٹھے مرتا ہوں
ہنس کے کہنے لگے خدا نہ کرے

ہوس و عشق میں تمیز نہو
وہ جو عشاق پر جفا نہ کرے

اے ترحم مجھے یہ وحشت ہے
کہیں دشمن اُنھیں خفا نہ کرے

نگلی فلک نے شام کو اُگلی سحر کے وقت
یہ پھبتی نہیں ہے نانِ ثقیل آفتاب کی

یہ کان بھرنے کی عادت بُری ہے غیروں کو
شکایت اُن کو جو کرنی بھی بر ملا کرتے

کسی سے کچھ نہیں ہمنے کہا قسم لے لو
زبان کٹتی اگر آپ کا گلہ کرتے

ہمیں کو خوف ہے اعدا کی بدمزاجی کا
اگر وہ مجھ سے بگڑتے تو میرا کیا کرتے

ترسان

ترساں - میاں بہادر علی۔ لکھنؤ کے ایک موزوں طبع سخنور تھے۔ ایک قدیم قلمی بیاض میں جو سوا سو برس کی لکھی ہوئی ہے کچھ کلام نظر سے گذرا۔ اُسکا انتخاب ضبط تحریر میں آیا۔ آصف الدولہ اور نواب سعادت علی خاں کا زمانہ پایا تھا اِس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ میر و میرزا کے ہم عصر ہوئے۔ سیدھی سادی زبان میں اچھے مضامین نظم کئے ہیں۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

تاب و توان و ہوش و خرد سارے چل بسے | جس وقت میرے پاس سے وہ دلستاں اُٹھا
تیرے ہی بیٹھنے سے ہماری ہے زندگی | اُٹھ جائینگے جہان سے ہم تو جہاں اُٹھا

آج مجلس میں بہت ترساں کو دیکھا مضطرب | اُس فلک ماریکا شاید دل کہیں جاتا رہا
رات کس کا ذکر تھا ترساں کہ سُن سُنکر جیے | اشک سرخ آنکھوں میں تو ہر آن بھر لاتا رہا

کس نے ترسانکو تری بزم میں روتے دیکھا | اُس پہ ناحق تجھے طوفان اُٹھانا کیا تھا

کیا کرے کوئی گلہ اُسکی ستمگاری کا | جس کا شیوہ ہو پرا[۵]ؤں کی دل آزاری کا
دیکھ کر آج مسیحا نے دیا مجکو جواب | اب معالج ہو خدا اِس تری بیماری کا
گھر میں جو بیٹھ گیا دیکھ کے تو ترساں کو | اُس سے تھا کونسا موجب تجھے بیزاری کا

اُسی کی سب نے خاطر کی ہیں دُکھ رو یا جہاں جاکر | کوئی سر ٹیکے اپنا ہائے یارو اب کہاں جاکر
مرا دل اُس کی زلفوں میں ہوا گم آج اے ترساں | اندھیری رات ہے دونو طرف ڈھونڈوں کہاں جاکر

ہم دردِ عظیم ہم دوا ہو | تم حضرتِ عشق یہ بلا ہو
وہ جانے ہمارے غم کو ترساں | جس کا کہ کسی سے دل لگا ہو

دیا تھا آگے بھی دل لیکن آہ چھوٹ گئی | عنانِ صبر مرے اختیار سے اب کے

میں کہا کیا ہو جو گھر تک تو اسے ہمدوش چلے | سُن کے بولا کہ ترے گھر مری پاپوش چلے
ہمنشیں اُسکو مرے ساتھ یہانتک ہے ضد | راہ میں دیکھے کبھی مجکو تو روپوش چلے

[۵] غیروں کی۔

درد کہنے کو تو ہم آئے تھے ترساں لیکن / دیکھکر چیں بجبیں یار کو خاموش چلے
چاک گل کا پیرہن گلشن میں تھا کس کے لئے / صبح تک شبنم بھی روتی تھی صبا کس کے لئے
مر گیا ترسا تری دیوار کے سایہ تلے / تو نے کچھ جانا کہ اس نے جی دیا کس کے لئے

ترقی

ترقی - نواب اسد الدولہ رستم الملک مرزا محمد تقی خان بہادر مرحوم خلف سید محمد امین خاں باشندۂ نیشاپور مقیم فیض آباد، نواب شجاع الدولہ بہادر صوبہ اودھ کے خاندان سے تھے اور میر مہدی سوز کے شاگرد تھے آپ نے محفل مشاعرہ بھی قایم کی تھی - نہایت خوش کلام اور رنگین طبع امیر تھے - آپ کا اساتذۂ قدیم میں شمار ہے - متانت اور سنجیدگی کے پہلو بہ پہلو لطف زبان اور معاملہ بندی اپنا مزا دکھاتے ہیں - کلام میں درد اور دلکشی بھی موجود ہے - زبان صاف اور شیریں اور لطف محاورہ بھی اُس میں موجود ہے - استعارات و تشبیہات سے کلام پاک ہے - آپ کا خاندان ابتک لکھنو میں موقر و معزز خیال کیا جاتا ہے - آغا ابو صاحب رئیس اعظم لکھنو آپ ہی کے خاندان میں ہیں -

گر ایک شب بھی وصل کی لذت نہ پائے دل / پھر مفت کس اُمید پہ کوئی لگائے دل
بھولا تمہارے عشق میں دنیا و دین کو / جو چاہو اب کرو کہ یہی ہے سزائے دل
پہلو کل اُس نے چیرا جو دل کے لئے مرا / جز داغِ حسرت اور نہ کچھ تھا بجائے دل
ترغیب دی ہے کس لئے کعبے کی تو ہمیں / زاہد خدا کا گھر نہیں کوئی سوائے دِل
اُس کی گلی میں کون یہ بیدل ہوا ہے دفن / آواز متصل یہی آتی ہے ہائے دل
اک دل تجھے مدام ستانے کو چاہیے / تیرے لئے کہاں سے کوئی روز لائے دل
اُس کوئے میں جو بیٹھے ہیں مانندِ نقش پا / رکھتا ہے تب سے خاک میں ہمکو ملائے دل
لکھ دیویں ہم تو خطِ غلامی اُسے بجاں / جو عشق کی بلا سے ہمارا چھڑائے دِل
اُترا نہ آکے یہاں کوئی جز کاروانِ غم / ماتم سرا سے کم نہیں یارو سرائے دِل
دِن بھر تو اک نحیف سی آواز سنتے تھے / آتی نہیں ہے رات سے لیکن صدائے دل

کہتے ہیں درد مند ترقی کا حال دیکھ
یوں تو یہ زلف منودار وہ رخ ہوتا ہے
کار گر دل میں کسی کے جو نہیں ہوتی ہر
لا دوا زخم سمجھ پہلو تہی کرتا ہے

یارب کبھو کسی پہ کسی کا نہ آئے دل
ابر سے آئے نظر جیسے قمر کا پہلو
چھٹ گیا آہ سے شاید کہ اثر کا پہلو
دیکھتا ہے مرا جراح جدھر کا پہلو

دل کو وہی بیکلی ہے تجھ بن
قبلہ ہو نہ کیجے منہ اُدھر کو
دشمن پہ کرے نہ کوئی یہ ظلم
شرم آتی ہے کیا بیان کیجے
افسوس کہ خاک بھی ہماری
اب رو نہ زیادہ اے ترقی
اے ترقی بات جی کی جی میں رکھ
ساکنانِ کعبہ نے کی بت پرستی اختیار
جرم کچھ ٹھہرا کے قاتل پھر مجھے تو قتل کر
دیکھئے اب کس مسلماں کو کریگا قتل تو
آتش دل اشک سے سینہ میں بھڑکی اور بھی
دست گلچیں عندلیبو کیجئے کیونکر قلم
ہے ترقی میرے اس سینہ میں وہ آتش نہاں

مر کر بھی چھٹے نہ تیرے غم سے
دل ٹوٹ گیا ہو جس صنم سے
مارا مجھے تو نے جس ستم سے
جو تو نے کیا سلوک ہم سے
محروم رہی ترے قدم سے
طوفاں اُٹھے نہ چشم نم سے
منہ سے نکلی اور پرائی ہو چکی
وہ صنم نام خدا کیا اندنوں جوبن پہ ہے
بیگناہی میری ثابت دوست اور دشمن پہ ہے
آج غصہ بے طرح کافر تری چتون پہ ہے
ابتو آب چشم کو میری شرف روغن پہ ہے
آفت نو جبکے ہاتھوں سے سدا گلشن پہ ہے
طعنہ زن جسکا شرر ہر شعلہ گلخن پہ ہے

تو نے عاشق کی بھی کچھ اپنے خبر پائی ہے
اُسنے تو دکھ یہ دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
لیجاتے ہے وہ روز نیا صید مار کے
اک عمر بعد آئی ہے اب زیر خاک نیند

جان دیتا ہے وہ اور خلق تماشائی ہے
پر مزا سینے یہ پایا ہے کہ جی جانے ہے
لائق نہیں ہیں آہ مگر ہم شکار کے
تربت پہ میری رو وُ نہ یارو پکار کے

دیوانہ اب کے دیکھئے ہوتا ہے کون کون
دیکھا جو چشم مست کو اُسکی چمن کے بیچ
روزن نہ کچھ بھر خدا ور کا اپنے بند
باشندے ہم سے شہر کے کس طرح سے ملیں
اے گل سُنانہ تونے مرا حال اور میں
مدت کے بعد ہمکو جو لایا فلک وہاں
دیکھا عجب ہے رنگ کہ بس ہوش اُڑ گئے
جو گل زمیں تھی آہ وہ رشکِ خرابہ ہے
دیکھے جدھر نگاہ وہ ہُو کا مقام ہے
وہ یار جن سے رہتی تھیں دن رات صحبتیں
منع فغاں نکر تو ترقی کو ناصحا

قطعہ

آتے ہیں زور شور سے پھر دن بہار کے
نرگس کی آنکھ جھک گئی مارے خمار کے
دیوار سے میں پھوڑونگا سر اپنا مار کے
اُجڑے ہوئے ہیں ہائے ہم اپنے دیار کے
سُنتا ہوں تیرے واسطے طعنے ہزار کے
طفلی سے رہنے والے تھے ہم جس دیار کے
کیونکر بھلا نہ روئیے پھر ڈاڑیں مار کے
ہیں جا بجا لالہ زار پڑی ڈھیر خاک کے
خالی مکاں پڑے ہیں ہر اک دوستدار کے
ملتے نہیں نشاں کہیں اُنکے مزار کے
واقف نہیں ہے غم سے تو اُس سوگوار کے

ترکی

ترکی۔ ترک علی شاہ۔ اصل وطن لاہور ہے مگر اب عرصہ سے بہ سلسلہ روزگار حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں دربار دکن کے فارسی شعرا کے زمرہ میں ملازم ہیں۔ اور کہتے بھی نہایت صاف اور عمدہ ہیں۔ اب ۵۰ برس کے قریب عمر ہے۔ کلام میں جتنی شوخی و طراری ہے اُسی قدر جدت بھی موجود ہے۔ مزاج میں ظرافت ہے۔ مہاراجہ مدار المہام کے خاص مصاحبوں میں ہیں۔ چند سال سے کبھی کبھی اُردو بھی کہہ لیتے ہیں۔ چنانچہ اشعار ذیل آپ ہی کے طبعزاد ہیں۔

وہ بوئے مُشک ہے اے شوخ تیرے بالوں میں
مرا کمال تو دیکھو کہ ہو کے لاہوری
یہ کی تلاش کہ گم ہوگیا میں خود لیکن

کہ دھوم جسکی ہے تاتار کے غزالوں میں
غزل میں بیٹھ کے پڑھتا ہوں دہلی والوں میں
نہ مسجدوں میں ملا اور نہ وہ شوالوں میں

تسخیر

تسخیر۔ مرزا محمد سلیماں قدر بہادر تسخیر نبیرہ مرزا آسماں قدر ممنو گورگانی مقیم لکھنؤ شاگرد

میر ہادی بجنو۔ غدر کے بعد والد بزرگوار کے ہمراہ بنارس چلے گئے۔ وہاں مرزا صابر کی تحریک سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد ۱۳۰۵ھ میں پھر لکھنؤ میں رہائش اختیار کی اور مشاعرے کی بنا ڈالی۔ ان کے بیٹے مرزا حیدر رقدر ماہ نے اس کا دیوان چھپوا دیا ہے۔ جسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

کرونگا حشر میں نالش بتوں کی پیش خدا
بڑا دھوکا دیا او تیغ قاتل
ہمیں دکھا دے اسیری میں کچھ چمن کی بہار
بیگانہ وار سب ہے تسخیر اس لئے
کچھ تن بدن کا ہوش نہیں ہے تمہیں ذرا
شکوۂ جور جو کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
مژدہ اے موت کہ خوں ہوتے ہیں وہ بت اجال
آپ کو قدر نہیں دل کی ہمارے تو نہو
ڈر نہیں یار کو گر پاک نظر سے دیکھا
بتوں میں ہے نہاں قدرت خدا کی
کنج قفس میں منت و زاری ہزار کی
اثر نالۂ جانکاہ جو دلبر ہو جائے
زہر کھاتے ہیں جو عشق لب جاں بخش میں ہم
بولے دیکھا جو مجمع عشاق

اسی کچہری میں اب ہوگا فیصلہ دل کا
گلے پہ رکھ کر مرا کاٹا گلو آج بڑ
قفس میں پھول کی رکھدے پیالیاں صیاد
باخلق آشنا نشو و آشنائے دل
تسخیر بیخودی ہے یہ کس کے خیال میں
سینے کچھ مانگا تھا کیوں تمنے دیا دل مجکو
لیچلا ہے اسی کوچے میں مرا دل مجکو
اسکو وہ لے گا جو رکھتا ہے خریدار نگاہ
نہ گنہگار ہیں کچھ ہم نہ گنہگار نگاہ
طلسم حسن ہے یہ برج حنا کی
صیاد نے پر ایک نہ مانی ہزار کی
بیقراری میں وہ بت میرے برابر ہو جائے
کیا مزہ ہے اثر آب بقا ہوتا ہے
میری صورت کوئی تماشا ہے

رباعی

فرزند و عزیز میں نہ الفت پائی
احباب و رفیق میں نہ شفقت پائی
تسخیر کے مرقد پہ یہ کندہ کرنا
جو کچھ پائی وہ زر سے راحت پائی

تسخیر

تسخیر۔ جناب داروغہ سید واجد علی صاحب تسخیر رئیس شہر لکھنو ارشد تلامذہ حضرت اسیر مدظلہٗ. آپ حضرت واجد علی شاہ کی بیگم سلطان محل کے داروغہ تھے اور محلات شاہی میں اور بھی خدمتیں ان سے متعلق تھیں۔ ایام غدر میں جب مرزا برجیس قدر کا دور دورہ ہوا تب آپ حضرت محل کے صلاحکاروں میں رہے مگر جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس بدنظمی کا انجام اچھا نہیں تو از راہ دور اندیشی آپ سرکار انگلشیہ کے ہواخواہ ہوگئے اور خدمات شایستہ اُس سرکار کی ادا کیں۔ چنانچہ بجلدوے خیرخواہی بعد فرو ہنگامہ چند مواضع بطور انعام پائے اور زمرۂ تعلقہ داران میں محسوب کئے گئے۔ تمام عمر باعزاز و آبرو بسر کی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے نظیر حسن تعلقہ دار ہوئے۔ چھوٹے امیر حسن فروغ حیدرآباد میں وکالت کرتے ہیں شعر و سخن کا بھی ذوق تھا اور مذاق سلیم سے کافی بہرہ حاصل تھا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا۔

نہ آیا فاتحہ پڑھنے وہ مہر و مہرباں ہوکر
زمین قبر کیوں پیسے نہ ہمکو آسماں ہوکر

نکل سکتا ہے وحشی کس طرح زلف نکو کے پھندو نسے
پڑا ہے پاؤں میں اُنکا تصور بیڑیاں ہوکر

لحد میں یاد جب آئی کشاکش زلف پیچاں کی
کفن کے بند جتنے تھے وہ لپٹے رسیاں ہوکر

نہ کھینچ اب تیغ ابرو دل نشانہ ہو چکا ظالم
در آئی ہر مژہ کی نوک سینہ میں سناں ہوکر

تلاش ناقۂ لیلیٰ میں دی مجنوں نے جان اپنی
اُسی کی خاک پھرتی ہے غبار کارواں ہوکر

ازل سے دل مرا مشتاق ہے ابرو کی پیکانکا
نہ مارا تمنے اک تیر نگہ ابرو کماں ہوکر

جفا تیری وفا میری الم نشرح ہے اب گھر گھر
یہی قصہ بیاں ہوتا ہے ہر جا داستاں ہوکر

تمھیں یہ ہمنے گل کھائے تمھیں نے قتل کر ڈالا
اُجاڑا تمنے جو گلزار اپنا باغباں ہوکر

نہ حرف تلخ لب پہ لائیے شیریں زباں ہوکر
سخن میں رنگ و بو دکھلائیے غنچہ دہاں ہوکر

اسے وزرات پامالی اُسے چکر میں بچا لی
نہ یاں راحت زمیں ہوکر نہ آرام آسماں ہوکر

عدم کے جانیوالے منزل آخر پہ جا پہنچے
میں تنہا رہگیا پیچھے غبار کارواں ہوکر

نزاکت کس قدر ہے پھول کے گجرے جو پہنے ہیں　　جھکے جاتے ہیں دونو ہاتھ گل کی ڈالیاں ہو کر
دلا گر چاہتا ہے دلربا تنہا ملے تجھ کو　　چھپا دیں راستہ سیدھا تو جاوداں امکاں ہو کر
تلوّن ہے طبیعت میں تمھاری کس قدر توبہ　　نہیں پھر ہو گئی لو وصل کے وعدہ پہ ہاں ہو کر
نجف کی راہ لو تسخیر پھرتے ہو کہاں در در　　لگاؤ بستر امولیٰ کے در پہ پاسباں ہو کر

تسکین

تسکین ۔ پنڈت گنگا داس ۔ زیادہ حال اِن کا معلوم نہیں ۔ مسٹر فیلن نے اپنے تذکرے میں اِن کا حال اِس طرح لکھا ہے " ایک جوان تھا نیک عقیدہ کشادہ رو مہذب و خوش خو ۔ گاہے گاہے رخش ہمت کو میدان ریختہ گوئی میں پویاں دوڑاتا تھا " یہ اُن کا کلام ہے ۔

ناصح یہ نصیحت اب تم کرتے ہو کیا بیٹھے　　جو ہووے سو ہو بہتر دل اُس سے لگا بیٹھے
عقل و خرد و طاقت اور صبر و شکیبائی　　جب سامنے وہ آیا ہم سب یہ لٹا بیٹھے
کیا غم ہے ہمیں تسکیں آفات زمانہ سے　　اب ہم شہِ مرداں کے داماں تلے آ بیٹھے

تسکین

تسکین ۔ میر سعادت علی دہلوی ۔ خلف میر علی حامد برادر زادہ و شاگرد ملک الشعرا میر قمر الدین منت ۔ عنفوانِ شباب میں دہلی چھوڑ کر لکھنو جا رہے تھے باوضع اور خوش فکر شخص تھے ۔ ۱۸۴۸ء میں ۵۰ برس کا سن تھا یہ آپ کا کلام ہے ۔

سر میں مرے بھری ہے ازل سے ہوائے عشق　　مجھ سا جہاں میں کوئی ہے کم مبتلائے عشق
یکلخت عقل و صبر سے بیگانہ ہو گئے　　یہ جانتے تو ہوتے نہ ہم آشنائے عشق
نالاں ہے ابتدا ہی میں بلبل کو کیا خبر　　پروانہ جانتا ہے جو ہے انتہائے عشق
شیریں سا حکمراں تو کوئی ہووے آج بھی　　بہتیرے کوہکن سے ہیں زور آزمائے عشق
تسکیں جو قیس عشق میں مجنون ہو گیا　　عیب اُسکا کچھ نہیں کہ یہ ہے مقتضائے عشق
کرتا نہیں ہے جنس وہ عالم پسند دل　　خواہاں متاع درد کا ہے دردمند دل
بیرحم پھر نہ لونگا کبھی دوستی کا نام　　جانبر ہوا جو آپ کے اُٹھا کر گزند دل

آشفتگی کا اپنی سبب تجھ سے کیا کہوں / مدت ہوئی کہ زلف میں تیری ہے بند دل

بکتا ہے ایک نگاہ پہ لے لیجے مفت ہے / تسکین کا گر آپ کو آیا پسند دل

ہر دم کرے ہے یہ دل کارستاں بغل میں / ہے وہ مثل مطابق دشمن کہاں بغل میں

بسکہ ہم دل میں تپ عشقِ تپاں رکھتے ہیں / آتش اک سینہ میں جوں سنگ نہاں رکھتے ہیں

نوبتِ ضعف یہ پہونچی کہ ہم اب اے ہمدم / طاقتِ ضبط نہ یارائے فغاں رکھتے ہیں

خشک لب دیدۂ تر حال پریشاں رخ زرد / عاشقی سے کئی عشاق نشاں رکھتے ہیں

ساغرِ مے سے ہمیں پیر سمجھکر ساقی / ہاتھ مت کھینچ کہ ہم طبع جواں رکھتے ہیں

اللہ رے نزاکت اُس نازنیں صنم کی / پڑتے ہیں اک نگاہ سے سو کے بلے بدن میں

آوے جو بعد مردن خط کا جواب اُن سے / جائے جواب رکھیو نامہ مرے کفن میں

کوچے کا گلرخوں کے عالم اگر کہوں میں / تسکیں لگے نہ دم بھر بلبل کا جی چمن میں

کون کہتا ہے یہاں آپ گذارا نہ کریں / مدعا یہ ہے کہ آتے ہی سدھارا نہ کریں

غم پریشانی عاشق کا کرے اون کی بلا / ہو یہ کیونکر کہ وہ زلف اپنی سنوارا نہ کریں

ہووے کیا آپ سے تصویر صنم ہم آغوش / کوہکن تو نے کیا ہم تو گوارا نہ کریں

دلِ بیتاب کو میرے نہ کبھی ہو تسکین / کرکے تسکیں جو مجھے آپ پکارا نہ کریں

کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں / خط بھی لکھا جو ہمکو تو خط غبار میں

حالِ دل کہتے تو ہے وہ صنم رکتا ہے / اور چپ رہئے تو مشکل ہے کہ دم رکتا ہے

کس کا کوچہ ہے یہ یارب نہیں معلوم ہمیں / خود بخود یاں کے پہنچتے ہی قدم رکتا ہے

تسکین

تسکین۔ میاں تسکین نام۔ نواب آصف الدولہ کی سرکار میں خواجہ سرا تھے۔ ذہن رسا اور طبع نکتہ سنج پائی تھی۔ الفاظ رنگین اور خیالات تازہ کی تلاش میں سرگرم رہتے ہیں۔ زبان اگرچہ پرانی ہے تاہم کلام پرلطف اور شیریں ہے۔ ایک پرانے تذکرے میں کچھ ان کے اشعار نظر سے گذرے اُنکا انتخاب درج ذیل ہے۔

انداز فغاں کا مری بلبل نے اوڑایا
بس شور نکر اس قدر اب اے دلِ ناداں
سمجھا نہ گیا ہے کچھ اُسکا غضب و لطف
کیا گذری جو اس طرح سے ہے سوچ میں یارب
تھی اتنی دل آویز کب آشفتگی اُسمیں
دیکھی جو سحر اشک فشانی مری تسکین
کیا[1] خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں
یوں مجھ میں اُسمیں بگڑی سدا اور سدا بنی

نقشہ کو نزاکت کے تری گل نے اُڑایا
اک خلق کا تو مغز تری غل نے اُڑایا
اک عمر ہمیں اُسکے تغافل نے اُڑایا
ہوش اپنا تو قاصد کے تامل نے اُڑایا
یہ طور اسی زلف کا سنبل نے اُڑایا
شبنم کے تئیں چٹکیوں میں گل نے اُڑایا
خط بھی لکھا جو اُسنے تو خطِ غبار میں
کچھ اب کے ایسی بگڑی کہ بس جی پہ آ بنی

تسکین

تسکین دہلوی۔ شاعر نکتہ سنج و متین میر حسین صاحب تسکین شاہجہان آبادی خلف میر حسن عرف میرن صاحب۔ انکا نسبی سلسلہ فرخ سیر بادشاہ کے وزیر حسین علی کے قاتل میر حیدر سے ملتا ہے۔ ان کی ولادت ۱۲۱۸ھ میں دہلی میں ہوئی۔ فارسی کی تکمیل مولوی امام بخش صہبائی سے کی۔ طبیعت نہایت ذہین اور موزوں واقع ہوئی تھی۔ شعر گوئی اور سخن سنجی کا مذاق نہایت صحیح و شستہ تھا۔ عنفوان شباب میں جو کچھ کہا اُسمیں شاہ نصیر مرحوم سے مشورہ کیا۔ اُن کی وفات کے بعد حکیم مومن خانصاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حکیم صاحب کی توجہ سے اس فن میں درجۂ کمال حاصل کرلیا۔ مولوی محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ شاہ نصیر مرحوم کا دیوان انہوں نے مرتب کیا تھا مگر اسی زمانے کے ایک قلمی نسخہ سے یہ معلوم ہوا کہ منشی مہاراج سنگھ (جو شاہ نصیر مرحوم کے تلامذہ میں سے تھے) اس خدمت کو انجام دیا تھا۔ تلاش معاش کی فکر میں حضرت تسکین لکھنؤ بھی گئے مگر ناکام واپس آئے۔ کئی برس میرٹھ میں قیام کے بعد رامپور پہونچے اور وہاں کسی معقول خدمت پر مقرر ہوگئے۔ بہرحال تسکین اپنے وقت

[1] شیفتہ نے اسی شعر کو سعادت علی تسکین کے نام سے لکھا ہے ۔

کے شعرائے مشاہیر سے تھے۔ طرز سخن کمال دلکش خصوصاً عاشقانہ کلام نہایت پُرلطف اور بامزہ ہے۔ زبان صاف اور شیریں۔ اور بندش نہایت چست ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ سے اکثر صحبت رہتی تھی۔ بغرض حضرت مومن کے شاگردوں میں تسکین رکن رکین تھے اور اُستاد بھی انہیں نہایت عزیز رکھتے تھے۔ بلکہ ان کے صاحبزادہ میر عبدالرحمن کو اپنی فرزندی میں لے لیا تھا مومن کا دیوان میر عبدالرحمن ہی کا مرتب کیا ہوا ہے۔ غدر کے بعد میر عبدالرحمن کی سخن فہمی کی بڑی دھوم تھی۔

جناب تسکین کا دیوان اب نہیں ملتا۔ آپ نے اُستاد کی شوخ بیانی۔ طرز ادائے مطلب اور معاملہ بندی کے ساتھ ساتھ سادگی اور صفائی روزمرہ کا خوب سلیقہ بہم پہنچایا تھا۔ پچاس برس کی عمر پا کر ۱۲۶۸ھ ۱۷ شوال کو رامپور میں قضا کی اور وہیں نواب احمد علی خاں بہادر کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ سالک نے تاریخ کہی ؎

کہا دل نے کہ داخل ہو گئے سب	ارم میں عارف و تسکین و مومن

آپ کے صاحبزادے میر عبدالرحمن آہی بھی بڑے نازک خیال اور طباع شاعر تھے۔ آپ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

تھا میری طرح غیر کو بھی دعویٰ الفت	ناصح تو اُسے دینے کو الزام نہ آیا
بے بال و پری کھوتی ہے توقیر اسیری	صیاد کبھی لے کے یہاں دام نہ آیا
تسکیں کروں کیا دل مضطر کا علاج اب	کمبخت کو مر کر بھی تو آرام نہ آیا
ہر روز وہ ڈھونڈے ہے کوئی تازہ خریدار	صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا
مر جائیں گے پر دل نہ لگائینگے کسی سے	جی اور کسی ڈھب سے بہل جائے تو اچھا
کہتے ہیں رنجش ظاہر میں مزا آتا ہے	یونہیں تم مجھ سے ذرا ہو کے خفا مل جاتا
تمھیں بھی کھولنی زلفیں پڑیں گی	دل گم گشتہ اپنا گر نہ پایا ہو تو
ہزاروں مر گئے دیکھا جو عالم سوگ میں اُسکا	لباس آیا تھا وہ کافر پہن کر میرے ماتم کا

یہاں آنے سے کس واسطے جلتا ہی تمہارے
اُس در سے نجاؤنگا کبھی لاکھ کہو تم
دیکھیں کیا میری طرف یاد ہیں اُنکو اپنی
بات کرنی ہیں جو ہر دم سے حجاب آئینہ
جان دیتا ہے ہر اک بات پہ تسکیں کرباد
رہنے والونکو ترے کوچے کے یہ کیا ہوگیا
زندگی ہوویگی کس طور سے یارب اپنی
آج جو عرش پہ ہے اپنا دماغ اے ظالم
اتنی سرخی شفقِ چرخ پہ کس دن تھی مگر
حق کے کہنے سے نہیں ہٹتی ہے سولی منصور

عاشق تو نہیں ہے کہیں دربان تمہارا
دشمن ہی سہی تابع فرمان تمہارا
چشمکیں غیر سے کرنی مجھے دکھلا دکھلا
دیکھتا کیا ہے مجھے بھی تو خود آرا دکھلا
تمنے کیا اُسکو دیا اپنا سراپا دکھلا
میرے آتے ہی یہاں ہنگامہ برپا ہوگیا
دم میں سو بار اگر یوں وہ خفا ہووے گا
کوئی دشمن تری نظروں سے گرا ہوویگا
عاشق زار کا کچھ رنگ اُڑا ہووے گا
تونے دعویٰ کہیں الفت کا کیا ہووے گا

بھول جائیں گے وہ اغیار کو میں
وحشت اب لاش کو لے بھاگے گی
کوچۂ یار میں بیٹھنے تسکین
سہل سمجھے ہو اسکا آجانا

مر گئے پر بھی اگر یاد آیا ہو
تنگی گور سے گھر یاد آیا ہو
پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا
تمنے تسکین دل کو کیا جانا

کچھ نمک کچھ مشک کچھ الماس ہو آچارہ گر
ساکنانِ نہ فلک پہ دیکھئے کیسی بنے
بیٹھے تسکیں تھے روٹھ کر۔ وہ شوخ
جسوقت نظر پڑتی ہے اُس شوخ پہ تسکین
اس سے بہتر تھا جو دوزخ میں ٹھکانا ہوتا
خوبصورت ہو کوئی تو ہو بدنامی
اسنے مارا خلق کو اُسنے ڈبویا اک جہاں

پھر خدا چاہے بھرے دو دن میں منہ ناسور کا
نالۂ سوزاں انکا ہے اب کے ارادہ دور کا
دے کے وہ جھڑکیاں اُٹھا لایا
کیا کہئے کہ جی میں مرے کیا کیا نہیں آتا
بزم دشمن میں ترے ساتھ نہ جانا ہونا
سچ تو یہ ہے کہ بُرا ہو تو لیے اچھا ہونا
تیرا ہنسنا اور مرا رونا برابر ہوگیا

شوریدہ پایا اُس کے خرام ناز نے
گیا مجنوں نکل صحرا کو یہ دیوانگی دیکھو
غیرونکو اشارا ہے مرے قتل پہ ناحق
تمکو بھی تو غیروں سے یہ اخلاص نہیں ہے
چُپ لگی مجکو تو چرچا بھی پھر وہاں ہو گا
دیکھیو خانہ خرابی غیر وہاں قابض ہوا
ہمکو اپنی خبر نہیں ہمدم
اُس کو میں مجکو جانے سے کرتا ہے منع ہائے
اُس گلی میں اژدحام اغیار کا یاد آگیا
دیکھنا شوخی یہ کہتے ہیں مرے دشمن ہیں وہ
گر مرکے چھٹے دل کی طپش سے تو عزیزو
اے چشم سرمگیں تری گردش نے کیا کیا
رو لے ہے مجکو ڈبو کر چشم تر کو کیا کہوں
ایسی ہے غیر کی خاطر کہ مرے حال کو سن
زلفِ پر پیچ کو کھولا ہے یہ کس نے یارب
کبھی کہتا ہوں وصل مشکل ہے
یاں انتظار میں ہے کٹی مجکو ساری رات
دیکھوں تو لے ہے جان ملک الموت کسطرح
تسکیں سنے لے کے نام ترا وقتِ مرگ آہ
عیّار ہی دیکھنا جو گلے ملنے کو کہو
اشک سرخ انکھوں میں آ کے رہ گئے روتے دیکھنا

داورِ محشر کا سارا کھیل ابتر ہو گیا
فضائے کوچہ لیلیٰ کو اُسنے تنگ ٹھہرایا
یہ جنبشِ ابرو ہے تو سر کاہے کو ہو گا
جو ربط کہ اِس دست و گریباں میں دیکھا
رازِ پنہانِ خموشی سے بھی پنہاں ہو گا
جسکے گھر کو ہم یہ سمجھے تھے کہ اپنا ہو چکا
دیکھ تو آکے مر گئے شاید
ناصح کو کوئی جاکے کرے پاسبانِ غیر
دلمیں جوشِ حسرت و یاس و تمنا دیکھ کر
کیا ہنسی آئی مجھے تسکیں کو روتا دیکھکر
تا حشر نہ نکلیں گے کبھی گور سے باہر
راحت پذیر تھے ستمِ آسماں سے ہم
وہ ہی آتا تھا پسند اپنی نظر کو کیا کہوں
دل میں روتے ہیں بظاہر یہ ہنسے دیتے ہیں
کہ مرے پاؤں کی زنجیر کسے دیتے ہیں
کبھی کہتا ہوں کچھ محال نہیں
واں وعدہ کیا کیا تھا انھیں یاد بھی نہیں
تم وقتِ مرگ پاس سے اٹھنا ذرا نہیں
کیا جانے کیا کہا تھا کسی نے سُنا نہیں
کہتا ہے میں تو تم سے ہوا کچھ خفا نہیں
لعل کی ابتک سُنی تھی کیسے معدن آب میں

باتوں ہی سے کے مشفق ہیں مرے حضرت ناصح
دو دن تو رہیں پاس مرے رنج و محن میں
چھیڑوں ہزار طرح سے تمکو خفا کروں
قابو میں مرے دل ہو تو کیا جانے کیا کروں
یہ تو سچ ہے کہ جو تم چاہو گے کر گزرو گے
پر یہ ممکن نہیں ہم پر کبھی بیداد نہو
مجھ بیگنہ کے قتل پہ گر ہے خوشی غیر
ظالم تو میرے واسطے اندوہگیں نہو
آرام سے وہ پہلو میں بیٹھے کوئی گھڑی
تسکیں جو اضطراب ہے تجھے اسقدر نہو
سینے رکھا جو پاؤں پر سر کو
بولے وہ ناز سے کہ بس سر کو

وہم آتا ہے مٹا کر خطِ پیشانی ہائے
اسمیں لکھا ہو اُس در کی جبیں سائی کو
آتے ہی اُنکے جان گئی واہ رے نصیب
نکلے جو آرزو تو دم واپسیں کے ساتھ
سمجھے جنسے گمان دوستی کے
دشمن وہ ہوئے ہمارے جی کے
دل دینے کی قتل ہی سزا ہو
قائل ہیں تمہاری منصفی کے
کیا تجھ سا دکھا دیا ہے بدخو
کیوں ٹکڑے کئے ہیں آرسی کے
وہ اپنے وعدہ پہ محشر میں جلوہ فرما ہیں
نہیں ہے ضعف سے انبوہ میں گذار مجھے
شبِ وصال میں سُننا پڑا فسانۂ غیر
سمجھتے کاش وہ اپنا نہ رازدار مجھے
ہزار طرح سے کرنی پڑی تسلیِ دل
کسی کے جانے سے گو خود نہیں قرار مجھے
فریب دیکھے ہیں آغازِ عشق میں تسکیں
کہ سوجھتا نہیں اپنا مآلِ کار مجھے
مرے قصور سے دیدار میں ہوئی تاخیر
دکھینا تھا تماشائے روزگار مجھے
جان ٹھیری وہ اُس ابروئے خمدار کے آگے
سچ ہے نہیں تھمتا کوئی تلوار کے آگے
میں تیرے لئے ناصحِ مشفق سے لڑوں آہ
تو کہے بُرا یوں مجھے اغیار کے آگے
تیغ نگاہِ یار اُچٹتے لگی تھی پر
برسوں گذر گئے ہے مجھے آزار کھینچتے
اُس چشم پہ مرتا ہوں پہ وسواس ہے کیونکر
میں ذکر کروں نرگسِ بیمار کے آگے
ناز و ادا و غمزہ نے یوں دل لیا مرا
لیجائیں جیسے مست کو ہوشیار کھینچتے

یہ کہہ کے شب ہجر میں کرتا ہوں تسلی
جو رنج و مصیبت ہے سو انسان کیلئے ہے

دیکھتے ہی شوق نے ایسا کیا بے اختیار
حال دل کہنے لگے ہم یار کی تصویر سے

وہ مسیحا لب اگر آئے تو جی اُٹھوں ابھی
ہاتھ اُٹھایا چارہ سازو تمنے کیوں تدبیر سے

چین سے بیٹھے رہے محفل میں تسکین رات بھر
اُسنے پہچانا نہ ہمکو رنگ کی تغییر سے

کرسکے دفن نہ اُس کوئے میں جو احباب مجھے
خاک میں دل کی کدورت نے دیا داب مجھے

ہجر میں پاس نہ ہے زہر نہ خنجر افسوس
نہ دیئے موت کے بھی چرخ نے اسباب مجھے

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی
بات تو کرنے دے اس دل بیتاب مجھے

نام تسکین اور یہ مضمون تپش نازیبا
تھا تخلص جو سزاوار تو بیتاب مجھے

اب یہ حالت ہے کہ اُن سے بے درد
میرے بچنے کی دعا مانگے ہے

بنا تسکین نہ وہ بُت دوست اپنا
بگاڑی کس لئے سارے جہاں سے

بیتابیوں کی اور ہوس ہو تو آن کے
سیماب ہے کہو دل مضطر میں گھر کرے

اے دل یہ تیرا خاک میں ملنا ہے بے اثر
وہ کر جو اسکی طبع مکدر میں گھر کرے

کسکو جی جانے سے ناصح تو ڈرا جاتا ہے
یہی جاتا ہے محبت میں تو کیا جاتا ہے

دل کے لیتے ہی چلی جان یہ جلدی کہ نہ پوچھ
صبر بھی چند قدم پیچھے رہا جاتا ہے

عشق اور حسن میں ہے ربط ستم گیر ہے
جون جون میں اُسکو چھپاؤں وہ نہاں ہوتا ہے

تسکین

تسکین ۔ مرزا مظفر علی بیگ تسکین دہلوی ۔ ایک تذکرے میں آپ کو مومن خاں کا شاگرد لکھا ہے مگر راقم کے خیال میں ان کے نام میں غلط فہمی ہوئی ہے یہ اور میر حسین مذکورہ سابق دراصل ایک ہی ہیں ۔ بہرحال یہ انکا کلام ہے ؎

سر پر چڑھائے یا کہ رکھے ہمکو مار کے
بندے ہیں بال باندھے ہوئے زلف یار کے

افسوس پر نکلتے ہی کنج قفس ملا
دیکھے نہ دن خزاں کے نہ ہمنے بہار کے

ہجر و شب وصال تو گریاں بروز ہجر
یکساں ہیں دن خزاں کے ہمیں اور بہار کے

اتنا تو مانیو مرا باد صبا کہا
خاک کے اڑا ئیو نہ ہمارے غبار کے
بربادیاں نہ اپنی پس مرگ بھی گئیں
بن بن بگولے پھرتے ہیں میرے غبار کے

تسلی ۔ رائے ٹیکا رام تسلی خلف بخشی گوپال رائے برادر خورد رائے بھولا ناتھ دیوان کچہری بخشی گری نواب شجاع الدولہ صوبہ اودھ پرگنہ کریل ضلع اٹاوہ وطن تھا مگریہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ ریختہ میں مصحفی اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے امیرانہ بسر کرتے تھے۔ ۱۲۴۸ھ میں حیات تھے۔ نہایت مہذب خلیق قدردان اہل ہنر و کمال اور شعر و سخن کے دلدادہ تھے۔ کتاب سے عشق تھا۔ چنانچہ ہزار ہا روپیہ کے صرف سے نادر الوجود دیوانوں کے نسخے کتب خانے میں جمع کئے تھے۔

دیکھے سماں جو اس مژۂ اشکبار کا
ہو جائے شق جگر رگ ابر بہار کا
آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں
کیا پوچھتے ہو حال شب انتظار کا
جسکے قدم تلے دل خوباں ملے گئے
مذکور کیا ہے اپنے دل خاکسار کا
فہمیدہ والے کرتے ہیں دولت پہ کب گھمنڈ
کیا اعتماد زندگی مستعار کا
بھاگتا ہے مرے تصور سے
کس قدر بدگمان ہے کافر
دن پھرے پھر مگر تسلی کے
اندنوں مہربان ہے کافر

کیا مونھ جو کوئی آوے ترے تیر کے مونھ پر
یہ ہم ہیں کہ مونھ رکھ دیا شمشیر کے مونھ پر
جیسی تری تصویر لکھی کلک قضا نے
وہ حسن نہ دیکھا کسی تصویر کے مونھ پر
گر دلیں ہے خفا تو پھر اس بات کو ناداں
کہہ بیٹھو مت عاشق دلگیر کے مونھ پر
جانے دے تسلی تو نکر فکر سخن کا
پھبتا ہے سخن مصحفی و میر کے مونھ پر
کب مینے کہا پیارے تم مجھسے جدا بیٹھو
پہلو سے مرے تکیہ پہلو کو لگا بیٹھو
آتے ہی کہا تمنے بس گھر کو میں جاؤنگا
آخر کو تو جاؤگے یکدم تو بھلا بیٹھو
کیا جانے تمھیں کسنے یہ بات سکھائی ہے
جب پاس مرے آؤ تب مُنہ کو بنا بیٹھو

مانگا جو تسلّی نے اک بوسہ تو وہ پیارے
جو چاہے سلطنت اُسے ظلِّ ہما ملے
دیتے نہیں تسلّی کو ہو اور کچھ تو تم
اب بھی اس نیمجان میں کچھ ہے
کیوں ستاتا ہے دیکھ تو پیارے

سونفر سپہر کے ظالم نے یوں منہ کے کہا بیٹھو
مجھکو یہی ہوس ہے کہ وہ مجھ سے آملے
بوسہ ہر ایک شعر کا اُس کے صلہ ملے
فائدہ امتحان میں کچھ ہے
اس دلِ ناتوان میں کچھ ہے

تسلّی

تسلّی - منشی میر شجاعت علی دہلوی شاگرد عزیز شاہ نصیر مرحوم مُناجاتیں خوب کہتے تھے جن میں سے بعض ابتک مجالس صوفیہ میں پڑھی جاتی اور سامعین کے دلوں کو گرماتی ہیں - ایک پرانی بیاض میں چند غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب پیش کیا جاتا ہے - مضامین عاشقانہ اور معاملہ بندی کیطرف زیادہ توجہ مبذول رہتی تھی - طرز شعرخوانی ایسا مرغوب و پسندیدہ تھا کہ اُسکے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ خود اپنا افسانہ بیان ہو رہا ہے - شاہ نصیر کے تلامذہ میں اپنے وقت کے جراَت سمجھے جاتے تھے آخر میں تعلقات دنیوی سے کنارہ کشی اختیار کرکے درگاہ قدم شریف میں سکونت اختیار کرلی تھی - اور وہیں غدر سے چند سال پیشتر انتقال کیا - کلام ملاحظہ ہو -

مجھ سے بدنام عبث لوگ اُسے کرتے ہیں
میں نے ہاتھ اُنکے جو ابرو کو لگایا تو کہا
اس طرح میلے کچیلے تو یہ آفت ہو تم

ہمنشیں وہ تو مرے پاس نہ آیا نہ گیا
ہے سزا تیری کہ کاٹوں ترے شمشیر سے ہاتھ
گر تکلف کر دیکھ سپھر تو غضب لاؤ اُجی

کیسی ٹھوکر جڑی ہے حضرتِ دل
مار ڈالا ہمیں کہتے ہی سنے
جب کہا میں نے تپ میں مرتا ہوں
بولے وہ کیا مرے ہیں آئے ہیں
غیر کے کل وہ لگ کے چھاتی سے

پاؤں پر اُسکے سر دھرو تو سہی
کہ سحر ہو گئی اُٹھو تو سہی
قطعہ تم گلے سے مرے لگو تو سہی
خیر ہے کچھ پرے ہٹو تو سہی
قطعہ مجھ سے کہنے لگے سنو تو سہی

اسلیے اُسکے ہم گلے سے لگے | کہ ذرا جی میں تم جلو تو سہی

میاں جو کچھ تری سج دھج میں رعنائی نکلتی ہے | کہاں مرزا مزاجوں میں وہ رعنائی نکلتی ہے
صبا مذکور جب کچھ کیجیے ہے تیری زلفوں کا | چمن سے بسکہ سنبل مہکے بو آئی نکلتی ہے
خدا سے ڈر برابر کر نہ اوروں کے تسلی کو | کہ تیرے عاشقوں میں اُنکی یکتائی نکلتی ہے

تسلی

تسلی ۔ ابوالخیر قطب الدین علی تسلی تلمیذ جناب علوی ۔ حیدرآباد دکن محلہ شیدی عنبر میں اقامت گزیں ہیں ۔ ۲۴ ۔ ۲۳ برس کے نوجوان روزگار پیشہ ہیں ۔ طبیعت ذہین اور مذاق ستھرا ہے یہ اُنکا کلام ہے ۔

اچھی لڑائیاں ہیں یہ اچھا ملاپ ہے | ٹھہرا ہے عین صلح لڑانا نگاہ کا
بخت سیہ پہ لپٹے ہیں کیسے نہ جان و دل | پورا جواب ہے تری زلف سیاہ کا
عاشق کو کس سہارے سے اُمید زیست ہو | ملنا بھی اُس نے چھوڑ دیا گاہ گاہ کا
کس طرح دل چرانے کا تیر گماں نہو | چوری کا ہے ثبوت چُرانا نگاہ کا
اب مجھے خدا سمجھے بتوں سے | میرا دل اور میرا ہی عدہ ہو تو
بیوفائی تیری کیا خاک ہمیں یاد رہے | یاد آتا ہے جو تو خود کو مٹا دیتے ہیں
مسیحا ہو مری جاں یہ مسیحائی کی باتیں ہیں | نہ پوچھا بھول کر بھی حالت بیمار کیسی ہے
الہی دونوں آنکھوں سے نظر تو ایک آتا ہے | لڑائی پھر میان کافر و دیندار کیسی ہے
وہ غمخواری کے پردے میں مٹا جاتے ہیں مجھکو | پھر ہر دم پرسش حال دل بیمار کیسی ہے

تسلیم

تسلیم ۔ منشی محمد کبیر خاں خلف امیر الدین نبیرہ بدو خاں سرغنہ افاغنہ رامپور جوان وجیہ بردبار ۔ متحمل مزاج اور خوش خلق تھے ۔ نظم و نثر انشا پردازی میں طاق ۔ شعر فہمی اور سخن سنجی میں اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے ۔ علوم و فنون سے بقدر ضرورت ماہر تھے فکر رسا و فہم ذکا کی امداد سے کبھی کبھی شعر گوئی کی طرف بھی متوجہ ہو جاتے تھے ۔ سو برس سے اوپر ہوئے جب قدرت اللہ شوق نے اپنا تذکرہ مرتب کیا تو آپ کا عالم

شباب تھا۔ کلام اُس تذکرہ سے منتخب کرکے درج کیا جاتا ہے۔ انتخاب سے ارباب فہم پر ظاہر ہوجائے گا کہ شعر بھی بُرا نہیں کہتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔

اگر مدعا ہے مرا خوں بہانا
تو پھر کس لئے ڈھونڈتے ہو بہانا

ہوا سب کا تسلیم دشمن نہ تو بھی
کبھو دوست جانے نجانا نجانا

ولے اے بخت سیہ پھر یہ ستم کیا ہوگیا
وہ جو سوتا تھا بغل میں رات میری سوگیا

مصروف ہے از بس کہ تری وصف دہانکا
ہے فکر عدم کام دل ہیچمدان کا

وہاں آسنے ادا کی یہاں ہم ہوگئے تمام
سچ ہے کہ مر و مرتے ہیں تسلیم آن پر

رکھے ہے بسکہ وہ دلدار مجھ سے دل میں غبار
بجا ہے نامہ گر اُسکو لکھوں بخط غبار

مہر سکوت لب پر مثل نگیں ہے میرے
اب قدرداں سخن کے تسلیم کم رہے ہیں

ہمیں کیا واعظ اندیشے سے محشر کے ڈراتا ہے
گلی میں اُسکی ہو رہتے ہیں ایسے شور و شر لاکھوں

غیروں کے تو گھر جا جا تم باتیں بناتے ہو
پھر یہاں جو آتے ہو کچھ اور بن آتے ہو

منظور اُٹھانا ہے میرا ہی مگر صاحب
غیروں کو جو تم ہر دم پاس اپنے بلاتے ہو

قطعہ

انصاف بھلا کیجے کس طرح بنے تم سے
اسطور سے ہر اک پر غصہ میں جو آتے ہو

گر بات کہی سیدھی تو ہوتے ہو ٹیڑھے تم
اور کا شکے پڑھا ہو تو سیدھی سُناتے ہو

بھلا یہ کس نبی کا معجزہ تھا منصفو دیکھو
کہ دروازہ پہ جسکے ہوں کھڑے پیغامبر لاکھوں

ہم نشیں مت تنگ کر مجھکو عبث
بات ہے کچھ اُس دھان کی گو مگو

ابتو اپنی جان سے تسلیم ہم
دل اُٹھا بیٹھے ہیں ہونا ہو سو ہو

تاب و توان و صبر دل زار چل بسے
تھے اِس جہاں میں اپنے جو غمخوار چل بسے

لخت جگر جو پلکوں پہ رہتے تھے ہر گھڑی
ان پلٹنوں نکے ہائے وہ سالار چل بسے

وہ جو قصوں میں سُنا کرتے تھے ہم طوفان نوح
سو وہ اک پل میں دکھایا دیدۂ غمناک نے

پھر تو اُس آشنا کُش کی دلا باتوں پہ جاتا ہے
مجھے اِس سادگی پر تیری ناداں رحم آتا ہے

اسی منہ سے مسیحا اُسکا روکش ہوگا منہ دیکھو
وہ اک ٹھوکر سے سو مردوں کو دم میں جلاتا ہے

آفت جاں کچھ نہ اک ابرو کی وہ شمشیر ہے
کج نگاہی بھی تو جیسے بازگشتی تیر ہے

ہاتھ سے اُن سیم بدنوں کے ولا سیماب وار
کشتہ ہو جانا ہی حق میں تیرے اب اکسیر ہے

کھڑا ہو بات تو سن لی مری ٹک او میاں بانکے
پڑا کیجے کہانتک پاؤں کہ اس تیرے درباں کے

کیا ہے دیکھنے کو دل نے اس محبوب کے روزن
نہ دیجو زخم کو سینے کے اے جراح تو ٹانکے

حال اپنا کیا کہوں ہمدم کہ اُسکے ہجر میں
خون دل پیتے رہے اور درد و غم کھاتے رہے

مل گیا تھا رات تو خلوت میں وہ تنہا پر آہ
کچھ تو شرمایا وہ اور کچھ ہم بھی شرماتے رہے

کچھ تو اُس شوخ نے دلمیں لیا ہی جان مجھے
اسقدر جان کے ہوتا ہے جو انجان مجھے

اگر وہ وحشی رم خوردہ میرا رام ہو جاوے
تو پھر کیا اس دل بیتاب کو آرام ہو جاوے

جو وقت نزع ہی وہ تسلیم وہ خود کام آجاوے
تو اس ناکام کا پھر اک نگہ میں کام ہو جاوے

تسلیم ۔ حاتم خاں قوم سے افغان اور رامپور روہیل کھنڈ کے رؤسا میں تھے علی بخش خاں کی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور خوش کلام سخن ور تھے قبل از غدر حیات تھے ۔ یہ چند شعر ان کے ہیں ۔

شباب گیسوئے مشکیں کے عشق میں گذرا
پھرا کیا میں خطا میں تمام شب بھٹکا

کچھ اسکے حق میں بھلے ہونگے وہ لب میگوں
یہ بات کیا ہے کہ تسلیم بے سبب بہکا

پہلے اے غنچہ و گل منہ تو ذرا بنوا لے
کیجیو پھر دہن یار سے نسبت پیدا

کھربا کاہے کو اس طرح سے تنکے چنتا
تیرے دیوانے کی کرتا جو نہ رنگت پیدا

تسلیم ۔ مولانا ابو البیان محمد سلیم الدین احمد نارنولی مصنف حدیقۃ المذہب جو مطبع یوسفی الور میں ۱۳۰۵ھ ہجری میں چھپی ہے، بہت طباع اور ذہین شخص تھے ۔ استعداد علمی عالمانہ تھی ۔ مسدس حالی کے جواب میں ایک مسدس بھی لکھا ہے ۔ ریاست ہائے الور اور جے پور میں تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے ۔ دریغا حسرت ۔ ہے ہے فاضل عصر ۱۳۱۱ھ
۱۸۹۴ء

یہ دونوں تاریخیں آپکی وفات کی ہیں۔ ۶۰ برس کی عمر میں بمقام نارنول انتقال کیا۔

مرا ایمان اے کافر تری نازک ادائی پر
دیکھا ہو جسنے وصل وہی جانے ہجر کو

کہ تقوےٰ ہی کھو دیا تسلیم سے مرد مسلماں کا
اپنی تو ساری عمر کٹی انتظار میں

اُنھیں سرگراں محکوشؔ کی رکھا
برا ہو تمنائے دشوار کا

(از مسدس)

اجابت کو پہنچیں یہ دونوں دعائیں
بلائیں یہ امت پہ آئیں نہ آئیں

ہوئیں گرچہ اور ہو رہی ہیں خطائیں
نہ بدلیں نہ بدلیں گی شرعی بنائیں

قیامت کے ڈھب میں غضب کے فسوں ہیں
مگر اہل امت وہی جوں کے توں ہیں

گر ایسا نہوتا ازل میں مقدر
تو ہرگز دعایوں نکرتے پیمبر

کہ ڈوبے گی امت گناہوں میں اکثر
ہر اک بات کا اک محل ہے مقرر

اُسی کے لئے عافیت کی دعا ہے
جسے کوئی بیمار ئیے جانگزا ہے

سو یہ حالت اب اہل اسلام کی ہے
نہ رغبت شریعت کے احکام کی ہے

مسلمانی اُن میں فقط نام کی ہے
نہ کچھ فکر آغاز و انجام کی ہے

نہ شرم نبی ہے نہ خوف خدا ہے
غم نفس ہے اتباع ہوا ہے

تسلیم۔ سخنور ذی فہم منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی خلف منشی اقشام الدین مدت مدید تک منشی نول کشور کے مطبع کے متوسل رہے۔ شیخ علی بخش بیمار کے شاگرد رشید تھے۔ آپ فن سخن میں مشاہیر سے تھے۔ تاریخ گوئی میں ایسا ملکہ رکھتے تھے کہ اُن کی مثال کم نظر آتی ہے۔ چنانچہ انواع و اقسام کی صنائع و بدائع سے آپکی تاریخیں مملو ہوتی تھیں۔ اِن کے شاگردوں میں راجہ کشن کمار وقار رئیس مہیپور بلاری بڑے خوش کلام ہیں۔

حضرت تسلیم کی عزیز زندگی کا بڑا حصہ اُنھیں کی سرکار میں گذرا۔ اُنکی تصنیف سے ذیل تاریخ مثنوی سعدین المخلص تسلیم۔ چھپکر شایع ہوچکی ہیں اور راقم کے کتب خانہ میں موجود ہیں مگر ابھی دیوان شایع نہیں ہوا ہے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ عاشقانہ اور تشبیہ دونو طرزیں ملی جلی ہیں سادگی اور صفائی بھی موجود ہے۔ اِن کے پختہ مشق اور مشاق سخنور ہونے میں کسکو کلام ہوسکتا ہے۔ فارسی بھی کہتے تھے۔ تاج المدائح فن صنائع و بدایع میں فارسی زبان میں مدح نواب کلب علیخاں بہادر والی رامپور میں اور مثنوی تاج الکلام مدح نواب شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال میں لکھی ہیں۔ ۶۰ سال ہوئے عالم ضعیفی میں انتقال کیا۔ ۱۲۔ رجب ۱۲۳۳؁ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۲ شوال ۱۳۰۹؁ ہجری روز دوشنبہ کو وفات پائی خورشید علی اخگا تاریخی نام ہے۔ افسوس باوجود انتہا درجہ کی کوشش کے صرف اسی قدر کلام ملا ملاحظہ ہو۔

ہے مومیا شکستہ دلوں کو شکستِ زلف
ایک ایک حلقہ بنتا ہے حلقہ کمند کا

مشکل کشائے جوش جنوں بند و بست زلف
ہے فتح کا نشان سراسر شکستِ زلف

تسلیم کہئے یار سے اندھیر ہے یہ کیا
عشقت سپر و یکسرہ مارا دستِ زلف

نکتہ داں ہوں کیوں کہوں اُسکا دہاں ملتا نہیں
نقطۂ نونِ دہن سے کیا نشاں ملتا نہیں

آفتاب اوج شہرت میں نہیں سکتا ہی حسن
جب تک اِسکو کوئی رسوائے جہاں ملتا نہیں

گھل گیا اپنا بدن غم میں ترے اے شعلہ رو
مثل شمع سوختہ اک استخواں ملتا نہیں

پھیر دی جھاڑو یہ کیسی ہائے میرے باغ میں
آنکھ پر رکھنے کو تنکا اے خزاں ملتا نہیں

میرا فریادی سوال اور اُنکا شاکی ہے جواب
بے دہن دلبر سا مجھ سا بے زباں ملتا نہیں

رنگ جمنے کا نہیں تسلیم اس گلزار میں
ہمصفیروں سے میرا طرز بیاں ملتا نہیں

مانند ابر اشک سے دامن بھگوئیں کیوں
اک بوند آبرو ہے اُسے ہم ڈبوئیں کیوں

یہ عشق نے لاغر کے کیا ناتواں مجھے
ہے رشتۂ حیات بھی بار گراں مجھے

بوسے کا نام سن کے چباتا ہے اپنے ہونٹ
میرا یہ موٹھ کہ وصل کی دے وہ زباں مجھے

دیکھا جو اس نے تختۂ نرگس میں آئینہ
لاکھ آنکھوں نہیں دکھائی دیں دو پتلیاں مجھے

یہ پھبکے غمزے نہ کرو اٹھو چلو بیٹھو
اپنی سلامتی ہے تو سو دوستاں ہے مجھے

داغ فراق یار کے سر پر مرے قدم
مدت کے بعد ایک ملا میہماں ہے مجھے

میرے وضو کو لاؤ شراب دو آتشہ
کرنی ہے آج بیعت پیر مغاں ہے مجھے

سچ ہے شل بھلائیگا بدلہ برائی سے ہے
میں دوں دعائیں دیتے ہو تم گالیاں مجھے

کرتے ہیں یاد وہ کہ اجل نے کیا ہے یاد
آتی ہے آج ہچکیوں پر ہچکیاں مجھے

ہر معرکہ میں کھلتے ہیں جوہر کمال کے
مانند تیغ تیز ملی ہے زباں مجھے

حال یہ اُن کی انجمن میں ہے
ہر سخن معرض سخن میں ہے

درج نئی تازہ اوج وہ مری فریاد کی ہے
باغباں لوٹ ہے حالت بری صیاد کی ہے

شانِ محبوبی کی دشمن ہے رکھائی آپکی
دیکھو دیکھو چھوٹی ہوتی ہے بڑائی آپکی

باج لے تارِ نظر سے اور رگِ جاں سے خراج
آپ کی پتلی کمر نازک کلائی آپ کی

ننگے ہو جاتے ہو بزم غیر میں پی کر شراب
خوب کھل کھیلی ہے اب تو پارسائی آپ کی

یاد رکھو میں بھی اپنے نام کا تسلیم ہوں
گڑگڑا کر ہو گی منت کش رکھائی آپکی

تسلیم ۔ لالہ دیبی پرشاد تسلیم فرخ آبادی ابن لالہ مادھو رام جوہر شاگرد سید اسمعیل حسین منیر شکوہ آبادی ۔ قوم کے ویش اور بڑے نامی گرامی ساہوکار تھے ۔ غدر کے بعد تک حیات تھے ۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ۔

بیمارِ محبت کو شفا ہو نہیں سکتی
اچھا یہ مرض ہے کہ دوا ہو نہیں سکتی

فریاد سے کیا فائدہ ہنگام مصیبت
کچھ آہ ضعیفی میں عصا ہو نہیں سکتی

تیر نگہ یار سے کیوں دل کو بچائے
تسلیم سے ہرگز یہ خطا ہو نہیں سکتی

تسلیم ۔ سخنور ہمپایۂ قدسی و کلیم ۔ منشی امیر اللہ صاحب تسلیم ۔ خلف مولوی عبد الصمد مرحوم ۔

اصل وطن فیض آباد ہے۔ پہلے مدتوں لکھنؤ رہے اب عرصۂ دراز سے متوسل سرکار رام پور رہیں مرزا اصغر علی خاں مرحوم نسیم دہلوی کے شاگرد رشید بلکہ فدائی ہیں۔ مدت ہوئی کہ آپ کا پہلا دیوان موسوم بہ نظم ارجمند چھپا تھا اس کے بعد دو دیوان اور مرتب کئے ہیں۔ مثنوی نالۂ تسلیم و دل و جان و صبح خنداں ان کی تصانیف سے مشتہر ہو چکی ہیں اس وقت نوے برس کے قریب عمر ہے۔ متاخرین شعرا میں آپ ہی جیسے دو ایک دم باقی رہ گئے ہیں۔ سن ولادت کے بارہ میں آپ ارقام فرماتے ہیں کہ جس سال غازی الدین حیدر مسند نشین ہوئے ہیں پیدا ہوا اس حساب سے ۱۸۲۲ء سال ولادت سمجھنا چاہئے۔ نواب کلب علیخاں بہادر کی زندگی تک بہ آسایش بسر کی اس وقت تمام مشاہیر شعرائے ہند کا مجمع رام پور میں تھا اور باہم ایک دوسرے کو خوش نوایان سخن کے ساتھ زمزمہ سنجی کا لطف آتا تھا۔ آپ کے مسلّم الثبوت اُستاد اور موجودہ شعرا میں نہایت بلند پایہ اور عالی رتبہ ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔

راقم تذکرہ پر کمال عنایت فرماتے ہیں۔ اپنا دوسرا دیوان بھی عنایت کیا تھا۔ آپ کے شاگرد رامپور اور لکھنؤ میں بکثرت موجود ہیں جنمیں فی زمانا فضل الحسن حسرت موہانی و عرش مشہور ہیں۔ کلام کے متعلق خود دیوان کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں "ہنوز نظر ثانی کی نوبت نہ آئی تھی اطمینانِ خاطر نے صورت نہ دکھائی تھی۔ دیوان مجزا تھا مجلد نہوا تھا کہ احباب دیکھنے کے واسطے لے جانے لگے۔ مزہ نظم کا اُٹھانے لگے جب مجکو واپس دیے گئے تو میں نے صندوق میں رکھدیا۔ پھر مدت تک ندیکھا جب صاحبانِ طبع نے واسطے طبع کے طلب فرمایا تب خیال آیا کہ ایک نظر دیکھ کر اطمینانِ دل حاصل کروں نقصانات کو بنا کر کامل کروں۔ دیکھا تو جابجا سے ابتر پایا اکثر کمتر پایا نہ معلوم یاروں کی بے پروائی سے تلف ہوا یا اپنا دیوان ناقص کامل کرنے کی غرض سے کلام چرالیا۔

ناچار پھر باقی ماندہ کو ردیف وار لکھا از سر نو رطب و یابس پھر ایک جگہ جمع کیا" اس

دوسرے دیوان کا نام آپ نے نظم دل افروز رکھا ہے۔ کلام میں فصاحت بلاغت۔ متانت شوخی۔ کمال کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے۔ قوت متخیلہ و قوت ممیزہ دونو اعلیٰ درجہ کی زبردست عطا ہوئی ہیں۔ سہروقت طلب مضمون کو اس سادگی اور صفائی سے قلم بند فرماتے ہیں کہ اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

نہایت منکسر المزاج اور باوضع بزرگ ہیں۔ خوش نویسی میں بھی ید طولیٰ حاصل ہے ابتدائے زمانہ میں یہی شغل رہتا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی اسکے مشق جاری رہتی ہے۔ واقعی اس وقت آپکا دم مغتنمات روزگار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکے انفاس میں برکت دے۔ آپکا اصل وطن گو قصبۂ منگل سرائے عرف بدوسرائے مضافات دریاآباد میں ہے اور عمر شریف کا بہت سا حصّہ بھی لکھنؤ ہی میں بسر ہوا ہے مگر آپ کو اپنے اُستاد والا نژاد حضرت نسیم دہلوی سے اسقدر عقیدت و ارادت ہے کہ ہمیشہ سے آپکی وضع بھی قدیم دہلی کے درباری لوگوں کی سی رہی اور دلّی کی تعریف بھی آپ ہمیشہ فرماتے رہتے ہیں چنانچہ آپکا قول ہے کہ "میں ہوں تسلیم شاگرد نسیم دہلوی * مجکو طرز شاعران لکھنؤ سے کیا غرض" * آپکے کلام کا رنگ بھی وہی ہے اور اکثر اوقات آپنے بالخصوص اہل دہلی کے رنگ میں غزلیں کہی ہیں اُستاد کو بھی آپکی شاگردی پر فخر تھا اور واجبی فخر تھا آپکے کلیات میں حضرت نسیم کی ایک تاریخ ہے جس سے اُستاد کا وہ اعلیٰ خیال صاف مترشح ہوتا ہے جو اپنے شاگرد کے متعلق اُنکے دل میں تھا تاریخ از نسیم دہلوی

چوں نظم نمود این فسانہ	تازہ گلبن ز باغ تعلیم	گفتیم نسیم سال تصنیف	قربان بجمال فکر تسلیم

کعبہ سے بتکدہ کو گیا بھی تو کیا ہوا
میں دیکھتا وہاں بھی تری شان ہی رہا

شان خدا جو دیکھ لی حسن بتاں میں شیخ
اتنی سی بات میں میں گنہگار کیا ہوا

دم دیا ہے حرم و دیر میں کس کافر نے
کلمہ پڑھتے ہیں یہ سب گبر و مسلماں کس کا

جلوہ گر ہے کون کسکا کرتی ہے حسرت طواف
کعبۂ دل پر مرے عالم ہے بیت اللہ کا

شبنم گری تو سمجھے دیا آسماں نے غسل
خاک اُڑ کے آپڑی تو ہمارا کفن ہوا

پھول سے رخ کا نظارا ہمیں کرنے نہ دیا
دامن دل گل اُمید سے بھرنے نہ دیا

ہٹ اُسکی رہ گئی یہ بڑی بات ہے مجھے — دل چھین کر گیا تھا ہاتھ سے اپنے گیا گیا

اب ہاتھ کیوں اُٹھاتے ہو تم سوئے آسماں — بالیں پہ موت آ گئی وقتِ دعا گیا

مایوس دادخواہِ ستم کیوں ہیں حشر میں — اللہ بھی بتوں کا طرفدار ہو گیا

کل گئے ہیں آج وہ آئینگے لیکن کیا کہوں — دو ہی دن میں دلکو میں دل مجکو دوبھر ہوگیا

کیونکر کہوں وہ فتنۂ محشر نہیں ملتا — ملتا ہے مگر دل سے ستمگر نہیں ملتا

گیسو کی محبت میں سنبھلا ہی نہیں جاتا — اس پیچ سے کیا نکلوں نکلا ہی نہیں جاتا

دریائے محبت میں ڈوبا ہوں کچھ ایسا میں — ہر چند ابھرتا ہوں ابھرا ہی نہیں جاتا

دل ہوا زخمی جگر محروم پیکاں رہ گیا — ایک کا ارمان نکلا ایک پُر ارماں رہ گیا

پارسائی کیسی اے زاہد بتوں کے عشق میں — میں الٰہی کا شکر کرتا ہوں کہ ایماں رہ گیا

محتسب لذتِ مے سے نہیں واقف ورنہ — سر بازار لئے شیشہ و ساغر پھرتا

گلفشانی گر یہی ہے شمع تربت کی مری — دیکھ لینا قبر پر پھولوں کا بستر ہو گیا

ہائے کیونکر نہ کروں میں گلہ محرومی کا — لاکھ ارمان تھے اور ایک بھی پورا نہوا

عمر بھر رشکِ عدو ساتھ تھا کہتا کیا حال — وہ ملا بھی کبھی تنہا تو میں تنہا نہ ہوا

پردۂ محمل تو اُٹھے دیدِ لیلےٰ کے لئے — ذرہ ذرہ چشمِ قیسِ ناتواں ہو جائیگا

شکر کر سرِ حلقۂ رنداں بادہ نوش ہے — اور کیا اے شیخ تُو پیرِ مغاں ہو جائیگا

روز جانے سے یار بدظن تھا — شوقِ دل دوستی کا دشمن تھا

شکر کرکے رہ گئے زخمِ جگر — کہہ گئی قاتل زبانِ تیر کیا

قطرۂ خوں بھی نہیں دل میں مرے — ہائے تر ہو گی زبانِ تیر کیا

کچھ کہدو جھوٹ سچ کہ توقع بندھی رہے — توڑو نہ آسرا دلِ امیدوار کا

قربان ہوگا اور کی بانکی ادا پہ کیا — دل ہی نہیں رہا وہ ترے جاں نثار کا

تسلیم کس کے واسطے بیٹھے ہو گھر چلو — کیا اعتبار وعدۂ بے اعتبار کا

ایسے خوش خوش چلے آتے ہیں حرم سے تسلیم
خاک ہونے سے خاک ہاتھ آیا
ہم نے کعبہ میں بھی نہ سجدہ کیا
برسوں لبیک خواں رہا تسلیمؔ
پر خدا جانے بت پرستی میں
عیش و غم وا وہی غربت میں خدایا کیا
مرنے سے کیا ہمارے تمکو ملال ہو گا
میں کیا کہوں جو تمکو پیارے ہیں کیوں لہو کے
دل مرا تھا گر گیا گم ہو گیا جاتا رہا
ڈھونڈھتا ہے روز و شب لیکر چراغِ مہر و ماہ
وعدہ جو کیا شام کو وقتِ سحر آئے
کیا خاک رکھا تھا دلِ پُر شور نے باقی
اللہ رے ہمدردیِ یارانِ خرابات
جیتا ہوں نہیں جینے کی جبتک ہے مجھے امید
آرام نہیں گردشِ بیجا سے کسیکو
اے واعظِ مسجد رہِ بتخانہ بتا دے
دے دیں جگہ صورتِ آئینہ ہمیشہ
تسلیم بیاباں سے سوئے خانہ پھروں کیا
خوب ہوتی ہے بسر مینخانہ میں لیل و نہار
مرقد میں سفیدی جو کفن کی نظر آئی
ہر اک ذرہ ہے چشمِ قیس لیلیٰ

جیسے بت خانہ گئے تو خدا کا دیکھا
جب میں تیرا ہی نقشِ پا نہوا
جس جگہ تیرا نقشِ پا نہ ہوا
ق
حجِ کعبہ کبھی قضا نہ ہوا
کیا مزا تھا کہ پارسا نہ ہوا
دھوپ کیسی سرِ پُر شور پہ سایہ کیسا
وہ ہم نہیں پیارے جس کا ملال ہو گا
مذہب میں کافروں کے یہ بھی حلال ہو گا
غم تمھیں کاہے کا ہے جاتا رہا جاتا رہا
کیا ترا اے آسمانِ پر جفا جاتا رہا
اس ماہ میں خورشید کا عالم نظر آیا
جو اور جلانے مجھے داغِ جگر آیا
خالی جو ہوا شیشۂ دل جام بھر آیا
مر جاؤں گا بالیں پہ مسیحا اگر آیا
عالم مجھے فانوسِ خیالی نظر آیا
مستی میں نہیں ہوش کدھر تھا کدھر آیا
حیرت کدۂ دہر میں جو کچھ نظر آیا
آیا دلِ عاشق کیطرح میں جو بھر آیا
رات بھر کرتے ہیں توبہ پیتے ہیں دن بھر شراب
سمجھا ہیں پسِ مرگ مرے ساتھ گڑی دھوپ
اُٹھانا پردۂ محمل سمجھ کر

سزاوارِ ادب ہے کوئے قاتل
اُڑانا خاک او بسمل سمجھ کر

وقتِ پیری لے اُڑی آخر ہوائے میکشی
شیخ بتخانہ میں جا بیٹھا مصلے چھوڑ کر

غنچہ بھی خاموش گل خنداں عنادل نعرہ زن
اُڑ گئی بادِ صبا اچھا شگوفہ چھوڑ کر

بُوند بھر پانی کی بھی اُمید اپنے سے نہیں
دیکھ دریا چل دیا ساحل کو پیاسا چھوڑ کر

یہ قسمت اپنی اپنی تن پڑا ہے بےکفن ابتک
جگہ دی آسماں نے خون کو قاتل کے دامن پر

میں عاشق ہوں تمھارا کیا ملوں اب شیخ کعبہ سے
کہ بیعت کر چکا ہوں دیر میں دستِ برہمن پر

کون آیا تھا نہانے کو کہ جسکے ہجر میں
موج دریا سر پٹکتی ہے لبِ ساحل کے پاس

جتاتی ہے خموشی صورتِ شمع
کبھی دل کی نہیں آتی زباں تک

کیا خبر مجکو خزاں کیا چیز ہے کیسی بہار
آنکھیں کھولیں ہیں نے اگر خانۂ صیاد میں

اور ہیں جنکو ہے شاگردی پر اے تسلیم ناز
ہیں نسیم دہلوی کے کفش برداروں میں ہوں

تھک گئے ہم حسرتِ شوقِ شہادت کم نہیں
مجھ سے دم لیلو اگر تیغِ ستم میں دم نہیں

وائے غفلت اب بھی اُمیدِ شفا یاروں کو ہے
دم دعائیں کر رہے ہیں اور مجھ میں دم نہیں

بیخودی کا ہو برا کیسے پشیماں آج ہیں
آپ آئے آپ میں بدقسمتی سے ہم نہیں

سر سبز باغِ دہر میں اہلِ قلم نہیں
دیکھی ہری بھری کبھی شاخِ قلم نہیں

کیونکر کہوں کہ لطف بھی انکا ستم نہیں
کب آئے دیکھنے کو کہ جب مجھ میں دم نہیں

اُسکی سحر نہ اسکی زمانے میں شام ہے
فرقت کی شب بھی روزِ قیامت سے کم نہیں

کھنچتے ہیں آنکھ ملتے ہی وہاں کے خلق کیوں
جادو اگر نہیں ہے تمھاری نگاہ میں

واعظ خدا شناس نہ ہو گا تمام عمر
ابتک پڑا ہوا ہے حرام و حلال میں

وہ برق میں شوخی وہ لگاوٹ تھی ہوا میں
دی رخصتِ مے خود مجھے توبہ نے گھٹا میں

بلنا ستمِ چرخ سے منہ اُف سے نکرنا
یہ بات مرے دل میں ہے یا برگِ حنا میں

پھیروں ہی سے ہر دم لڑا یا کرو آنکھیں
حق ہے مرا بھی نگہ ہوش ربا میں

اللہ سے کہتا کہ حسینوں کو وفا دے
مجھ شکر کر میخانہ میں اے پیرِ مغاں
کون آنکھوں میں سمایا ہے کہ ہم کو ہر دم
صفتِ مردمکِ چشم ہیں گوشہ نشیں
افسوس پڑ گئے ہیں کفِ پا میں آبلے
بھلائی کی آنکھوں سے جب دیکھئے
قیامت کی ہے بیتابی سرشکِ چشم گریاں میں
دمِ طفلی سے میں ہوں آشنائے مرگ دوراں میں
بنی ہے یہ مرے دم پر میں پچھلے پھر آخر
نظر کر اے ستمگر ربط باہم اسکو کہتے ہیں
بھڑک اٹھی لگی دل کی ہجومِ اشک گریہ سے
شہیدانِ محبت کا نرالا ہے کعبہ سے
ہوا میں زندۂ جاوید ہو کر قتل اے قاتل
جھکا دو شرم سے عالم دکھا کر قدِ موزوں کا
چلو گھر خاک بھی ڈالو حنا کا خون ہوتا ہے
حسینوں سے بگڑتا اور دلکو داغ دیتا ہے
شہیدِ تیرِ قاتل ہوں مجھے کیوں غسل دیتے ہیں
بہت دیکھا سنا ہے ایک ہو تم دونوں عالم میں
نکل جاونگا مثلِ نالۂ زنجیر زنداں سے
تہِ مدفن کھلی آنکھیں تو اس دنیا کو یہ سمجھے
ڈراتا کیوں ہے اے تسلیم واعظ مجکو دوزخ سے

تسلیم جو پاتا میں اثر اپنی دعا میں
ایک عالم کو ترا دستِ نگر دیکھتے ہیں
وہی صورت نظر آتی ہے جدھر دیکھتے ہیں
گھر میں بیٹھے ہوئے عالم کو مگر دیکھتے ہیں
آیا ہے بے وفا کبھی مجھ تک جو خواب میں
سوا اپنے کوئی بُرا ہی نہیں
کبھی پہلوئے قزاقمیں کبھی آغوشِ خواماں میں
فلک نے مجکو پالا دامنِ شمشیرِ عریاں میں
اجل کو ڈھونڈنے نکلا شبِ تاریک ہجرانمیں
کہ پیکاں دلمیں ہے دل نازبرداریِ پیکانمیں
تماشا ہے مرا گھر جل رہا ہے عین بارانمیں
جھکائے سر ہیں محرابِ خمِ شمشیرِ عریانمیں
بجھی تھی کیا تری شمشیر موجِ آبِ حیوانمیں
اُٹھایا ہے بہت سروِ سہی نے سر گلستانمیں
کفِ افسوس ملتے ہو کھڑے گنجِ شہیداں میں
بہت روئی زلیخا بھیجکر یوسف کو زنداں میں
کہ میری جان نکلی ہے نہا کر آبِ پیکانمیں
نہ پریاں قاف میں ایسی نہ حوریں باغِ رضوانمیں
مرے بدلے مرا ہوگا تصورِ چشمِ دربانمیں
نظر آتی تھیں کچھ شکلیں ہمیں خوابِ پریشانمیں
مرا حصہ نہیں ہے کیا خدا کے فضل و احسانمیں

لے چلے ہیں وحشت سے کیوں اقربا سوئے وطن
اب تو مجکو وادیِ غربت بھی گھر سے کم نہیں

خاک عزت نہیں نوکر ہیں کریں کیا تسلیم
آٹھویں ساتویں دربار چلے جاتے ہیں

ہجوم مستی ہے بیخودی ہے خمار جوش شباب میں ہوں
یہ دیکھنے کو کھلی ہیں آنکھیں وگرنہ بیہوش خواب میں ہوں
تماشے بحر جہاں کے دیکھوں فنا سے اتنی کہاں ہے فرصت
ہوا کی مانند کوئی دم گو اسیر قید حباب میں ہوں

اتنی مدت گذری غربت میں کہ دل تک چھٹ لکر
اب تو یارانِ وطن کی یاد بھی آتی نہیں

بادہ کش ہیں نہ کہونگا کبھی واعظ کو غلط
مے کا شیشہ وہ دھرا ہے پہ منبر دیکھو

گردشِ بخت بہت دیکھ چکے اے تسلیم
چلکے میخانہ میں اب گردشِ ساغر دیکھو

دو پھول کے لئے بھی ترسنا پڑے ہمیں
شمعِ سرِ مزار اگر گلفشاں نہ ہو

کرتے ہیں سجدے اس لئے دیر و حرم میں ہم
کیا جانیے وہ شوخ کہاں ہو کہاں نہ ہو

بلا سے وہ نہیں آتے ہیں یاد انکی تو آتی ہے
غنیمت جانتا ہوں میں شبِ تاریک ہجر انکو

لگالی ہمنے یوں تسلیم حسرت وصلِ قاتل کی
لگایا ہے گلے سے تیغ کو سینے سے پیکاں کو

امانت جانکر اے داورِ محشر کلیجے سے
لگا رکھا ہے مینے آج تک قاتل کے پیکانکو

ملیں صبح وطن کی آرزوئیں خاک میں آکر
مبارکباد دے اے بیکسی شام غریباں کو

کعبے کا ارادہ کئے نکلے تو ہیں گھر سے
آجائے وہ بت سامنے اسدم تو مزا ہو

طفلی سے جو بت شوخ ہو آفت کا بنا ہو
وہ فتنہ جوانی میں قیامت نہو کیا ہو

اب تجھیں کام مرے حال زبوں سے کیا ہے
جسطرح ہوتی ہے اوقات بسر ہونے دو

میرے ہر اشک سے عالم میں اک طوفان برپا ہے
طلسم تازہ ہے آغوش میں قطرہ کے دریا ہے

نہ پوچھو ماجرا داغ جگر کا ہمنشیں مجھسے
چراغِ طور ہے بے روغن و آتش کے جلتا ہے

نہ پوچھو کس پہ مرتا ہوں یہ منہ پھیرے جو بیٹھے ہیں
انھیں پر جان جاتی ہے انھیں پر دم نکلتا ہے

وہ مجنوں ہوں کہ لطفِ وصل حاصل ہے جدائی میں
ہر اک تارِ نفس سے آتی بوئے زلف لیلے ہے

شان اللہ کی تسلیم بھی بت خانے سے
آج کعبے کو چلے شیخ کے بہکانے سے

جی گیا ہجر میں اے مرگ ترے آنے سے
زندگانی نظر آئی مجھے مر جانے سے

نہ آئے تم بھری امید مجھ سے
سحر تک طعنے دے دے کے لڑائی ہے

میں شرم خاک کروں ترحمِ ریائی کی
کہ چھینٹ بھی نہیں زاہد میں پارسائی کی

ہزار بار رلائی ہے اور ہمیں سے شیخ
حرم میں بیٹھ کے لیتا ہے پارسائی کی

بخت برگشتہ ہے اچھی بھی بری ہو جائیگی
دوستی جس سے کرونگا دشمنی ہو جائے گی

دیر کیا آنے میں ہے اے شورِ محشر آ کہیں
دو گھڑی یارونکی تجھ سے دل لگی ہو جائیگی

دل ہے داغستاں ہزاروں داغ ہیں اے چارہ گر
ایک دو مٹنے سے ظالم کیا کمی ہو جائیگی

کیا جمالِ یار دیکھیں گے کہ موسیٰ کی طرح
دشمن نظارہ اپنی بیخودی ہو جائے گی

کہیں کیا دین و ایماں کیا ہے تسلیم سیہ رو کا
وہ اک مردِ خراباتی ہے رندِ لاابالی ہے

اے جاں شبِ فراق کے صدمے نہ پوچھئے
یہ حال تھا کہ موت بھی بالیں سے ٹل گئی

دل چرا کر لے چلے ہو دیکھو یہ اچھا نہیں
منہ چھپاؤ لاکھ تم صورت ہے پہچانی ہوئی

اب آؤ یا نہ آؤ موت سے فقرہ نہیں چلتا
کہیں اے یار وقت آیا ہوا وعدوں سے ٹلتا ہے

لبوں تک آکے پھر جاتی ہے جانِ منتظر میری
نہ وہ بیرحم آتا ہے نہ میرا دم نکلتا ہے

برا ہو سوزشِ دل کا کہ تنگ آیا جو سینے میں
دھواں بنکر خیالِ کاکلِ پرخم نکلتا ہے

یہ رتبہ ہے ترے ناوک کا جب آتا ہے او قاتل
پئے تعظیم درد اٹھتا ہے تن سے دم نکلتا ہے

بدل جاتی ہے دو ساغر میں کیفیت طبیعت کی
فقیر آتا ہے میخانے سے بنکر جم نکلتا ہے

یارب نہ پڑے دل بتِ بدکیش سے پالے
یہ دوست نہ ہو دشمنِ کافر کے حوالے

آرام ہے معشوق کے ہاتوں سے اذیت
گر داغ بھی دیتا ہے چھاتی سے لگالے

سچا ہے اگر دعویِ دل اے بتِ کافر
رکھدیں اسے مسجد میں قسم کھا کے اٹھالے

عزت افزائی برہنہ پائی سے جنوں میں — سر پہ لئے پھرتے ہیں مجھے پاؤں کے چھالے

بے گور و کفن لاش غریبوں کی پڑی ہے — اے دامن صحرا اے جنوں تو ہی چھپا لے

اٹھکر مری بالیں سے وہ جاتے ہیں دم نزع — یا تو نہیں گھڑی بھر کوئی للہ لگا لے

کیا رشک ہے کہتا نہیں اسکے دم رخصت — اللہ نگہبان ہو خالق کے حوالے

تسلیم کہیں وحشت نوردی کے شرف کیا — ہیں تاج سر خار جنوں پاؤں کے چھالے

انتخاب قصیدہ در مدح نواب حامد علیخان صاحب والی رام پور

فریدوں مرتبہ حامد علیخاں صاحب شوکت — کہ جس کا نقش پا ہے تاج فرق سنجر و قیصر

مجھے حیرت ہے دوں تشبیہ کس سے شان و شوکت میں — نہ دارا شہ کا ہمرتبہ نہ ہمپایہ ہے اسکندر

بلندی پر جو آئے خاک اسکے اسپ جولاں کی — بنالے آسمان پیر کحل دیدۂ اختر

نہیں ہیں نام کے بدکار بھی تقدیر سے بے غم — چھپا مٹھی میں معشوقوں کی ہے دزد حنا جا کر

مقابل اس شجاع دہر سے کیا فوج اعدا ہو — نکلتی ہے اجل بھی سایۂ شمشیر سے بچکر

بُرش دکھلائے دشمن کو اگر تیغ دو پیکر کی — نظر آئے نہ سر تن پر نہ سر پر آہنی مغفر

دم بخشش جو دیکھے درفشانی دست ہمت کی — خجالت سے مگا پھر جائے پانی ابر نیساں پر

گرا دے اپنی نظروں سے جو اسکی ہمت والا — برنگ قطرۂ شبنم بنے بے آبرو گوہر

یہانتک عہد میں اسکے ستمگر مہر پیشہ ہیں — کہ شیر گرسنہ جیتا ہے غم روباہ کا کھا کر

چمن میں بھی پڑھا جاتا ہے خطبہ اسکی عظمت کا — خطیب خوش بیاں بلبل ہے شاخ نخل گل منبر

تسلیم

تسلیم جناب منشی رام سہائے صاحب تسلیم سابق ڈپٹی کلکٹر ضلع علی گڈھ ارشد تلامذہ مرزا حاتم علی بیگ تخلص مہر مغفور شاگرد رشید شیخ ناسخ مرحوم ان کے دو دیوان مسمی غنچۂ عمرا دو نغمۂ آرزو نظر سے گذرے شعر اچھا کہتے تھے۔ زبان میں صفائی۔ بیان میں رنگینی اور طبیعت میں مشاقی پائی جاتی تھی۔ ۹۵ برس کے قریب اب آپ کا سن ہے

انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

آپس میں جھگڑتے ہیں عبث شیخ و برہمن / کعبہ نہ کسی کا ہے نہ بتخانہ کسی کا

ڈھونڈے انسان تو وہ ہے خانۂ دل میں موجود / کعبہ کیسا مرے نزدیک کلیسا کیسا

وہ عندلیب ہوں گلشن سے جب بہار گئی / زمانہ آیا قفس سے مری رہائی کا

جوشِ وحشت میں یہ کچھ خاک اڑائی تسلیم / بادِ صرصر کے سر و دوش پہ صحرا دیکھا

غم میں نہیں کھاتا ہوں تو خوشدل نہیں ہوتا / بے رنج مزا عیش کا حاصل نہیں ہوتا

کیوں نہ وحشت ہو نہوں کیونکر ہرے داغِ جگر / موسمِ گل آگیا سرسبز گلشن ہوگیا

ہر روز تو میں یہ نہیں کہتا کہ آئیے / فرصت نہیں ہے آپکی بھی گاہ گاہ کیا

کسی نے سرو قدوں سے کبھی بھی پھل پایا / لگا کے دل کوئی تم سے نہال کیا ہوگا

طالبِ حق نہیں پابند کبھی مذہب کے / شیخ سمجھے جسے تسلیم برہمن نکلا وہ

رہے گی حضرتِ واعظ کی آبرو کب تک / چھپے رہیں گے بغل میں خم و سبو کب تک

ہاتھ رکھکر مرے سینہ پہ وہ فرماتے ہیں / سچ بتا دے ہمیں اب دردِ جگر ہے کہ نہیں

گریۂ عاشقِ ناشاد پہ ہنس دیتے ہو / اے بتو کچھ تمھیں اللہ کا ڈر ہے کہ نہیں

یکساں ہوا نہیں چمنِ دہر کی کبھی / کچھ دن بہار کے ہیں تو کچھ دن خزاں کے ہیں

کیا کریں تم سے شکوۂ بیداد / اپنا یہ شیوہ یہ شعار نہیں

طور و موسیٰ کی حقیقت نہیں کس پر روشن / جلوۂ یار سے رہتے ہیں بجا ہوش کہیں

کوچہ تمہارا گنجِ شہیداں سے بڑھ گیا / بسمل تڑپ رہے ہیں کہیں نیم جاں کہیں

بیداد گر سے دل طلبِ داد کیا کرے / حاکم نہ داد رس ہو تو فریاد کیا کرے

اس آسماں نے خاک میں ہمکو ملا دیا / اب اور دیکھئے ستم ایجاد کیا کرے

کب نظر آئیگا شوخِ ماہ سیما دیکھئے / کب مرے طالع کا چمکے گا ستارا دیکھئے

نہ تو آئی خبر نہ یار آئے / کس طرح دل کو پھر قرار آئے

جوشِ گریہ نہیں ممکن دلِ مضطر روکے
برق کیا بارشِ باراں کو تڑپ کر روکے

کیوں عبث گریہ وزاری میں ہی مصروف اے دل
کون وہ ہوسکتا ہے تحریرِ مقدر روکے

بحث اے ابر نکر ہم سے اگر ہم چاہیں
تو بہا دیں ابھی آنکھوں سے سمندر روکے

اُٹھتے ہیں غضب شعلے مرے داغِ جگر سے
کیا کیجئے تدبیر لگے آگ جو گھر سے

گورِ تیرہ میں رہا تنہا نہ میں مرنے کے بعد
دفن میرے ساتھ میری دل کی حسرت ہوگئی

ایسے ہم عشق میں ہیں محو خبر یہ بھی نہیں
عیش کہتے ہیں کسے اور مصیبت کیا ہے

یہ وہ دولت ہے گدا کو بھی شہنشاہ کردے
ہم سے پوچھے کوئی تسلیمؔ قناعت کیا ہے

حالِ دل سُن کے مرا کہتے ہیں کس ناز سے وہ
اپنی عادت ہے کہ جو ذکر سُنا بھول گئے

تسلیم

تسلیم۔ جناب منشی بالگوبند صاحب تسلیم۔ ممبر میونسپل بورڈ و ڈسٹرکٹ بورڈ اٹاوہ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ چند اشعار پیش کش ناظرین ہیں

خطا میری سراسر ہے نہیں تیری خطا مطلق
نہ دیتا دل اگر تجھکو تو برباد کیا کرتا

محبت میں تری اُسنے نہ کیا کیا سختیاں جھیلیں
نہ دیتا جان اے شیریں تو پھر فرہاد کیا کرتا

مثالِ نقشِ پا بجیں تھا فرطِ ناتوانی سے
مرے پاؤں میں بیڑی ڈال کر جلاد کیا کرتا

تسلیم

تسلیم۔ منشی تسلیم حسین کیرت پور کے رہنے والے مرزا داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد اور موزوں طبع شاعر ہیں کلام سے ظاہر ہے کہ ابھی شاعری کی ابتدا ہے اگر مشق جاری رہی تو خاصا کہنے لگیں گے کچھ اشعار انتخاباً درج ذیل ہیں۔

لاکھ تدبیر کرے کوئی تو کیا ہوتا ہے
غیر ممکن ہے ترا وصل میسر ہونا

گردشِ چرخِ ستمگر کا عبث ہے شکوہ
تیری قسمت میں دلِ زار ہے مضطر ہونا

ہائے کہنا وہ کسی کا دمِ رخصت مجھسے
کہے دیتا ہوں جدائی میں نہ مضطر ہونا

رنج و غم سہتے سہتے ہائے ستم
ہوگیا دل ہمارا پتھر کا ہو

رہے آباد میکدہ واعظ ہو
ذکر کر تو نہ حوضِ کوثر کا ہُو ہُو ہُو

دکھاؤں کیا تجھے کیا فائدہ کچھ ہو نہیں سکتا
نہیں ہے چارہ گر زخم جگر تدبیر کے قابل

نہ وہ آنا نہ وہ جانا نہ وہ رسم الفت
نہ تمھاری وہ محبت کی نظر دیکھتے ہیں

نہ وہ شوخی نہ شرارت نہ ادائیں پہلی
کچھ عجب طور نئی شام و سحر دیکھتے ہیں

تسنیم - منشی محی الدین حسین خاں تسنیم - نواب سپہدار جنگ بہادر رئیس مدراس کے خویش نواب کرناٹک سے قرابت دار اور مولانا کوثر خیرآبادی کے شاگرد رشید ہیں - ان کے بزرگ مدراس کے قدیم شرفا میں تھے اب یہ عرصے سے دکن میں سکونت پذیر اور وہاں کے کالج میں پروفیسری کے عہدے پر ممتاز ہیں شعر اچھا کہتے ہیں - مذاق صحیح اور عمدہ مضمون کی طرف خیال کی رسائی ہے کلام میں بات پیدا ہوتی ہے زبان صاف اور بندش چست ہے سنا ہے کہ جناب فصاحت سے بھی مشورہ لیا ہے سن شریف ۴۵ برس کے قریب ہے سرکار نظام سے کچھ منصب بھی پاتے ہیں مشاق اور زود گو ہیں - زندہ دل خوش مزاج - خوش خلق آدمی ہیں - ترتیب تذکرہ جلد دوم کے زمانہ میں جو کلام انھوں نے ارسال کیا اسکا انتخاب پیش کیا جاتا ہے -

دیدۂ اشکبار کیا کہنا
ابر ہے شرمسار کیا کہنا

تیر تیز نگاہ اے ظالم
ہو گیا دل کے پار کیا کہنا

گھٹ گھٹ کے اسیران قفس کیوں نہ فنا ہوں
رستہ نہیں رکھتا قفس تنگ ہوا کا

یوں موسم شباب ہمارا گذر گیا
گویا چڑھا ہوا کوئی دریا اتر گیا

ہمسر تھے رخ سے پھول کیا رخ انکو کیوں
گلشن میں بلبلوں کا بھلا کیا قصور تھا

وہ آئینہ رو چھپ کے تکتا ہے کہو کچھ ہم
ایسا مجھے سکتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

اس آنکھ نے کیا عجب اعجاز بزم میں
ہر ایک جانتا ہے اشارہ ادھر ہوا

تیر کے پر چبا لے ناوک فگن ویں سے ہوا
زخم سوزاں قلب کے ٹھنڈے تو ہو جائیں گے کیا

دور میں چرخ دنی کے کسب نعمت کی امید
غم نہ کھائیں گے اگر اب ہم تو پھر کھائیں گے کیا

پہلو میں میرے دل کا ٹھہرنا محال ہے
میدانِ حشر ہوئی کس کے خون کی پرسش
چاند سی صورت کا دلبر جنکے پہلو میں رہے
شکایت روح یوں کرتی ہے ہوکر غرق عصیاں میں
ملا کیا خوب ثمرہ گلشن جنت بنانے کا
منہ چھپائے ہوئے میخانے سے جاتی ہیں وہ شیخ
پکار کر یہ تجلی کسی سے کہتی ہے
میں نے لیلے کو بے وفا جو کہا
زعفراں زار ہے یا آنکھوں میں سرسوں پھولی
بعد مرنے کے بھی جینا وکا یہ خوف رہا
دونوں کو بچاتا ہوں ترے تیر نظر سے
بہت موّاج ہے دریائے الفت
شبِ وصلت حجاب و شوق کا جھگڑا نہ طے ہوتا
گرچہ روشن ہیں ہزاروں قبر منعم پہ چراغ
شیشہ نہ ایک بوند لہو کی نہ آبلہ ہو
طلب کرتے ہی فوراً دے دیا دل
چرایا کس نے کس کا نام لوں میں
گنہگار ہوں عاصی ہوں شرمسار ہوں میں
مجھے رسوا کرینگے گر وکیوں غمخوار بیٹھے ہیں
اٹھیں گے تو دھواں بنکر اٹھیں گے خاک سے اپنی
دو نور خدا رہ پارے ہیں

حالت یہ ہے کہ آج گیا اور کل گیا
ذرا سا ہو گیا چہرہ مرے ستمگر کا
پوچھئے اُن خوش نصیبوں سے مزا برسات کا
مجھے اے قالبِ خاکی نہ یوں برباد کرنا تھا
تجھے دعویٰ خدائی کا نہ اے شدّاد کرنا تھا
میکشو ہیں یہ بڑے مرشدِ کامل لینا
جلا کے سرمہ بجھے کوہ طور ہم نے کیا
آپ کیوں ہو گئے خفا صاحب ہو
کس لیے ہنستا ہے دیوانہ ترا آپ ہی آپ
روح گلزار میں بلبل کی چھپی بو ہو کر
اک ہاتھ مرا دل پہ ہے اک ہاتھ جگر پر
الٰہی اس سے کہوں میں یار کیونکر
نکرتی فیصلہ گر دختِ رز درمیاں ہو کر
فائدہ کیا گھر تو ہے تاریک ہیں باہر چراغ
میں کیا بتاؤں تمکو مری جان کیا ہے دل
یہ میرا حوصلہ ہے یہ مرا دل
میرے پہلو میں یا تھے آپ یا دل
ترے کرم کا الٰہی اُمیدوار ہوں میں
اِدھر دو چار بیٹھے ہیں اُدھر دو چار بیٹھے ہیں
کہ ہم دھونی رمائے تیرے در پر یار بیٹھے ہیں
گورے گورے ہیں پیارے پیارے ہیں

جنوں کا ایسا ابکے جوش ہے فصلِ بہاراں میں
کہ پرزے پرزے خود جیب و گریباں ہوتے جاتے ہیں

ہوائے آہِ بلبل کسقدر ہے تند و تیز اے دل
سب اوراقِ گلِ گلشن پریشاں ہوتے جاتے ہیں

قیامت میں جو لپٹی شوق میں دامن سے قاتل کے
اُسے یہ بدگمانی ہے کہ ہم فریاد کرتے ہیں

ہر جگہ عشق دکھاتا ہے نیا رنگ اپنا
سر میں درد آنکھ میں آنسو ہے تمنا دل میں

نچوڑوں میں تو اِک عالم ہو سیراب
لڑائے ابرِ تر دامن سے دامن

ترے تیرِ نگہ کو اے ستمگر
کلیجے سے لگایا چاہتا ہوں

بہت پُردرد ہے میری کہانی
تجھے ظالم سُنایا چاہتا ہوں

تمنا اپنے ملنے کی تم انکے دل میں رہنے دو
یونہی غیروں کو برسوں سعیِ لاحاصل میں رہنے دو

نہ یہ کچھ سُننے والی ہے نہ یہ کچھ کہنے والی ہے
کروں تصویر سے باتیں تو کوئی بدگماں کیوں ہو

وہ ہنس ہنس کر مجھی سے پوچھتے ہیں
ہمارے چاہنے والے تمھیں ہو

گر کرے حاصل ضیا روئے دلبر آئینہ
حُسن کی اقلیم کو کر لے مسخر آئینہ

ہاتھ سے رکھتا نہیں وہ شوخ دم بھر آئینہ
مجھ میں اسمیں بن گیا سدِ سکندر آئینہ

کب چھپائے سے بھلا چھپتی ہے صورت عشق کی
دیدۂ تر آئینہ ہے دامنِ تر آئینہ

سحرِ حیرت چل گیا دونو پہ یکساں حُسن کا
وہ ہیں آئینہ سے ششدر اُن سے ششدر آئینہ

جنابِ شیخ ہیں یا حضرتِ زاہد ہیں اے رندو
چھپائے مُنہ چلا آتا ہے کوئی سوئے میخانہ

پرستش گاہ دونوں ہیں نہیں کچھ فرق دونوں میں
جو بتخانہ ہے وہ کعبہ جو کعبہ ہے وہ بتخانہ

دلِ مضطرب جگر کے جگر دل کے سامنے
بسمل تڑپ رہا ہے یہ بسمل کے سامنے

بیٹھایا وہیں دردِ دل نے ہمیں
جو ہم تیری محفل سے اُٹھکر چلے

میں سخت جاں ہوں وہ سنگ دل ہے کسی طرف سے کمی نہ ہوگی
چھری سے رگڑے وہ لاکھ دیگا پہ قطع شہ رگ مری نہ ہوگی

شبِ وصل اُنکی شرم اور میری حیرت اِک تماشا تھے
اُدھر تھا بے خبر میں بھی اُدھر تھے سرنگوں وہ بھی

رلاتا ہے دل اگر میری طرح وقتِ جنوں بھی
ہجر کی شب خوف ہے ایسا نکلنے کے لئے
تو کہا کرتا تھا اکثر ایک بھی مرتا نہیں ہو
ئے گلفام ہیں ہم تو تجھے کیا زاہد
وہم یہ ہے کہ نہ ٹھوکر سے کہیں جی اُٹھے
ہے خوشی کی طرح غم بھی بے ثبات
عالمِ وحدت میں ہم گمنام تے
خلوتِ یار میں بیگانے کا آنا کیا
کیا قتل اور چھپے میرے ہی دل میں
میں کب سے سینچتا ہوں نخلِ امید
وہ میری سخت جانی ذبح کے وقت
سات پردوں میں وہ رہتے ہیں مگر دادِ شوق
خون سے میرے سرخ ہے دامن
زلف اُلجھی تو آپ بھی اُلجھے ہو
قتل کرکے مجھے قاتل ہی کے ٹپکے نہیں اشک
عاصیوں کو دیکھ کے کہتے ہیں زاہد حشر میں

رلاتا ہے سر گر سنگِ ستم سے غرق خوں وہ بھی
جان میرے جسم میں پھرتی ہے گھبرائی ہوئی
تیرے در پر دیکھو یہ کس کی ہے لاش آئی ہوئی
ہے منے مانا کہ گنہ گار ہیں کس کے اُسکے
لاش کرتا نہیں پامال ستمگار مری
کرلے یوں دل شاد کیوں کیسی کہی ہو
باعثِ شہرت یہ کثرت ہو گئی ہو
سر دُھنا شمع نے جس وقت ہوا بھی آئی
غضب کا ڈر قیامت کے نڈر بھی
کبھی یارب یہ ہوگا بارور بھی ہو
کسی کا تھک کے یہ کہنا کہ مر بھی
بند آنکھوں سے کیا اُنکا نظارا میں نے
جلد دُھلوائیے خدا کے لئے
بال سُلجھائیے خدا کے لئے
چشم جوہر سے لہو رونے لگا خنجر بھی
جوش پر ہے ابرِ رحمت دیکھئے کیسی بنے

تشفیؔ

تشفی۔ منشی محمد چاند صاحب حیدرآبادی شاگرد سید منتخب الدین تجلی زمانۂ حال کے نومشق کہنے والوں میں ہیں۔ یہ کلام کا رنگ ہے۔

منتظر ہے دخترِ رز بادہ کش بے چین ہیں
سب مجھے کہتے ہیں اشارہ کرکے دشمن کی طرف
کہتے ہیں وہ سچ کہو تم کو مرے سر کی قسم

شیخ جی چلئے درِ میخانہ کب سے باز ہے
میرا عاشق گر کوئی ہے تو یہی جانباز ہے
ہے جو پوشیدہ ہوا ایسا بھی کوئی راز ہے

تشنہ

تشنہ ۔ منشی محمد علی نام باشندہ دہلی ۔ پہلے اُستاد ذوق کے شاگرد تھے ان کی وفات کے بعد حکیم آغا جان عیش سے مشورہ لیتے رہے ۔ بڑے خوش فکر وارستہ مزاج درویش منش شخص تھے ۔ کبھی لباس زیب بدن کرتے کبھی عریانی کو اپنا لباس بے تکلف قرار دیتے انکا ذہن بہت رسا تھا اور حافظہ اس بلا کا تھا کہ صدہا غزلیں نوک زبان تھیں گویا آپ مجسم اپنا دیوان تھے ۔ اپنے سوا اور لوگوں کا کلام بھی بہت یاد تھا شراب بکثرت پیتے تھے اور اکثر اُسکے نشہ میں بدمست و مخمور رہا کرتے تھے ۱۲۹۳ھ سے دو سال تک میرٹھ ۔ سہارنپور پٹیالہ ۔ امرتسر ۔ لاہور ۔ ملتان کی سیر کی ۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں دلّی چلے آئے ۔ دیوان ذوق کے بارے میں انکا بیان تھا کہ متفرق مطلعوں میں کئی مطلع شاہ نصیر اور کئی مطلع معروف اور نصیر وغیرہ کے لکھے گئے ہیں ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی ۔ ان کی تاریخ وفات اس جملہ سے "وا تشنہ شراب ابد کا" نکلتی ہے ۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ پورب میں انتقال کیا ۔ مگر حضرتِ ظہیر مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ الور میں وفات پائی ۔ سنا ہے کہ ان میں یہ بڑا عیب تھا کہ اپنے ہمعصروں کا کلام بے تکلف اپنے نام سے پڑھ دیتے تھے ۔ چنانچہ اپنے اُستاد بھائی حضرت داغ کے کلام پر بہت ہاتھ صاف کیا جیسا کہ ان کے مندرجہ کلام سے معلوم ہوگا ۔ بہر حال ان کے مشاق سخن سنج ہونے میں کسی کو کلام نہیں ۔ شعر بہت اچھا کہتے تھے ۔ روزمرّہ زبان پر اچھا عبور تھا ۔ ان کی غزلیں ان کی حیات میں بھی رائج ہو گئی تھیں اور اکثر اربابِ طرب کی زبانوں پر چڑھکر مجالس کی رونق دوبالا کرتی تھیں ان کے کلام میں اکثر ایسے بلند پایہ اور عدیم النظیر اشعار پائے جاتے ہیں جس سے انکا رتبہ اُستادی مسلّم ہوتا ہے ۔ آپ حضرتِ داغ آنوز ظہیر وغیرہ کے ہم مشق و ہم صحبت تھے انتخاب کلام ملاحظہ ہو ۔

ٹھنڈا چراغ ہوگیا پیری میں عمر کا	تھا رات بھر دیئے کا اُجالا سحر نہ تھا
جبتک کہ اُسکی زلفِ مسلسل کا تھا نہ دور	اندھیر تھا جہان میں مگر اسقدر نہ تھا

نزع کے وقت جو وہ حور شمائل آیا / ملک الموت کو بھی غش مرے قاتل آیا

کہدو پروانے سے اب نالۂ بلبل سیکھے / شمع گل ہو گئی جو وہ رونق محفل آیا

حوصلہ دیکھا ہمارے زخم دامن دار کا / لال منہ کر کر دیا قاتل تری تلوار کا

وہ تشنہ دہن ہوں کہ دم ذبح بھی میرا / آب دم خنجر سے گلو تر نہیں ہوتا

پھانسی گلے میں دی ہے تو دی تار زلف کی / میرے لئے نہ کر تو ستمگر رسن خراب

گر تشنہ چھوٹتا نہ ہمارا وطن تو پھر / اسطرح پھرتے کاہکو ہم بے وطن خراب

کہا ہمنے کہ اے جان جہاں ہم تجپہ مرتے ہیں / تو فرمایا کہ مجپر آپ کچھ احسان کرتے ہیں

کبھی یہ دل تماشا گاہ صد عیش و مسرت تھا / اب اسمیں حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے ہیں

الٰہی خیر کیجو بد خبر سننے میں آتی ہے / جو آتا ہے وہ کہتا ہے تمھارا ذکر کرتے ہیں

جہاںمیں ایک تو ہم ہیں کہ تنگ آئے ہیں جینے سے / اور ایک خضر و مسیحا ہیں کہ اس جینے پہ مرتے ہیں

الٰہی دیدہ و دل تو نہ ٹھہرے رہگذر ٹھہرے / کبھی حسرت گذرتی ہے کبھی ارماں گذرتے ہیں

طبیعت کی روانی ایک سی رہتی ہے یاں تشنہ / وہ دریا ہیں کہ جو چڑھتے ہیں پھر دم میں اترتے ہیں

کیا کہا پھر بھی کہو دل کی خبر کچھ بھی نہیں / پھر یہ کیا ہے خم گیسو میں اگر کچھ بھی نہیں

جذبۂ دل نے کیا ہائے اثر کچھ بھی نہیں / ہم یہاں مرتے ہیں اور انکو خبر کچھ بھی نہیں

اک جفا تیری نہیں کچھ بھی مگر ہے سب کچھ / اک وفا میری کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے / سب کی ہے تمکو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

شمع بھی گل بھی ہے بلبل بھی ہے پروانہ بھی / رات کی رات یہ سب کچھ ہیں سحر کچھ بھی نہیں

حشر کی دھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے / فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

شمع مغرور نہو بزم فروزی پہ بہت / رات بھر کی یہ تجلی ہے سحر کچھ بھی نہیں

نیستی کی ہے مجھے کوچۂ ہستی میں تلاش / سیر کرتا ہوں ادھر کی کہ جدھر کچھ بھی نہیں

لامکاں میں بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے / بیکسی میں تو ادھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں

ایک آنسو بھی اثر جب نکرے اے تشنہ
فائدہ رونے سے اے دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

کان کے پردے لگا دیجے ترے والان میں یا
گھر میں اپنے رہئے اور سنئے تری آواز کو

نہ دل زلفوں سے چھوٹا اور نہ تم زلفیں بنانے سے
یہ وہ جنجال ہے جس سے نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

ہوا اُترا مفلسی میں بھی نشہ دولت کا آ تشنہ
گدائی کو بھی ہم نکلے تو لیکر جام جم نکلے

تمھاری ہمکو خبر کیا کہ ایک مدت سے
یہ بے خبر ہیں کہ اپنی خبر نہیں رکھتے

نہوں وہ لب جو کھلیں شکوۂ جفا کے لئے
وہ ٹوٹیں ہاتھ جو اُٹھیں کبھی دعا کے لئے

ہوئی تھی ایسی کہاں کی صفائی اُس بت سے
کہ آسماں نے عوض خاک میں ملا کے لئے

وہ رخ گوٹ ہے رضائی کی
طرز ٹپکے ہے آشنائی کی

میری گردن بھی ہے اور تیغ بھی جلاد کی ہے
موت کی دیر ہے یا آپکے ارشاد کی ہے

سب میں ایک ایک صفت گلشن ایجاد کی ہے
قد بڑا سرو کا چوٹی بڑی شمشاد کی ہے

کون فریاد کرے کون دم الفت کا بھرے
آہ تاثیر سے خالی دلِ ناشاد کی ہے

آبرو رکھے خدا وقتِ شہادت اپنی
نیتِ قتل بُری طرح سے جلاد کی ہے

دیدِ گُل ہوگی اسیری میں نصیبِ بلبل
منتظر فصلِ بہار آمد صیاد کی ہے

شعلہ رخسار کوئی اور ہے وہ جلوۂ نور
حور کے سامنے کیا اصل پریزاد کی ہے

شعر برجستہ ہوئے جس میں تو پھر اے تشنہ
طرح کیا خوب نکالی کسی اُستاد کی ہے

انتخاب از شہر آشوب

عجیب کوچۂ رشکِ جنان تھا دہلی کا
خطاب خطۂ ہندوستان تھا دہلی کا

وہ باغ پر سر ہفت آسماں تھا دہلی کا
بہشت کہتے ہیں جسکو مکاں تھا دہلی کا

غضب ہے اُسکو کوئی شادماں نہ دیکھ سکا

زمیں نہ دیکھ سکی آسماں نہ دیکھ سکا

یہاں کی خاک میں کیفیت ابر باراں کی
یہاں کی بادِ بہاری ہوا زمستاں کی
یہاں کے آب میں تاثیر آبِ حیواں کی
یہاں کی آگ میں گرمی تھی شعلہ رویاں کی
ہر ایک شخص کے حق میں یہ شہر اچھا تھا
مریضِ عشق کے بھی واسطے مسیحا تھا

یہ لوگ کہنے لگے آگ اس وطن کو لگے
سنانے اہلِ سخن صاحبِ سخن کو لگے
نظر نہ ایسی الٰہی کسی چمن کو لگے
جو ایک تار بھی باقی ہو تو کفن کو لگے
تمام شہر تلنگوں نے آکے لوٹ لیا
مثل ہے بھوکوں کو ننگوں نے آکے لوٹ لیا

رہی نہ جنسِ محبت کی اب خریداری
اٹھائے کون حسینوں کی ناز برداری
جو یوسف آئیں تو تو بھی گرم بازاری
لگائے دل کوئی۔ جان کسکو ہے بھاری
بقول شخص عجب ملکِ حسن بستی ہے
کہ دل سی چیز یہاں کوڑیوں کو سستی ہے

کوئی کہے کہ تپِ غم کی بسکہ شدت ہے
تو یوں کہیں کہ ہمیں آپ ہی حرارت ہے
چڑھا ہوا ہے بخار آجکل یہ نوبت ہے
تم اپنا کام کرو جاؤ تم کو صحت ہے
مریض جاکے کرے کیا کہ طعن کرتے ہیں
طبیب اپنا مرض خود بیان کرتے ہیں

تشنہ۔ حافظ محمد یوسف خاں۔ بلند شہر کے رہنے والے اور نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے قدیم شاگردوں میں تھے۔ ان کی ولادت ایک پٹھان سپاہی پیشہ گھرانہ میں بمقام مالاگڈھ ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ سوداگری کرتے رہے پھر ایک برس سے قریب حضرتِ داغ کے پاس دکن میں قیام رہا۔ دیوان کئی برس ہوئے چھپا تھا۔ علم سے گو

کافی بہرہ نہ تھا مگر مشاق اچھے تھے اور شعر خاصا کہتے تھے۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ان کے بیٹے ضمیر الدین ضمیر استاد ظہیر کے شاگرد ہیں سنہ ۱۹۰۱ء میں بعالم ضعیفی انتقال کیا۔ یہ آپکا کلام ہے۔

دلمیں ہے یہ پوچھوں اُس سے جا کر ۔۔۔ کیا تجھکو ملا ہے مجھے ستا کر
استانہ ستا کہ پھر دل زار ۔۔۔ فریاد کرے کسی سے جا کر
کہتے ہیں چل کہ تو ہی تو اک جاں نثار ہے ۔۔۔ ٹھہرا ہی دل جہاں سے سوا بیقرار ہے
مصیبت میں دل ہی ہوا جب نہ اپنا ۔۔۔ کسی اور کا کیا بھروسہ کریں گے
ملو تو صورت آئینہ صاف ہو کے ملو ۔۔۔ مزہ نہیں ہے دلوں میں اگر غبار رہے
ہر چیز کو ہے نشو و نما تیرے کرم سے ۔۔۔ خالق ترے انعام بیاں ہونگے نہ ہم سے
دنیا میں مزہ زیست کا ہے یار صنم سے ۔۔۔ اے ناصح ناداں نہ اُلجھ اسمیں تو ہم سے
اسپر بھی تو تقدیر کا لکھا نہیں ملتا ۔۔۔ رگڑی ہی ہے جبیں ہمنے ترے نقش قدم سے
وعدہ پہ قسم سو چکے کھاؤ مرے آگے ۔۔۔ جھوٹے نہ ٹھہر جاؤ کہیں جھوٹی قسم سے
اے تشنہ کہاں ذوق کہاں مومن و غالب ۔۔۔ اِس فن کا فقط نام ہے اب داغ کے دم سے

تشنہ

تشنہ۔ سید الطاف حسین تشنہ فریدآبادی۔ پہلے الطاف تخلص کرتے تھے۔ اب تشنہ تخلص کرتے ہیں۔

مرگ تشنہ پہ اک جہاں رویا ۔۔۔ ایسی ظالم کی چشم تر نہ ہوئی

عاشقوں کے جان و دل پر پھر قیامت آ گئی ۔۔۔ پھر تمھاری چال سے فتنے بپا ہونے لگے
کیوں کسیکو منہ لگایا تھا مری جاں آپنے ۔۔۔ بوسہ لینے پر جو آپ ایسے خفا ہونے لگے
تشنۂ ناشاد پھرتے ہو جگر تھامے ہوئے ۔۔۔ پھر نہ کہنا ہم کسی پر کیوں فدا ہونے لگے

تشہیر

تشہیر۔ مرزا اسمٰعیل بیگ ساکن شاہجہان آباد۔ جوان نیک نہاد اور شریف نژاد تھے حضرت مومن خاں کے شاگرد رشید غلام مولی قلق سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے عرصہ

ہوا انتقال کیا یہ چند شعر ان سے یادگار ہیں۔

مرے سینے کی آہِ آتشیں بھی برق ہے گویا	کہ اک دم میں یہاں پھونکا تو اک پل میں وہاں پھونکا
کیا خاک نشیمن کوئی گلشن میں بنائے	گل خوش ہیں اگر ہم سے تو صیاد غضب ہے
خوبانِ جہاں یاد رہے تم کو بھی یہ بات	تشہیر بھی کمبخت اک آزار غضب ہے

تصدق

تصدق۔ منشی تصدق حسین خاں ولد قاسم علیخاں باشندہ لکھنؤ مولوی محمد بخش شہید کے شاگرد تھے۔

گویا ڈھلی ہیں نور کے سانچے میں اے قمر	ہیں شمع طور یا ہیں تمہاری کلائیاں
کہتے ہیں ناز سے یہ تصدق سے اپنے وہ	نازک ہیں شاخ گل سے ہماری کلائیاں

تصور

تصور۔ میر فضل علی صاحب غالباً نواح لکھنؤ کے باشندے تلمذ کی کیفیت معلوم نہیں کہ کس سے تھا۔ ایک غزل کے چند شعر حاضر ہیں۔

کھلا جوڑا مہک پھیلی وہ زلفِ عنبریں نکلی	ہوئی خونِ نافِ آہو میں نہ بوئے مشک چیں نکلی
اجل عاشق کے دم کیواسطے صورت بدلتی ہے	کہیں شیریں کسی جا لیلیٰ پردہ نشیں نکلی
نمک پاش جراحت ہیں سخن شیریں ادا اونکے	جو پوچھا پھر بھی آؤگے بہم ہاں کے نہیں نکلی
گراں سر تن کو تھا کاٹا گلا احسان ہے قاتل	وہاں زخمِ خنداں سے صدائے آفریں نکلی

تصور

تصور۔ منشی سید احسان تصور۔ سادات زیدیہ مقیم بنکوڑا کے ایک شریف خاندان کی یادگار۔ حیدر حسین خاں کے بیٹے اور حضرتِ جرأت کے تلامذہ میں مشہور تھے۔ جناب شیفتہ نے انکا نام حیدر حسین لکھا ہے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت زندہ و سلامت موجود تھے سنہ ۱۲۴۸ھ تک زندہ تھے۔ فیلن صاحب نے اپنے تذکرہ میں انکا نام حیدر علی لکھا ہے معاملہ خوب کہتے تھے مہذب متین باعلم نوجوان تھے ایک قلمی بیاض میں آپکا کچھ کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

ناصح تو کسی بت سے تو جا آنکھ لڑا دیکھ	سن میری نصیحت یہ ٹک اسکا بھی مزا دیکھ

کیا اسکے تصور میں تری بن گئی صورت — لے آئینہ شکل اپنی تصور تو ذرا دیکھ
دیکھے جو تری چشم سیہ مست کو اک بار — پھر حشر تلک وہ کبھی ہشیار نہووے
لے گئے یوں تیرے کوچے سے تصور کو لوگ — جیوں اٹھاویں کسی بدمست کو میخانے سے
شب ہم جو ذکر ہجراں وصل میں ہونے لگے — وہ ادھر رونے لگے اور ہم ادھر رونے لگے
مجھے بیتاب آتے دیکھکر کوچے میں یوں بولا — بھلا کیوں دوڑ دوڑ آتا ہے یہ کیا اسکی شامت ہے
تصور گرم جوشی یار کی مجکو رلاوے گی — بہت گرمی کا ہونا مینہ برسنے کی علامت ہے
رونا کوئی موقوف کریں ہیں مری آنکھیں — جب تک نہ تسلی کو دل آئے جگر آئے
صدمۂ غم متصل جب تیرے مائل پر رہے — ہاتھ اس مضطر کا ہر دم کیوں نہ پھر دل پر رہے
لگ جائے تصور کے گلے آکے وہ بت آج — اللہ کرے اسکی یہ امید بر آئے

تصور ۔ منشی نبی بخش تصور خلف میر تاج الدین ۔ شاہ نصیر مرحوم کے تلامذہ سے تھے سنہ ۱۲۶۶ھ میں عین عالم شباب میں درد گردہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا حالت نزع میں اپنا دیوان چاک کر ڈالا تھا ۔ سید حسن رسول نما کے احاطہ میں دفن ہوئے ۔ نہایت ستودہ خصال پاک طینت خوش وضع نوجوان تھے کچھ اشعار منتخب درج ذیل ہیں ۔

ہم بھی مثال آئینہ ہیں تجھ سے سینہ صاف — دل سے ترے غبار اگر دور ہو گیا
کیا کیا خیال دل میں گذرنے لگے جو آج — دروازہ اسکا شام سے معمور ہو گیا
اسکے خیال زلف میں کچھ سوجھتا نہیں — آنکھوں میں اپنے دن شب دیجور ہو گیا
کس نے کہا تھا تجھ سے تصور کہ اس سے مل — دل اپنا دیکے آپ تو مجبور ہو گیا
عشق بازی اے تصور کھیل لڑکوں کا نہیں — جان کا اسمیں بچانا کام ہے ہشیار کا
خواب کا کیا بس چلے اس دیدۂ بیدار پر — چور کو آتے نہیں دیکھا کبھی ہشیار پر
اسکی باتوں نے زباں کے کردیئے ٹکڑے مگر — لیگئی سبقت زبانِ یار بھی تلوار پر
آبلوں نے پاؤں کے پانی چرایا اسقدر — تشنگی سے پڑ گئے کانٹے زبانِ خار پر

تصور

تصور۔ عالیجناب کنور فتح بہادر مرحوم مغفور رئیس و تعلقہ دار کوڑا جہان آباد ضلع فتحپور ہنسوا۔ عالی جناب رائے لال بہادر مرحوم کے پوتے اور جانشین تھے جن کے مورث اعلیٰ شاہانِ اودھ کے ان مناصب جلیلہ پر ممتاز اور مقتدر رہے تھے یہ نوجوان امیرزادہ حسن صورت میں بے مثل حسنِ سیرت میں فرد۔ خوش خلق۔ خوش رو، طباع اور ہونہار تھا خالقِ حقیقی نے جملہ صفات حسنہ اسکی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھردی تھیں۔ سیرچشم مسافر نواز با مروت اور خندہ پیشانی رئیس زادہ تھا۔ افسوس کہ عین عنفوان شباب میں بعمر ۲۰ سال چمنِ ہستی سے دیکھتے دیکھتے بوئے گل کی طرح ہوا ہو گئی طبیعت میں موزونی اور مضمون آفرینی خداداد تھی۔ افسوس ہے کہ اس نونہال گلزار معانی کو قضا نے اس سن تک پہنچنے نہ دیا کہ یہ اپنے اعجاز کلام سے چار دانگ ہند میں غلغلہ ڈالدیتا اس عمر میں یہ کلام گویا ماں کے پیٹ سے شاعری کی بے بہا قابلیت ساتھ لیکر نکلے تھے۔ نغز گوئی اور معانی میں نئے نئے پہلو نکالنا انکا حصہ تھا۔ آغا ظفر علی بیگ شاعر دہلوی سے جو اس زمانے میں انہیں کی سرکار کے دعا گو تھے کلام میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ نثر بھی شگفتہ لکھتے تھے نظم کا انداز دلفریب محاورات کا اسلوب جانفزا ہے۔ فی الجملہ انکا کلام ایک تصویر دلربا ہے۔ دیکھئے اور حسن صورت و معانی کی داد دیجئے ہائے جوان مرگ آہ کنور بہادر تصور ۱۹۵۴ سمت تاریخ وفات ہے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

دیکھتے دیکھتے نذار د ہیں	ہے نازک حباب کیا ہو گا
فدا ہونے لگی تو بہ ہر اک بیکش کے ارماں پر	گھٹا بنکر چلا ہے ابر رحمت پھر گلستاں پر
بجھائی شمع اُف اُف کر کے اور جلتے ہوئے سیدھے	تاسف کرنے یوں آتے ہیں وہ گورِ غریباں پر
نظر میں پھرنے لگتی ہیں مری تاروں بھری راتیں	لٹیں جب کھل کر آپڑتی ہیں اس کافر کی افشاں پر
کہیں پھر بن سنور کے جاؤ گے معلوم ہوتا ہے	قسم ہے بدگماں ہوتے ہیں ہم اس ساز و ساماں پر
رسیلے پن کہاں سرشار ہیں بیخود ہے وحشی ہے	تری آنکھوں نے جادو کر دیا چشم غزالاں پر

بھلا ہوتا توانی کا اُسی سے کچھ رہائی کی
کر آخر سایہ بنکر جسم ڈھگیا دیوار زنداں پر
کن انکھیوں سے اُدھر وہ دیکھکر ہنسنا قیامت تھا
گری ہیں چپکے چپکے بجلیاں کیا کیا دل وجاں پر
قضا آئی اور پھر گئی ہاتھ مل کر
سنبھالا مجھے دردِ دل نے سنبھل کر
نہ پوچھے کوئی خیر قسمت ہماری
ہمیں خاک ہونا ہے اک روز جل کر
نہ پوچھو کہ کیوں آئے ہیں دل بلا ہے
ہمیں کھینچ لایا یہ ظالم مچل کر
میں صورت کو دیکھا کیا دل ندارد
ستم ڈھا گیا مجھپہ وہ چال چل کر

تصویر

تصویر - صاحب طرز دلپذیر میاں غلام احمد تصویر عرف میاں ہتن دہلوی علمی استعداد کچھ نہ تھی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ محض اُمّی تھے مگر طبیعت کی موزونی خداداد بات ہے ع
پروردگار جسکو یہ نعمت عطا کرے
فکر کی بلندی اور براقی طبع نے اِس فطری موزونی کو اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ تصویر اور میاں توقیر دونو میاں تنویر کے شاگرد تھے مگر کثرتِ مشق سے تھوڑے ہی عرصہ میں اُستاد اور شاگرد کے کلام میں اندھیرے اُجالے کا فرق دکھا دیا۔ بعض غزلوں کی اصلاح پر اُستاد سے شکر رنجی ہوگئی اور پھر حضرتِ ذوق کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ تلمذ حاصل کیا اور آخر تک اُنہیں کی شاگردی کا دم بھرتے رہے۔ دہلی میں زمانۂ نامساعد کی مجبوریوں سے غدر سے پہلے نیچہ بندی کرکے گذر اوقات کرتے تھے۔ اِس کے بعد مہاراجہ شیودان سنگھ کے وقت میں الور چلے گئے وہاں ایک روپیہ یومیہ اور دو بیٹے انکے سفر ہوگئے یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرتِ ظہیر۔ مجروح۔ تشنہ بھی مہاراجہ صاحب ممدوح کی قدردانی سے الور میں ملازم ہیں۔ کلام کا شہرت نہ پانا اور چیز ہے مگر جیسا ملکہ راسخہ اور مذاقِ سلیم اِن کے اشعار سے ظاہر ہے یہ بات بڑے بڑے جیّد عالموں کے کلام میں بھی نہیں پائی جاتی۔ ہر شعر میں کوئی نہ کوئی بات ایسی نکلتی ہے کہ بے ساختہ دل میں چٹکی سے لیتی ہے تخیل کی پرواز اور معاملہ بندی کی پُرلطف چاشنی اور جا بجا

یاس و حسرت کی دلگداز تصویریں ایسے دلچسپ اور موثر پیرایہ میں کھینچی ہیں کہ باید و شاید۔ مضامین کی ندرت اور بندش کی چستی اُن کی قادرالکلامی کا بین ثبوت ہے سُنا ہے کہ جب مشاعروں میں غزل پڑھتے تھے تو اکثر اچھے اچھے مشّاق شاعروں کے ہوش اُڑ جاتے تھے۔ ابتدا کے چند غزلوں میں رونق و بن بھی تخلص کیا تھا حق یہ ہے کہ انکا کلام بڑے بڑے اُستادوں کے کلام سے ٹکّر کھاتا ہے روزمرہ کی صفائی اور لطافت اور مضامین کی شوخی اور برجستگی قابلِ داد ہے۔ دیکھیے اور لطف اٹھایئے ؎

مزاج اُس سنگ در کا شانِ محبوبی سے برہم ہے
کبھی کیا میں نے بوسے لیا تھا حجر اسود کا

کچھ نہ بن آیا تو شب کو آپ کھا کر اپنے ظلم
سبے مزہ رکھنے کو وہ میرے پشیماں ہی رہا

ہوچکا ٹھنڈا کبھی کا زخمی تیغ ستم
اے ستمگر ڈھونڈتا پر تو نمکداں ہی رہا

بات بھی کچھ پوچھنے کی تو ذکر دشمن کا کیا
وائے قسمت وہ کھلا بھی ہم سے تو کیونکر کھلا

فدا نا آشنائی پر تو ہیں لاکھوں دل و جاں سے
اگر وہ بت کسی کا آشنا ہوتا تو کیا ہوتا

صبر اسکی جان پہ ہے حسرت دیدار کا
بند جب سے کر دیا روزن تری دیوار کا

دل یہ بیٹھا تھا جو پھر دیکھا جگر کے پار تھا
دیکھنا کیا توڑتے تیر نگاہ یار کا

کہتے ہو فرصت ہوئی ہمکو تو آئینگے ضرور
میری جاں یہ بھی کوئی انداز ہے اقرار کا

یہ نہیں بند قبا تیری کہ ہر اک کھول لے
کھولنا مشکل ہے میرے عقدۂ دشوار کا

بوسۂ لب میں جو ہے قند مکرر کا مزا
غور سے دیکھا تو سارا لطف ہے تکرار کا

اسکی اک ٹھوکر پہ سو ہنگامۂ محشر نثار
پوچھ مت تصویر عالم یار کی رفتار کا

کہاں میں اور کہاں تیرا دام عیاری
یہ اتفاق ہے صیاد آب و دانے کا

جو لب پہ آہ و فغاں ہو تو کچھ اثر بھی ہو
وگرنہ لطف نہیں شور و غل مچانے کا

ہزار طرح سے تڑپے بوقتِ ذبح مگر
نہ آیا ڈھب ترے پاؤں پہ لوٹ جانے کا

جو دل بھی دونگا تو سینے کی طرح سو ظالم
نہیں دل سی شئے کو نہیں خاک میں ملانے کا

بچا بچا کے جو رکھا تو دل کو کیا رکھا
مزا ہے جان پہ الفت میں کھیل جانے کا

خدا دکھائے نہ دشمن کو انتظار کی رات
قضا سے ہمکو تو شکوہ ہے بھول جانے کا

وہ نیچی نیچی نگاہیں وہ بھولی بھولی شکل
جو سر پہ دیکھو تو ہے خون اک زمانے کا

تمہاری شکل سے نفرت ہے یا حیا تصویر
کھلا نہ بھید ہمیں ان کے منھ چھپانے کا

سوئے وہ شبِ وصل عدو کیوں نہ سحر تک
جھونکا ہے مری آہ بھی اک بادِ سحر کا

دے بازوئے نازک کو ذرا اور بھی تکلیف
قاتل ترا بسمل ہے ادھر کا نہ ادھر کا

کس ناز سے کہتے ہیں وہ اکثر شبِ وعدہ
ہم آئے کہاں اور ارادہ تھا کدھر کا

اے دیدۂ خونبار ذرا اور بھی ہمت
کچھ رنگ تو بدلا ہے مرے خونِ جگر کا

ایسا ترے فراق میں بیمار ہو گیا
میں چارہ گر کی جان کو آزار ہو گیا

وہ اگر کھنچنے لگا تجھ سے تو وہ معشوق ہے
تو تو اے تصویرِ عاشق ہے تجھے کیا ہو گیا

جب کہا میں نے کہ کب تک دور سے دیکھا کروں
اک ادا سے ہنسکے فرمایا کہ دیکھا جائیگا

زلف کو چھیڑا تو اک انداز سے بولا وہ شوخ
پاس جب بیٹھوگے تم نچلا نہ بیٹھا جائیگا

صرفہ نہیں نمک کا تو پھر سوچتے ہو کیا
بسمل ابھی تو آپ کا ٹھنڈا نہیں ہوا

بیٹھے وہیں سے کہتے ہیں بچ جائے یہ مریض
اگر خبر تو پوچھتے اتنا نہیں ہوا

بوسہ تو اسکا حضرت دل تمنے لے لیا
لیکن تمہارے حق میں یہ اچھا نہیں ہوا

وہ تو لحد بھی میری پامال کر گئے تھے
پر نقشِ پا نے انکے کچھ کچھ نشاں بنایا

تصویر عاشقوں کا کیا پوچھتا ہے مسکن
روزِ ازل سے ہمکو بے خانماں بنایا

تمنا تھی کہ وہ ضد سے پلائے بادۂ گلگوں
فقط دعویٰ کیا تھا اسلئے پرہیزگاری کا

وہ غش اچھا تھا میرا سر تو تھا اس گل کی زانو پر
ہوا میری ہی اوپر وار میری ہوشیاری کا

دیکھکر قاتل کو آتے جان تن میں آگئی
کوئی تجھسا نظر نہیں آتا
میکشوں کے مزار پر روئے
ہر دلمیں ہے غبار بتا جسکے واسطے
کہتا ہے مجھ سے نزع میں کہ اپنا حال دیکھ لے
تو نے جس جا پہ قدم رکھکے اٹھایا ظالم
جاں بلب تھا تو عیادت کو بھی آجاتے تھے
نہ لگا ہاتھ پہ ٹھوکر تو لگا جا ظالم
اسکو کہتے ہیں وفادار کہ دیکھا تونے
خوابگہ سے اٹھتے ہی آیا جو یاں وہ مست ناز
سر جھکاتے ہیں بھوؤں کو تان کر
سر اٹھاؤ ہو چکی بس سرکشی
اس کے عارض ہیں وہ گل رنگین
آزاد ہوکے عشق میں اک نازنیں کے ہم
اے آسمان تو بھی ستم میں کمی نہ کر
سوئیں گے جاکے چین سے زیر زمیں بھی ہم
یہ جنازہ ترے تصویر دل افگار کا ہے
اللہ رے ربط غیر سے تیرا کہ مجھ پھر
وہ کونسی جفا ہے کہ جو تم نے کی نہیں
اک اک کو جانتا ہے وہ عیار بزم میں
جلوہ کو اسکے دیکھ کے کچھ غش سا آگیا

قتل ہونیکی خوشی میں خون اپنا بڑھ گیا
دل کسی اور پر نہیں آتا
کوئی چڑھ ابر تر نہیں آتا
سچ ہے وہ میری خاک سے دامن کشاں ہوا اب
جانا کہ اب ہلانیکی طاقت کہاں ہے اب
رہ گیا نقش قدم چشم تمنا ہوکر
میں تو لوا اور برا ہوگیا اچھا ہوکر
کاش اٹھ جائے جنازہ مرا ہلکا ہوکر
مٹ گیا در پہ ترے نقش کف پا ہوکر
دلمیں کیا کیا شک گئے زلف پریشاں دیکھکر
یہ اشارہ ہے کہ قرباں جان کر
اب تو من جاؤ خدا کو مان کر
منفعل جس سے ہوں گلاب کے پھول
قصہ سے خوب پاک ہوئے کفر و دیں کے ہم
یاں بھی یہی ہے جبیں کہ اب تو نہیں کہ ہم
آرام پائیں گے دل مضطر کہیں بھی ہم
ساتھ جانا تو تجھے چاہئیے دو چار قدم
دل میں ترا خیال بھی تنہا رہا نہیں
وہ کونسا ستم ہے جو ہم نے سہا نہیں
پر جانتا نہیں تو ہمیں جانتا نہیں
اسکا پتہ ملا تو پھر اپنا پتا نہیں

کس کا رقیب کیسی وفا اے دلِ حزیں
دل سے لیکے پھر کسی کا بھی وہ آشنا نہیں

وے سروقد نہ اُٹھکے تو تعظیم غیر کی
بیٹھے بٹھائے دیکھ یہ فتنہ اُٹھا نہیں

کہیں نہ اُسنے چُرائی پڑیں سبھی آنکھیں
خدا کے واسطے اے چشم اشکبار نہیں

حریصِ لذت آزار میں ہی ہوں سچ ہے
خدانخواستہ تم تو ستم شعار نہیں

ایسا بھی تفرقہ نہ پڑے اے خدا کہیں ہو
مدت سے ہم کہیں ہیں دل مبتلا کہیں

اِک برق تھی کہ کوند گئی سب شوخیاں
وہ خود کہیں ہیں اور ہے آواز پا کہیں

کعبہ تو کعبہ دیر میں سجدے کروں ہزار
پر آشنا ہو وہ بُتِ نا آشنا کہیں

تصویر میں تو نقش ہوں نقاہت پہ آپکی
ہو رند بادہ خوار کہیں پارسا کہیں

خدا ہی جانے یہ تو نگہ میں سحر ہے کیا
قیامت ہوتی ہے برپا جدھر کو دیکھتے ہیں

یہ ہے وہ دشتِ محبت کہ اے دلِ ناداں
یہیں تو ٹھوکریں کھاتے خضر کو دیکھتے ہیں

بگڑ جاتا ہے از بس تند خو وہ باتوں باتوں میں
ہم اِسکے دلکو رکھتے ہیں دم تقریر ہا تو نہیں

قفس میں رشک سے صیاد میں کیا تڑپتا ہوں
کوئی دم توڑتا ہے جب ترے نخچیر ہا تو نہیں

جو اس حسرت سے ہر دم تو کفِ افسوس ملتا ہے
وہ دامن آگیا تھا کیا تری تصویر ہا تو نہیں

رکھتا ہے اِس روش سے وہ اندر چمن کے پاؤں
گل چومتے ہیں اُس بتِ غنچہ دہن کے پاؤں

کوچہ میں لیکے جاتے ہیں اس تیغ زن کی پاؤں
دشمن بنے ہیں ہائے یہ سار بدن کے پاؤں

آنکھیں ہزاروں پھوٹتے ہیں ہو کے آبلے
سر اس گلی میں ٹھوکریں کھاتے ہیں بنکے پاؤں

راہِ طلب میں اسکے یہ کہتا ہے دل مرا
اے کاش ہوتے بدلے سر اک عضو تن کے پاؤں

بے اختیار ہو کے لئے چوم۔ دوڑ کے
مجنوں نے دیکھکر مرے باہر کفن کے پاؤں

قطع و برید دامن صحرا کا شغل ہے
کرتے ہیں کام ہاتھ کا مجھ بیوطن کے پاؤں

عصمت کی معنی یہ ہیں جلی سر سے پا تلک
لیکن نہ رکھا شمع نے باہر لگن کے پاؤں

سوزشِ دل سنائی کیوں داغ جگر دکھائی کیوں
دیکھے عشق ہو جسے موت سے دم چرائے کیوں

عاشق زار میں نہیں تپہ نثار بھی نہیں تُو
جو ہر عشق ہے یہی ٹکڑے ہو جیب و آستین
مل چکی ہم ظلم کے ماروں کی داد
کرتے ہو باتیں ورود یوار سے
ہوا خوش چھیڑ کر ہے نہ کوئی رند مشرب کو
تجھسا ہمیں جہاں میں جو پیدا حسیں نہو
وے بیٹھے ہائے تجھسے بت بدگمان کو دل
تصویر تپہ جاں بھی دیدے گا ایک دن

مجھکو یہ انفعال ہے میں نے ستم اٹھائے کیوں
جسکو جنوں سے ننگ ہو عشق کی خاک اڑائے کیوں
گر وہ آئے حشر کے میداں میں
آج ہو تصویر کس کے دھیاں میں
پڑھی ہے ہمنے نمازیں محتسب کی بے وضو برسوں
پھر کیونکہ ہم پہ نازِ جہاں آفریں نہو
ہمسا بھی کوئی دشمنِ ایماں و دیں نہ ہو
ہمکو تو اعتبار ہے تمکو نہیں نہ ہو

کہو کب تھیں تم میں یہ شوخیاں کہو کب تھیں تم میں یہ گرمیاں ۔
کبھی آئینے سے بھی تھی حیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد نہو
کبھی آکے مجھسے چمٹ گئے کبھی پاس سے میرے ہٹ گئے
وہ وفور رات کے نشہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
میں اُٹھا جو جانے کو پاس سے مجھے دیکھ دیکھ کے پاس سے
وہ ادا سے کہنا نجا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

شمع بزمِ غیر وہ تھا روئے روشن رات کو
قیس نے جنگل کیا آہوں سے روشن رات کو
رات کو جاتا ہوں تو کہتا ہے دن کو آئیو
بے وفاؤں سے بھی وفا تصویر
ایسی وفا بھی ظلم ہے مجھ خستہ تن کے ساتھ
بوسہ اگر دیا بھی تو دیں گالیاں ہزار
جیتے پھرے تو آئینگے کعبہ کو زاہدا

دن بنا دیتی تھی آہِ شعلہ افگن رات کو
وادیِ ایمن بنا یا نجد کا بن رات کو
دنکو جاتا ہوں تو کہتا ہے وہ پرفن رات کو
یہ نہ خوش آئی تیری خو مجکو
جانِ حزیں گئی نہ دلِ پُرمحن کے ساتھ
آگے وہ راستی پہ بھی اک بانکپن کے ساتھ
ابتو چلے ہیں دیر کو اک برہمن کے ساتھ

عاشق زمانہ ہوتا ہے لیکن نہ اسطرح
کرتی ہیں ہمکو ذبح تری کم نگاہیاں
دشمن ہی کو بٹھائے جو میرے پاس سے اُٹھے
تم وہ ہو سنگدل کہ تمھیں نے خبر نہ لی
عاشق کے ذبح کرنمیں ایسا ہے اضطراب
برچھی تری نگاہ کی پہلو میں کیا لگی
دامن پہ وہ رکھے نہ رکھے دلربا لگی
میں نے کہا عدو پہ تو عاشق ہی ہو گیا
بس بس خرام ناز کہ محشر ہوا بپا
ہر رات ہمکو رہتی ہیں اختر شماریاں
مقرر آج کچھ دشمن میں اسمیں ساز ٹھیرا ہے
کیا ہے ظلم جب تونے کوئی الفت کے پردے میں
عداوت تو نہیں خلقِ خدا سے اس ستمگر کو
الٰہی عشق بھی آلہ ہے کیا انساں بنانے کا
تم آئے تو عنایت ہے نہ آئے تو شکایت کیا
مقرر غیر کے زانو میں لی اُس شوخ نے چٹکی
جلانا تھا جسے اُسکو جلایا ایک ٹھوکر میں
محتسب آتا ہے تو آئیں وہ ہم مستونکے پاس
یہ نہ کہئے ہم کسی کے آشنا ہرگز نہیں
نہ آئے گرچہ نہیں جان جا کے آنے کی
یہاں تلک میں بنا پارسا کہ اُس بت نے

اے دل کبھی تو جانب سود و ضرر تو دیکھ
گر دیکھتا ہے یار تو بھر کر نظر تو دیکھ
اس سے تو نہیں کوئی قسم اور زیادہ
جبتک کہ میرے سر پہ قیامت گذر نہ لی
ظالم ذرا بھی تو نے چھری تیز کر نہ لی
پہلو سے دلمیں دل سے کلیجہ میں جا لگی
لیکن ہماری خاک ٹھکانے سے آ لگی
ہنسکر کہا کہ آپ ہی کی بددعا لگی
لپٹنے تمھاری چال سے خلقِ خدا لگی
ہر روز اپنے حق میں تو روزِ حساب ہے
جو دم بھر بھی مرے پہلو میں وہ دم باز ٹھیرا ہے
کبھی وہ ناز ٹھیرا ہے کبھی انداز ٹھیرا ہے
تڑپنے میں ذرا بسمل کے اِسکا دل بہلتا ہے
کوئی عاشق ہو یا مجنون یاں سانچے میں ڈھلتا ہے
محبّت میں کسیکا کب کسی پر زور چلتا ہے
ہمارے دلکو کوئی آج چٹکی میں مسلتا ہے
خرام ناز کے پردے میں ظالم چال چلتا ہے
شیشہ و ساغر کو کیوں ہو کر ہراساں توڑئیے
یوں نہ امیدیں ہماری آمدِ سحاب توڑئیے
قضا بھی پھر نہیں اک بار آ کے آنے کی
عدو سے شرط بدی ہے پلا کے آنے کی

کرے ہی ڈالتی ہے قتل ذبح سے پہلے　　ادا و ناز سے خنجر اٹھا کے آنے کی

یہ جی میں ہے کہ کروں بندوبست وہ شب وصل　　رہے نہ راہ کہیں سے حیا کے آنے کی

گلہ نہ کر سکے تا کشتۂ جفا کوئی　　یہ طرز خوب ہے سرمہ لگا کے آنے کی

کسے ہووے غم دوری اگر فرقت میں دم نکلے　　دم ہی تک سب بکھیڑا ہے جو دم نکلے تو غم نکلے

عبث ہے دم خفا ہیں ہم کہاں ہے وہ کہ دم نکلے　　جسے سمجھا ہے غم ارمان ہے غم ہو تو غم نکلے

وفا کی ہم نے تم سے اور ملنے غیر سے اب تک　　طریق عشق سے باہر نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

کس خوشی سے مرے آقا نے لٹائے زرگترے　　باغ موتی ڈونگری میں رنگ لائی زرگترے

کل سے کچھ گرمی سی تھی ساقی شراب ناب سے　　ہو گئی فرحت ابھی اک دو جو کھائے زرگترے

حور و غلماں جانکر کہتی تھی مہرویونکو خلق　　لوٹنے کیا باغ جنت سے یہ آئے زرگترے

دور کیں جسوقت پھانکیں بنگئے جام شراب　　باغ میں کل اسے پر پرو کام آئے زرگترے

اگر اک لے لیا بوسہ خطا اسکو نہیں کہتے　　محبت سے کہتے ہیں ترک حیا اسکو نہیں کہتے

تمنا جو نہ رکھتا ہو جھکائے وہ نظر کس سے　　اسے شادی و غم کسکا اسے سود و ضرر کس سے

تمھیں سے ہے دوستی امیر یہاں بد نظر کس سے　　اشارے ہوتے ہیں ہر دم ادہر کس سے اُدہر کس سے

کہا دشمن سے کچھ ہنس ہنس کے اور مجھ سے لگا کہنے　　ہمیں کرتی تھی کس سے بات اور کی بھولکر کس سے

ہمیں تو شام عیش و صبح غم یکساں نظر آئی　　خدا جانے ترا وعدہ تھا شب کس سے سحر کس سے

ہمیں تو آزمائش ہی بت بے پیر اتنی تھی　　کہ تو جلاد اتنا تھا تری شمشیر اتنی تھی

کیا بری چیز ہے محبت بھی ہو　　بات کرنے میں آنکھ بھر آئی

میرے ہر کام میں ہے ناکامی　　آہ بھی لب پہ بے اثر آئی

عدم کی راہ تو نزدیک ہے گلی سے تری　　یہ کچھ جو تاب و تواں جان زار میں رہے

مجکو تو قبر کی تاریکی سے زاہد نہ ڈرا　　ہجر کی شب سے زیادہ ہے بلا اور کوئی

مجکو وہاں بلائیے یا آپ آئیے　　اپنی تو ہے وصال تمنا کہیں سہی تو

مقرر دل میں اس ظالم کی کچھ پوشیدہ الفت ہے
لبوں پر اسکے دشمن کی شکایت آ ہی جاتی ہے

ہجر کی شب تو سحر ہو یارب
وہ نہ آیا تو قیامت ہی سہی

جان بیکار تو اپنی نہ گئی
اے ستمگر تری شہرت ہی سہی

مجھ سے اتنا بھی نہ پوچھے صاحب
آپ پر میری طبیعت ہی سہی

جذبۂ دل نہیں لایا تم کو
آپ کی خیر عنایت ہی سہی

کفن کی سفیدی سے ثابت ہوا
شبِ ہجر اپنی سحر ہو گئی

عجب سحر دیکھا تری آنکھ میں
کہ ملتے ہی تاب و تواں لے گئی

کیا خبر تھی جب طبیعت مبتلا ہو جائے گی
اُن کی آنکھوں میں جو ہے شوخی حیا ہو جائیگی

حالِ دل بھی لکھونگا چارہ گرو
ہوئی فرصت جو دیدۂ تر سے تو

اُٹھتے ہیں تعظیم کو فتنے در و دیوار سے
آپ کیا آئے مرے گھر میں قیامت آئی ہے

کچھ مزہ شورِ تبسم نے تمھارے ہی دیا
یوں تو زخموں پہ بہت ہمنے نمکداں لُٹے

یہ بھی کوئی ہنسی ہے کہ رخصت کا لیکے نام
سو بار بیٹھے بیٹھے ہمیں تم رُلا چکے ہو

کیا پوچھتے ہو خاک میں کس نے ملا دیا
جو کچھ کیا سو آپ کے دل کے غبار نے

آج کی شب نہ خفا ہو ترے قرباں ہم سے
کل تو لیوے ہی گی بدلا شبِ ہجراں ہم سے

کون موسیٰ تھا کہاں طور کسے غش آیا
ایک یہ بھی تھی مری جان شرارت تیری

عالم کی اک اُمید پہ گذرے ہے جہاں میں
رکھتا ہے کوئی رات کے ارماں کوئی دن کے

تصویر تو اتنا غمِ الفت سے نہ گھبرا
یہ رنج بھی دنیا میں ہیں ناداں کوئی دن کے

تعشق

تعشق ۔ ادیب نامور حکیم سید محمد دہلوی تعشق پرانے دہلی کالج میں سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر فارسی و عربی کے مدرس تھے۔ آخر عمر میں شعر گوئی ترک کر دی تھی پھر بھی شوق کا یہ عالم تھا کہ اچھا شعر سُنکر بیتاب ہو جاتے تھے۔ حکیم عزت اللہ عشق کے داماد اور شاگرد تھے۔ ۷۵ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۸۵۴ء میں انتقال کیا۔ جمیع علوم مشرقی میں

معلومات تام حاصل تھیں ۔ اور فن طب میں مولوی رشید الدین خاں اور حکیم قدرت اللہ خاں قاسم کے شاگرد رشید تھے ۔ اور معالجات میں خوب دخل تھا تھا ۔ طبیعت میں انحصار غضب کا تھا ۔ ان کو ہمہ دانی کا دعویٰ تھا اور فی الحقیقت جامع الکمالات انسان تھے ۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ۔

تجھکو اس میری آہ و زاری پر	رحم اے فتنہ گر نہیں آتا
وعدۂ شام تو کیا ہے ولے	کچھ وہ آتا نظر نہیں آتا
تیرے بیمار کا ہے یہ عالم	ہوش دو دو پہر نہیں آتا

تو اے پیماں شکن وعدہ پہ کس دن مرے گھر آیا	صدا سنتے رہے یونہی کہ شام آیا سحر آیا
کہوں کیا حال اے گلرو تری فرقت میں آنکھوں سے	کبھی خونابِ دل ٹپکا کبھی لختِ جگر آیا
سامنے دیکھو آتا ہے تعشق وہ کون	باری کرا تو ہوا خوش دلِ محزوں تیرا
سنتا ہی نہیں بلبل بیدل کی جو گل آہ	کیا تو نے شگوفہ یہ صبا کان میں چھوڑا
حضرتِ دل اسکے کوچہ میں نہ جایا کیجئے	کہہ چکے اپنی طرف سے تو گئے ہیں مختار آپ
کہتے نہ تھے تعشق جاؤ نہ اس گلی میں	آئے نہ وہاں سے دیکھا خوار و تباہ ہو کر
رویا کیا سحر تک میں رشک سے عزیزو	سنتے سنا جو اسکو غنچۂ دل سے انجمن میں
ہوتے ہیں دل کے ٹکڑے آتا ہے یاد جبدم	کچھ چپکے چپکے کہنا اسکا لب و دہن میں
کس پری سے ہے تعشق گر تجھے یہ شی اندوں	پھر فزوں ہمکو نظر آتی ہے وحشت آپکی
تجکو لیجائے وہاں یا اسکو لے آئے یہاں	میں تو حیراں ہوں دلا تو ہی بتا کیا کیجئے
خواب میں تجکو دیکھے کیوں کر ہو	تیرے بن نیند کس کو آتی ہے

تعشق

تعشق ۔ سخنور نازک خیال ناظم خوش مقال سرمایۂ ناز و موجب افتخار لکھنو جناب سید مرزا صاحب لکھنوی خلف الرشید محمد مرزا انس و برادر حقیقی سید حسین مرزا عشق شیخ ناسخ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۔ نہایت قابل اور نازک خیال سخنور اور مرثیہ گوئی میں خصوصاً شہرۂ آفاق تھے ۔ نازک خیال

کے ساتھ زبان کی لطافت اور مضمون کی نفاست قابلِ داد تھی آپ کا کلام بہت پرتاثیر اور درد سے
لبریز ہے مرثیہ گوئی میں آپ کا ایک خاص رنگ تھا سوز و گداز جس قدر ان کے کلام میں ہے لکھنؤ
کے کسی استاد کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ پختہ کلامی اور متانت
غضب کی تھی۔ مشاہدات دنیوی و جذبات حسن و عشق سے اسقدر واقفیت تھی کہ مضامین کے
ذریعہ واقعات کی تصویر کھینچ دیتے تھے اور ایسے دلفریب پیرایہ میں مضمون باندھتے تھے کہ بے ساختہ
داد دینے کو جی چاہتا تھا۔ لیکن آپ کے کلام نے جیسی چاہیئے شہرت نہ پائی۔ غالباً اسکا باعث یہ ہو کہ خود
جناب تعشق مرثیہ گوئی کے مقابلہ میں غزل گوئی کو ہیچ سمجھتے رہے۔ اور کبھی اسکے ذریعہ سے ترقی ناموری میں قدم رکھنے
کی ضرورت محسوس کی۔ راقم تذکرہ نے جس محنت و جانفشانی سے یہ مختصر مجموعہ کلام مرتب کیا ہے اس سے کچھ دل
ہی خوب واقف ہے جس حالت میں کہ مرحوم کے قریبی اعزا اور شاگرد باوجود بار بار تقاضوں
کے ان کے کلام کی اشاعت نہ چاہیں تو غیروں کے تغافل اور تساہل کا کیا گلہ ہو سکتا ہے
لکھنؤ کے قابلِ قدر رسالہ معیار میں جو عالمِ خواب کے مشاعروں کی دلچسپ کیفیت لکھی ہے اسکے
معائنہ سے پایا جاتا ہے کہ جناب تعشق کس پایہ کے شاعر تھے۔ مورخ مذکور کا دعویٰ ہے کہ
اکیلے تعشق کے بھروسے پر حضرات لکھنؤ جملہ شعرائے ماضی و حال و اساتذۂ دہلی کے کلام کا مقابلہ
کر سکتے ہیں۔ بہرحال اسمیں شک نہیں کہ جسقدر درد و اثر سید صاحب مرحوم کے کلام میں
پایا جاتا ہے وہ ہم نے لکھنؤ کے کسی استاد کے کلام میں نہیں دیکھا۔ آپ ایک عرصہ دراز تک
کربلا میں مقیم رہے پھر ہندوستان چلے آئے اور یہیں لکھنؤ میں ۱۵ برس ہوئے انتقال کیا۔ مراثی
کے دو مجلد آپ کی تصنیف سے مشتہر ہو چکے ہیں۔

آپ کا حال اور کلام کاتب کو نقل کیلئے دیا جا چکا تھا کہ رسالہ معیار اگست سنہ ۱۹۰۹ء میں
موصول ہوا اور اسمیں آپ کا مجموعۂ کلام (۴۰ صفحہ) جو اڈیٹر معیار نے بڑی کوشش سے دستیاب
کر کے شائع کیا ہے نظر پڑا۔ چونکہ ہمیں ان کے کلام سے خاص رغبت تھی بڑے شوق سے
اس مجموعہ کا مطالعہ کیا اور اپنے مذاق کے موافق کچھ اشعار اور منتخب کر کے داخلِ انتخاب کئے

کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جدت خیال اور تازگی مضامین کی طرف آپ کی طبیعت کا خاص رجحان تھا۔ چنانچہ جہاں کہیں کوئی نیا مضمون صاف زبان میں نکل آیا ہے وہ فی الواقع قابلِ داد ہے۔ لیکن باوجود کہنہ مشقی کے ۵۵ غزلیات کے مختصر مجموعے میں بھی ایسے اشعار کی تعداد بمقابلہ دیگر مستند اساتذۂ دہلی بہت کم ہے۔ حیرت ہے کہ اہالیانِ معیار نے کس بنا پر ایسے پر زور الفاظ میں جناب تعشق کے متعلق بحث چھیڑ کر اہلِ دہلی کی دل آزاری پر کمر باندھی۔ ہمارا منشا ہرگز اس مضمون پر قلم اٹھانے کا نہ تھا مگر چونکہ معیار میں مکرر سہ کرر یہ چیلنج دیا گیا لہٰذا مجبوراً اس کی تردید کی زحمت اٹھانی پڑی۔ افسوس ہے کہ اڈیٹر صاحب معیار خود اپنے مشہور اصول کی پابندی سے انحراف فرماتے ہیں اور کلمۂ حق کے اعلان میں بے باکی کو معیوب سمجھتے ہیں۔ اگر بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے تو اکثر موزوں طبع نوجوانوں کے کلام میں بھی ایک دو شعر ہر غزل میں اچھے نکل آتے ہیں۔ اندریں صورت اگر جناب تعشق جیسے مستند کہنہ مشق اُستاد کے ہاں اگر ہر غزل میں چار پانچ شعر نفاستِ خیال و لطافتِ زبان کے لحاظ سے ممتاز نکل آئے تو کچھ جائے تعجب نہیں۔ البتہ حیرت ہے تو یہ کہ کیوں پوری غزل مرصع نہیں ہوئی جیسا کہ اُن کے طرفداروں کی پرجوش تحریروں سے ہمیں یقین ہوتا چلا تھا ہمنے ارادتاً سست اشعار کا انتخاب درج تذکرہ نہیں کیا اور صرف اپنے مذاق کے بموجب جن اشعار کو اچھا سمجھا ہے انھیں کو لیا ہے بہرحال اس امر میں ہمیں حضرت اڈیٹر صاحب معیار سے اتفاق ہے کہ جناب تعشق خوش گویانِ لکھنؤ میں مسلّم کامل تھے اور وہاں کے کسی اُستاد کے کلام میں وہ دلآویزی نہیں پائی جاتی جو مندرجہ ذیل کلام کا خاص حصہ ہے۔

وہ چھیڑے تھا منہ ڈھک میں سو رہا تھا
خدا جانے ہنستا تھا یا رو رہا تھا

شبِ ہجر تھی اور میں رو رہا تھا
کوئی جاگتا تھا کوئی سو رہا تھا

دبے پاؤں آئی گئی صبحِ محشر
کہ جاگا شبِ ہجر کا سو رہا تھا

یہاں دل وہاں ڈوبتے تھے ستارے
شبِ وصل آخر تھی میں رو رہا تھا

شہیدوں کے لاشے تھے نہلائے غسلِ میت
مگر اپنے خنجر کو وہ دھو رہا تھا

بدلتا تھا میں دردِ دل سے جو پہلو
زمانہ اودھر کا اودھر ہو رہا تھا

میں باغ میں ہوں طالبِ دیدار کسیکا
گُل پر ہے نظر دھیان میں رخسار کسیکا

گھبراتے ہیں وہ مُنہ جب آجاتی ہے آندھی
دیکھا ہے ہوا زخمِ دلِ زار کسیکا

دیکھ آؤ کہ بیمار تمھارا تو نہیں ہے
رکھا ہے جنازہ سرِ بازار کسیکا

شبِ وصل تھی خواب اے صبحِ فرقت
ابھی میرے زانو پہ تھا سر کسیکا

اُنس ہے خانۂ صیاد سے گلشن کیسا
ناز پروردِ قفس ہوں میں نشیمن کیسا

اپنی آزردہ دلی بعدِ فنا کام آئی
ڈھیریاں گردِ کدورت کی ہیں مدفن کیسا

کہدیا بس کہ تری آہ میں تاثیر نہیں
یہ نہ دیکھا کہ یہ سینے میں ہے روزن کیسا

جل گئے صورتِ پروانہ تپِ عشق سے ہم
پھینکدے لاش اُٹھا کر کوئی مدفن کیسا

کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہوگیا
چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہوگیا

کیا معاذ اللہ مری وحشت نے پھیلائے ہیں پاؤں
راہ برسوں کی مرا چاکِ گریباں ہوگیا

دل ہے مردہ خلد میں جانیے کیا ہوجائیگا
ہم جہاں ہونگے وہ گھر ماتم کدہ ہوجائیگا

ناز پرور ہے ذرا بھی دل سے بگڑینگے جو آپ
یہ بھی اپنی زندگانی سے خفا ہوجائیگا

جمع ہیں محفل میں سب مجھسے خفا ہوتے ہو کیوں
بھڑکے بیٹھونگا اگر میں بھی تو کیا ہوجائیگا

عشق کی وہ شورشیں وہ ولولہ جاتا رہا
اک جوانی کیا گئی سب حوصلہ جاتا رہا

گاہ وحشت میں ہنساتا تھا رُلاتا تھا کبھی
دل نہیں جاتا رہا اک مشغلہ جاتا رہا

اے جنوں بیڑی پنہاتے تھے ہم انکو ہر برس
تب سے منت بڑھ گئی وہ سلسلہ جاتا رہا

جو ہے وہ مردہ نظر آتا ہے اُسکے عشق میں
ہستیِ ملکِ عدم کا فاصلہ جاتا رہا

نہ چونکے حضور آپ سوتے تھے غافل
پکارا کیا رات بھر دل کسیکا

جنازے کے ہمراہ آتا ہے قاتل
جھکائے ہوئے سر کو قاتل کسیکا

یونہی تو حرفِ خطِ تقدیر نہیں مٹنے کا
آپ کے در پہ ارادہ ہے جبیں سائی کا

دل جو مرجائے ہمارا تو کرے کون آہیں
سو گیا جاگنے والا شبِ تنہائی کا

[illegible]

تھا کبھی وورا سیرانِ قفس ہائے صیاد
اب تو اک پھول کو محتاج ہیں گلشن کیا

تلاش یار کا تھا دھیان کل تک
ہیں سہے اپنے دلکی جستجو آج

ہوا ترکِ محبت پر نہ راضی ہو
رہی تا دیر دل سے گفتگو آج

کشاں کشاں مری لاشہ تو لے گئے احباب
نکل کے رہ گئی قالب سے کر دیا ہیں روح

کیا تصور ہے کہ ہوں ہر وقت ہم پہلوئے دوست
ہر گل داغ جگر سے آرہی ہے بوئے دوست

وائے حسرت کس طرح وہ قتل کرتے ہیں مجھے
غیر چہرے سے ہٹاتے جاتے ہیں گیسوئے دوست

ظلم اٹھاتا ہوں مگر شکوہ میں کر سکتا نہیں
جسقدر دل سخت ہے اتنی ہی نازک خوئے دوست

خونِ ناحق کا عوض آخر ہوا کس حسن سے
نام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوئے دوست

قتل کریں اپنی اپنے کام میں تھے حسن و عشق
اسکی آنکھیں تیغ پر نقش ہیں میری آنکھیں سوئے دوست

دل کے معاملہ میں نہ ہو دخل غیر کو
لینا جو ہو تو لیجئے اپنی نگاہ پر

خبر کسی کو ضعیفوں کے قتل کی نہ ہوئی
ہم ایک قطرۂ خوں تھے زبانِ خنجر پر

ترے مریضِ محبت نے قبر کی آباد
عجب طرح کی اداسی ہے آج بستر پر

ہاتھ اٹھا کر مہ تو تم کو یہ دیتا ہے دعا
عمر بھر حسن رہے زیب کنارِ عارض

کل نہ ہم ہونگے مسیحا نہ یہ بیماریٔ دل
آج بس اور ہے تکلیف پرستاریٔ دل

بال بال آپکی زلفوں کی بنے گا جو زبان
نہ گنے جائیں گے ایّام گرفتاریٔ دل

غربت میں پسند آتی ہے واماندگی اپنی
ہم آپ چھو لیتے ہیں کانٹے کفِ پا میں

پڑ گئی کیا نگہِ مست ترے ساقی کی
لڑکھڑاتے ہوئے میخوار چلے آتے ہیں

یاد کیں نشہ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں کسکی
عشق سے تجھے اے دلِ بیمار چلے آتے ہیں

ہر طرف حشر میں جھنکار ہے زنجیروں کی
ان کی زلفوں کے گرفتار چلے آتے ہیں

کبھی تو شہیدوں کی قبروں پہ آؤ
یہ سب گھر تمھارے بسائے ہوئے ہیں

گریگا زمیں پر نہ خونِ شہیداں
عبث آپ دامن اٹھائے ہوئے ہیں

جو ہے گھر کے اندر وہی گھر کے باہر
وہ آنکھوں نیں دلبیں سمائے ہوئے ہیں

وہ کھڑے کہتے ہیں میری لاش پر
ہم تو سنتے تھے کہ نیند آتی نہیں

لاش پر بھی آئے منہ ڈھانکے ہوئے

تلاش شب وصل میں پھر رہا ہوں

دور سے دیکھ کے تمکو کوئی جی بھرتا ہے

لطف دکھلائے کسی چیز کا تمکو نگہ سوا

کور ہو جاؤں اگر عشق میں رونیکو روک

سینکڑوں شیشۂ دل بادہ کشوں کے ٹوٹے

قدم اہل زمیں آنکھوں سے رو رو کر لگاتے ہیں

نہیں تسکین ہوتی ایک جا پر کوئے جاناں میں

چھلے لینے کی انکو پوچھتے پھرتے ہیں تدبیریں

جگر جل جل کے دیتے ہیں عاشق شعلہ رویوں کو

دوہرے پردے ہوں چھپاؤں تمھیں ایسا ولیکن

شام کو حسن جو لیا تھا کہ بناتے ہیں وہ بال

کہدے قاتل کو نئی طرز جفا پیدا کروں

مجھے لاکھوں خاک کے پتلے بنا سکتا ہے تو

کہتے ہو زلف میں دل اندوہگیں نہیں

آہوں میں اور آنسوؤں میں ہے مقابلہ

بجلی گرائی آہ کی یا نو بج ہو گئے

چلا گھر سے وہ بحر حسن اللہ رے کشش دل کی

دل وحشی قیامت کا ہے وحشت خیز وحشت زا

گھٹوں سے کے تجھ سے نکہت بنا جسم لاغر کو

ہمیں کبھی خرم و خوش دیکھیے گے نہیں آنسو

آتش میں بھی ہے اسیر و نکہت میں نرگس سودا

رہے روتے شب فرقت ہجر میں سو جاتا ہوں

بدگمانی آپ کی جاتی نہیں

مرا آپ دیوانہ پن دیکھتے ہیں کر

کر رہی ہیں فقط ایام گذاری آنکھیں

آئیں تھیں رونے کو دنیا میں ہماری آنکھیں

ناصحا دل سے زیادہ نہیں پیاری آنکھیں

محبت کے ہیں زیادہ وہ خماری آنکھیں

نکل آتا ہے پانی جس جگہ ٹھوکر لگاتے ہیں

گدائے حسن موقع دیکھکر بستر لگاتے ہیں

کبھی یہ فکر تھی ہمکو کہ دل کیونکر لگاتے ہیں

رہیں ٹھنڈے دل انکے آگ جو گھر گھر لگاتے ہیں

دل پہ کلیجے میں سما جائے کلیجہ دل میں

رات پھر آج خیال آئے ہیں کیا کیا دل میں

خود قضا کی جان جائے وہ ادا پیدا کروں

میں کماں سے ایک تیر اسا خدا پیدا کروں

پس جب یہاں نہیں تو یہ جانو کہیں نہیں

اب آج آسمان نہیں یا یہ زمیں نہیں

صیاد اب کے سال نہیں یا ہمیں نہیں

عجب قطرہ ہے جو کھینچے لئے جاتا ہے دریا کو

بغل میں تیرے دیوانے لئے پھرتے ہیں صحرا کو

بہت ہے بوریا موج ہوا کا میرے بستر کو

جو تم پہن کے سفر کا لباس بیٹھے ہو

لگائے فصل بہاری کی آس بیٹھے ہو

چٹکیاں لے کے جگاتا ہے مرا دل مجھکو

غیر پھر غیر ہیں آخر ہیں پھر اپنے اپنے
یاد کرتا ہے ترے پاس مرا دل مجھکو

سرشت میں ہے نزاکت حیا ہے خو تیری
نکل سکی نہ کبھی پیرہن سے بو تیری

عدم سے دہر میں آنا کسے گوارا تھا
کشاں کشاں مجھے لائی ہے آرزو تیری

مرا پیام صبا میرے گل سے کہدینا
چلی گئی مجھے بیہوش کرکے بو تیری

ہوا ہے چھوٹ کے تجھسے ولا یہ حال اپنا
جگر پہ ہاتھ ہے ہر سمت جستجو تیری

تمام رات رہا دل سے ذکر خیر ترا
گلہ کیا ہو تو شاہد ہے آرزو تیری

صبح کے پہچاننے والو میں رسوائی ہوئی
شب کی خبریں دے رہی ہے آنکھ شرمائی ہوئی

بڑھ گیا شاید اسیران قفس کا اختلاج
باغ میں باد صبا پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

قبر میں تو کوئی دم آرام لینے دے مجھے
بس دل مضطر اڑی جاتی ہے نیند آئی ہوئی

کان میں شاید صدائے آہ مجنوں آگئی
نجد کو لیلی چلی جاتی ہے گھبرائی ہوئی

اٹھتے جاتے ہیں بزم عالم سے
آنے والے تمھاری محفل کے

داغ دل گھٹ رہے ہیں پیری میں
بجھ رہے ہیں چراغ محفل کے

وعدۂ صبر ہو گیا باطل
درد نے ہوش کھو دئے دل کے

نجد سے جانب لیلیٰ جو ہوا آتی ہے
دل مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

مر کے بدنام کیا نام محبت سینے
منہ پہ کچھ ڈالدو کوئی کہ حیا آتی ہے

مجکو مل جاتی ہے اپنے دل زخمی کی خبر
ٹوٹتا ہے کوئی ٹانکا تو صدا آتی ہے

آئے ہیں کون سے عاشق کے گلے ملکر حضور
آپ کے آج مجھے بوئے وفا آتی ہے

وصل میں شام سے منہ ڈھانپ کے سونا کیسا
نیند بن کر تری آنکھوں میں حیا آتی ہے

کہتے ہو کیوں ہے تعشق ترے منہ پر زردی
ہجر میں نیند کم اے ماہ لقا آتی ہے

چھوٹ جائیں ہم عذاب ہجر سے
ابتو ایسی کوئی صورت کیجئے

اسقدر نایاب دنیا میں محبت ہو گئی
چشمۂ آب بقا چشم مروت ہو گئی

ابتو یہ طول شب فرقت سے حالت ہو گئی
دل سے رو رو کر امید وصل رخصت ہو گئی

عمر بھر چھانی جو خاک اس در کی یہ حاصل ہوا
ایک تربت کی جگہ ہمکو عنایت ہو گئی

آنسو بھر آئے دیکھ کے بادل بھرے ہوئے
خالی ہوے جو آنکھو نکے بادل بھرے ہوئے
چمکی جو جوش میں ترے وحشی کی برقِ آہ
کھینچو نہ میرے سینے سے اے قاتل جہاں
وحشت سرا سے دہر میں آیا نہ پھر کوئی
دلِ مجنوں میں کیا بُرائی تھی ئہ
رات بھر مطلق نہ آئی نیند ایسا جی لگا
موسمِ گل ہوگیا آما دہ جانے کے لئے
بُجھ رہے ہیں داغِ دل تربت میں جانے کیلئے
ہوں وہ بلبل جب گرا صیاد میرا آشیاں
قدر دانی آپ کی ہم ناتواں کیا روئیں گے
بیخ غیروں نکو ہوا ایسے ہوئے برباد ہم
حشر کو کہتے اُٹھے خوابیدگاں کوئے دوست
ہچکیوں میں آخری دیدار آنکھیں کھول کر
دل جگر میں ہوگئے ناسور کیا جی خوش ہوا
باغباں کیا کیا مرے دم سے ہیں جلوے باغ میں
تھا وہ پروانہ کہ روئی شمع شب کو رات بھر
دستِ رنگیں سے گرا ہے دل مرا جیب شلِ گل
ہم بہل جاتے ذرا زندہ جو ہوتا آج قیس
یوں نہ آئے ایکدن لاشے پہ آج آئے حضور
زخم لے جراح ہیں اس شرمگیں کی تیغ کے
باغ میں پھولو نکو ہو نہ آئی سواری آپ کی
بیوفائی آپ کی غفلت شعاری آپ کی

صحرا لے کے ساتھ زخم جگر کے ہرے ہوئے
گلزار و کوہ و شہر و بیاباں بھرے ہوئے
بیٹھے ہیں آشیا نو نمیں طائر ڈرے ہوئے
تم کیا کرو گے تیر لہو میں بھرے ہوئے
لیلے گئے یہاں سے مسافر اُٹھے ہوئے
تجھکو لیلی جو فکرِ محمل ہے ئہ
صبح تک باتیں سُنیں ہمنے دلِ ناشاد کی
اور جگہ ڈھونڈا کئے ہم آشیانے کیلئے
روشنی کم ہو رہی ہے نیند آنے کے لئے
برق دوڑی ہاتھ پھیلا کر اُٹھانے کے لئے
دل میں طاقت چاہئے آنسو بہانے کیلئے
قبر پر آئے بگولے خاک اُڑانے کیلئے
کیا مزے کی نیند میں آئے جگانے کیلئے
آپ اُترے ہیں قبر میں شانہ ہلانے کے لئے
اور دو آنکھیں ملیں آنسو بہانے کے لئے
برق جگنو بن گئی ہے آشیانے کے لئے
صبح کو آئی صبا لاشہ اُٹھانے کے لئے
فصلِ گل دوڑی ہے آنکھوں سے لُٹانے کیلئے
دو گھڑی مِل بیٹھتے رونے رُلانے کے لئے
کچھ بہانہ ڈھونڈتے تھے آپ آنے کے لئے
آئینہ منہ پھیر کر ٹانکے لگانے کے لئے
کس قدر ممنون ہے بادِ بہاری آپ کی
میرے دل نے خوب سیکھی بیقراری آپ کی

سے بے یقیں باہم گلے ملنے کو اُٹھیں دست و شوق
میکدہ میں ٹوٹے جاتے ہیں ہم لڑ لڑ کے جام
آج کس پر رحم آیا کس کو روتے ہیں حضور
جفا وہ کرتے ہیں اے دل وفا کئے جا تو
چراغ داغ میں دن سے جلائے بیٹھا ہوں
گیا شباب پھر اتنا رہا تعلق عشق
فراقِ یار میں پھرتے ہیں پوچھتے ہوئے ہم
نسیم کوچۂ جاناں میں جلد پہنچا دے
تمام رات وہ کہتے ہیں کروٹیں لے کر
یاد ایام کہ ہم رتبۂ رضواں ہم سے تھے
دھجیاں جیب کی ہاتھوں میں ہیں آج اے وحشت
جان لی گیسوؤں نے الفتِ رخ میں آخر
قفس تنگ میں گھٹ گھٹ کے نہ مرتے کیونکر
دل کے دینے میں تامل ہمیں ہوتا کیونکر
شعلۂ حسن سے تھا دودِ دل اپنا اے دل
دیتے پھرتے تھے حسینوں کی گلی میں آواز
طوق منت کے گلے میں تھے وہ دن یاد کرو
ڈوبتے جاتے تھے رہ رہ کے تعشق تارے
دور سے جو آج مدت بعد چار آنکھیں ہوئیں
جن کے افشاں بام پر آئے جو اے رشکِ ماہ
شبِ وصال وہ سر رکھ کے جیبہ سوئے تھے
جھنجھلا کے مجکو ذبح تو صیاد نے کیا
وہاں اُٹھتے نہیں پردے ہوا ہوں دفن میں جب سے

ہو اگر تصویر بھی یکجا ہماری آپ کی
مفسدہ پرواز ہے چشمِ خماری آپ کی
ہے نصیبِ دشمناں آواز بھاری آپ کی
نہ مضطرب ہو یونہی رسم و راہ ہوتی ہے
سُنا ہے جو شبِ فرقت سیاہ ہوتی ہے
دل و جگر میں تپک گاہ گاہ ہوتی ہے
اثر جو رکھتی ہے کیسی وہ آہ ہوتی ہے
کہ مشتِ خاک ہماری تباہ ہوتی ہے
جگر کے پار تعشق کی آہ ہوتی ہے
باغبانِ چمنِ محفلِ جاناں ہم تھے
جامہ زیبوں سے کبھی دست و گریباں ہم تھے
کافروں نے ہمیں مارا کہ مسلماں ہم تھے
نازپروردۂ آغوشِ گلستاں ہم تھے
یہ حسینوں کی امانت تھی نگہباں ہم تھے
آگ دنیا میں نہ آئی تھی کہ سوزاں ہم تھے
کبھی آئینہ فروشِ دلِ حیراں ہم تھے
پیتر اس عہد میں بھی چاک گریباں ہم تھے
مثلِ ابرِ آخرِ شبِ وصل میں گریاں ہم تھے
آبدیدہ ہو کے کچھ باہم اشارے ہو گئے
چاندنی میلی ہوئی بے نور تارے ہو گئے
تڑپ رہا ہوں وہ تکیہ گلے لگائے ہوئے
اب رو رہا ہے منہ کو قفس پر دھرے ہوئے
یہی ضد ہے کہ گھر میں اُٹھ کے خاک آئے نہ باہر کی

یاں اُترتا ہے داغ سے چھالا
ہل رہے ہیں تمام جز و بدن

تھرتھری جسمِ آفتاب میں ہے
کسقدر بے قراریِ دل ہے

تیرے در کی زمین کیا کہنا ہے
ہجر میں رونے کو بیٹھے تھے اب اُٹھ سکتے نہیں
تھا نہو جو تمھاری گلی میں دفن ہوئے
ورد چھپتا نہیں انساں سے کہیں پانے سے کہے
ہے دفن ہونے کو لاشہ تمھارے گریاں کا
بھری ہیں نشے سے ایسی وہ نرگسی آنکھیں
ایسی دلدوز حسینوں کی پلک ہوتی ہے
برگ گل میں کوئی کانٹا نہ چھپا ہو صیاد
دل سے منہ پھیرتی ہیں تاب و توانائی موجیں
یاد آتے ہیں جو گیسو تو چمک جاتے ہیں داغ
اے مسیحا تو نے جسدن سے توجہ چھوڑ دی
پونچھ کر دانتوں کی مستی ہنسکے فرمانے لگے
آخر ان جادو بھری آنکھوں نے میری جاں لی
دل سوختہ تھے چاہنے والو نہیں تمھارے
ملتے ہی لب یار سے لب دل نکل آیا
نہ اُٹھے پھر کبھی راتوں کے بیدار اسطرح سوئے
نہ بجھنے پائے پھاہا قبر میں بھی داغِ سوزاں سے
کسی دل کو غم و اندوہ سے فرصت نہیں دیتا
ہیں یہ سرشارِ قناعت رفتگاں آنکھیں ہیں بند
ہیں وہی ناز جو تھے عاشق بیمار کے ساتھ
مجھ سے کیا پوچھتے ہو داغ ہیں دلمیں کتنے
جھک جائے تو ذرا تجھ گلے سے لگائیں ہم
ہم وہ ضعیف تھے کہ ہزار آندھیاں چلیں
نقشِ پا تعویذ تربت سے کیجئے تو

یہ جگہ تو لحد کے قابل ہے
کیسے آنسو تھے کہ ساری دلکی طاقت لیگئے
ہزار بار سب آئے ہم ایک بار آئے
کب برلے دہنِ زخم زباں لازم ہے
مگر زمین کی مٹی خراب ہوتی ہے
کہ جیسے جام میں ملو شراب ہوتی ہے
سانس لینے سے کلیجے میں کھٹک ہوتی ہے
ہم اسیروں کے کلیجے میں کھٹک ہوتی ہے
حسن کی نازکے جانب سے کمک ہوتی ہے
شبِ یلدا میں ستاروں کی جھلک ہوتی ہے
تیرے بیماروں کو اُمید شفا جاتی رہی
لیجئے تارے نکل آئے گھٹا جاتی رہی
بات تیری اے لبِ معجز نما جاتی رہی
لیکن سببِ گرمیِ بازار ہمیں تھے
مارا جسے عیسٰی نے وہ بیمار ہمیں تھے
مگر کروٹ بدلوانے کو آئی صبح محشر کی
کہ رنگت سانولی ہو جائیگی خورشید محشر کی
قسم کھائی ہے گردوں نے زمین کو دو الگ کی
دیکھے جسکو وہ ایک دو گز کفن میں مرے
میرے تابوت کے ہمراہ سوار آتا ہے
تمکو ایام جدائی کا شمار آتا ہے
پیدا ہوئے ہیں ہاتھ ہمارے مزار سے
اُٹھا گیا نہ ایک دن اپنے غبار سے
جاں نثاروں پر عنایت کیجئے

تعشق

تعشق ۔ راجہ تعشق حسین خاں تعشق ساکن مانک پور ضلع الہ آباد شاگرد نواب احمد حسین خاں جوش ۔ خوش فکر ہونے کے علاوہ زبان بھی صاف تھی ۔ مذاق ستھرا اور کلام عیوب سے پاک ہے ۔ سیدھا سیدھا صاف صاف خوب ہے کہتے ہیں ۔ دیوان مطبوعہ کا انتخاب درج ذیل ہے ۔

گرایا چاہ میں یوسف کو بھائیوں نے تو کیا ۔۔۔ غلام ہو کے اُسے بادشاہ ہونا تھا

آیا نہ کبھی فاتحہ خوانی کو وہ گلرو ۔۔۔ سبزہ نہ لحد کا ہوا پامال ہمارا

جب سے اِس عالمِ فانی میں ہوئے ہم پیدا ۔۔۔ کشورِ دل میں اُسی دن سے ہوا غم پیدا

مئے الفت سے رہتی ہے یہاں تک بیخودی ساقی ۔۔۔ نظر آتا نہیں کچھ فرق ہمکو دوست دشمن میں

نقد دل لوگ لئے پھرتے ہیں بازاروں میں ۔۔۔ اک جہاں ہے مرے یوسف کا خریداروں میں

جس گھڑی نظروں سے وہ مستور آنکھیں ہو گئیں ۔۔۔ عاشقِ ناشاد کی بے نور آنکھیں ہو گئیں

میں نے کہا اگر رُخِ انور دکھائیے ۔۔۔ بولا وہ شوخ طاقتِ دیدار بھی تو ہو

رازقِ ما رزق بے منت دہد ۔۔۔ کوشش اے پائے ہوس بے سود ہے

تشنہ لب ہیں آبِ تیغِ سفاک ہم ۔۔۔ سیر کر آب دمِ شمشیر سے

بھولے سے بھی گر آپ ہمیں یاد کرینگے ۔۔۔ قدموں پہ تصدق دلِ ناشاد کریں گے

جب سے نہیں ہے تو بُتِ بے پیر سامنے ۔۔۔ رہتی ہے رات دن تری تصویر سامنے

تفتہ ۔ سخنور ہمپایہ طالب و کلیم ۔ منشی ہرگوپال صاحب تفتہ الملقب بہ میرزا تفتہ حضرتِ غالب مرحوم کے عزیز ترین اور ارشد ترین شاگرد تھے ۔ فارسی کلام آپکا اس پایہ کا ہوتا تھا کہ جسے سُنکر اہلِ زبان ستائش کرتے تھے ۔ ہمیشہ فارسی کہتے رہے ۔ اُردو کی طرف کبھی توجہ نہ ہوئی ۔ سنہ ۱۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور زیادہ حصہ عمر کا اپنے وطن سکندر آباد نواح دہلی میں گذار دیا ۔ ۴ مجلد کلام فارسی میں جسمیں ہزاروں غزلیں ۔ ظہوری ۔ نظیری ۔ صائب ۔ حافظ ۔ عرفی ۔ خسرو ۔ جامی کی ہم طرح زمینوں میں ہیں ۔ اِن سے یادگار ہیں ۔

مرزا غالب کو ان سے دلی اُنس ہی نہ تھا بلکہ اُنھیں اپنا سرمایہ نازش سمجھتے تھے اور ہمیشہ عزیز داری کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ مرزا تفتہ کا لقب انہیں نے عنایت کیا تھا۔ اُردوے معلی میں اکثر خطوط اُنکے نام کے موجود ہیں۔ عالم ضعیفی میں مرزا کی وفات کے دس برس بعد انتقال کیا۔ ان کے اُردو کلام میں صرف حضرت غالب کی تاریخ وفات دستیاب ہوئی جسے ہم تبرکا درج ذیل کرتے ہیں۔

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جسکے فیض سے تحقیق و کمال صدق و صفا اور حسن و عشق تُز	ہمسے ہزار ہیچمداں ناموَر ہوئے چھ لفظ سکے مرتے ہی سب بے پا و سر ہوئے

تفتہ تفتہ۔ قاضی محمد شمس الضحیٰ تفتہ۔ قاضی پوری حضرت داغ کے شاگرد ہیں۔ اب اختگر تخلص کرتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہوئے۔ یہ چند اشعار انکے ہیں۔

ہے درد ہمارے دلمیں یا دُکھ جادو آنکھوں کا کہہ رہا ہے	صدقہ سب کچھ ہے آپ ہی کا کیا چیز ہے سحر سامری کا
کچھ نہ سوجھا اُس بت نازک ادا کو دیکھکر مجھ سا زمانے میں کوئی پایال غم نہیں جینے کی کیوں دعائیں وہ کرتے ہیں نزع میں	رہ گئے رہ سکتے ہیں ہم شان خدا کو دیکھکر مجھ پر ہوا نہ ہو کوئی ایسا ستم نہیں اللہ میرے آپ سے مجھے تاب ستم نہیں
مزہ مل گیا آپ کو اس میں کیا نازک مزاج آپ سا دیکھا نہیں کہیں	کہ اب سے ہی شیخ جی سوجھتی ہے بیٹھے بٹھائے روٹھ گئے بات کیا ہوئی

تفتہ تفتہ۔ مولوی بدر الدین خاں مفتی سابق مدار المہام ریاست بھوپال۔ آپ مفتی سلطان حسن صاحب سب جج مرحوم رئیس بانس بریلی کے خلف الرشید ہیں۔ تحصیل علمی کے بعد آپنے بھوپال میں ملازمت اختیار کی اور درجہ بدرجہ ترقی کرکے صدر المہام کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ نواب شاہجہاں بیگم کے انتقال کے بعد آپنے ملازمت ترک کردی اب اپنے وطن میں قیام پذیر ہیں۔ چند غزلیں نظر سے گذریں۔ اُن کا انتخاب

حاضر ہے۔

لذت ہے غم عشق کی بیداد و جفا میں	صحت ہے مری درد میں ہے درد شفا میں
اس کوچے سے کیا پاؤں اٹھانیکی ہو ہمت	ولپر ہیں مرے آبلہ چھالے کف پا میں
ان شوخ نگاہوں کا تو گھر ہے دل بیتاب	بیٹھے ہیں کہاں جاکے وہ آغوش حیا میں
الٰہی سوز پنہاں کو لگے آگ	جلایا دل کو آہوں کے شرر سے
لگے کیا خاک حوروں میں طبیعت	بشر کا دل بہلتا ہے بشر سے
نہ دیکھا آتے جاتے تیر کوئی	دل تفتہ ہوا زخمی کدھر سے

تفضل

تفضل ۔ سید تفضل حسین صاحب تفضل مقیم قصبہ برست ضلع پانی پت کرنال شاگرد مرزا صابر صاحب بہادر زیادہ حال معلوم نہیں کلام کا نمونہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ۔

ہیں اپنے شیشہ دل میں اُتار لوں تصویر	تمہیں ذرا بھی تصور میں گر قرار رہے
خمیدگی کبھی لازم نہیں تواضع میں	کہ موج صورت سیماب بیقرار رہے
پڑا یہ صبر مرے اضطراب کا ان پر	کہ وہ بھی طبع کی شوخی سے بیقرار رہے
تفضل اپنی نظر مرہم جگر ہو جائے	گر اپنی آنکھ کی پتلی بشکل یار رہے

تفکر

تفکر ۔ منشی میاں خاں محرر منصفی باشندۂ سنبل مرادآباد حضرت آغا شاغل دہلوی کہیں برادر داغ سے فن سخن میں استفادہ حاصل کیا

جو بلائیں تری اے زلف دوتا لیتے ہیں	اُن کو سودا ہے کہ سر آپ بلا لیتے ہیں
دست نازک میں وہ کیوں تیغ جفا لیتے ہیں	ہم تو خود مول جو بکتی ہو قضا لیتے ہیں
اور کیا ہے ہو مہمان کی خاطر داری	تیر آتا ہے تو پہلو میں بٹھا لیتے ہیں
کچھ مروت بھی ہے عادت سے بھی کچھ ہیں مجبور	وعدہ بھی کرتے ہیں جھنڈی بھی لگا لیتے ہیں
پلا کھ بن بن کے دکھائے یہ عروس دنیا	کب اسے مفت بھی مردان خدا لیتے ہیں

تقی

تقی ۔ منشی محمد تقی خاں لکھنوی ۔ خلف بہادر خاں آپ کو خواجہ وزیر سے تلمذ تھا اور

تفکر

قبل از غدر کانپور میں سکونت پذیر تھے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے۔

مت دل پر خوں مری آنکھوں سے بہہ جا کر	اب یہ پتلیاں دیکھیں گی تماشہ مرے دل کا
خون رونے سے سب راز نہاں ہو گیا ظاہر	فاش آنکھوں نے آخر کیا پردہ مرے دل کا
فریاد کروں آہ تقی کس سے میں جا کر	پُر درد ہے افسوس بہت قصہ مرے دل کا
شیشہ ٹوٹا تو برابر ہی مرا دل ٹوٹا	ٹھیس ساغر کو لگی درد ہوا آنکھوں میں
ندکھا روز سیہ مجکو خدارا اے حور	مان کہنا مرا سرمہ نہ لگا آنکھوں میں

تقی

تقی۔ ابو الکلام مولوی محمد تقی صاحب تقی۔ شعلہ مرحوم کے شاگرد حیدر آباد کے رہنے والے اور کتب خانۂ آصفیہ کے مہتمم ہیں۔

جھلکی دکھائی سامنے آئے سرک گئے	عاشق کو ہر طرح سے وہ ترسا کے جاتے ہیں
وعدہ تو روز ہوتا ہے آتے نہیں کبھی	عاشق کو انتظار میں تڑپا کے جاتے ہیں
آپکے کہنے سے آجاتا ہے مجکو تو یقیں	بات لیکن آپ کی سچی کوئی ہوتی نہیں
غم مری قسمت کا ہے اغیار کو کیونکر ملے	اُن کو غم ہوتا نہیں مجکو خوشی ہوتی نہیں
واعظا تیری نصیحت کا ہوا کچھ بھی اثر	بات کوئی کبھی رندوں نے تری مانی ہے

تقی

تقی۔ نواب بنے صاحب لکھنوی۔ آجکل کے شعرا میں ہیں۔ جو چند شعر نظر سے گذرے اُن سے پایا جاتا ہے کہ آپ کا مذاق پاکیزہ ہے اور مضمون نکالنے کی طرف توجہ زیادہ ہے۔ جناب شرر سے تلمذ ہے اور رسالہ معیار کی کمیٹی کے ممبر ہیں آپکے کلام کا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو۔

خوں بہاتا ہے جو دعوے کسی دلگیر کا	وہ اُٹھے ہیں آج قبضہ چوم کر شمشیر کا
مشق نظارہ نے اتنا جذب تو پیدا کیا	صفحۂ دل پر ہے نقشہ آپ کی تصویر کا
دیکھنے والوں کی نظروں کو کیا ہے مضطرب	رنگ اتنا شوخ ہے ظالم تری تصویر کا
شام ہونا غم فرقت میں سحر ہو جانا	یوں مری عمر دو روزہ کا بسر ہو جانا

روح کر دیتا ہے تحلیل یہ وہ صدمہ ہے	دلِ ناشاد کا ناکام اثر ہو جانا
آج بیمارِ محبت کی بری حالت ہے	ہو مناسب تو کسی وقت اِدھر ہو جانا
تیر آنا ہے مرے واسطے امیدِ حیات	تیر اجانا مرے مرنے کی خبر ہو جانا
ناتوانی شبِ فرقت میں بڑھی ہے اتنی	میری کروٹ کا بدلنا ہے سحر ہو جانا
آنے والی ہے قیامت یہ خبر دیتا ہے	آپ کا گورِ غریباں سے گذر ہو جانا

تکلف

تکلف ۔ مرزا اکبر علی بیگ شاگرد مولوی سید محمد جعفر صاحب آسان کانپوری کانپور کے ضلع میں کسی تھانہ میں محکمہ پولیس میں محرر تھے ۔ اور اس طرح سخن طرازی کرتے ہیں ۔

کس جا پہ ترا ڈھونڈنے والا نہیں جاتا	کعبے نہیں جاتا کہ کلیسا نہیں جاتا
گانے سے اُسکے آتشِ الفت بھڑک اُٹھی	جل جل گئے ہیں شعلۂ حسن صدا سے ہم
خفا نہو جو کیا میں نے ظلم کا شکوہ	چلو وہ یونہی سہی تمکو جفا نہیں آتی
کیا جو بوسہ طلب اُس نے سر جھکا کے کہا	تمہیں یہ کہتے ہوئے کچھ حیا نہیں آتی

تلسی

تلسی ۔ بابا تلسی داس گسائیں سرجو پاری برہمن تھے ۔ اُن کی ماں کا نام ہلسی اور باپ کا نام آتما رام تھا ۔ اُن کے والدین نے روزِ پیدائش ہی سے ان کو علیحدہ چھوڑ دیا تھا بعض مورخوں کا قول ہے انکی پیدائش سمت ۱۵۸۳ میں ہوئی بعض کا خیال ہے کہ سمت ۱۵۸۹ بکرمی کا جنم ہے ان کی تعلیم و تربیت و تحصیل علم کی بابتہ بھی اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں ان کے گرو نرسنگھ داس تھے بعض کا بیان ہے جگناتھ داس سے انھوں نے تعلیم حاصل کی تھی ۔ اول انکی شادی دین بندھو پاٹھک کی لڑکی رتناولی سے ہوئی تھی جس کے بطن سے تارک نام ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا ۔

مشہور روایت ہے کہ تلسی داس جی جوانی کی عمر میں نہایت اوباش اور بد چلن تھے

چنانچہ ایک عورت راما نامی سے آشنائی تھی جو سرجو پار رہتی تھی۔ تلسی داس کا دستور تھا
کہ ہر روز رات کو اپنی معشوقہ کے گھر جایا کرتے تھے۔ ایکدفعہ دریا بہت چڑھا ہوا تھا
اور کشتی بھی موجود نہ تھی اتفاقاً ایک مردہ لاش بھی بہتی جارہی تھی۔ تلسی داس نشۂ
عشق میں سرشار تھے بیتابانہ اسی پر بیٹھ گئے اور دریا سے پار ہو گئے جب اپنی آشنا
کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا اور ایک سانپ لٹک رہا تھا تلسی داس نے
خیال کیا کہ رسہ ہے اسکو پکڑکر بالاخانہ پر چڑھ گئے اور اس عورت سے ملاقات کی۔
معشوقۂ طنّاز نے دریافت کیا کہ تلسی آج تم کیونکر یہاں آئے۔ تلسی داس بولے کہ تم نے
جو کمند میرے لئے لٹکا رکھی تھی اُسکو پکڑ کر آگیا۔ جب اس عورت نے جاکر دیکھا تو معلوم ہوا
کہ سانپ تھا۔ چنانچہ تلسی داس کی سچی محبت کو دیکھکر اس عورت نے ذیل کا دوہا پڑھا۔

دوہا

دھکّ دھکّ تو ہے پران پیارے (محنت)		چام - ہاڑ - اتی - نرس - ہمارے (چمڑا، عضو، نرسنگے)
ایسو من جو لاگت راما مئی		تو سدھرت تیرے سب کاما مئی

یہ سُنکر تلسی داس مہاراج کے دل میں گیان کی چوٹ لگی اور اس روز سے عشق حقیقی کی
طرف رجوع ہوئے ہرچند ان کی آشنا نے ٹالنا چاہا مگر آپ یہ کہکر چلے آئے۔

دوہا

تلسی داس کہے مان گلانی (شرمندگی)		ہے ست ہے ست ئیہ سب بانی (سچ)
بورے نرت موکھ کی نائیں		گئے کاش بچ بھون گسائیں
کٹیں ایک رگھناتھ سنگ باندھ جٹا سر کیس		ہمتو چاکھا پریم رس پتنی کے اپدیش

جب سے تلسی داس زاہد و خداپرست لوگوں کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور اکثر آزادانہ
پھرا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ چترکوٹ میں تلسی داس نے ہنومان جی مہاراج سے ملاقات
کی اور انھوں نے ان کو شاعری کی قدرت عطا کی سمت ۱۶۳۱ بکرمی میں آپ نے رامائین کی تصنیف

شروع کی جو مہاراجہ رامچندر جی کے تاریخی واقعات کی مستند کتاب ہونے کے علاوہ اپنی شیریں زبانی اور موزونی میں ایک خاص اہمیت اور دلکشی رکھتی ہے۔ علمی۔ اخلاقی موحدانہ مضامین مصرعہ مصرعہ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ انکا لطف کچھ وہی زبانیں جانتی ہیں جو بھاشا کی چاٹ سے آشنا ہیں۔ الغرض تلسی داس اپنے زمانہ کے متقی پرہیزگار خداشناس۔ نیک مرد۔ صاحب کشف و کرامات گذرے ہیں۔ جہانگیر کے زمانے میں جس وقت وبائے طاعون پھیلی تھی آگرہ میں کسی عورت کا خاوند مرگیا۔ چنانچہ وہ اُس وقت کے دستور کے موافق ستی ہونے کے لئے جاتی تھی۔ اتفاقاً راستہ میں مہاراج تلسی داس مل گئے اس عورت نے ان کو دیکھکر ڈنڈوت کی مہاراج تلسی داس نے دعا دی کہ تیرا سہاگ بنا رہے۔ اس پر اس عورت نے روکر کہا کہ مہاراج یہ کیونکر ہو سکتا ہے میرا خاوند تو فوت ہوگیا۔ اور میں ستی ہونے کو جاتی ہوں یہ سُنکر مہاراج تلسی داس اسکے ہمراہ گئے اور اسکے خاوند کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی تو بادشاہ وقت نے ان کے مذہبی عقائد سے ناراض ہوکر قید کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ہزاروں بندر قید خانہ توڑنے کو آموجود ہوئے اور بادشاہ نے متعجب ہوکر ان کو رہا کر دیا اور مزید عنایت کا اقرار کیا۔

ان کی سکونت کی بابت بھی مورخوں نے مختلف خیال ظاہر کئے ہیں۔ لیکن ان کا خاص وطن راجاپور ضلع باندا تھا۔ جو خود ان کے ہی دوہے سے ثابت ہے۔

دوہا

راجاپور جمنا کے تیر ہ	تلسی جہاں بسے من ہیرہ

تلسی داس کا زمانہ اکبر و جہانگیر کے عہد حکومت میں تھا چنانچہ آپ کی اکبر کے وزیر خانخاناں سے بہت دوستی تھی اور خانخاناں بھی ان کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا۔ چنانچہ ایکدفعہ ایک برہمن جسکی لڑکی کنواری تھی اور شادی کے اخراجات کی استطاعت نہ رکھتا تھا۔ مہاراجہ

تلسی داس سے سفارش کا خواہاں ہوا چنانچہ آپ نے دوہے کا ایک مصرعہ لکھکر اُسے وزیر موصوف کی خدمت میں بھیجدیا۔ مصرعہ یہ تھا ؎

سُر تیہ نرتیہ ناگ یہ سب چاہت رس ہوئے

خانخاناں نے اس غریب برہمن کی امداد کی اور دوسرا مصرعہ حسب ذیل لکھدیا جس سے خانخاناں کی طبیعت کا مذاق ظاہر ہوتا ہے۔

گود لئے ہلسی[5] پھرین تلسی سون سُت ہوئے

مہاراج تلسی داس کو رامچندر جی مہاراج کا عشق تھا اور ہمیشہ اِن کی ہی پوجا سیوا کیا کرتے تھے دوسرے دیوتاؤں کے سامنے سجدہ کرنا کفر خیال کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ متھرا جی گئے تو ہر طرف رادھا کرشن رادھا کرشن لوگوں کو رٹتے سُنا تو آپ نے بیساختہ فرمایا۔

دوہا

رادھے رادھے رٹت ہیں آگ ڈھاک اور کریر		تلسی یا برج بھوم میں کہا رام سے بیر

برج کے لوگوں نے کہا مہاراج آپ کیسے مہاتما ہیں کہ بہاری جی کے درشن تک نہیں کرتے یہ بھی تو پرماتما کا اوتار ہیں۔ چنانچہ جب آپ بندرابن گئے تو فی البدیہہ یہ دوہا کہا۔

دوہا

کیا کہوں چھب آپ کی بھلے بنے ہو ناتھ		تلسی مستک جب نوائے دھرو دھنش شر ہاتھ

کہتے ہیں سری کرشن جی مہاراج نے اِنکے تصور کے مطابق اِن کو رامچندر جی کے روپ میں درشن دیئے جیسا اِس دوہے سے ثابت ہوتا ہے۔

دوہا

مُرلی مُکٹ دورائے کے دھرو دھنش شر ہاتھ		تلسی لکھ رُچ داس کی کرشن بھئے رگھناتھ

آپ کی وفات سمت ۱۶۸۰ بکرمی میں واقع ہوئی۔ تاریخ وفات کسی بھاشا کے شاعر نے اسطرح کہی ہے۔

[5] مہاراج تلسی داس کی ماں کا نام تھا۔

سمت سولہ سو اسی (۱۶۸۰ سمت) اسی برن کے تیر	ساون سکھلا سمتی تلسی سبتے سریر

تلسی داس اکثر متھرا بندرابن۔ کورکشیتر۔ پریاگ۔ چترکوٹ۔ جگناتھ کی جاترا میں مصروف رہتے تھے۔ بندرابن میں سبنا جی سے جو اس وقت میں سنسکرت زبان کے فاضل تھے ملاقات کی۔ اِن کی تصنیفات راماین کے علاوہ سبنے پتر کا اور گیتا بلی ہے۔ آپ کے اکثر دوہے اور چوپائیاں زبان زد خلایق ہیں جن میں مضمون کی بلندی۔ تشبیہات و استعارہ کی خوبی کے علاوہ بے ساختہ پن بھی پایا جاتا ہے۔ آپ کے اشعار تصوف و پند و نصایح سے مملو ہیں شعراے ہند میں انکا رتبہ فردوسی اور میر تقی کے برابر بلکہ ان سے بھی افضل سمجھنا چاہیے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

دوہے

تلسی اس سنسار میں بھانتے سبھی ملائے
تلسی میٹھے بچن سے سکھ اپجت چھوں اور
کاگا کا سا لیت ہے کوئل کا کو دیت
تلسی اس سنسار میں وہی بھیو سمرتھ
تلسی سیدھی چال سے پیادہ ہوتے وزیر
تلسی آہ غریب کی کبھی نہ خالی جائے
کرم کنڈل کر گئے تلسی جہاں جہاں جائے
دو ڑو کوس ہزار یہ بے لکشمی پاس
تلسی اپنے رام کو ریجھ بھجو کہ کھیج
پریت سکھ لو ایک سے جو ہے اسکی کان
تات سو رگ پپ برگ سکھ دھرئے تلد ک انگ
ایک گھڑی آدھی گھڑی اور آدھی کی آدھ
ملا سنگھ مارے نہیں انمل مارے گائے
بسی کرن یہ منتر ہے کب تجئے بچن کٹھور
میٹھا بچن سنائے کے جگ اپنا کر لیت
اک کنچن دو کچن پر جو نہ پسارے ہتھ
فرضی شاہ نہو سکے گت ٹیڑھی تاثیر
مرے چام کے سانس سے لوہا بھسم ہو جائے
سر تیا ساگر کوپ جل بوند نہ او ک سمائے
بے کر پار گھناتھ کے ملے نہ تلسی داس
کیمت پڑے جم جائیگا الٹا سید جا بیج
جہاں گانٹھ تہاں رس نہیں یہی پیت کی بان
تلے تاے سکل بل جو سکھ ومست سنگ
تلسی سنگت سادھ کی ہرے کوٹ اپرادھ

دیکھو پیت کی ریت جل جل پہ سرسُن بکائے	کپٹ کٹائی پرپت ہے بکک ہو اس جائے
سیوک کر پد نین سے سکھ سوں صاحب ہوئے	تلسی پرپت کی ریت لکھ سوکوئی سراہی سوئے
کام کرودھ لوبھ آدھ مدھ پربل موہ کی دھار	تن من ائی وارن دکھ دیا یار وپی نار
سنچ وید - گرد جو پر یہ بولیں بسے آس	راج دہرم تنو بتن کر ہوا بیگ ہی ناس
تلسی ریکھا کرم کی میٹ سکت نہیں رام	سیئے تو اچح ہس پر سمجھ کرے ہنس کام
جو منیا میں ناکے بیٹھی سٹ کر کھائے	جو بکری ہیں ہیں کرے سہج ہی ماری جائے
ایک بہروسے رام کے کٹے پاپ بہروٹ	جیسے نار کنار کو اپنے کی اوٹ
آوت ہے ہرکھی نہیں ین نہیں سینہ	تلسی تہاں نہ جائیے کنچن برسے مینہ
ہرک آستے آور کرے چلت نوائی سیس	تلسی لیے متر سے ملئے لیو سے بیس
مایا سے مایا ملے کہے کے سبلیے ہات	تلسی داس غریب کی کوئی نہ پوچھے بات
تُلسی اپنے رام کو کیوں نہ بھجے نشنکہ	ادھ انت میں ایک ہے جیسے نو کا آنکھ

اس دوہے میں نازک خیالی - بلند پروازی کا پورا پورا ثبوت دیا ہے خدا کی ذات کو کثرت سے وحدت میں دکھاتے ہیں - یعنی جس طرح نو کے عدد کو چاہے جس قدر پھیلا کر جمع کیا جائے تو نو ہی نو رہتے ہیں - اسی طرح قادر مطلق کی ذات باوجود ہزار رنگ میں ہے جلوہ گر ہو کر بھی ایک ہی ہے -

چوپائی

آماسنت کی یہی بڑائی	مند کرت جو کریں بھلائی
شیام گور کم کرن دیکھائی (دیکھے)	گرا انین نین بن بانی (زبان اندھی / قوت بیان)

فرماتے ہیں رامچندر جی کے سروپ کو ہم کیونکر بیان کر سکتے ہیں جن آنکھوں نے دیکھا ہے اُنکے زبان نہیں ہے - اور زبان کے آنکھیں نہیں ہیں جو دیکھ کر بیان کر سکیں -

اُونڈا نگھاٹ سمس گر کیسے ہُو	کھل کے بچن سنت تین جیسے

تمکیں

تمکین ۔ میاں صلاح الدین دہلوی ۔ شاہ حاتم کے ہمعصر اور شعرائے قدیم میں سے تھے طبیعت تعلقات دنیوی سے آزاد تھی اور فقیرانہ وضع رکھتے تھے ایک قلمی تذکرہ سے انکا کلام منتخب ہوکر درج ذیل ہے ۔

عشق اور حسن کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجھکو دیوانہ کیا تجھکو پریزاد کیا

نامہ کا میرے لیکر اُس سے جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

سے کیے کیا درد دل بلبل گلوں سے
اڑا دیتے ہیں اسکی بات ہنس کر

تمکیں

تمکین ۔ میر ہدایت علی متوطن قصبہ کندر کی ضلع مرادآباد نہایت ذہین اور طباع اور علوم و فنون عربی و فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے خوشنویسی میں بھی ید طولے حاصل تھا ۔ چنانچہ اکثر خطوط متداولہ نہایت عمدگی سے لکھتے تھے ۔ تمام عمر درس و تدریس میں بسر کی ۔ فارسی شعر اکثر اور ریختہ بہت کم کہتے تھے ۔ متقی پرہیزگار و ادیب کامل تھے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت یعنی بارہویں صدی کے آخر تک زندہ تھے ۔ چند شعر اونہیں کے تذکرے سے انتخاب کرکے درج کئے جاتے ہیں جن سے تلاش الفاظ و مضامین اور رنگیں بیانی کا پتہ چلتا ہے ۔ ملاحظہ ہوں ۔

وہ مہ جبین یوسف کنعاں ہے دوسرا
اُسکے مقابلہ کوئی انساں ہے دوسرا؟

پھر شورش جنوں ہے بھلا چاک کیا کروں
داماں ہے دوسرا نہ گریباں ہے دوسرا

مشہد ہے دوسرا کا دلا کوچۂ صنم
تڑپی ہے ایک وا نہ تو بیجاں ہے دوسرا

ہر چند شب کے رہنے کی ہے گم جگہ ولے
تمکین کوئے یار شبستان ہے دوسرا

اس عرصہ جہاں میں ترے ہاتھ سے میاں
خنداں اگر ہے ایک تو گریاں ہے دوسرا

دل حزیں مرا مثل غنچہ شگفتہ ہوجائے ایکدم میں
گر اسکے کوچہ میں کاش لیجائے اے صبا تو غبار میرا

لیا نہیں ہے گر اس پری نے بتا تو تمکین کدھر گیا ہے
وہ صبر میرا شکیب میرا قرار اور اختیار میرا

اب نہ وہ بلبل ہے نے گلزار کیا تھا کیا ہوا
کچھ نہیں آتا نظر جز خار کیا تھا کیا ہوا

کیا کہوں شب ہمنشیں جاتا رہا سامانِ عیش
گردشِ افلاک سے اکبار کیا تھا کیا ہوا

نہ وہ ساقی ہی نہ مینا ہے نہ ساغر ہے نہ مُل
نے بغل میں یارِ گل رخسار کیا تھا کیا ہوا

پیش ازیں رکھتے تھے تمکین ہم اُسے آغوش میں
اب میسر بھی نہیں دیدار کیا تھا کیا ہوا

بیداد و جفا و ستم و جور و عداوت
کیجے گا کہاں تک بھلا دیکھیں تو ہم اچھا

کیا ہے سبب جو اُسکے ہے کوچہ کی لال خاک
کی اُسنے عاشقوں کی مگر پایمال خاک

میں وہ شہیدِ تیغِ نگہ ہوں کہ ہے میاں
مجھ مشت استخواں کی برنگِ گلال خاک

ہووے رسائی اس لبِ نازک تلک مجھے
لیجائیے لے خدا کوئی میری کلال خاک

آج تو کچھ سلام بھی لیتے نہیں ہو خیر ہے
جلتے ہو اسطرح چلے جیسے کہ آشنا نہیں

چین جبیں ہو آج آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اسی جلد کیوں
واسطہ وجہ کیا سبب سینے تو کچھ کہا نہیں

لوگے کیا ابتو نہ دل ہے نہ جگر رکھتے ہیں
قصد آنے کا تو اب یار دگر رکھتے ہیں

افعی ہے شب ہے مشک ہے یا تو کیا ہے یہ
زلفِ سیہ ہے یا کوئی کالی بلا ہے یہ

مصحف ہے گل ہے صبح ہے یا ہے یہ رُو تیرا
شمس الضحیٰ ہے یا کہیں بدر جیا ہے یہ

تمکیں غزل کا کہنا ترا ایسی طرز سے
ظاہر ہے یہ کہ خوبیٔ ذہن رسا ہے یہ

دین و دل و شکیب گئے اِک نگاہ میں
ہمسے سلوک واہ یہ کیا یار کر چلے

جب سے صورت تری آنکھوں میں مری پھرتی ہے
سارے عالم سے مجھے بیخبری رہتی ہے

دور میں تیرے زبس خون کا بازار ہے گرم
اک نہ اک نعش ترے گھر میں دھری رہتی ہے

کسطرح بھولے نہ تمکین بھلا دنیا و دین
اسکو ہر وقت میاں یاد تری رہتی ہے

جو تاب عارض سے تیرے شرما کے قرص مہراب سحاب میں ہے
قیاس کرنا اسی کے اوپر کہ ماہ پھر کس حساب میں ہے

زباں سے بولا ہوں تو قسم لو نہ آنکھ اُٹھا کریں اسکو دیکھ
نہیں یہ معلوم کیا سبب ہے جو آپ ہی آپ ہی عتاب میں ہے

نقاب اُٹھاؤ نہ رو دکھاؤ نہ حال پوچھو نہ پاس آؤ
تمھارے ہاتوں سے اندنوں تو بچا را تمکیں عذاب میں ہے

غیر سے یہ اختلاط اور ہم سے خالی پیار واہ	بس ہوئی معلوم ہمکو قدر دانی آپکی

تمکین

تمکین - میر سعادت علی تمکین - انکا اصلی وطن پٹنہ تھا مگر یہ خود غدر سے کئی سال پیشتر دہلی آرہے تھی اس وقت آپ کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی طبیعت میں ظرافت اور کلام میں شوخی پائی جاتی ہے - زبان بھی صاف ہے یہ انکا کلام ہے -

درد وغم رنج واضطراب و قلق	حال کیجے بیان تو کس کس کا
کان دکھ کر بات غیروں کی سُنا کرتے ہو تم	کاش کہ ہم بھی نہ ہوتے تمسے صورت آشنا
گرزنشہ ہے یہی نگہ میں تری	مے کی پینے کی احتیاج نہیں
نام تمکیں ہوا تو کیا ہمدم	راتدن بیقرار رہتا ہوں
مہر والفت کا ثمر ہے مہر والفت دہر میں	پر محبت سے مری تم اور دشمن ہوگئے

تمکین

پنڈت بخت مل خلف الصدق پنڈت لچھمی رام صاحب فدا - دہلی کے رہنے والے تھے جو کچھ کہتے تھے اپنے والد بزرگوار کو دکھا لیتے تھے ۱۸۴۸ع میں زندہ تھی یہ بیت اشعار انکے ہیں -

مشتاق قدم بوسی ہے ہر خار بیاباں	لائی ہے ولا یہ تری شوریدہ سری رنگ
ہو سخت جگر گر سد راہ اشک آنکھوں میں	تو ڈوبین طائران سدرہ تا منقار پانی میں
جب سے کا فر وہ کیٹلی نظر آئیں آنکھیں	ہم نے ہرگز نہ کسی بت سے لڑائیں آنکھیں

تمکیں

تمکین - محمد یوسف تمکین دہلوی - دہلی کے سرکاری مدرسہ میں تعلیم پائی تھی صاحب طبع مستقیم وذہن سلیم شوخ مزاج ظریف تھے ۱۲۶۳ھ میں مدرسی کی تحصیل سے فارغ ہوکر سند تکمیل فارسی وخوش اطواری حاصل کی - مذاق سخن اچھا تھا - انتخاباً چند شعر درج ذیل ہیں -

تھا دم لبو پہ اور کبھی لب پہ آہ تھی	فرقت کی رات کیا مری حالت تباہ تھی

دوزخ بھی جس سے مانگتا ہر دم پناہ تھا
کس دل جلے کی بارِ خدایا یہ آہ تھی

ہوتے ہی شام دام الم میں میں پھنس گیا
تھی شام یا خدا کہ وہ زلفِ سیاہ تھی

قطعہ

خانہ خراب ہو جو ترا عشق بے حیا
آئیں کونسا تھا یہ کیا رسم و راہ تھی

تو نے جو میرے دل کو صنم خانہ کر دیا
رہتا خدا تھا جس میں یہ وہ بارگاہ تھی

محشر میں کیونکہ جلوۂ دیدار دیکھتا
آنکھوں کے سامنے تری زلفِ سیاہ تھی

تمکین کو ایک نگاہ میں دیوانہ کر لیا
جادو فریب آہ یہ کس کی نگاہ تھی

تمکیں

تمکین ۔ مولوی غلام بتول خاں صدر امین ضلع بیر بھوم خلف مولوی غلام رسول خاں بہادر متخلص بہ تحسین صدر الصدور ڈھاکہ۔ ضلع میدنی پور کے رہنے والے بڑے ظریف شخص تھے۔ بیشتر ریختی کہتے تھے۔ مولانا ناسخ صاحب سخن شعرا کے دوستوں میں تھے۔ اور خاصہ کہہ لیتے تھے۔ ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا۔ یہ اشعار اُن کے ہیں۔

لن ترانی کے سوا اسکی زباں پر کچھ نہیں
اس ستمگر نے سُنا ہے جب سے قصہ طور کا

کوئے جاناں کم نہیں کعبے سے عاشق کیلئے
دیدِ حق سے کم نہیں دیدِ رخِ نیکوئے دوست

لاف کرتی ہے اب اُس چشم سے بیجا نرگس
کئے اُن آنکھوں کے آگے ہے بھلا کیا نرگس

مہرباں ہم پہ بھی ہے اور جفا کار بھی ہے
لطف اور پیار بھی ہے قصہ و تکرار بھی ہے

تمکین

تمکین ۔ محمد حسن نام۔ تمکین تخلص۔ ولد حکیم مولوی عظیم اللہ صاحب رئیس۔ مولد و مسکن قصبہ بچھرایوں ضلع مراد آباد۔ بڑے خوش مزاج اور لطیفہ سنج آدمی ہیں۔ عمر ۴۰ سال سے کم ہے۔ مولوی نجم الدین صاحب برق مرادآبادی سے تلمذ ہے۔ ایک زمانے میں ان کو شاعری کا بہت شوق تھا۔ ہر وقت شعر و سخن کے جلسے رہتے تھے۔ اب صدمات و علائق دنیوی کے سبب سے اس طرف توجہ کم ہو گئی ہے۔ اور شعر کہنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ دو تین سال ہوئے ریاست رامپور میں ملازم تھے۔ مگر نوکری چھوڑ کر وطن چلے آئے اور زمینداری کا شغل رکھتے ہیں۔ آپ کے کلام میں سے چند اشعار بطور نمونہ پیشکش ہیں۔

تمھارا ذکر کیا تھا تم جو بگڑے — کہیں کی بات تھی قصہ کہیں کا

دوستی میں تری دشمن ہی زمانہ اپنا — آفتِ جان ہوا دل کا لگانا اپنا

اپنی قسمت سے بدل لاؤں میں قسمت کس کی — چھین کر دوں دلِ مضطر تجھے راحت کس کی

آپ بھی جاتے ہیں اور جان بھی جاتی ہے ابھی — سخت مشکل میں ہوں پہلے کروں رخصت کس کی

یہی اندازِ ستم اوس نے نیا رکھا ہے — غیر کو میرے جلانے کو بٹھا رکھا ہے

تمکین - منشی فضل حق تمکین دہلوی باشندۂ محلہ تیلی قبر دہلی - کاپی نویسی کرتے تھے اور ۱۸۷۳ء میں حیات سے تھے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا - یہ آپ کا کلام ہے -

بام پر شب جلوہ گر وہ غیرتِ مہتاب تھا — دیکھ کر اسکو قمر مثلِ کتاں بیتاب تھا

جب تصور میں ترے رویا میں آیا قوت لب — اشک جو آنکھوں سے ٹپکا گوہرِ نایاب تھا

ہستی ہے اپنی تو تیرا وصل اے دریائے حسن — دل تڑپتا ہجر میں جوں ماہئی بے آب تھا

میرا تیرا یار ہے اے جانِ من ربطِ قدیم — تجکو لیلی کہتے تھے مجنوں مرا القاب تھا

دین و ایماں صبر و طاقت کھو دیا سب عشق میں — کلبۂ تمکین میں یارو بس یہی اسباب تھا

جو صحرا کو ہم نکلے جوشِ جنوں میں — تو کانٹوں کو سیتے قدم دیکھتے ہیں

کہا میں نے یہ اس سے کہ ماہِ لقا سُنا تو نے عدو کا تو سے گلہ

وے میرے فسانۂ غم کو ذرا کبھی کان لگا کے سُنا ہی نہیں

تمنا - محمد اسحاق خاں مرحوم تمنا - متوطن گجرات - احسن اللہ خان بیان مختار کار سرکار مرزا شگفتہ بخت مقیم بنارس کے ہم زلف تھے - بڑے عاشق مزاج اور آزاد منش آدمی تھے ہمیشہ نازنینانِ پری چہرہ کی صحبت میں رہتے تھے - عالم شباب میں انتقال کیا - یہ کلام کا خلاصہ ہے -

جس کے غم میں ہم کبھی آرام سے واقف نہیں — کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

شبِ فراق کی سختی تمام کٹ جاوے — جو صبح تو مرے آکر گلے لپٹ جاوے

اپنی تو یہ صورت ہے کہ جوں بلبلِ تصویر　　پرواز کی طاقت نہیں اور پاس چمن[1] ہے
تڑپ رہا ہے کوئی خستہ جاں زمیں کے تلے　　اُٹھے ہے زلزلہ جو سر زبان زمیں کے تلے

تمنّا۔ جمیل الدین تمنّا متوطن شیخ پورہ من محالات ضلع فرخ آباد و از شاگردانِ رشید نظام الدین ممنون۔ جوان وجیہ۔ جمیل نجیب۔ خوش اخلاق یہ آپکا کلام ہے۔

محو صیادِ مرغِ دل از بس وہ صید انداز ہے　　پنجۂ مژگاں جسکا چنگلِ شہباز ہے۔
پا بگل حیرت سے ہے سروِ گلستاں راستکہ　　کس قیامت قد کا یاں قمری خرامِ ناز ہے
نہ اُٹھا۔ گو چلا آیا منہ میں پانی اُسکے شبنم سے　　ہوا بیہوش بیاں تک دیکھکر غنچہ دہن تیرا

تمنّا۔ امیر والاشان نواب سید علی حسین خاں تمنّا عرف نواب دولہ بہادر خلفِ میر حسین علی رضوی۔ نسب میں عالی قدر اور نواب معتمد الدولہ بہادر وزیر اودھ کے حقیقی خواہر زادہ اور داماد تھے اونھیں کے ہمراہ لکھنؤ سے کانپور تشریف لائے اور پھر یہیں بود و باش اختیار کی شیخ امام بخش ناسخ سے تلمذ تھا۔ اِنکے پوتے کا بیان ہے کہ صاحبِ دیوان تھے۔ اور قصیدوں میں ذوق اور سودا کا انداز ہے۔ ۲۶ صفر سنہ ۱۲۷۶ھ چہتر برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ راقم کی نظر سے چند غزلیں گذریں اُنکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ساتھ دیتا ہے کون پیری میں　　گوشت نے استخواں کو چھوڑ دیا
یارب بُرا ہو پیرئ خانہ خراب کا　　محتاج بال بال ہوا ہے خضاب کا
تا حشر اب نہ ہوگی ملاقات آپ سے　　رخصت ہوا یہ کہہ کے زمانہ شباب کا

کیا اثر تھا جذبۂ دل میں کہ بعدِ قتل بھی　　تیر سینے سے اگر نکلا تو پیکاں چھوڑ کر
تمنّا ہے یہی موقعہ جسکے وہ ذبح کرتے ہیں　　بڑھا کر ہاتھ دونوں ڈالدے قاتل کی گردن میں
حشر تک روئیں گے احباب تمنّا مجھکو　　یاد آئے گی جو آشفتہ بیانی میری

[1] یہ شعر حالت نزع میں کہا تھا ۱۲

حضرتِ نوح بھی گھبرا کے دعائیں کرتے	دیکھ لیتے جو کبھی اشک فشانی میری
آیا جو وہ مسیح نفس بہرِ فاتحہ	قالب میں جان پڑ گئی خشتِ مزار کے

تمنا

تمنا۔ منشی مسیح الدین باشندۂ کلکتہ۔ منشی امیر مرحوم کے نواسے اور حضرت وحشت کے شاگردوں میں سے تھے ۱۲۷۵ ہجری میں نواح کلکتے میں مختاری کرتے تھے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

گر لپیٹا تو کبھی خواب میں اے مصحفِ رو	تنِ عریاں پہ مرے جامۂ قرآں ہوتا
جب وہ مہتابی پہ رخسارہ دکھا دیتے ہیں	چرخ پر ماہ کو خورشید بنا دیتے ہیں
دھوئے مہندی لبِ دریا تو اگر ہاتوں سے	جائے ماہی ہو سمندر کا مکان پانی میں
حکم قانونِ شفائے مرضِ عشق ہے یہی	بوسۂ لبِ دلِ بیمار کا درماں ہووے

تمنا

تمنا۔ کسی خوش فکر باشندۂ لکھنؤ کا تخلص ہے۔ جو ترتیب تذکرہ سخن شعراء کے وقت مٹیابرج کلکتہ میں واجد علی شاہ کی سرکار میں بسر اوقات کرتے تھے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے۔

جو اس طرف سے گذر ہوا ہے تو قبرِ عاشق بھی آ کے دیکھو
نگاہِ حسرت سے گر نہ دیکھو بلا سے تیوری چڑھا کے دیکھو
صبا یہ کہنا خدا بچائے فقط ہیں اب آخری سنبھالے
گذرتے ہیں ناز اُٹھانے والے جو دیکھنا ہے تو آ کے دیکھو

غنودگی سی ہے کچھ جھپکیاں بھی آتی ہیں	یقین ہے اجل آئیگی آج خواب کے ساتھ

سفر بسرعت ہوا اس جہاں سے کوئی کہے بڑھ کے کارواں سے
قدم اُٹھائے چلو یہاں سے کہ یہ جگہ ہے روا روی کی
کھلے ہیں سب زخم خوں چکیدہ برنگ گلہائے نو رسیدہ
تمام اعضا ہیں گو بُریدہ مگر نہ عادت گئی ہنسی کی

تمنا

تمنا۔ صاحبعالم میرزا غیاث الدین تمنا گورگانی۔ خلفِ شاہزادہ مرزا شمس الدین ابن

حضرت فردوس منزل عالی گوہر محمد جلال الدین شاہ عالم بادشاہ - حافظ قطب الدین صاحب مشیر کے شاگرد رشید تھے۔ لارڈ لیک نے جو شاہ عالم بادشاہ کی اولاد کیواسطے سات ہزار آٹھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ شاہی تنخواہ سے علیحدہ مقرر فرمائی تھی - وہ انگریزی خزانہ سے وصول ہو کر آپ کے والد صاحب کے مکان پر تقسیم ہوا کرتی تھی ۱۸۵۷ء کے بعد مرزا صاحب موصوف نے سات ہزار آٹھ سو روپیہ ماہوار سابقہ تنخواہ جاری ہونے کے واسطے بہت کوشش کی لیکن ناکامیاب رہے پھر مجبور ہو کر حج کے لئے تشریف لیگئے ۱۲۳۲ھ میں قلعۂ معلی کے اندر پیدا ہوئے اور تہتر برس زندہ رہکر ۱۳۰۵ھ میں حج سے واپسی کے ۱۳۱۲ھ دہلی میں انتقال فرمایا حضرت سلطان جی میں باولی کے اوپر اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے ۱۲۸۱ھ میں انہوں نے ایک منظوم تاریخ لکھی جس کا تاریخی نام مرزا انتخاب ہے اور اس میں کل شاہان خاندان مغلیہ کا حال درج ہے - چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں - انکی اولاد دہلی میں موجود ہے۔

جو آنکھ چرانے تھے لگے کرنے اشارے	ہو گئی ابھی آہ کی تاثیر ہوئی کیا
تھامے ہوئے دل بیٹھے ہو کیوں آج تمنا	کل دل پہ جو رکھتے تھے وہ تصویر ہوئی کیا
نہیں دردِ دل سکے سنانے کی طاقت	لبوں کو نہیں ہے بلانے کی طاقت
بیتابیوں کا حال تمنا نہ پوچھئے	دل سے گیا ہے ایک طرحدار کیا کہیں
قتل منظور ہے تو بسم اللہ	آہ امید وار میں بھی ہوں
یار کی تصویر سے غم مٹ رہا ہے ہجر کا	راتدن چھٹتی نہیں تصویر اپنے ہاتھ سے

تمنا - مرزا مغل جان خوشباش آگرہ - راجہ بلوان سنگھ معزول راجہ کاشی مقیم آگرہ کے مصاحب تھے - وہاں شاعری کا راتدن چرچا رہتا تھا - شدہ شدہ یہ بھی شعر کہنے لگے - مرزا حاتم علی بیگ مہر لکھنوی سے اصلاح لیا کرتے تھے - یہ انکا کلام ہے -

بغل میں میکشوں کی ہیں شراب ناب کے شیشے	لئے بیٹھے ہیں پریوں کو یہاں میخوار پہلو میں

تمنا

جامِ سفال پر تو مے سے دمک گئے		پرتو سے آفتاب کے ذرے چمک گئے

تمنا

تمنا - منشی رام سہائے تمنا لکھنوی - فارسی اردو بھاکھا ہر سہ زبانوں کی تحصیل عالمانہ درجہ کی تھی اور تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے طبیعت میں موزونی خداداد ہے - منشی تمنا کے بھائی دوارکا پرشاد افق اور منشی ماتا پرشاد نیساں بھی بڑے صاحب استعداد سخنور اور طبیعت دار آدمی ہیں ۱۵ - ۱۶ کتابیں ان کی تصنیف سے ہیں ابتدائے ملازمت سے سررشتۂ تعلیم میں منسلک ہیں - مدتوں اودھ میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس رہے اکثر اطراف ہند کی سیر کی ہے - ریاستوں میں بہت پھرے ہیں - ان کی تصانیف سے افضل التواریخ شاہانِ اودھ کے حالات میں قابلِ ذکر ہے - ایک غزل ملی اس میں سے چند شعر حاضر ہیں -

بتوں سے ہم دل لگا چکے ہیں سب اُن کی سختی اُٹھا چکے ہیں
ہم آپ خود کو مٹا چکے ہیں کہ دل پہ شیشہ گرا چکے ہیں

خمارِ دیرینہ جوش پر ہے پلا دے مے ساقیا کدھر ہے
ہماری بھی کچھ تجھے خبر ہے کہ ہم بھی محفل میں آ چکے ہیں

وہ جانِ جاں ہیں تو ہم ہیں بیجاں وہ شاہِ خوباں ہم اُنپہ قرباں
اگر لئے ہیں وہ تیغ بُرّاں تو ہم بھی گردن جھکا چکے ہیں

عجیب دنیا کا حال دیکھا کمال ہی کو زوال دیکھا
اُنھیں کو اب پُر ملال دیکھا جو لطف و راحت اُٹھا چکے ہیں

جو عشق بازی میں ہم ہیں یکتا وہ حسن میں فرد ہیں تمنا
اُنھوں نے ہمکو بھی آزمایا ہم اُن کو بھی آزما چکے ہیں

تمنا

تمنا - مولوی محمد حسین تمنا باشندۂ مرادآباد ۱۸۹۷ء میں دیوان شایع کیا تھا معمولی شاعر ہیں - یہ کلام کا لبِ لباب ہے -

منکر وحدت حق تو نہ ہوا سے کافر کیش
جو رش الفت نے بڑے دھوکے میں رکھا ہم کو

نقش توحید ہے عالم تری یکتائی کا
ہم یگانہ جانتے تھے جسکو وہ بیگانہ تھا

پھنسا قید عشق میں جب سے دل مجھے ہر بلا سے چھٹا دیا
نہیں بھاتی اب مجھے کچھ غذا ترے غم نے ایسا مزا دیا

قدر الفت کی نہ کچھ دلبر پُرفن سمجھا
میں نے کی دوستی اور وہ مجھے دشمن سمجھا

یہ مرض تھا عین صحت جو طبیب یار ہوتا
مجھے غم ہی جو نہ ملتا جو وہ غمگسار ہوتا

ہوئے ہیں آپ جو بیگانہ آشنا ہو کر
بتائیے کہ بنے درد کیوں دوا ہو کر

شغل ہوگا دل پر شور کے بہلانے کو
پا بزنجیر کرو زلف سے دیوانے کو

گو سو طرح کے رنج و بلا میں شکار ہے
دل کا یہی مزا ہے کہیں مبتلا رہے

تمنا۔ مولوی سید احمد حسین صاحب تمنا۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی۔ باوجود کوشش حالات دستیاب نہیں ہوئے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

یارب شب فراق کٹے تیغ ناز سے
قسمت میں اُسکے لکھدے گلا بیگناہ کا

سرگرم چشم ناز نہیں چشم سرمہ گیں
جادو جگا رہی ہے نیبر نگاہ کا

کھجاز سے فلک کا تماشا دکھائیگا
گھونگھٹ میں بانکپن تری ترچھی نگاہ کا

دارِ جزا میں بھی وہ طلب ہو بروزِ حشر
جس زندگی نے ساتھ دیا ہے نگاہ کا

کشت امید غیر ہے پژمردہ دیکھلے
ظالم بڑا اثر ہے تمنا کی آہ کا

تمنا۔ منشی جیسدی لال صاحب کاکوروی تلمذ جناب مولانا سید طاہر علی فرخ آبادی سررشتہ تعلیم میں عرصہ سے ملازم ہیں۔ طبیعت شوخ اور اس فن کے مناسب پائی ہے علمی استعداد بھی خاصی ہے۔ ۴۲-۴۳ برس کی عمر ہے اپنے اُستاد کے باعقیدت تلامذہ میں ہیں یہ کلام کا نمونہ ہے۔

کٹ گیا سرو چمن جب قدِ جاناں دیکھا
جل گیا مہر فلک جب رخ تاباں دیکھا

پھنس گیا دامِ مصیبت میں نہ مانا کہنا
اپنی تلوار کے صدقے میں دیا خلعتِ سرخ

بول اٹھی قبر کہ کس طرح سمائی ہوگی
مٹے ہوؤں کو مٹاتا رہا تو اے گردوں

لکھی اگر تھی نصیبوں میں میرے پامالی
یہ سرکشی کا نتیجہ تھا باغِ عالم میں

شبِ فراق میں کہتا ہے درد اٹھ اٹھ کر
جھیلے کوئی کب تک یہ بلا غمِ شبِ فرقت

مونس یہ ہمیشہ کی ہے وہ چار پہر کی
سن سن کے جو گھبرائے محبت کا فسانہ

روٹھا ہے مرے دل سے تصور بھی تمھارا
یہی حسرت ہے دمِ نزع کہ آئے کوئی

سوزشِ دل نہ ہوئی کم تو کہا اشکوں نے
وہ باتیں کب سنیں گے واعظوں کی

چھٹائے گا زمینِ کوئے جاناں
یہ کیا ستم ہے کہ آتا نہیں تمھیں کو رحم

چھپاؤں کیا جگر و دل کو تیرِ قاتل سے
جو دل جلاتے ہیں کہتے نہیں ہیں دل کا حال

لگا کر سینہ و دل پر خدنگِ ناز وہ بولے
کہاں سے آئی ہے اشکوں میں خون کی سرخی

چھپا کے ہم سے یہ باتیں الگ کرنا
عشقِ گیسو کا ثمر اے دلِ ناداں دیکھا

مجھکو جلاد نے مقتل میں جو عریاں دیکھا
ساتھ میرے جو ہجومِ غم و حرماں دیکھا

ستم نیا کوئی دشمن کی جان پر نہ کیا
خدا نے کس لئے اس بت کا سنگِ در نہ کیا

خدا نے سرد کو دنیا میں با ثمر نہ کیا
یہی مزا ہے حسینوں کی آشنائی کا

سے ہوئے بکھیڑا جو چھٹے دمِ شبِ فرقت
بہتر ہے شبِ وصل سے تاہم شبِ فرقت

کیوں اس سے کہیں قصۂ غم ہم شبِ فرقت
سینے میں نہ کیونکر ہو خفا دم شبِ فرقت

آخری وقت ہے دیدار دکھائے کوئی
آگ بھڑکی ہوئی کس طرح بجھائے کوئی

جو بیعت رکھتے ہیں پیرِ مغاں کی
نہ تھی امید ایسی آسماں سے

اجل بھی روتی ہے بیمارِ خستہ جاں کیلئے
کہ جان تک عزیز حاضر ہے میہماں کیلئے

مثالِ شمع کے کافی ہے رمزداں کیلئے
تمھاری حسرتوں کی اب صفائی ہوتی جاتی ہے

ہوئی نہیں جو تمنائے دل لہو میری
ملیں کلیم تو ان سے ہو گفتگو میری

بتوں کا ظلم یہاں تک ہیں ہم اُٹھائے ہوئے — کہ دل تو دل ہے جگر بھی ہے چوٹ کھائے ہوئے

سمجھ لیا ہے جو نیچی نگاہ کا بسمل — اداسے اور وہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

وفا جو آج ہی وعدہ کرو تو کیا ہو جائے — یہ کوئی فرض ہے محشر ہی جب بپا ہو جائے

وہ کہتے ہیں کہ ہمیں دل کوئی سلے ایسا — کہ جسکو پیسیں تو پستے ہی وہ حنا ہو جائے

تمنّا

تمنّا ۔ شیخ محمود تمنّا باشندہ سورت بمبئی حضرت داغ دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے شعر اچھا کہتے تھے طبیعت میں شوخی خداداد ہے۔ بندش و زبان بھی خاصی ہے سنا ہے کہ سنہ ۱۹۰۴ء میں انتقال کر گئے۔

عبث کہتے ہیں کہ ہم آپ پہ دم دیتے ہیں — ہیں یہ سب کہنے کی باتیں تمہیں دم دیتے ہیں

دام گیسو میں نہ ہمکو قید کر — ہم تو بندے ہیں ترے بے دام کے

آہ میں اسواسطے کرتا نہیں — رہ نہ جاؤ تم کلیجہ تھام کے

جناب شیخ رندوں سے عبث ہر دم الجھتے ہیں — کسی دن دیکھنا اِن کی بڑی گت ہونیوالی ہے

وہ کس واسطے صاف ہوتے نہ مجھ سے — رقیبوں کا حال آئینہ ہو رہا ہے

بیمروت بے وفا بیداد گر — نام کیا کیا آپ نے پیدا کئے

تمنّا

تمنّا ۔ منشی محمد سعید الدین صدیقی پیشکار صدر نظامت ٹونک مولانا ظہیر کے تلامذہ سے ہیں۔ روہتک کے رہنے والے ہیں۔ علمی استعداد اوسط درجے کی ہے۔ یہ چند شعر ان کے ہیں۔

مہرباں جس پہ ہوئے دشنام سے کھولی زباں — یہ اداؤں میں اداتنے نئی ایجاد کی

لوٹنے والے بہت ہیں نوجوانی کی بہار — بات کیوں پوچھو گے اب اس عاشقِ ناشاد کی

برچھیاں پڑتی ہیں پیہم متصل پڑتے ہیں تیر — خوب دعوت ہو رہی ہے اس دلِ ناشاد کی

تمنّا

تمنّا ۔ سید شاہ نورالدین حسین خلف سید شاہ ظہور الدین حسین مرحوم۔ سید شاہ عطا حسین فانی مرحوم اِن کے نانا تھے۔ وطن اصلی عظیم آباد پٹنہ ہے۔ اب گیا میں سکونت ہے سنہ ۱۲۸۱ھ

میں پیدا ہوئے اور اپنی نانہال میں تعلیم و تربیت پائی، انگریزی اُردو فارسی جانتے ہیں - چند سال سرکار انگریزی کی ملازمت بھی کی ہے - حضرت اکبر ابو العلائی داناپوری آپ کے پھوپا ہیں اور اُنہیں سے مشورہ سخن بھی ہے - یہ کلام ہے -

ہو گئی ضعف سے ان روزوں وہ حالت میری	ناتوانی بھی کھڑی تکتی ہے صورت میری
آئے نظر جمالِ حقیقت مجاز میں	اُٹھیں جو اپنی آنکھوں سے پردے حجاب کے
وہ شہسوار معرکۂ عاشقی ہیں ہم	لیتے ہیں کام ابلق لیل و نہار سے

تمیز

تمیز - منشی کالی رائے تمیز - ابن لالہ دیبی پرشاد عزیز متوطن فتح گڈھ -

آمد یہ صحنِ باغ میں کس گلبدن کی ہے	جو رُوح باغ باغ نسیمِ چمن کی ہے
اچھے وہ ہیں جو مر کے تیری خاکِ راہ ہوئے	مٹی خراب طالبِ گور و کفن کی ہے

تمیز

تمیز - سید اکبر علی صاحب تمیز - بریلوی شاگرد نواب عاشور علی خانصاحب بہادر مرحوم لکھنوی ۱۲۷۰ ہجری کے گلدستہ شعرار لکھنو اور بریلی کے رسالوں میں ان کی غزلیں نظر سے گذریں - کلام بامزا اور دلنشیں ہے - مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ بندش اور زبان لایق تعریف ہیں - مشاق بھی معلوم ہوتے ہیں - کیوں نہو - آخر ایک مشہور سخن سنج اور سخن فہم سے فیض پایا تھا - یہ اُن کے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہے - ۲۰ برس کے قریب گذرے انتقال فرمایا -

آفتابِ حشر کی گرمی سے اُسکو خوف کیا	ہو گیا جو دفن اُنکے سایۂ دیوار میں
دم نہیں باقی ہے چشمِ طالبِ دیدار میں	ہے ضیا رطور کس کے شعلۂ رخسار میں
دیدۂ انصاف سے دیکھے اگر اوج زمیں	خاک ہو کر آسماں رہجائے کوئے یار میں
ناتواں ہوں زلف چھو لینے کی یہ تعزیر ہو	سایۂ گیسو کی میرے پاؤں میں زنجیر ہو
جان دیکر مول لیں ایسی اگر تصویر ہو	میری گردن خم ہو اُن کے ہاتھ میں شمشیر ہو
یا خدا اُسکو بدل دینا تو ظلم و جور سے	رحم جو قاتل کے دلمیں کچھ دمِ تکبیر ہو

منہ میں لیتا ہے زبانِ شمع کو ہر مساس — کیوں نہ عیاشوں کی صورت عادتِ گلگیر ہو

جتنی گردن کی رگیں ہیں جان بنجائیں اگر — یوں تو شاید قید مرغ جوہر شمشیر ہو

ملے بتوں سے مگر خوفِ کردگار رہے — وہ آدمی ہے جو غفلت میں ہوشیار رہے

ہوں دل میں زخم جگر میرا داغدار رہے — اسی روش سے شگفتہ یہ لالہ زار رہے

فراقِ یار میں ایسا نحیف وزار رہے — کہ نوکِ خار کے دل میں بھی ایک خار رہے

کمر کے عشق نے ایسا کیا تھا کاہیدہ — کہ بعدِ مرگ نہ ہم قابلِ مزار رہے

نہ میری لاش کو عریاں کبھی فلک دیکھے — اسی طرح سے پڑی چادرِ غبار رہے

چمن میں کھیلگا ہولی کل آکے وہ قاتل — صراحیوں میں گلوں کی سے بہار رہے

ہوا کے دیکھنے کا اب فقط بہانا ہے — ہمیشہ میرا اڑاتے یوں ہی غبار رہے

جنابِ دل بھی عجب چیز ہے تعالی اللہ — ہمیشہ حسرتِ مردہ کا یہ مزار رہے

بتوں سے حکم کی تعمیل کب ہوئی ہے — ستم یہ ہے کہ خدا سے بھی شرمسار رہے

ہماری کیا ہے حقیقت کہ ہیں ذلیل وحقیر — رگڑتے سر تری چوکھٹ پہ تاجدار رہے

وہ بیوفا ہیں یہ گل عمر بھر نہ پوچھیں بات — کروڑ جان سے صدقے اگر ہزار رہے

نصیب وصل رہا ایک حور کا جب تک — تمیز ہاتو میں دو خلد کے انار رہے

بڑھ کے ہے جرم گنہگار سے رحمت کسکی — حشر میں صاف نہ کہدونگا خدا سے پہلے

تمیز

تمیز۔ منشی غلام احمد تمیز۔ نواب مرزا خانصاحب داغ دہلوی کے شاگرد اور رامپور کے رہنے والے تھے۔ مدت سے ریاستِ حیدرآباد میں کسی محکمہ میں ملازم تھے۔ طبیعت کو شاعری سے ایک خاص لگاؤ ہے۔ چلبلی طبیعت اور شوخ زبان پائی ہے۔ مذاق شستہ ہے۔ اُستاد کے رنگ کا تتبع کرتے ہیں۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں ۴۳ برس کی عمر تھی۔ یہ انکا کلام ہے۔

لوٹو تو تمیز ہے بیچارہ بے وطن — اللہ کے سوا نہیں کوئی غریب کا

گالیاں کھانے کا لپکا بھی برا ہوتا ہے | ہمنے کل آپ کو چھیڑا جو خفا یار نہ تھا

لوگ کس طرح سے کرتے ہیں خدا کو راضی | مجھ سے تو اک بت کافر بھی منایا نہ گیا

کوئی آئے کوئی جائے کچھ کسی سے ضد نہیں | ہے فقط میرا ہی دشمن پاسبان کوئے دوست

اے قیامت تو تو ہے فتنے اٹھانے کیلئے | تجھسے اٹھنے کے نہیں افتادگان کوئے دوست

نذر دینے جو گیا میں دل شیدا لے کر | بولے بس جاؤ بھی تم آئے ہو یہ کیا لیکر

رہ گیا تھام کے ہاتھوں سے کلیجا اپنا | جس حسیں نے تری تصویر کو دکھا لے کر

شکوہ جور و جفا پر سب مجھے فرماتے ہیں | جاؤ بھی آئے ہو کیا مفت کا جھگڑا لے کر

ان کے آنے کی خوشی میں ہوا شادی مرگ | آئے تھے موت کو ہمراہ مسیحا لے کر

آپ اچھے منصف ہو کہ لے خواب میں بوسہ کوئی | اور بدنام کرو نام ہمارا لے کر

تم پہ قربان یہی لفظ ہیں قیمت دل کی | پھر اسی ناز سے کہہ دو کہ کریں کیا لے کر

شرم آتی ہے مجھے اسلئے مرنے سے تمیز | جاؤں کیا پیش خدا بت کی تمنا لے کر

مقتل میں بعد قتل بھی ہے قتل کی ہوس | پھرتی ہے روح یار کے خنجر کے آس پاس

سامنے اس نے بلایا ہے مجھے بہر تعذیر | کام آئیں تو کچھ آخر کو خطائیں آئیں

وصل میں ہجر کا غم ہجر میں ملنے کی امید | کون کہتا ہے جدائی سے وصال اچھا ہے

سنکے اوصاف جناں طنز سے فرماتے ہیں | آپ جائیں وہیں حور لقا جمال اچھا ہے

ہجر کی رات بری روز وصال اچھا ہے | بلکہ جس سال میں یہ دن ہے وہ سال اچھا ہے

کھول کر گور میں منہ کو مرے فرماتے ہیں | اب تو آرام سے تو سو ترا حال اچھا ہے

تمیز

تمیز۔ نواب احمد علی خاں مغفور رئیس بہادر گڈھ کی ریاست جو دہلی سے بارہ کوس جانب شمال واقع ہے۔ ان کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ عذر ۵۷ سے چند سال پیشتر نواب امیر علیخاں کی حرکات ناشائستہ کے باعث وہ علاقہ نواب بہادر جنگ خاں کے تحت حکومت میں آگیا اور کسی قدر پنشن بطور مدد معاش اہالیان خاندان معزول کی مقرر ہو گئی۔ چنانچہ ان کو بھی وظیفہ

ملتا تھا۔ اُنھوں نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ خلیق اور نیک نہاد شریف زادہ تھے۔ بہ نسبت غزل مرثیہ و سلام کا زیادہ شوق تھا۔ یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔

اٹھو زمیں یہ پکڑی ہے محشر ہی کیوں نہو
جنبش کرینگے اُن کے نہ پر آستان سے ہم

کس کے رخشِ گرم سے پامال میری خاک ہے
آجتک روئیدگی جو قبر پر ہوتی نہیں

جذبِ دل سے لائیے کسطرح اُسکو کھینچکر
آہ میں تاثیر اپنے اسقدر ہوتی نہیں

تمیز

تمیز۔ منشی تاج الدین حسین تمیز۔ باشندۂ کانپور شاگرد مولانا انعام کانپوری موزوں طبع اور خوش فکر آدمی ہیں۔ کچھ کلام نظر سے گذرا اُسکا انتخاب پیش کش ہے۔

مآلِ ہجر سے آگاہ کر دیا تمکو
اب آنے اور نہ آنے کا اختیار رہا

جفا نہ ترک کرو تم وفا نہ چھوڑیں ہم
چلو یہی سہی اب سے یہی قرار رہا

لکھا ہے نور کے خط سے نقابِ روئے تاباں پر
چمکتی ہے تو گرتی ہے یہ بجلی خرمنِ جاں پر

تمیز اچھا اثر ہے عشق میں اُس ماہ پیکر کے
کہ ہر جامہ کتاں بنتا ہے اپنے جسمِ عریاں پر

اے دل نظر کو دیکھ کہانسے کہاں گئی
ہمت کو سوجھتی ہے کچھ اِس سے بھی دور کی

یہ کہہ کے اُن کے سامنے دِل سینے رکھدیا
دیکھو تو اسمیں شکل ہے کس رشکِ حور کی

تنویر

تنویر۔ میر کاظم حسین ابن میر اکبر علی مقبل مرثیہ گو۔ فیض آباد کے رہنے والے اور آصف الدولہ بہادر کی سرکار میں وارغہ تھے۔ جناب رشکؔ لکھنوی کے شاگرد اور صاحبِ دیوان گذرے ہیں یہ اُن کے اشعار ہیں۔

بوسے لوں بلائیں لوں گلے لپٹوں کہ دیکھوں
کُل چار پہر رات ہے ارمان ہزاروں

جل جل کے مرا خرمنِ ہستی نہ کیوں ہو خاک
بجلی گرائی تو نے شرارت کی آنکھ سے

تنویر

تنویر دہلوی۔ سخنور خوش تقریر منشی نوازش حسین خاں تنویر۔ دہلوی خواص حضرت ابوظفر بہادر شاہ ثانی۔ شعر گوئی میں کہنہ مشّاق تھے۔ عذر کے بعد مہاراجہ تہوہ کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ بڑے پُرگو تھے۔ اِن کے چار دیوان اِن کے بیٹے عشرت خاں پذیر

نے چھپوا دیئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت بہادر شاہ ذوق کی وفات کے بعد
ان کو اپنی غزل دکھاتے تھے۔ مگر راقم کے زعم میں یہ دعویٰ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔
اس بیان کے برعکس تذکرہ گلستانِ سخن سے پایا جاتا ہے کہ خود اپنے کلام میں بادشاہ
سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ اور یہ امر قرین قیاس بھی ہے۔ تنویر مرحوم کے شاگردوں میں
مہاراجہ تھوہ متخلص بہ تصویر اور پنڈت امرناتھ آشفتہ مشہور ہوئے۔ ۱۲۸۹ھ میں بعمر ساٹھ
سال بمقام نیپال انتقال کیا۔ آخر عمر میں دہلی چھوڑ کر وہیں جا بسے تھے۔ یہ اُن کے کلام
کا نمونہ ہے۔

ہے مسیحائی کرتی جنبش ناز		اُن لبوں سے ہمیں جواب ملا
الٰہی دل کو دیا تھا جو نے عشقِ صنم		تو دل پہ مجھ کو دیا اختیار بھی ہوتا
بہلاتی نزاکت نہ اُسے گردمِ رفتار		پامال یہ دل زیرِ قدم ہو ہی چکا تھا
یہ نجانا تھا ہمیں کو آئے گا آزار یہ		سُنتے تھے ہم عشق بھی ہے نام اِک آزار کا
جان کر دلیں ہے مجھے اپنا مریضِ تپِ غم	ق	کہتا لوگوں سے بظاہر بتِ عیار ہے کیا
رنگِ رُخ زرد ہے تر چشم ہے لب پُر دمِ سرد		پوچھنا اُس سے کہ اس شخص کو آزار ہے کیا
توڑے گا سمجھ کے شیشۂ دل		یہ کوئی ساغر و سبو نہ ہوا
دے لیکے توڑتے ہیں یہ یارب پرائے دل		کیوں ایسے نازنینوں کے پتھر بنائے دل
قاصد نے میرے خط کو جو کرنے دیا نہ چاک		بولے وہ آج تیرے ہی پرزے اُڑائیں ہم
تیغِ نگہ سے وہ لبِ جاں بخش کہتے ہیں		جسکو کرے تو قتل اُسی کو جلائیں ہم
دل کو کیا یار کے پیکان لئے بیٹھے ہیں		صاحبِ خانہ کو مہمان لئے بیٹھے ہیں
حسن بھی ہائے رے کیا چیز ہے اللہ اللہ		دل کو پریوں کے یہ انسان لئے بیٹھے ہیں
خاک ناصح کی سُنوں جان تو قابو میں نہیں		دل وہ غارت گرِ ایمان لئے بیٹھے ہیں
یہ تم ہی ہو کہ خواہشِ بوسہ پہ ہاں نہ کی		تم جان تک بھی مانگو تو ہم سے نہیں نہو

سلتے ہیں لب نہ ضعف سے اُٹھ سکتے ہاتھ ہیں
کیا کیا شکایتیں ہیں اثر کو دعا کے ساتھ

جو کہا اُسنے وہ کہے ہی بنی
صوفیوں کو بھی مے پئے ہی بنی

نہیں جل کے مرنا مزے سے ہے خالی
کہ پروانہ اُسکا مزہ جانتا ہے

کچھ بھی الفت کی جس میں بُو ہو گی
درد آمیز گفتگو ہو گی

کن کا بیمارِ محبت کیا جن کو اللہ
بدشگونی ہے خبر پوچھنی بیماروں کی

عشق بازی سے یہ ہرگز نہ پھرا پر نہ پھرا
آخرش اس دلِ بیتاب کو ہم رو بیٹھے

ل کے بھی مجھ سے کھٹکتے رہے ہر بات پہ وہ
خار نکلا خلشِ خار ابھی باقی ہے

ہیں نیمجاں ہزاروں ہزاروں ہی مر گئے
وہ نیمچہ کا کام نگاہوں سے کر گئے

لیجاؤ تم اسی کو نہ مجھپر کرو ستم
آیا تو تم پہ یہ دلِ خانہ خراب ہے

داغ دل کو لگا دیا کس نے
یہ شگوفہ کھلا دیا کس نے

آج وہ کچھ رُکے رُکے سے ہیں
عشق میرا جتا دیا کس نے

زخم بھرتا ہی نہیں جس کا کبھو
وہ نگاہِ یار کی تلوار ہے۔

رنگت یہ شوخ شوخ ترے ہاتھ کیا لگی
لاکھوں دلوں کو پیس دیا جب حنا لگی

بے خبر جان ہے لب پر ترے شیدائی کی
او مسیحا ہے قسم تجھکو مسیحائی کی

تنویر۔ حاجی سید نظیر حسین تعلقدار اہما نو خلفِ اکبر دارو غہ میر واجد علی تسخیر۔ مرحوم۔ فنِ سخن میں حضرت حکیم لکھنوی سے استفادہ کیا تھا۔ لکھنؤ کے عمائدین شہر میں شمار ہوتے تھے۔ چند سال ہوئے ۵۰ سال کی عمر میں لکھنو میں انتقال کیا۔ شعر گوئی کی طرف رغبت کم تھی۔ دو تین غزلیں بہم پہونچیں ان کا انتخاب درج ہے۔

تنویر

بوسے کے مانگنے پہ نہ مجرم بنائیے
کیا بات ہے بتائیے اسمیں گناہ کی

سچ تو یہ ہے کچھ نہیں صاحب مرے دل کا قصور
کہہ رہی تھی خود طبیعت تیہ آنیکے لئے

آتشِ فرقت سے جل اُٹھا جو سینے میں جگر
اشک نکلے آنکھ سے اُسکے بجھانیکے لئے

گنا ہگارانِ عشق و الفت کی کیوں نہ ہر دم فزوں ہو وحشت
نہیں ہے زلفِ سیاہ اسکی یہ ایک پھانسی لٹک رہی ہے

تنہا

تنہا - شیخ محمد عیسیٰ تنہا دہلوی شاگرد رشید شیخ غلام ہمدانی مصحفی - اصل اُن کی شرفائے دہلی سے تھی اور وہیں پیدا ہوئے - اپنے وقت کے دیگر باکمالوں کیطرح دہلی کو خیر باد کہکر لکھنؤ میں سکونت اختیار کی اور مصحفی کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہوئے - خوش خلقی - سلیم الطبعی اور رنگین مزاجی کے اوصاف کے علاوہ قدامت پرستی ان کا خاص شیوہ تھا - چنانچہ تمام عمر لکھنؤ میں رہے پھر بھی دہلی کی زبان اور قدیم رنگ نہ چھوڑا - بعض تذکرہ نویسوں کا قول ہے کہ شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی اوائل عمر میں اِن سے مشورہ سخن کرتے تھے ۱۲۲۲ سنہ ہجری میں لکھنؤ جاتے تھے کہ راہ میں ڈاکوؤں نے قتل کر ڈالا - ناسخ نے اُن کی وفات کی تاریخ کہی ع

آج تنہا گیا دنیا سے عدم کو تنہا

مصحفی کو اپنے عزیز شاگرد کی وفات کا سخت رنج ہوا - صاحب دیوان گذرے ہیں - اسمیں اکثر مقامات پر قدیم زبان کا تتبع کیا ہے - اور فارسی ترکیبوں کے ترجمے بہت استعمال کئے ہیں - اگرچہ دلدادگان طرز ناسخ و آتش نے انہیں بالکل فراموش کر دیا - مگر اس سے اِن کی مشاقی و استادی میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا - مصحفی کے شاگردوں میں آتش کے بعد ان کا نمبر سمجھنا چاہیئے - دیوان فارسی کے علاوہ آپ کا کلیات سنہ ۱۲۳۲ ہجری کا لکھا ہوا جس میں ۸۰ صفحہ پر غزلیات کے علاوہ ایک مثنوی - چند مخمس - اور ۲۵ رباعیاں درج ہیں - راقم کے کتب خانے میں موجود ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو -

ہو کر جدا وہ سب سے جب ہم سے آ ملیگا تو
گو قافلے سے یارو تنہا رہا ہے پیچھے

البتہ اپنے دل کو تب کچھ مزا ملے گا
ون تو ابھی بہت ہے کیا ڈر ہے جا ملیگا

مذکور سے چلا تھا شب ہمنشیں کسیکا
جی میں خیال گذرا میرے وہیں کسیکا
تنہا کہیں توقع کس بات کی کسی سے
ہاں سچ تو یہ ہے بھائی کوئی نہیں کسیکا
ناامیدانہ قفس میں کہہ رہی تھی عندلیب
پھر بھی آوے گی مری دیوارِ گلشن زیر پا
زنجیر کی حاجت نہ انھیں قید کی حاجت
الفت تری جن لوگوں کو ہے سلسلۂ پا
ہووے گا کوئی لطف و عنایت کا دِوانا
تنہا ہے فقط آپ کی صورت کا دِوانا

لے ہاتھ میں ٹک دامن کو اٹھا ۔ ہے یہ بھی کوئی چلنے کی ادا
خاک اسکی تو یوں برباد نہ دے جو راہ میں تیری خاک ہوا

وہ میرا شعلہ خو آتش کا پرکالہ بھبوکا ہے
کہ جسکو دیکھکر ہوتا ہے دل بیتاب آتش کا
لگا دی آگ ساقی نے لنڈھا کر شیشۂ مے کو
بہایا اُسنے شب محفل میں کیا سیلاب آتش کا
پاتا نہیں اُسکے تئیں اب آپ میں کوئی
کیا جانئے تنہا نے کدھر دھیان لگایا
تنہا کہوں کیا کیوں مرے اس دلکو لگی چپ
خاموش مری جان کہ ہر سب سے بھلی چپ
کرنے لگی بلبل کہیں کل گل کا جو شکوہ
ہو تُند وہیں بادِ صبا بول اٹھی چپ
کسکا ہے سفر باغ سے گریاں ہی جو شبنم
حیران ہر اک نخل ہے ہر ایک کلی چپ
ان روزوں میں صدمہ ہے یہ کچھ دلکو کہ ہمدم
روتا ہوں میں پہروں جو ہوا ایک گھڑی چپ
ہمسے کرتے ہو عیاں غیروں کی یاری آن کر
رہگئی ہے آپ کی یہ دوستداری آن کر
غمزے سے دکھا منہ کو چھپا لیتے ہیں جو لوگ
قربان میں اُن لوگوں کے کیا لوگ ہیں وہ لوگ
یہ جی میں ہے کہ یوں تجھسے اٹھا دل
نہیں کہنے میں میرے پر مرا دل
ہجوم عاشقاں تھا اُس گلی میں
یہ کہتا تھا ہر اک ہے ہے مرا دل
کدھر کو جاؤں اور کس سے کہوں ہائے
ابھی پہلو میں تھا میرے مرا دل
خفا رہنے سے کیا حاصل ہے تنہا
نہیں کہنے میں گو تیرے ترا دل
ادھر بھی کبھی دیکھ تو اے جانِ تغافل
گھٹ جائیگی اسمیں نہ تری شانِ تغافل

کیا اُس سے کہے خاک کوئی حالِ دل اپنا
رہتا ہو جو مت سر بگریبانِ تغافل

کر لے جو کرم پر تو نگہ اے ہمہ الطاف
ہر چند گنہگار ہے شایانِ تغافل

سب یہی چاہیں کہ بیچے لبِ دلدار سے کام
کام سے کام ہے ہمکو نہیں تکرار سے کام

یہ تو فرمایئے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں
آپ بے وجہ جو منہ ہم سے چھپا لیتے ہیں

دل بھی کیا جنسِ زبوں ہے کہ خریدار اسکے
لیتے ہیں پر اسے سوجائے دکھا لیتے ہیں

بازارِ دہر میں ہوں میں وہ جنسِ ناقبول
جسکو کبھی نہ لیوے خریدار ہاتھ میں

افسوس کی جگہ ہے یہ تنہا کہ چھٹ گیا
ہاتھ اُسکا آ کے میرے کئی بار ہاتھ میں

اندنوں چاک ہے پیراہنِ گل اے تنہا
ہم کوئی اپنے گریبان کو سلا سکتے ہیں

بدنام تا نہو تو ہے ہمنے تیری خاطر
بدنامیاں سبھوں کی سر پر اُٹھائیاں ہیں

تم تو فرماتے ہو کہ گھر جاویں
ہمکو کہدو کہ ہم کدھر جاویں

خانہ آباد چھوڑ تیری گلی
ہم کسی اُجڑے ہوئے نگر جاویں

چشمِ ترِ گورِ غریباں پہ نہ کی
ابرِ رحمت اسے کیا کہتے ہیں -

باز کب آتی ہے غارت پہ جو چھوٹی وہ آنکھ
شہر کے شہر ہی جبتک کہ نہ لوٹے وہ آنکھ

یاد آتے ہیں پھر ہمکو ایامِ گرفتاری
پھر جوشِ جنوں لایا پیغامِ گرفتاری

ساقی نے دیا تھا جو معلوم نہیں مجکو
جامِ مئے گلگوں تھا یا جامِ گرفتاری

کیوں دام و قفس لادے صیاد اگر سمجھے
صیاد کی الفت ہے خود دامِ گرفتاری

سہے رنجِ قفس دیکھا نہ دام کا غم سہنے
کہئے تو ہمیں کیئے ناکامِ گرفتاری

جو ہیں ترے زندانی بہتر وہ سمجھتے ہیں
آرامِ رہائی سے آلامِ گرفتاری

زلفوں سے تری جوں توں باندھا ہی ہے آخر
ہر چند یہ دل تڑپا ہنگامِ گرفتاری

گھبراؤں جو اے تنہا تقدیر یہ کہتی ہے
بے صبر نہوا تنہا اے خامِ گرفتاری

دیکھ اسکو جو اُڑ جاتے ہیں اوسان ہمارے
نکلیں کہو کس طرح پھر ارمان ہمارے

کیا تجھ سے کہوں جی میں یہ حسرت رہی تنہا / شب آکے وہ ٹھیرے بھی نہ اک آن ہمارے

میں جو روٹھا تو منا کر مجھے وہ یوں بولا / کہیے کیا کرتے جو تم کو نہ مناتا کوئی

حشر میں کس لیے ہمراہ بھٹکتے پھرتے / اپنا منہ ہم سے یہاں گر نہ چھپاتا کوئی

غیر سے شکوہ مرا بس دیکھی دانائی تری / میں ہوا رسوا تو کیا ہوگی نہ رسوائی تری

گرچہ اک عالم پہ ہے بیداد تیرے ہاتھ سے / وہ نگر جو میں کروں فریاد تیرے ہاتھ سے

پھر ہمیں سوئے چمن شوقِ اسیری لے گیا / جب ہوئے صیاد ہم آزاد تیرے ہاتھ سے

نہ حور میں وہ لطافت ہے نے پری پر ہے / عجب طرح کی بہار اندنوں کسی پر ہے

کہا جو ہم نے کب ہے کیا جواب نہیں آتے / تو بولا وہ کہ یہ موقوف اپنے جی پر ہے

نہ غافل اب ہو بارشاد مصحفی تنہا / یہ ہوش باش کہ عالم رواروی پر ہے

ہے جی میں اسکی کاکلِ پرخم کو دیکھئے / اس آرزو کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

پلکوں کا ہے ارادہ کہ ارجن کو مار ڈال / اور وہ نگاہ کہتی ہے رستم کو دیکھئے

لیکے سو دم آہ دلسے لب تلک آنے لگی / ناتوانی بھی ہمیں زور اپنا دکھلانے لگی

کچھ شعر پہ موقوف نہیں سنئے ہو تنہا / گر بات بھی کہئے تو بس انسان کے آگے

اب پشیماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہوگئی / روبرو غیروں کے کیوں میں نے قسم کھائی تری

تنہا

تنہا۔ سعد اللہ خاں نام حکیم میر قدرت اللہ خاں کی صحبت میں شوق شعر گوئی کا پیدا ہوا اور کبھی قاسم اور کبھی ثناء اللہ فراق سے اصلاح سخن لی۔ افسوس عالم جوانی میں اس دار فانی سے رحلت کی۔ یہ دو شعر ان کے یادگار ہیں۔

دم بدم پیارے ترے عاشق کا عالم اور ہے / دیکھ لے دیکھی تو اسکو وہ کوئی دم اور ہے

مت کوئی ہووے گریباں گیر قاتل کا مرے / قتل کا اپنے نہیں ہمدم مجھے غم اور ہے

تنہا

تنہا۔ شیخ عوض علی تنہا۔ سپاہی منش اور آزاد آدمی تھے۔ طبیعت ظریف پائی تھی۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ ان کا کلام ہے۔

کیا بلا ہوتی ہے سوزِ عشق سینے میں مرے	آہ کا شعلہ جو نکلے ہے سو آتش بار ہے
اِن بتوں کو کیا ادا تو نے عنایت کی خدا	جو نگہ ترچھی پڑی برچھی سی دل کے پار ہے
تھا یہی پیغام وقتِ نزع تنہا یار سے	اب قیامت پر ہمارا وعدۂ دیدار ہے

تنہا - منشی سید کفایت علی خلف میر الٰہی بخش صاحب باشندہ میرٹھ - لیاقت خداداد میں یگانۂ دہر و فرید عصر تھے - فارسی سے خوب ماہر تھے - عربی سے بھی ناواقف نہ تھے یہ اشعار آنجناب کی انتہائی لیاقت کا نمونہ ہیں - ابتدائی عمر سے نوکری کے سلسلہ میں ڈپٹی اول محکمہ انسداد ٹھگی و ڈکیتی یعنی گیرائی کے محافظ دفتر و میر منشی بارہ برس تک رہے - بعد میں پنجاب میں ضلع کے سررشتہ دار رہے پھر دہلی میں ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۹ء تک میر منشی و سپرنٹنڈنٹ کمشنری رہے - ۳۳ سال کی ملازمت کے بعد ۱۸۶۹ء میں پنشن لی یکم اکتوبر ۱۸۶۹ء کو انتقال فرمایا - مرزا حاتم علی بیگ مہر سے اصلاح لیا کرتے تھے ان کے بڑے صاحبزادے منشی احمد حسین فرقانی فارسی کے زبردست ادیب گذرے ہیں - منشی کرار حسین روحانی اِن کے پوتے فی الحال کمشنری الٰہ آباد میں سررشتہ دار ہیں - جناب تنہا کے کلام میں پختگی و متانت غضب کی ہے - اور تلاش مضمون بھی اچھی ہے - اور شوخی بقدر اعتدال کلام سے ٹپکتی ہے - کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو -

غم نہیں اپنے دم نکلنے کا	خوف ہے اُنکے جی دہلنے کا
دو نو مانوس ہیں یہ آپس میں	دِل سے پیکاں نہیں نکلنے کا

خدنگِ نازِ ستمگر جو میہماں ہوتا	ہر ایک عضو بدن اپنا میزباں ہوتا
بہار میں جو خیالِ غمِ خزاں ہوتا	تو شاخِ گُل پہ نہ بلبل کا آشیاں ہوتا
سبک روانِ عدم کتنا جلد چلتے ہیں	زمیں پہ نقشِ قدم کا نہیں نشاں ہوتا
بہشت و حور کو بھولے سے بھی نہ کرتا یاد	جو کوئے یار میں زاہد ترا مکاں ہوتا
کعبہ کی راہ چھوڑ کے بُت خانہ کدھر گیا	نیت کہاں کی باندھی تھی تنہا کہاں گیا

سے کہتے ہیں تیرا قامت پُر نور دیکھکر
طوبے تو ہے یہ سایۂ طوبیٰ کدھر گیا

اسکو بھی کیا تمھاری کمر کی تلاش ہے
مدت سے کچھ خبر نہیں عنقا کدھر گیا

مدت ہوئی کہ تاب و تواں کوچ کر گئے
باقی ہے دم وہ شام گیا یا سحر گیا

دولت شب وصال کی سب خاک ہوگئی
وقت سحر جو پاس سے وہ سیمبر گیا

قربان ایسی مرگ پہ کیجے حیات کو
نعش شہید ناز پہ وہ نوحہ گر گیا

تنہا پہ بعد مرگ برستی ہے بیکسی
گریاں کب اسکی قبر پہ بھی ابر تر گیا

کر شکر جور و ظلم کا غمزہ کی تاب لا
شکوہ نہ لب پہ اے دل خانہ خراب لا

شب محتسب سے نشہ میں ہر رند میکدہ
بولا شراب لا کوئی بولا کباب لا

باراں سے جوش رحمت حق آشکار ہے
سب میکدہ میں شور ہے ساقی شراب لا

کثرت گنہ کی روز جزا کام آگئی
بولا نہ کوئی مجھسے کہ اپنا حساب لا

واعظا شرم گنہ سے ہمکو حاصل ہی ثواب
اس بُرا کہنے سے تیرا کیا بھلا ہو جائیگا

مستی میں سر سجدۂ شکرانہ ہے کیسا
بدمست ہیں ہشیار یہ میخانہ ہے کیسا

مینائے مے سُرخ میں جلوہ ہے پری کا
میخانہ میں ساقی یہ ترے خانہ ہے کیسا

عاقبت لیگئی تنہا کو حضور جاناں
ہمنے یہ معجزۂ کثرت عصیاں دیکھا

دشت غربت میں جو تھا بے سر و ساماں کل تک
آج مہمان ہے وہ اے گور غریباں تیرا

گھر میں تنہا کے وہ آئے تو یہ کہتے آئے
اب تو آباد ہوا خانۂ ویراں تیرا

ہوا ہے مژدۂ پیغام وصل شادی مرگ
شب وصال سے پہلے مرا وصال ہوا

قد وہ کہ جس کے آگے ہو سرو چمن خراب
کاکل وہ جسکی بو سے ہو مشک ختن خراب

قامت و رخ یاد آئیگا کسی کا اس گھڑی
جب سوا نیزہ پہ ہوگا روز محشر آفتاب

رات ساقی نے دکھایا میکشوں کو معجزہ
کر دیا پرتو سے رخ کے اپنے ساغر آفتاب

چشم طوفاں بار کرتی ہے یہ شور
دیکھنا اے جوش دریا میں بھی ہوں

بڑھ چلا تشبیہ قدِ یار سے تو
سرو کہتا ہے کہ طوبیٰ میں بھی ہوں

سادہ لوحوں کا نہ کیجے سامنا
کہ ندے آئینہ تجھسا میں بھی ہوں

آپ ہیں گر بے مثال و بے نظیر
بیکس و بے یار تنہا میں بھی ہوں

وہ بات بات میں کرتے ہیں بار بار نہیں
یہ لطف ہے مجھے ہاں کا بھی اعتبار نہیں

کب وہ الطاف و کرم کرتے ہیں
جور کرتے ہیں ستم کرتے ہیں

تو وہ ساقی ہے کہ شیشے مے کے
گردن آگے ترے خم کرتے ہیں

موئے پر بھی نہ سمجھے حیف صد حیف
کدھر آئے تھے جاتے ہیں کہاں کو

دل نکل جائے نہ کیوں خانۂ تن سے سرِ شام
عاشق زلف ہے کرتا ہے سفر راتوں کو

ہوں وہ افسردہ کہ گلزارِ خلیل
جانتا ہوں میں عذاب النّار کو

کفر سے اسلام اتنا ہے قریب
سُبحہ سے رشتہ ہے جُوں زنّار کو

بےخودی مسجد میں ہمکو لے گئی
ورنہ جاتے خانۂ خمار کو

کب تک دکھائیگا مجھے تیغِ جفا کے ہاتھ
قصہ تمام کرگئیں قاتل لگا کے ہاتھ

ہے دلمیں لکھ کے برگِ گلِ تر پہ حالِ دل
اِس نازنیں کو بھیجیے بادِ صبا کے ہاتھ

گم ہو گیا ہے ہاتھوں ہی ہاتھوں میں دل مرا
دیکھو خدا کے واسطے وزدِ حنا کے ہاتھ

فائدہ کس لئے کیوں اسکی دوا ہوتی ہے
کہیں بیمارِ محبت کو شفا ہوتی ہے

دیکھو خمخانہ پہ کیا ابر گھرا آتا ہے
شکر ہے مستوں کی مقبول دعا ہوتی ہے

کم نصیبی کا بیاں کیا کروں اللہ اللہ
حسرتِ دیدِ صنم روز سوا ہوتی ہے

ہے غبار انکے بھی دلمیں تو صفائی ہوگی
خاک سے آئینہ کو دم بھر میں جلا ہوتی ہے

جانتا بھی نہیں ابتک تو وہ شوخِ کمسن
کس کو کہتے ہیں جفا کیسی وفا ہوتی ہے

رخنۂ در کے قریں وہ شوخ پُرفن چاہیے
دیدۂ بیدار اپنا جائے روزن چاہیے

فصلِ گل ہے اے جنوں عریانیِ تن چاہیے
نے گریباں چاہیے مجکو نہ دامن چاہیے

توڑتا پھرتا ہے شیشہ میکشوں سے چھیڑ ہے
میرا مطلب اور ہے کہتا ہے تو کچھ اور ہی
خوبیِ قسمت یہی ہے اب کسکا شکوہ کیجیے
وعدہ تمھارا وعدۂ فردا سے جا ملا
کھانے کو غم ہے پیتے ہیں یہ خونِ دل مدام
عشق بازی نے عجب لطف دکھایا ہمکو
کمظرف ہیں جو بکتے ہیں مے پی کے ساقیا
خط سے لفافہ کھل گیا واں حسنِ یار کا
جس نے دیکھا ہے تجھے وہ بیدم ہے
دستِ گستاخ کا نہ پوچھو حال
آتی ہے راہِ کعبہ میں ہر گام پر صدا
تنہا کو بھولئے نہ کبھی وقتِ مے کشی
بجائے سیب تو سیبِ ذقن کو دیکھ لیا
یہی ہے مشق جفا و ستم تو سن لینا
دل میں ہے ذکرِ قیامت کیجے
ہے وفا یہ کہ تو جفا نہ کرے
غمزہ کیا ناز کس کو کہتے ہیں ہو
کیا ظلم ہے کہ کہتے ہیں وہ مجکو دیکھکر
خوب ہم موشگافیاں کرتے ہو
یاں وار سے عیسیٰ کو ملا رتبۂ عالی
کہتا ہے وہ بت پان کو دانتوں سے دباکر

محتسب اس ریش پہ تجکو لڑکپن چاہیے
میرے سمجھانے کو ناصح تجھ سا کودن چاہیے
دوست سمجھیں کسکو کہنا کس کو دشمن چاہیے
پیغام آیا اُن کے اجل کے پیام سے
کیا غم ہے فاقہ مستونکو ماہِ صیام سے
دین و دل ہار چکے نوبتِ جاں بازی ہے
منہ بند اپنا رکھتے ہیں شیشے شراب کے
مشتاق ہم رہے یہاں خط کے جواب کے
چشمِ بد دُور اب تو عالم ہے
کچھ یہ واقف ہے کچھ یہ محرم ہے
اول طوافِ کوچۂ جاناں ضرور ہے
بزمِ طرب میں یادِ محبتاں ضرور ہے
دکھاؤ کچھ مجھے جاناں انار کے بدلے
وفاؤ مہر کے انداز یار کے بدلے
یعنی وصفِ قد و قامت کیجے
ہے جفا یہ کہ تو وفا نہ کرے
ہے ادا یہ کہ تو ادا نہ کرے
تقصیر ہو نہ ہو اسے تعزیر چاہیے
نظر آتی اگر کمر کوئی ہو ہو
کیونکر نہ عدو پست ہوں قسمت کے دہنی سے
یوں لعل کٹا کرتے ہیں ہیرے کی کنی سے

تھا بیاضِ گردنِ لیلےٰ سے وہ بینِ حُسنِ عشق
قیس کو طفلی میں کچھ مطلب نہ تھا اُستاد سے

محتسب کیسا مچلتا ہے تو میخانے میں
جاکے مسجد میں تو یوں پانوں پسارے ہوتے

لائی اُڑا کے نکہتِ گیسوئے عنبریں
اب تو دماغ عرش پہ بادِ صبا کا ہے

تنہا ۔ نواب محمد شیر علی خاں بہادر تنہا رئیس مراد آباد مہندی علی خاں ذکی مرحوم مراد آبادی کے شاگرد تھے ۔ معمر و سن رسیدہ بزرگ تھے ۔ ستر سال سے زیادہ عمر پاکر حال ہی میں انتقال کیا ۔ زبان ۔ بندش ۔ فصاحت ۔ روزمرہ ۔ غرض ہر طرح انکا کلام اچھا ہے پرانے مشاق تھے ۔ اکثر نعتیہ غزلیں کہا کرتے تھے ۔ دیوان بھی مرتب ہوگیا ہے ۔ عاشقانہ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ۔

چھٹیں نبضیں یاد آگیا جب چھوڑانا
جھٹک کے وہ شوخی سے دامن کسیکا

بہت پانوں پھیلائے اے اشک تونے
مگر ہاتھ آیا نہ دامن کسیکا

کھینچ گیا یار تنک نگاہ کے ساتھ
ناتوانی ترا گلہ نہ رہا

نالہ نغمہ ہے اُسکی محفل کا
رقص ہے بے قرارئے دل کا

اُٹھاتا ہے تصور پردہ اور حیرت گراتی ہے
جو محو یار ہو جائے کشاکش درمیاں کیوں ہو

رہے چھیڑا اس قرہ کی نیشتر سے
لہو بہتا رہے زخمِ جگر سے

تنہا ۔ میر لطف علی باشندۂ مدراس ۔ فن شاعری میں حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کی شاگردی کا فخر حاصل ہے ۔ موجودہ زمانہ کے معمولی موزوں طبع شاعروں میں ہیں ۔

تیر کہا کھینچا کہ تن سے رُوح اپنی کھنچ گئی
اے ستمگر زیست ہی کا سب مزا جاتا رہا

وصل کی شب پوچھتے ہیں مسکرا کر ناز سے
وہ تڑپنا لوٹنا کیوں آپ کا جاتا رہا

جب کہا میں نے کہ میں ہجر میں مرجاؤنگا
ہنسکے بولے کہ بلا سے مجھے پروا کیا ہے

توانا ۔ منشی سید اکرام علی خلف سید سبحان علی ۔ باشندہ فتحپور ہسوا ۔ آپ کو پہلے تونگر سنگھ عاشق سے تلمذ رہا جو مرزا قتیل کے نامور شاگردوں میں تھے ۔ اس زمانہ میں

تنہا

تنہا

توانا

آپ ناتواں تخلص کرتے تھے۔ جب حضرت ناسخ الہ آباد گئے تو آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور غزل اصلاح کے لئے پیش کی اُنھوں نے ناتواں کی جگہ توانا تخلص عنایت کیا۔ کلام ملاحظہ ہو۔

روندیو اگر ہماری خاکِ مدفن زیر پا
ہاتھ اُٹھا کر ہم دعا دیں گے کہ دشمن زیر پا

چل سکی کانٹوں سے کچھ مطلق نہ قیس ہی کی
لاکھ صحرا نے بچھایا اپنا دامن زیر پا

قرب اعلےٰ سے حصولِ رفعتِ اسفل نہو
گل کو سب رکھتے ہیں سر پہ کاہِ گلشن زیر پا

نازکی دیکھو کہ رکھتا ہے قدم جب خاک پر
تارِ بخیہ کو سمجھتا ہے وہ سوزن زیر پا

جس کی تنگی سے توانا دم خفا ہوتا رہا
لاغری سے گر پڑا وہ طوقِ گردن زیر پا

توفیق ۔ صدر نشین وسادہ عز و تمکین۔ شاہزادہ سلطان محمد بشیر الدین خلف الصدق سلطان شکر اللہ فرزند خاص حضرت ٹیپو سلطان والیٔ میسور و سرنگا پٹن ۱۷۹۹ء میں جب ٹیپو سلطان جنگ میسور میں بمقابلہ افواج فرنگ وادِ شجاعت و مردانگی دیکر شہید ہوئے اور انکا ملک قبضہ سرکار کمپنی میں آیا تو شاہزادہ شکر اللہ معہ دیگر برادران و عزیزان چندے قلعہ ویلور میں زیر حفاظت سرکار انگلشیہ نظر بند رہے۔ اتفاق سے چند سال بعد فتنہ و فساد کی آگ وہاں بھڑک اٹھی اور باغیوں نے شہزادہ شکر اللہ کو اپنا سردار مقرر کرکے چند انگریزی افسروں کو تہ تیغ کر ڈالا حکام انگریزی نے بکمال حکمت عملی اس فساد کی آگ کو ٹھنڈا کیا اور ٹیپو سلطان مرحوم کے لواحقین کا اس ملک میں قیام خلاف مصلحت تصور کرکے سب کو کلکتہ بھیجدیا اور ٹالی گنج کو انکا جائے سکونت قرار دیا۔ خدا کے فضل سے حضرت توفیق اپنے والد ماجد کی مانند علم و فضل و اخلاق حمیدہ اور صفات برگزیدہ رکھتے تھے اور نکتہ سنجی اور موزونی طبع میں فخر خاندان تھے۔ تاریخ خوب کہتے تھے۔ انکے نام متعدد رقعے اسد اللہ خان غالب کی اُردوے معلےٰ میں موجود ہیں۔ غالب کے دوستانہ تعلقات ان کے ساتھ مربوط تھے۔ نظم و نثر فارسی اُردو دونوں میں دستگاہ تھی۔ چنانچہ دیوان آخر کی

تقریظ و تاریخ خوب کہی ہے۔ ایک مہربان نے کلام بھیجنے کا پختہ وعدہ کیا تھا۔ مگر باوجود تقاضا ارسال نہ کیا۔ بدرجۂ مجبوری صرف اندراج حال پر قناعت کی۔ سلطان بشیر الدین کی زندگی کا بڑا حصہ کلکتہ میں بسر ہوا۔ اور وہیں ۱۸۸۰ء کے قریب انتقال کیا۔

توفیق

توفیق - امیر الملک والاجاہ نواب صدیق حسن خاں بہادر توفیق مرحوم شوہر نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال۔ ان کے والد سید اولاد حسن قنوج کے معمولی لوگوں میں تھے ۱۲۴۸ ہجری سالِ ولادت تھا۔ صغر سنی میں دہلی جاکر تعلیم پائی۔ اور علامۂ دہر مفتی محمد صدر الدین خاں آزردہ کے شاگرد ہوئے۔ مفتی صاحب سے معقول و منقول فقہ و اصول بکمال توجہ پڑھائی۔ ۱۲۷۰ ہجری میں دہلی سے بھوپال گئے اور نواب سکندر بیگم صاحبہ کی سرکار میں منشی گری پر مامور ہوئے۔ پھر بعض وجوہ سے انکا تعلق ریاست بھوپال سے قطع ہوگیا۔ چند سال بعد بخت نے یاوری کی اور جمال الدین خان مدار المہام بھوپال کی لڑکی سے انکا نکاح ہوگیا۔ اسکے بعد مہتمم مدارس ریاست و افسر مدرسہ سلیمانیہ ہوئے۔ جب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مسند نشین ہوئیں ان کو خدمتِ میر منشی گری پر ممتاز فرمایا۔ اور یہانتک انکا عروج جاہ واعزاز مدنظر ہوا کہ ۱۲۸۸ ہجری میں بحالت بیوگی بیگم صاحبہ نے ان سے نکاح کرلیا۔ دربار قیصری منعقدہ ۱۸۷۷ء میں سرکار انگلشیہ سے خطاب امیر الملک والاجاہ ملا اور سترہ ضرب توپ کی سلامی مقرر ہوئی۔ بجائے رئیس منتظم ریاست ہوئے۔ ان کی قدردانی اور ہنرپروری سے علوم و فنون مشرقی کے اکثر باکمال بھوپال میں جمع ہوئے۔ نوابصاحب مرحوم نہایت زبردست محدثوں اور عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ ڈیڑھ سو کے قریب مختلف علوم و فنون میں کتابیں تصنیف اور تالیف فرمائی تھیں۔ ان کتابوں کی ہزارہا جلدیں مفت تقسیم ہوئیں۔ عربی فارسی میں نواب اور اردو میں توفیق تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں اکثر اور اردو میں کمتر فکر سخن فرماتے تھے۔ تذکرہ شمع انجمن شعرائے فارسی کے حال میں ان سے یادگار ہے۔ آخر عمر میں سیر گرلیفن

ایجنٹ گورنر جنرل متعینہ سیہور سے ناچاقی ہوجانے کے باعث نواب موصوف انتظام معاملات ریاست سے دستکشی پر مجبور ہوئے۔ اور بحکم گورنمنٹ سلامی اتواپ اور خطابات سے محروم کئے گئے۔ بیگم صاحبہ اِن کی اولاد سے بہت مانوس تھیں بیش قرار مواجب کے علاوہ اور لکھوکھا روپیہ کا سلوک اُنکے ساتھ کیا۔ اِن کے دو نوصاحبزادے نورالحسن خاں اور علی حسین خاں جو جلال الدین خانصاحب وزیر بھوپال کی لڑکی کے بطن سے ہیں۔ بعد وفات نواب شاہجہاں بیگم لکھنؤ چلے آئے ہیں ۱۸۹۵ء میں نواب صاحب نے عالم بقا کی راہ لی۔ اُردو کے چند شعر حاضر کئے جاتے ہیں۔

باتوں باتوں میں کچھ ایسی بات اُسنے چھیڑدی
کہتے کہتے وہ لبِ حرفِ مدعا جاتا رہا

ڈر وخدا سے کوئی اور کھیل کھیلو تم
بہت بڑا ہے مریجان مشغلہ دل کا

بلاتے ہیں تو مبارک تجھیں پراے توفیق
زیادہ حد سے نہ بڑھ جائے حوصلہ دل کا

الٰہی طبیب ہے مجھ دردمند کا
عاشق ہوا ہے ورد مرے بند بند کا

توفیق کس خوشی سے جلاتے ہیں مریجان
وہ جو نہ دیکھ سکتے تھے جلنا سپند کا

برپا کریں نہ فتنہ کوئی وہ لگے آس پاس
بیٹھے ہیں یاس وحسرت وغم ملکے آس پاس

دیکھ بدمست مجھے مار کے ٹھوکر بولے
ہم تو مستوں کو بھی ہشیار بنالیتے ہیں

حضرت ناصح ول اُس بیدرد کو دُوں یا ندوں
آپ تو کہئے کہ اسمیں آپ کی کیا راے ہے

عبث رقیب کی تعریف مجھسے کرتے ہو
یہی نہ کہدو کہ اُٹھ جاؤ میری محفل سے

جب کہتے ہیں ہم حشر میں فریاد کرینگے
ہنستا ہے کہ ہم بھی تری امداد کریں گے

توفیق - جناب مولوی سید جلال الدین صاحب اہلکار دفتر صدر مجلسی سرکار عالی حیدرآباد کے رہنے والے اور دور موجودہ کے شعرا میں ہیں۔ رسالوںمیں آپ کی چند غزلیں نظر سے گذریں۔ کچھ شعر منتخب ہوکر درج ہوئے۔ شگفتہ طبیعت پائی ہے۔ مذاق شستہ ہے

لاکھ محبوسِ قفس کر تو مجھے اے صیّاد
میں نکل جاؤنگا فریادِ عنادل کی طرح

حسرت لے جذب کہ لیلیٰ ہو سوار محمل
قیس ہو ساتھ غبار پس محمل کی طرح

اشک رہتے ہیں رواں نالہ ادا ہو کہ نہ ہو
قافلہ راہی منزل ہے قدا ہو کہ نہ ہو

تپش قلب کو تحریک نفس سے مطلب
شعلہ زن رہتی ہے یہ آگ ہوا ہو کہ نہ ہو

چونک اُٹھیں یا نہ اُٹھیں خواب عدم سے مردے
یوں چلو تم ۔ تو کہو حشر بپا ہو کہ نہ ہو

بے سبب چارہ گرونکو نہیں تشویش علاج
دلکا ارماں ہی نکل جائے شفا ہو کہ نہ ہو

ایذائے قید سہہ نہیں سکتے سبک خرام
مٹھی میں بند ہو نہیں سکتی ہوا کبھی

توقیر ۔ مولوی عبدالقادر توقیر متوطن پنجاب مقیم دہلی ۔ استعداد علمی اگرچہ کم تھی مگر شاعری سے طبیعت کو بیحد لگاؤ تھا ۔ بڑے وجیہ خوش مزاج شکیل طبیعت دار ذکی نوجوان تھے ۔ حضرت داغ ظہیر انور کے ہم مشق و ہم صحبت تھے ۔ اکثر فکر رسا کی اعانت سے مضامین نازک اور عالی کی تلاش میں سرگرم رہتے تھے ۔ اوائل مشق میں چند غزلیں میاں تنویر کو دکھائیں پھر حضرت ذوق کی خدمت میں آئے اور انکی وفات کے دو تین مہینے بعد ۱۲۷۱ھ ہجری میں ناشاد و نامراد جہان فانی سے عالم بقا کی طرف سفر کیا ۲۵ ۔ ۲۶ سال کی عمر پائی ۔

توقیر

توقیر دل رمیدہ پھر آوارہ ہو گیا
کس نے سنا دیا اُسے مژدہ بہار کا

واں نمک کا بھی صرفہ ہے توقیر
زخم کھانے کا کچھ مزا دیکھا

گر آئے جوش پر دریا مرے اشک ندامت کا
تو کیونکر پانی پانی دل نہ ہو پھر ابر رحمت کا

مجکو کیوں دیکھا بت ناآشنا کو دیکھکر
ناصحو دیکھو کہ کچھ کہنا خدا کو دیکھکر

انتظار نامہ بر میں اسقدر بے ہوش ہوں
جان تن میں آگئی پیک قضا کو دیکھکر

جو یار مجھ سے پوچھتا ہے ماجرائے دل
سینے پہ ہاتھ دھر کے یہ کہتا ہوں ہائے دل

زخمی تری نگاہ کے آخر کو مر گئے
کہہ کہہ کے ہائے ہائے جگر ہائے ہائے دل

ہم تو خاطر سے تری غیر کو بھی تعظیم دیں
رشک پھر کہتا ہے بیٹھو اپنی یہ عادت نہیں

بتوں کو چاہنا اور حضرت توقیر یہ صورت
بظاہر تو نظر آتے ہو تم مرد مسلماں سے

توقیر

توقیر - لالہ نرائن داس خلف لالہ پھول چند باشندہ فرخ آباد - منشی سید اسمٰعیل حسین منیر کے فیضِ تلمذ سے بہرہ ور اور ۱۲۷۴ھ میں حیات ستے - طبیعت کا رنگ مفصلہ ذیل اشعار سے آشکارا ہے -

آئینے سے بھی ہے وہ چند صفا ہاتھوں میں	منہ نظر آتا ہے اسے ماہِ لقا ہاتھوں میں
سلطنت ملتی ہے چھوتا ہے جسے وہ مہِ حسن	طائر رنگ حنا ہے کہ ہُما ہاتھوں میں
سونا چھلّوں کا گلا جاتا ہے اے شعلہ مزاج	گرمیاں اور دکھاتی ہے حنا ہاتھوں میں
عرقِ چہرۂ دلدار کو پونچھا توقیر	ہمنے عطرِ گل فردوس ملا ہاتھوں میں

توقیر

توقیر - میر عبد العلی نام - قنوج کے رہنے والے اور رشک لکھنوی کے شاگرد تھے غدر سے پیشتر پٹنے میں بود و باش اختیار کرلی تھی - مرثیہ تحت لفظ خوب پڑھتے تھے - آدمی با مذاق و صاحبِ دل تھے - عطر سازی کا پیشہ کیا کرتے تھے ۱۳۰۲ھ میں ساٹھ باسٹھ برس کی عمر تھی یہ اِن کے اشعار ہیں -

جب سے طوفاں خیز میرا دیدۂ تر ہو گیا	مردمِ آبی کے رہنے کیلئے گھر ہو گیا
آج روشن اُس قمر سے کیا مرا گھر ہو گیا	نورِ چشمِ مہر و مہ ہر روزن و در ہو گیا
رہ گئی جو میّتِ پروانہ بے غسل و کفن	شمع کا منہ آنسوؤں سے بزم میں تر ہو گیا
شک نہیں اسمیں اشد الموت ہے ہجر انتظار	آج اُنکے وعدۂ فردا سے محشر ہو گیا
مژدہ باد اے مرگ ناکامی ہوا قصہ تمام	جسکے ہم عاشق تھے وہ عاشق کسی پر ہو گیا
ناتوانی سے نکلنا جان کا مشکل ہوا	کشتیِ عمرِ رواں کا ضعف لنگر ہو گیا

توقیر

توقیر - شیخ ارادت اللہ صاحب رئیس قنوج فرخ آباد کے ضلع میں تروا ایک چھوٹی سی جاگیر ہے اُسکے سالہا سال منتظم رہے - شعر و سخن سے بھی اُنس تھا چنانچہ یہ اُن کے نتایج افکار کا خلاصہ ہے -

ہے سامنا اجل کا قیامت ہے قہر ہے	کچھ دل لگی نہیں ہے جو تم سے لگائے دل

کرتا نہیں بھولے سے کبھی یاد ہماری	کیا شاد ہو پھر خاطرِ ناشاد ہماری
مرقد کی مرے آکے اُڑا دو نہ تم اب خاک	مٹی نہ کرو مفت میں برباد ہماری
صنم جو رام ہوا ہے خدا خدا کر کے	دل و جگر کروں صدقے جدا جدا کر کے
تمھاری بے نقابی سے قمر نے داغ کھایا ہے	رخِ انور سے کیوں اے مہروش پردہ اٹھایا ہے
دکھائے گی اسے نیچا کبھی آہِ دلِ عاشق	کہ اس پیرِ فلک نے اب بہت کچھ سر اٹھایا ہے
ازل ہی میں ستم مجھ پر تمھارے ہاتھ لکھا تھا	کسی سے خامۂ قدرت کا لکھا بھی مٹایا ہے
غم و رنج و الم درد و تمنا یاس و حسرت کو	شبِ تنہائی میں اپنا انھیں مونس بنایا ہے

توقیر

توقیر - جناب سید باقر حسین توقیر دہلوی - شاگرد حضرتِ داغ دہلوی مرحوم - کلام خاص ہے رسمی شاعر ہیں - کوئی خاص بات قابلِ تشریح اِن کے کلام میں نہیں ہے - یہ ان کے اشعار ہیں -

ہمکو دنیا سے ترے لطف و کرم نے کھویا	گھر کہاں اُن کا جو دلمیں ترے گھر کرتے ہیں
گالیوں پر اسے کھولیں آ باندھیں پئے قتل	یہ دہن رکھتے ہیں دلبر نہ کمر رکھتے ہیں
آپ کے پاسِ نزاکت نے کیا ہے خاموش	ورنہ نالے مرے آفت کا اثر رکھتے ہیں
چاہنے والوں سے غافل نہیں رہتے معشوق	بے خبر ان سے کہ یہ عاشق کی خبر رکھتے ہیں

توقیر

توقیر - نواب احمد مرزا خانصاحب خلف نواب مرزا محمد جعفر خانصاحب مرحوم نبیرہ نواب حیدر بیگ خانصاحب مغفور عرف چھٹن صاحب التخلص بہ توقیر لکھنوی از تلامذہ حکیم سید علی ضامن صاحب متخلص بہ شوق خلف جناب رشک شاگرد شیخ ناسخ مرحوم - آپ دورِ موجودہ کے شاعر ہیں اور یہ آپکے کلام کا انتخاب ہے -

تارے گن گن کے وہ آنکھوں میں سحر ہو جانا	کیا کہیں ہجر کی راتوں کا بسر ہو جانا
مجھ سے کرتی ہے اشارہ وہ لگاوٹ کی نظر	کہ دکھادوں میں ترے دل کا ادھر ہو جانا
حشر لانے کو ہے توقیر تری میت پر	بے خبر کو ترے مرنے کی خبر ہو جانا

کیوں فلک دور میں ہے سیر کبھی ایسا بھی ہوا
کہ شب ہجر کی ممکن ہو سحر ہو جانا

دل سے راضی ہوں فلک ہیں کے سُرمہ کر دے
شرط ہے آپ کے منظورِ نظر ہو جانا

سیر کو آتے ہیں بیمارِ محبت کی وہ روز
ہے بُرا ایتو مرے واسطے اچھا ہونا

داغِ دل بعد فنا سینہ میں روشن ہو کر
ضَو دکھاتا ہے چراغِ تہ دامن ہو کر

وصل کی آس ہیں یا یاس ہیں دم نکلا ہے
شمع تربت مری بجھ جائیگی روشن ہو کر

باغ میں غیر سے پھر ملنے کہ رُلاتے ہو مجھے
خار دیتے ہو گلو غیرتِ گلشن ہو کر

خوف ہے مجھ کو قیامت نہ کہیں آ جائے
کعبہ دل میں بت آتے ہیں برہمن ہو کر

سوزِ دل کی یہ مرے ہوتی ہے دیکھو توقیر
شمع کا نام ہوا بزم میں روشن ہو کر

قلم سے شیخ کے نکلے کہ مے حرام نہیں
یہ دستخط نہ کرالوں تو رند نام نہیں

پری جمال کو نظر دنیں شیخ پی پی کر
یہ کہہ رہا ہے کہ بنتِ العنب حرام نہیں

قتل میں میرے نہ ہو کچھ شرکتِ خونِ رقیب
دوسرا خنجر منگالیں آپ تو احساں کریں

دل کے ٹکڑے کر دیئے حاضر ہیں عشقِ حبیب
ہم غریب و بے نوا کیا خاطرِ مہماں کریں

ملا بے مانگے گو رزق آسیا کو
مگر اسپر بھی گردش میں بسر کی

تو نگر ۔ منشی عبد العلی مرحوم خلف میاں سکین۔ علمی استعداد معقول تھی۔ نواب سکندر بیگم صاحب کے عہد دولت میں ترقی پا کر میر منشی ریاست کے عہدہ گرامی پر ممتاز ہوئے۔ نواب شاہجہاں بیگم کے دوران حکومت میں بھی مورد عنایات رہے اور مشاہرہ میں بھی ترقی ہوئی مگر شومئی طالع سے بہ سبب کبر سنی دماغ میں ضعف آگیا اور عملیات سفلی و فسوں خوانی کی طرف توجہ مائل ہو گئی۔ انجام کار سرکار کے حکم سے خارج از ریاست کئے گئے۔ تذکرہ فرح بخش سے کلام انتخاب ہو کر درج کیا گیا۔

دیکھئے ہر دم نہ اپنا روئے روشن آب میں
بھیجئے ہر دم نہ صاحب آتش افگن آب میں

کیوں بند کر رکھے تھے شب اُس مہ لقا کے ہاتھ
قابو چلا تو باندھونگا میں بھی حنا کے ہاتھ

ہالے کی شکل گر ورخِ ماہوش ہوئی	انگڑائی کی جو یار نے دونو ملا کے ہاتھ

تھانیسری

تھانیسری - شاہ امام بخش نام - یہ بزرگ درویش صفت اور نیک نہاد تھے شبانہ روز اپنی اوقات اوراد ویاد حق میں گذارتے تھے سلسلۂ قادریہ میں کسی بزرگ سے بیعت تھے - مسٹر الیف فیلن صاحب نے ان کا تخلص تھانیسری لکھا ہے اور کہتے ہیں کہ گاہ گاہ بطور خود شعر موحدانہ اسکی طبیعت سے ٹپک پڑتا تھا - ۱۲۸۲ہ ہجری میں موجود تھے - یہ انکے اشعار ہیں -

اس جہاں میں اُس جہاں میں کون ہے	ہر نہاں میں ہر عیاں میں کون ہے
ہے جو دکھلاتا تجلی دم بدم	ہر جمالِ دلبراں میں کون ہے
تو کہے میں گفتگو سے پاک ہوں	پس یہ گویا ہر زباں میں کون ہے
لوگ کہتے ہیں خدا ہے لامکاں تو	پھر زمین و آسماں میں کون ہے

تہور

تہور - میرزا غلام فخر الدین تہور برادر حقیقی مرزا قادر بخش صابر - اصلاح سخن حضرت احسان اور حکیم مومن خاں سے لیتے تھے - عنوانِ شباب میں غدر سے آٹھ دس سال پیشتر قضا کی یہ ان کے اشعار ہیں -

ناصحا پند و نصیحت تو نہ کر محفل میں	یہاں مرے ساتھ کوئی اور بھی رسوا ہوگا
اب سے کیا باقی جو ہے کاوش تری دستِ جنوں	چاک دامن ہو گیا ٹکڑے گریباں ہو گیا
پھر خدا لائے اُسے یا دش بخیر	کیا تہور بے تکلف یار تھا تو
رشکِ دشمن کا سبب عشق میں کیا ہی ناصح	امتحاں کیجئے مشفق کہیں شیدا ہو کر
لے آئے ذرا خط کا جواب اُس سے کسی ڈھب	افسوس کہ قاصد سے اب اتنا نہیں ہوتا

تہور

تہور - منشی تہور علی خاں - عدالت فوجداری کانپور میں مختاری کرتے ہیں - اور شاگرد جناب آساں سے تلمذ ہے - دو تین غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر ہے

اپنے تلوؤں سے مَل کے دل میرا	کہتے ہیں کیسا پائمال ہوا

شبِ فراق کی حالت نہ پوچھئے مجھسے اور بھڑکے گی تیمور ہو نہ گریاں اسقدر	میں کیا بتاؤں کہ کس درجہ بیقرار رہا آتشِ دل کو کبھی آنسو بجھا سکتے نہیں

تیمور

تیمور۔ مرزا سعادت سلطان تیمور گورگانی خلقت مرزا قادر بخش موزوں برادر نسبتی مرزا قادر بخش صابر اوائل میں حضرت احسان کے شاگرد تھے۔ بعد میں مرزا صابر سے مستفید ہوئے عرصہ ہوا کہ انتقال کر گئے۔

اِس سادہ مزاجی پہ بھی مرتے ہیں ہزاروں رہتا ہوں اپنی بے پروائی پہ باغباں ضبط نالہ کیا تو جان گئی	اللہ رے عالم ترے بے ساختہ پن کا فصلِ خزاں میں بلبل بے پر کو دیکھکر اپنا گویا میں آپ قاتل ہوں

ث

ثابت
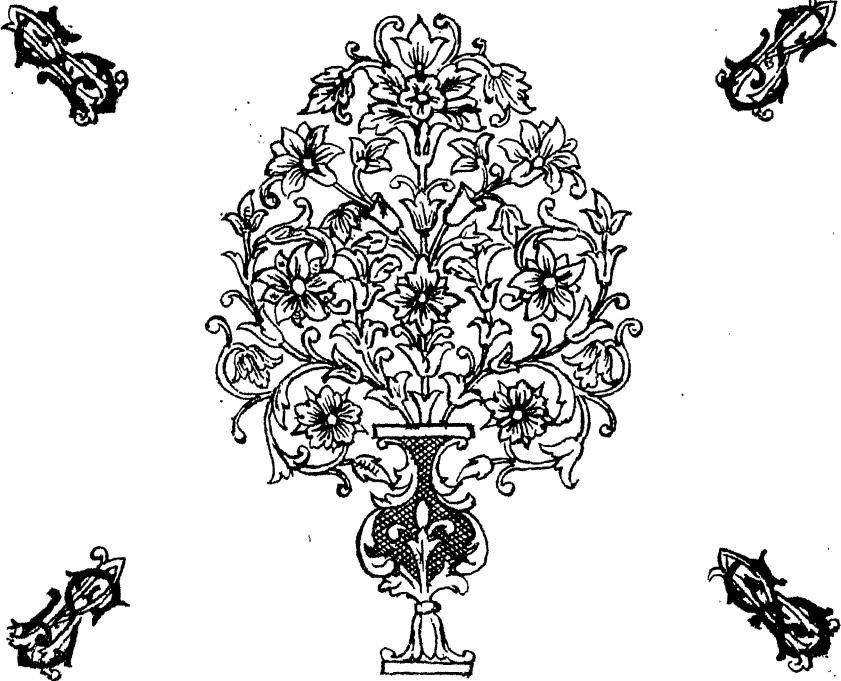
ثابت - اجابت خاں یا اصالت خاں ان کا نام تھا۔ عظیم آباد کے رہنے والے اور مرزا محمد فدوی کے شاگردوں میں تھے۔ اپنے زمانہ میں علم استادی بلند کرتے تھے طبقہ دوم کے آخر شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہ اشعار ان کے درج کئے جاتے ہیں

وقت مرنیکے مرے پاس وہ موجود ہوا		اپنے ہی جی کا زیاں اپنے لئے سود ہوا
مجمرِ سینہ میں دن رات پڑا جلتا ہے		آہ ثابت یہ ترا دل ہوا عود ہوا
مصرعِ کبھو جو آہ کا موزوں کروں ہوں میں		شکانِ نو سپہر کا دل خوں کروں ہوں میں

ثابت

ثابت - منشی مہر علی - اصلی وطن بڑہانہ ضلع مظفرنگر تھا مگر یہ خود قبل از غدر دہلی میں بود و باش رکھتے تھے۔ حافظہ اچھا تھا۔ اور اساتذہ قدیم مثل سودا اور میر درد کے ہزارہا شعر از بر تھے۔ دہلی میں رہ کر استعداد علمی کے علاوہ فکر سخن میں بھی سلیقہ معقول پیدا کیا کلام ملاحظہ ہو۔

دیکھا مجھے تو ہو کے خفا غیر سے کہا		اس بزم میں ہر ایک کو آنا نہ چاہیے
کھل جائیگا وہاں کس و ناکس پہ رازِ عشق		اے دل اس اضطراب سے جانا نہ چاہیے

ثابت

ثابت - ثابت شیخ ثابت علی ولد شیخ محمد علی ۱۲۷۱ھ ہجری مطابق ۱۸۵۴ء میں راجہ بھرت پور کی سرکار میں معتمد اور بہ تقریب سرانجام کار اپنے ولی نعمت کے دہلی میں وارد تھے۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ اور خاصہ کہتے تھے۔ یہ چند شعر انکے ہیں۔

آنے کی کسی کے کیا سنی ہے		جاں لب پہ ٹھر گئی ہے آکر
کہتے ہیں وہ بیوفا اب آیا		کہتے ہی کی بات ہے سناکر
ثابت کا ہے حال غیر کل سے		تم بھی اسے دیکھ آؤ جا کر

ثابت ۔ شاہزادہ میرزا معز الدین ثابت مرحوم خلف الصدق حضرت شاہ عالم بادشاہ و برادر حقیقی مرزا احسن بخت احسن ۔ حافظ عبدالرحمن خاں احسان کے شاگرد رشید تھے ۔ قلعہ معلیٰ میں اکثر شاہزادے انکے شاگردی سے ممتاز تھے آپنے ۔ اپنے اُستاد کا دیوان مُرتب کیا تھا جو راقم تذکرہ کے پاس موجود ہے ۔ خود بھی موزوں طبع شاعر اور صاحب دیوان تھے ۔ جسکا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے ۔ اچھا کہنے والوں میں تھے ۔ زبان صاف پاکیزہ اور معاملہ کے شعر خوب کہتے تھے ۔ اوائل عہد بہادر شاہ میں انتقال فرمایا ۔ یہ ان کا کلام ہے ۔

آفریں دلکو ترے ثابت وگرنہ بارِ عشق ۔۔۔ لے زمیں سے اُٹھ سکا نے آسماں سے اُٹھ سکا

شبنم کی طرح اس چمن دہر میں ثابت ۔۔۔ جز گریہ ہمیں اور تو کچھ کام نہ آیا

ق

زیورِ گل کو لگا آگ یہ مالن سے کہا ۔۔۔ میرا طُرہ میرا گہنا میرا گجرا نہ بنا

پھول عاشق کے ہوں اور پھولونکا گہنا پہنوں ۔۔۔ دست دیا پھول گئے پھولونکا گہنا نہ بنا

خوبرو تیری نہیں ہے کچھ فقط گفتار خوب ۔۔۔ رُخ پری کاکل دھواں بالا بلا رفتار خوب

تھا قلق اور بے قراری رات ۔۔۔ مجکو روتے کٹی ہے ساری رات

سینے کل اُس سے کہا دلمیں مرے درد ہے آج ۔۔۔ ہاتھ سینے پہ مرے رکھ کے کہا کیا باعث

یوں کہا اُسنے کہ ثابت مجھے پیغام نہ بھیج ۔۔۔ مجھکو بدنام نہ کرنا مرے نام نہ بھیج

لگایا تیر جو تمنے فقط کلیجے میں ۔۔۔ ہر ایک عضو ہے میرا جُدا جُدا دلگیر

چکور آسا فدا ہے کیوں تو روئے درخشانِ مہوشاں پر
قدم رکھیں ہیں وہ کب زمیں پر دماغ اُنکا ہے آسماں پر

یہ سمجھتے نہیں اس تیر سے ہے زیست مری ۔۔۔ لوگ کہتے ہیں نکالو کسی تدبیر سے تیر

ہاتھ زنجیر طلائی میں جو اُلجھا بوسے ۔۔۔ کیا بلا ہے تجھے ثابت مری زنجیر نہ توڑ

انصاف سے ہے کہ محتسب اس ابر و ہوا میں ۔۔۔ کس طرح سے ہو ساقیِ گلفام فراموش

دستِ جنوں کو یوں ہے گریباں سے اختلاط
دامن کو جیسے خارِ بیاباں سے اختلاط

پھر دلِستاں سے نے دل کا ستانا کیا شروع
پھر آہ بزمِ غیر میں جانا کیا شروع

آہ گر پردہ نشیں وہ بتِ گلفام نہو
دیر میں کفر نہو کعبے میں اسلام نہو

رقص میں وہ نازنیں جسوقت گرمِ ناز ہو
نازِ خوباں چاہئے پھر فرشِ پا انداز ہو

اسقدر راو بے مروت مجھسے استغنا تجھے
جان دینی تھی مجھے پر دل نہ دینا تھا تجھے

تجکو شاباش تصور کے مصورِ دل پر
لکھدے اُس عالمِ تصویر کی تصویر مجھے

کیا جو دوستی میں تو نے ہمپر کسی فن سے
کوئی ایسی نہیں کرتا مری جاں اپنے دشمن سے

کہدو اُس چشم سے پرہیز نکر اُس سے مدام
تیرے بیمار کی جاں باعثِ پرہیز چلی

اُدھر ہے بادہ پیما بزم میں باہدگر کوئی
اِدھر پیتا ہے اپنا دمبدم خونِ جگر کوئی

برہمن کا فرو دیندار سبکو بھا گیا ایسا
خدائی میں اُسی بت کا جپے ہے نام ہر کوئی

جی ہی جاتا جو ترے لب پہ مسیحا میرے
مرتے مرتے نگہِ عاشقِ بسمل پڑتی

مت دکھا اے برقِ خرمن سوز طراری مجھے
آتشِ الفت کی ہے درکار چنگاری مجھے

کیا دن پھریں ہمارے گر وہ پھرے سفر سے
لیل و نہار جنکے ہم دیکھنے کو ترسے

زلفوں کا جبکہ سودا دل کو ہوا وہ بولے
اپنا تو رونگٹا بھی خالی نہیں ہے سر سے

دلِ پرداغ کو ٹپک کے کہا
چیز یاں داغ دار کیوں آوے

ق

اکیلا دیکھکر کل مینے اُسکو جان کر پوچھا
ہمارا جانا پوچھا یا کوئی انجان جاتا ہے

ٹھٹھک کر مسکرا کر یوں کہا ہٹ جا ارے ظالم
ترے سر کی قسم کوئی ابھی یہاں جان جاتا ہے

ثابت ۔ منشی سید فضل حسین لکھنوی ابن سید مہدی حسین ابن میر زین العابدین عرف میر مغل رسالدار عہد امجد علیشاہ بادشاہ اودھ) آپ کے حقیقی نانا سید محمد رضا ظہیر مرحوم شاعر مرثیہ گو ارشد تلامذہ مرزا دبیر مغفور سے تھے ۔ آپ کی ولادت ۱۵ رجب ۱۲۷۸ھ ہجری یوم جمعہ کو ہوئی (نظیر حسن تاریخی نام ہے) اردو ۔ فارسی ۔ عربی ۔ انگریزی و ناگری کی

زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں ۱۸۸۳ء میں ریاست کوٹہ میں اولاً محرری جیل پر ملازم رہے۔ پھر ناظر عدالت صدر دیوانی کوٹہ مقرر ہوئے۔ اب سررشتہ دار عدالت سشن جج ہیں۔ غزل گوئی میں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم سے اور مرثیہ گوئی میں مرزا محمد جعفر صاحب اوج لکھنوی سے تلمذ رکھتے ہیں ۱۳۱۱ ہجری میں زیارت کربلا و نجف اشرف وغیرہ سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔ آپ کا سفرنامہ منظوم موسوم بہ ریاض فکر چھپ کر شایع ہو چکا ہے۔ ایک میلاد منظوم اور بہت سے سلام و مرثیے و رباعیات موجود ہیں۔ باقی عاشقانہ کلام اکثر گلدستہ جات و اخبارات وغیرہ میں چھپتا رہتا ہے۔ دیوان چھپوانے کا کبھی خیال نہیں کیا۔ ورنہ کافی مصالحہ موجود ہے۔ ۶۰ سال کے قریب سن ہے۔ شعر بہت اچھا کہتے ہیں نہ طبیعت میں شوخی بھی ہے۔ جو کلام آپ نے عنایت کیا مع کلام بہم رسیدہ سابق کا چیدہ انتخاب حاضر کیا جاتا ہے۔

شبِ فرقت میں نیند آئے بھلا کیا
گذرتے ہیں تصور دل میں کیا کیا

تمھارے نازِ بیجا کیا ہیں اے جان
اُٹھا لیں ہم تو سر پر آسماں تک

نماز فرض زاہد نے قضا کی
عجب شوخی ہے کافر کی ادا میں

حسرتیں جب یاس سے دست و گریباں ہو گئیں
مشکلیں جتنی پڑی تھیں سب وہ آساں ہو گئیں

ایک عالم پر رہا ویرانۂ دل عمر بھر
بستیاں کتنی بسیں اور کتنی ویراں ہو گئیں

خاک پاتی عطرِ گل جنکی۔ عرق جنکا گلاب
کیوں فلک وہ صورتیں مٹی میں پنہاں ہو گئیں

ہر خوشی کا باغ عالم میں تباہی ہے مآل
کھلکھلا کر جب ہنسیں کلیاں پریشاں ہو گئیں

صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں
کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں

زندگانی سے کہیں بہتر ہے اُس عاشق کو موت
تیری زلفیں جسکے ہاتھ میں پریشاں ہو گئیں

کر کے مجھ دل سوز سے الفت جدا ہونے لگے
آگ بھڑکا کے جگر کی تم ہوا ہونے لگے

یارب یہ کون چٹکیاں لیتا ہے بار بار
پہلو میں یار ہے کہ دلِ بیقرار ہے

مجھے دل لینے دے اُس جانِ جہان سے
عمر بھر کاتبِ اعمال رہے ہیں ہمدم
خدا جانے کوئی ارمان ہے یا تیر کا پیکاں
پچھلا پہر ہے چونک تغافل کے خواب سے
دلِ ثابت تھا جب ثابت نہ آتا تھا نظر کچھ بھی
غرور و کبر سے نفرت ہے ضد خوشامد سے
کسی ہنر کا تو کیا ذکر فن کرے ثابت
دل سوا تجکو مجھے تیرے سوا کیا چاہئے
احباب کے جلسوں کا جو سودائی ہے
ثابت - یہ موت کا تعجب کیسا
پھل پائیں گے جو تخمِ کرم بو دیں گے
جنکے لیے چھوڑتا ہے مال اولاد منعم

حیا دم بھر کو اُٹھ جا درمیاں سے
دیکھئے حشر میں دیتے ہیں گواہی کیسی
یہ حالت ہے کہ جیسے دل کوئی سینہ میں ملتا ہو
پہرہ بدل رہا ہے بڑھاپا شباب سے
جو ٹوٹا شیشۂ دل سینکڑوں ہی جامِ جم نکلے
پسند آئی سلامت روی کی چال مجھے
کہ نقص میں بھی نہ حاصل ہوا کمال مجھے
تجھکو آئینہ - مجھے آئینہ سیما چاہئے

رباعی

کچھ یاد سے تجھے قبر کی تنہائی ہے
مرنا جینے کی علتِ غائی ہے -

رباعی

مرقد میں یہ پھول بن کے خوشبو دیں گے
مرنے پہ وہ مٹی بھی نہ تجکو دیں گے

ثاقب

ثاقب - منشی شہاب الدین خاں ساکن قصبہ سیوہارہ - درویش توکل پیشہ شاعر پُر گو اور خوش تقریر اور استاد نامور شاہ مبارک آبرو کے عقیدتمند و شاگرد تھے کبھی کبھی سراج الدین علیخان آرزو سے بھی مشورہ کر لیتے تھے - احمد شاہ ابدالی اور عالمگیر ثانی کے عہد میں زندہ تھے ایک پُرانے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جس وقت افاغنہ درانی نے مرہٹوں سے شکست پائی اسی زمانے میں ان کا انتقال ہوا - پُر گوئی کے باعث ایک ضخیم دیوان مرتب ہو گیا تھا - مگر ترتیب تذکرہ کے وقت صرف چند شعر دستیاب ہوئے جنکا انتخاب درج ذیل ہے فیلن صاحب نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر بھی لکھا ہے - صرف نام میں غلطی کی ہے یعنی شمس الدین لکھا ہے - ورنہ بقیہ حالات وہی ہیں جو یہاں درج ہیں -

مر گئے تو بھی کچھ نہ پوچھی بات
تسپہ ثاقب کا یار کہتے ہیں ہُو

ثاقب کی نعش اور قاتل نے آ پکارا
یہ کون مرگیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ
مجھسے بیدل کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اے مصور اسکے تئیں وہ لکیر کھینچا چاہیے
اک نگہ ترچھی ہی سے ہوتا ہے بس عالم کا کام
تجکو کا ہیکو میاں شمشیر کھینچا چاہیے

ثاقب

ثاقب - مرزا مہدی ولد مرزا انور علی بیگ - استاد نواب محسن الدولہ - باشندہ لکھنؤ شیخ ناسخ مغفور کے شاگرد تھے - صاحب دیوان گذرے ہیں - ان کے شاگرد وہنیں آغا علی شمس نامور ہوے - یہ اُن کا کلام ہے -

ذکر بوسے کا جو آیا تو پڑا گال پہ نیل
مانگنا تلخ ہوا آپ نہ لایا عرض
کس نے بوسے لیئے کیوں آج ہو مرجھائے ہوئے
گل افسردہ کی صورت ہے تمھارا عارض
ہو گیا بار نگہ سے تیرا نیلا عارض
کس نے دیکھا ہے بتا دے کوئی ایسا عارض
شجر طور جو قامت ہے تو رُخ شعلۂ طور
اے بتو نورِ خدا کا ہے تمھارا عارض
مدح تیرے حُسن کی کرتی زبان حال سے
رکھتی گویائی اگر تصویر پشتِ آئینہ
نہ کیونکر صاف ہوں بعد شہادت میں ستمگر سے
غبار دل - قاتل نے دھویا آب خنجر سے
ہوا محبوس میں جسدم جنوں نے پانوں پھیلائے
روانہ کشتی وحشت ہوئی بیڑی کے لنگر سے
قیامت قامتِ دلدار کے مضموں کیے ہیں
نہیں کم آفتابی وارسے خورشید محشر سے
نہیں چشم توقع عہدگانِ عہد سے ثاقب
کسی نے پیاس اپنی کب بجھائی آب گوہر سے

ثاقب

ثاقب - نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب مرحوم معین پور عالی جناب نواب ضیاء الدین احمد خانصاحب والیِ لوہارو رئیس اعظم دہلی - مرزا نوشہ غالبِ مرحوم کے سسرال کے رشتے سے بھتیجے اور فن شعر میں شاگرد رشید تھے - چھوٹی سی عمر میں اپنی ذاتی علم و فضل اور خوش اخلاقی کی وجہ سے اچھا نام پایا تھا اور حکامِ وقت کی طرف سے آنریری مجسٹریٹی دہلی کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز تھے - صاف صاف عاشقانہ رنگ میں جسمیں کچھ تصوف اور اخلاق کی بھی چاشنی ہوتی تھی اچھا کہتے تھے - کلام میں درد اور مزا ہے - مرزا غالب انہیں

بہت عزیز رکھتے تھے۔ استعداد علمی بھی معقول تھی۔ افسوس کہ عین عالم شباب میں ۹۔ اپریل ۱۸۶۹ء مطابق ششم محرم الحرام ۱۲۸۶ھ ہجری یوم دوشنبہ بعارضۂ تپ و اسہال ہنگام سحر انتقال کیا اور حسب وصیت درگاہ قدم شریف میں اپنے عم مرحوم نواب شمس الدین احمد خاں کے پہلو میں دفن ہوئے ۲۹ سال کی عمر پائی مرزا قربان علی بیگ سالک نے تاریخ کہی ؎

از صدمۂ مرگ ثاقب والا جاہ	ہر سوست صدائے نالہائے جانکاہ
تاریخ وفات او چنیں سالک گفت	روز ششم مہ محرم صد آہ
	۱۲۸۶ھ

آپ نے چار صاحبزادے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ صاحبزادوں کو میراث پدری کے علاوہ شاعری بھی ارث میں ملی ہے۔

کیوں وعدہ کرو بے خبر آجاؤ کسی وقت　　ہوں وصل کا خواہاں نہیں مشتاق خبر کا

اس عصر میں کہتے تھے اسے پیار سے طوفان　　بچپن کا ہے یہ نام مرے دیدۂ تر کا

ہر شخص کا دل شہر میں کھنچتا ہے ادھر کو　　پوچھے کوئی کیوں اور سے رستہ ترے گھر کا

گھر بیاباں میں بنایا نہیں ہم نے لیکن　　جس کو گھر سمجھے ہوئے تھے وہ بیاباں نکلا

وہی جگہ دیر میں ثاقب کو سمجھ کر مسکن　　وہ عدوئے بت و بتخانہ مسلماں نکلا

لاتے زباں کو کام میں کرتے وہ ہم سے بات　　مجبور رہ گئے کہ سرے سے وہاں نہ تھا

سمجھے ہوئے تھے قبر کو ہم کنج عافیت　　دیکھا تو یاں بھی امن و اماں کا مکاں نہ تھا

گرمی میں دل کو کھول کے بند قبا کہا　　شکر خدا کہ ثاقب آشفتہ یاں نہ تھا

جو اس سے پہلے تھا یہ وہی خاکداں ہے اب　　یارب وہ خاکیوں کی کرامت کہاں ہے اب

اسفندیار نامور ارجاسپ کیا ہوئے　　سننے کو ایک تذکرۂ ہفت خواں ہے اب

دیکھا ہے کس نے موسیٰ و فرعون کو یہاں　　ہاں رود نیل روئے زمیں پر رواں ہے اب

نے بت گری نہ بت شکنی قصہ مختصر　　صرف آزر و خلیل کا مذکور یاں ہے اب

نفی وجود غیر ہے ثابت طریق حق　　آثار کی نمود بھی وہم و گماں ہے اب

کیوں ویسے آدمی نہیں آتے ہیں بروئے کار
آخر وہی زمیں ہے وہی آسماں ہے اب

ہیں ظلم و معدلت کی حکایات اور بس
حجاج ہے جہاں میں نہ نوشیرواں ہے اب

ضرب المثل ہے لیلی و مجنوں کا حسن و عشق
اسکا نہ کچھ پتا ہے نہ اسکا نشاں ہے اب

کیا کہہ رہا ہوں میں کہ یہ ہے اور وہ نہیں
توحید کے خلاف ہے جو کچھ بیاں ہے اب

ہم قوت جذب دل دکھائیں
اور پھر وہ ہمارے گھر نہ آئیں

آتے نہیں یاں اگر نہ آئیں
اے کاش مجھے وہاں بلائیں۔

کیا چیز کے سینہ دل دکھائیں
کچھ حال سنو تو ہم سنائیں

ہم سینہ سپر کئے کھڑے ہیں
وہ شوق سے خنجر آزمائیں

جو کام میں غیر کے ہوئیں صرف
افسوس وہ دلربا ادائیں ؎

اے بخت کہاں تلک برائی
اے چرخ کہاں تلک جفائیں

ق

کل میں نے کہا کہ بندہ پرور ؎
چہرے سے نقاب آپ اٹھائیں

کہتے ہیں ادا شناس باہم
اچھا ہو جو رخ تو کیوں چھپائیں۔

بولے روداد موسئے و طور
سن لی ہو تو دیکھنے کو آئیں ؎

بسم اللہ ہم اٹھائیں پردہ
پر ان سے کہو کہ تاب لائیں ؎

شاید کہ ہے گرم نالہ ثاقب
چلتی ہیں شررفشاں ہوائیں

خبر کس کو گرچہ گھائل ہوئے ہیں
محبت میں ہم جملہ تن دل ہوئے ہیں

نہیں عقل سے عشق خالی کہ اسمیں
بڑے تجربے ہمکو حاصل ہوئے ہیں

تمنا نہیں ہمکو پروانگی کی
وہ اک غیر کی شمع محفل ہوئے ہیں

غلط فہم ہیں عاشقان مجازی
کہ محو تماشائے محمل ہوئے ہیں

رہیں گے گرفتار صورت پرستی
اگر حسن معنے سے غافل ہوئے ہیں

بلبلیں نہوں قتل انصاف یہ ہے
کہ ہم خود بدآموز قاتل ہوئے ہیں

ہمیں ذوقِ صحرانوردی ہے ثاقب — نہ سمجھو کہ جو پائے منزل ہوئے ہیں

دل کا سودا ہے خفا ہونے کی کچھ بات نہیں — گفتگو رہتی ہے بائع کو خریدار کے ساتھ

دانہ پانی کی خبر لینے کی توفیق نہیں — کھیلنا جانتے ہیں مرغِ گرفتار کے ساتھ

چیر کے سینے کو دل دیکھتے ہیں قتل کے بعد — اک چھری تیز لگی رہتی ہے تلوار کے ساتھ

خواہشِ وصل میں ثاقب کی کوئی دیکھے سیر — کچھ دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اشعار کے ساتھ

رنجش سے گر کہا ہو تو ایماں نہو نصیب — کافر بتوں کو کہتے ہیں عشاق پیار سے

ڈرتے ہیں وہ جہاں نظر آتا ہے گردباد — سہمے ہوئے ہیں کیا مرے مشتِ غبار سے

فکرِ وصال و ہجر کا صدمہ اٹھائیے — اس چند روزہ زیست میں کیا کیا اٹھائیے

بے لطف زندگی سے تو مرنا ہی خوب ہے — کیا فائدہ کہ نازِ مسیحا اٹھائیے

آ ورنہ آ وہم بھی ہیں خوگر شکیب کے — جی چاہتا ہے ذوقِ تمنا اٹھائیے

رکھتے ہیں لوگ خلوتِ دشمن کا اتہام — بے پردگی میں پردہ ہے پردہ اٹھائیے

یہاں بھی مژہ کو حسرتِ طوفانِ نوح ہے — ہاں نیزہ سے اٹھائیے اچھا اٹھائیے

بیٹھے ہیں ہم تو اب دلِ بے آرزو لئے — وہ دن گئے کہ داغِ تمنا اٹھائیے

ثاقب وہ ضبطِ عشق کو سمجھے ہیں بے غمی — یہ رو دیئے کہ شورشِ دریا اٹھائیے

اے کہن سال فلک دشمنِ جانِ دہلی — کیا ترے ہاتھ لگا کھو کے نشانِ دہلی

حیف صد حیف کہ دی شاہجہانی تعمیر — وائے صد وائے مٹی شوکت و شانِ دہلی

چاندنی چوک دریبہ نہ قلعہ پھر کیونکر — دلی والوں کو ہو جنت پہ گمانِ دہلی

اہلِ دلی نہ کریں بخت کا شکوہ کیونکر — بخت خاں جی ہوئے جب باج ستانِ دہلی

چاندنی چوک بگڑ کر وہ بنا از سرِ نو — کہ کہیں گے ہم اسے بخت جوانِ دہلی

چوک کے باغ میں وہ رنگ ہے آرائش کا — کہ قسم کھا کے ہے فردوس بجانِ دہلی

اہلِ ایراں یہ غزل سن کے کہیں گے بیشک — بود ثاقب مگر از اہلِ زبانِ دہلی

اک بوند اشک ناک نہ اے چشم تر آئی
سینہ تو مرا چاک کیا اور ہوئے برہم
ہے بند در حجرہ مگر یار کے گھر کا
دم باقی ہے تدبیر کریں لانے کی اُسکے
چپ بیٹھے ہیں کچھ کرتے نہیں بات کسی سے

ہرگز نہ مری تجھ سے کچھ اُمید بر آئی
جب نوبت نظارہ در وجگر آئی
جز زلف کی بو تجھ میں نہ بادِ سحر آئی
احباب ابھی سے نہ کریں نوحہ سرائی
ثاقب سے کہ مرنے کی اُن کو خبر آئی

ثاقب

ثاقب - عالیجناب شیو پر وہان مہاراجہ جے گوپال سنگھ ثاقب رئیس سندیلہ مصاحبِ خاص حضرت سلطانعالم واجد علی شاہ و داروغہ سرکار صاحبعالم جنرل مرزا فریدوں قدر خلف ارشد شاہ اودھ - راجہ درگا پرشاد تعلقہ دار سندیلہ کے نزدیکی قرابت دار اور زبانِ فارسی سے بخوبی ماہر تھے - نظم و نثر دونوں میں مہارت تامہ حاصل تھی - حضرت سلطانعالم کی انپر خاص نظر عنایت تھی - آپ سندیلہ کے معزز کایستھ خاندان کے رکن تھے شاہانِ اودھ کی سرکار میں اِنکے بزرگ مراتبِ جلیلہ پر سرفراز تھے - چنانچہ یہ خود بھی بپاس حقوق خدمتگزاری بعد انتزاع سلطنت بادشاہ کے ہمراہ ہوئے اور برسوں وطن سے دور مٹیا برج میں قیام پذیر رہے اگرچہ آپ کو مشاہرہ قلیل ملتا تھا مگر صرف یہی ایک امر کہ آپ کو حضرت جمجاہ نے مہاراجگی کا خطاب عنایت کیا اس بات کا کامل ثبوت ہے کہ اِن کی کسقدر وقعت مرکوز خاطر اقدس تھی - ریختہ کم کہتے تھے جس زمانے میں داغ صاحب کلکتے گئے آپ بھی مشاعروں میں شریک رہے - چند شعر حاضر ہیں -

عشق میں جز بیخودی عاشق کو حاصل کیا ہوا
کاہش بیجا اُٹھاتے کھوکے نقد عقل و ہوش
حق تو یہ ہے دین و دنیا کی نہیں ہے واہ کچھ

پوچھتا ہے اُسنے رہ رہکے مرا دل کیا ہوا
عشقبازی کرکے ایدل اور حاصل کیا ہوا
اِن بتوں کے عشق میں دل اپنا مائل کیا ہوا

ثاقب

ثاقب - جناب مولوی نجم الدین صاحب سیوہاری مولف سیرۃ الشافعی و رسوم جاہلیت آپکے والد کا نام محمد بخش تھا جو سیوہارہ ضلع بجنور کے باشندہ تھے ۱۸۶۵ء آپ کا سال

ولادت ہے۔ عربی فارسی کی استعداد اچھی ہے مدرسہ دیوبند کے سند یافتہ ہیں۔ اب کئی برس سے مطبع رفاہ عام لاہور میں ملازم ہیں۔ فن سخن میں کبھی کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ موزونی طبع ہی مصلح ہو جاتی ہے۔ زبان کی تحقیق کا بھی شوق ہے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے

تو مہِ آسمان ہے گویا	تجھ سے روشن جہان ہے گویا
جس زمیں پر ہے نقش پا تیرا	وہ زمیں آسمان ہے گویا
یوں تو دنیا میں اور بھی ہیں حسیں	تو حسینوں کی جان ہے گویا
روٹھنا بات بات پر ہر دم	دلربائی کی شان ہے گویا
دل تم نے لے لیا بہت اچھا کیا مگر	دل سے لگے میری جان۔ دل آزار کیوں ہوئے

ثاقب

ثاقب ۔ منشی محمد نواز ثاقب ۔ آپ کو حضرت احسان شاہجہانپوری سے تلمذ رہا ہے۔ ۱۸۹۳ء میں رسالہ گلچین گورکھپور کے دفتر میں ملازم تھے۔ خوش گو ہیں اور راجہ صاحب محمود آباد کے سرکار میں ملازم ہیں۔ یہ چند شعر اُن کے طبعزاد ہیں۔

لذتِ دردِ محبت نہ طبیبو پوچھو	کیوں دوا کرتے ہو تم دردِ جگر ہونے دو
جہاں کے جسے اچھا ہی بشر اچھا	بُرا وہی ہے زمانہ جسے بُرا سمجھے ہو
عجیب سے سر و پا ہے کلام واعظ کا	نہ ابتدا کوئی سمجھے نہ انتہا سمجھے

ثاقب

ثاقب ۔ مولانا نجم الدین احمد ثاقب بدایونی المخاطب بہ پہلوان سخن ۔ آپ مولوی جمیل الدین احمد وکیل بدایونی کے صاحبزادہ ہیں ۱۲۸۵ھ ہجری میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی۔ عربی فارسی کی متعدد کتب اور فقہ ۔ تفسیر ۔ معقول منقول میں بھی آپ کی کافی استعداد ہے۔ سن شعور ہی سے شعر گوئی کا مذاق آپ کی طبیعت میں ہو گیا۔ ۱۸۸۹ء میں آپ گوالیار گئے۔ وہاں آپ کے ماموں مولوی غلام غوث وحید سررشتہ تعلیم میں ملازم تھے اور چونکہ آپ کو فن سخن سے ایک خاص رغبت تھی ان کے فیضانِ صحبت سے یہ بھی شعر کہنے لگے اور رفتہ رفتہ مشق کے ساتھ طبیعت کی امنگیں ترقی کرنے لگیں۔

آخر انہی کے اشارے سے دو ایک غزلیں حضرت داغ کی خدمت میں بھیجیں اور شاگرد ہوگئے۔ گوالیار میں کچھ عرصے قیام کے بعد اٹیہ میں جہاں آپ کے والد وکالت کرتے تھے چلے گئے وہاں سے تلاش معاش میں رامپور۔ دہلی۔ ریاست ہائے راجپوتانہ میں چکر لگا کر آخر کار بڑودہ پہنچے۔ اور میر احتشام علی خاں جاگیردار رئیس بڑودہ کے مصاحب ہوگئے۔ انہی کے کسی کام کے انجام دہی کے لئے ٹونک گئے اور وہاں پہنچکر حضرت ظہیر دہلوی کے فیض تلمذ سے بہرہ ور ہوکر زیادہ نام پایا حتیٰ کہ اب خود اُستاد مانے جاتے ہیں۔ راقم کی پہلے ۱۹۰۱ء میں بمقام دہلی ملاقات ہوئی پھر ۱۹۰۶ء ماہ جولائی اگست میں دوران قیام بمبئی اکثر ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہتے تھے۔ پستہ قامت۔ زندہ دل صد درجے خلیق پابند وضع اور ملنسار شخص ہیں۔ آپ کی طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی ہے اکثر اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اچھے مضامین کی تلاش الفاظ کا مناسب اور برمحل استعمال آپ کے کلام کا خاص جوہر ہے۔ زبان پر آپ کو حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ طبیعت میں روانی اور خیالات کی تازگی قابل تعریف ہے۔ نہایت زود گو اور خوش کلام شاعر ہیں۔ تذکرہ خمخانۂ جاوید کی جو تقریظ آپ نے ارقام فرمائی ہے وہ آپکی حیرت انگیز قدرت و مشاقی فن کا قابل قدر نمونہ ہے۔ کوئی خاص وقت فکر سخن کا معین نہیں ہر وقت طبیعت حاضر رہتی ہے۔ اُستاد ظہیر انہیں بہت چاہتے ہیں۔ اور ان پر ناز کرتے ہیں۔ بارہا ایک ایک دن میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو شعر کہنے کی نوبت آچکی ہے ایک دفعہ ٹونک میں کئی ماہ سے علیل اور صاحب فراش تھے آپکے کسی تیماردار نے چند شعر محسن کاکوروی کے قصیدہ نعتیہ کے پڑھے۔ اسی حالت میں آپ نے دو دن کے اندر تین سو شعر کا قصیدہ اُسی زمین میں کہہ ڈالا حضرت ظہیر نے بھی سُنا تو بحد متعجب ہوئے۔ اور سخت ممانعت کی۔ کیونکہ آپکی حالت واقعی خراب تھی۔ پہلوان سخن کا خطاب بھی انہیں کا دیا ہوا ہے جسکی وقعت اس لحاظ سے کہ اقلیم سخن کے سچے فرمانروا حضرت ظہیر کا عطیہ ہے۔ اور بھی گران قدر ہے

مولانا ثاقب اب پندرہ برس سے زیادہ تر بمبئی اور بڑودہ میں رہتے ہیں ۔ ٹونک ۔ احمد آباد ۔ بڑودہ بمبئی میں اکثر موزوں طبع آپ کے شاگرد ہیں جنھیں حضرت جادو ۔ ناصر قابل ذکر ہیں ۔ اب کلام ملاحظہ ہو ۔

میں وہ سالک ہوں کہ مسجودِ ملائک ٹھیرا
بن گیا نورِ ازل داغ جبیں سائی کا

مدام دست بکار اور دل بیار رہا
وہ مست ہوں کہ جو غفلت میں ہوشیار رہا

ملا نہ دل کے رہیگا وہ فتنۂ دوراں
ہُوا نہ ہوگے کسیکا یہ روزگار رہا

شہیدِ ناز کے دل کی رہی سہی حسرت
مٹاتے جاؤ یہ کیا دو قدم مزار رہا

تری وہ آنکھ کہ چوری نہ چھپ سکی اپنی
مرا یہ دل کہ خدائی کا رازدار رہا

تمام عمر رہی اسپہ آسماں کی نظر
جو دو گھڑی بھی کوئی آپ سے دوچار رہا

جان و دل پہلو بہ پہلو اُن کا پیکاں لیچلا
میزباں کے گھر کی رونق ایک مہماں لیچلا

دل کو فقروں میں نگاہِ ناز کے آنا نہ تھا
چلتے چلتے سر پہ کن اچھوں کا احساں لیچلا

میں چراغ صبح تھا ظالم کہ تیری بزم سے
چشم گریاں سینہ بریاں دم پریشاں لیچلا

پھر خبر لینا کنکھیوں سے ذرا اے مستِ ناز
پھر چرا کر زخم دل سے کوئی پیکاں لیچلا

غنچہ غنچہ سے ملانے کے لیئے وحشی ترا
چاک دل چاکِ جگر چاکِ گریباں لیچلا

غلط الزام ہے جرم شکایت ہائے دشمن کا
کہ فرطِ لاغری سے ہے خموشی نام شیون کا

تصور رخنہ پیدا سازِ خلوت گاہِ دشمن ہے
کہ چشم دور میں ہے تماشا چشم روزن کا

رفتہ رفتہ گوشۂ دامن بنا دامانِ چشم
خواب مرگِ طفلِ اشک آخر یقینی ہوگیا

وہ سینہ طور بنے گا وہ چشم شوق کلیم
کہ جسکے سامنے تو بے نقاب آئے گا

یہ کہہ رہی ہے تری چشم شوخ کی گردش
کہ اب کوئی نہ کوئی انقلاب آئے گا

غربت پسند وہ ہوں کہ مضطر وطن میں تھا
آوارہ شکلِ بوئے گلِ تر وطن میں تھا

قسمت پھری نہ گردش پا کے جنوں کیساتھ
گویا سفر میں ہم تھے مقدر وطن میں تھا

سخت جاں ہو کے آبرو کھوئی
آب خنجر میں ڈوب مرنا تھا تو

دور سے آئے تھے جنابِ کلیم
بے خودی کچھ تو پاس کرنا تھا تو

شانِ رحمت حساب سے پہلے
تجھکو عصیاں سے درگذرنا تھا تو

امیں ہیں دستبردِ خزاں سے سخن کے پھول
مہماں ہیں کوئی دن کے چمن میں چمن کے پھول

محوِ بہارِ حسنِ دل آرا ہوں اسقدر
ہر خارِ دشت سامنے آتا ہے بن کے پھول

اے شبِ ہجر جا نہیں ہوتی عمر دراز
رہ نہ جائے کوئی دُکھ درد کا پہلو دل میں

رکھیو آہستہ قدم اے فتنۂ پرشورِ حشر
سو رہے ہیں کشتۂ نازِ بتاں زیرِ زمیں

جانفزا کس درجہ ہے سیرِ عدم آباد بھی
جا رہا ہے جان دے دے کر جہانِ زیرِ زمیں

نگاہیں اُنکا بیعانہ ادائیں جان کا ہدیہ
جو کچھ بیچتے ہیں وہ قیمت چکا کر مول لیتے ہیں

ٹھکانا ایسی خست کا کہ تکیے میں فقیروں کے
زمیں دو گز بھی مر مر کر تونگر مول لیتے ہیں

بنا رندوں کو بہکا نیکی واعظ آج ڈالیں گے
کہ خشتِ خم پہ تعمیر ممبر مول لیتے ہیں

کوئی گاہک سے ملے تو بیچتے ہیں جوہر ذاتی
کوئی بیچے تو ہم اے دل مقدر مول لیتے ہیں

غلط ہے مفت کی پیتے ہیں کسدن حضرت واعظ
مگر ہاں عید کے وعدہ پر اکثر مول لیتے ہیں

تری تصویر کا اُترا ہوا آئینہ ہے شاید
جسے ہم جانکر بختِ سکندر مول لیتے ہیں

متاعِ جانِ عاشق کی ہے قیمت اسقدر ہلکی
نگاہوں کے اشاروں میں ستمگر مول لیتے ہیں

ہمارے دام تو کھوٹے نہیں آ کاسہ گر پھر کیوں
وہی پھوٹا نکلتا ہے جو ساغر مول لیتے ہیں

عزیزوں سے زیادہ سنگدل ہے کون دنیا میں
کہ ہم تو جان دیتے ہیں وہ پتھر مول لیتے ہیں

ہوا ہے کس کا پردہ فاش یارب آج غربت میں
کہ تارِ دامنِ یوسف رفوگر مول لیتے ہیں

ایسی باتیں میرے ساقی کی ہیں چکنی چپڑی
شیخ و واعظ کے بھی ایمان پھسل جاتے ہیں

بھولی باتو نہیں ہے اِن شعلہ رخوں کی وہ اثر
دل تو کیا چیز ہے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں

توبہ توبہ ہے نہ ستونکی نہ پیماں پیماں
بدلیاں دیکھ کے سب عہد بدل جاتے ہیں

مجھ سے جہاں میں کوئی خطا رہ گئی نہ ہو
اے رحمتِ خدا مرے حق میں کمی نہ ہو

بیٹھکر سینے میں اور پردہ نشیں یہ چھیڑ چھاڑ
دل کا چاہا کیوں ہوا آنکھوں کا چاہا کیوں نہو

آپ میں جب میں نہیں تو مجھ سے پردہ کیا ضرور
تم بھری محفل میں اپنے آپ رسوا کیوں نہو

دل لیا تھا مجھ سے کن شرطوں پہ اے بندہ نواز
اب خدا لگتی کہو آخر تقاضا کیوں نہو

اور ہی عالم نظر آیا جہاں جھپکی پلک
عاقبت بیں آنکھ میں دنیا تماشا کیوں نہو

چار دن جینے کی خاطر کون لے احسانِ غیر
توبہ توبہ وہ لبِ جاں بخشِ عیسیٰ کیوں نہو

نام لیوا تو ظہیر و داغ کا ثاقب بھی ہے
وہ بُرا ہو یا بھلا ہو چاہیے جیسا کیوں نہو

مکافاتِ شکایتہائے بختِ نارسا تم ہو
دلِ نادیدہ شکلِ مدعا کے مدعا تم ہو

ہجومِ ناامیدی نے وہ ڈالی پردۂ غفلت
سمجھتا ہوں اُسے بھی خواب۔ گر جلوہ نما تم ہو

ہوں تری خوئے تلون کہ کسی کل نہیں چین
جان دوں پھر بھی ہے مرنا بھی ہے مشکل مجھکو

شکوۂ ہجر نہ تھا تذکرۂ وصلِ عدو
گالیاں دینے لگے کیوں سرِ محفل مجھکو

سخت جاں میں نہیں تم خنجرِ بے آب نہیں
منہ عبث موڑ لیا دیکھ کے بسمل مجھکو

میں غیر ہوں غیر کو نہ چاہو
جو عہد کیا ہے وہ نبا ہو

تم دل میں ہو دل مری بغل میں
کس طرح کہوں کہ بیوفا ہو

جب جان کہا تو ہنس کے بولے
ہاں صاف نہ کہدو بیوفا ہو

کہتے ہیں تمہاری جان میں ہوں
کیوں جان سے اسقدر خفا ہو

ثاقب یہی حسنِ شاعری ہے
مضمون زبان میں ادا ہو

شبِ غم کیا کہوں یادِ خرامِ ناز کیا لائی
مری تقدیر کے سوتے ہوئے فتنے جگا لائی

کھلے گی ان کے فتنوں کی دکاں بازارِ محشر میں
خدا ہے گر کہیں سے کچھ رقم ملجائے بالائی

یونہی کیا کم تھی میری آہِ سوزاں جی جلانے کو
وہاں جا کر لگی میں اور یہ ظالم لگا لائی

صبا کچھ خاک میری بھی پڑی تھی کوئے قاتل میں
ادھر لا ہاتھ مٹھی کھول دیکھوں کیا اڑا لائی

قیامت پر یقیں ہے کچھ اجل سے کچھ بھروسا تھا
وہ خود پردے میں کب بیٹھے وہ خود پردے سے کب نکلے
جسکے دل میں ایک تیری یاد ہے
قید سے ظالم بھی کب آزاد ہے
خود مسیحا بر سرِ بیداد ہے
صلح کل ایسی کسی کی یاد ہے
اپنے منہ سے آپ کہدیں نامراد
ناکہ آپ ہیں ستم ایجادیوں میں فرد
جھونکوں میں آہِ سرد کے دم ہوگیا فنا
خود نمائی بھی قیامت ہے خود آرائی بھی
وصل میں چھیڑ دیا قصۂ دشمن ہم نے
مذہب عشق میں کہتے ہیں جسے مجبوری
تیری آنکھوں میں وہ مستی ہے کہ ملتے ہی نظر
وہ نیچی نیچی نگاہوں میں کیا نہیں کرتے
بُرائی پر تو زمانے کو کرلیا اپنا
طریق عشق سے واقف نہ تھا مگر منصور
عدو کے دل میں کہاں ہیں تمھارے تیر ادا
امید رحمت و شرم گناہ و خوف خدا
ہم اور کچھ نہیں کرتے قصور کرتے ہیں
یہ حال اپنا ہوا غیر ہجر میں ثاقب
بوالہوس کی رسم الفت اور ہے

وہ آئیگی تو کیا لائے گی یہ آئی تو کیا لائی
نظر تک شوخیاں لائیں مرے دل تک صبا لائی
دونوں عالم سے وہی آزاد ہے
دامِ فکرِ صید میں صیاد ہے
اے اجل فریاد ہے فریاد ہے
دوست دشمن سب کا دل آباد ہے
یہ مرادِ عاشقِ ناشاد ہے
اچھا جو کوئی چال نئی آسماں چلے
دوشِ نسیم صبح پہ ہم ناتواں چلے
تم بھی حیرت میں ہو سکتے ہیں تماشائی بھی
اب جماہی بھی اُنھیں آئیگی انگڑائی بھی
دوسرا نام اُسی کا ہے شکیبائی بھی
بن گئی ساغرِ مے چشمِ تمنائی بھی
حیا کے پتلے ہیں لیکن حیا نہیں کرتے
بھلے کو آپ کسیکا بھلا نہیں کرتے
سمجھنے والے تو منہ سے کہا نہیں کرتے
خطا معاف یہ ناوک خطا نہیں کرتے
جو رند کرتے ہیں وہ پارسا نہیں کرتے
رقیب کرتے ہیں کیا کچھ خطا نہیں کرتے
کہ غیر مرنے کی میرے دعا نہیں کرتے
بندہ پرور میری حسرت اور ہے

جگ ہنسائی کی محبت اور ہے　　عاشقی حضرت سلامت اور ہے
مِٹ چکے سب فتنے تیری راہ میں　　اک تھکی ماندی قیامت اور ہے

ثاقب ۔ مرزا ذاکر حسین صاحب قزلباش لکھنوی۔ دورِ موجودہ کے ایک طبیعتدار خوش فکر شاعر ہیں۔ باوجود تلاشِ مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔ معائنہ کلام سے پایا جاتا ہے کہ فکر رسا ہے۔ زبان صاف ستھری اور بندش چست ہے۔ ہر شعر میں بات پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے

ثاقب

گل و بلبل کی تباہی پہ خدا رحم کرے　　دو گھڑی مل کے نہ بیٹھے تھے کہ صیاد آیا
درازی دامنِ محشر کی بھی معلوم ہو جاتی　　اگر کچھ اور بڑھتا حوصلہ چاکِ گریباں کا
محبت کا سبق پڑھکر ہوئی دیوانگی حاصل　　کتابِ عشق تھی تھا حاشیہ چاکِ گریباں کا
الفت کی آگ جب سے ہوئی ہمکنارِ دل　　ہنستے ہیں برقِ طور پہ کیا کیا شرارِ دل
کیوں روئے بیخودی پہ برسنے لگا ہے نور　　کس کی تجلیاں ہوئیں آئینہ دارِ دل
کرتا ہے ضبطِ آہ کو رخصت جگر کا درد　　آخر ہے آج صحبتِ صبر و قرارِ دل
مرنا ترے فراق میں سہل اے صنم نہیں　　یہ مشکل انتظار ہے آنکھوں میں دم نہیں
اس یاوری بخت کے قربان اے کریم　　وہ میری نبض دیکھتے ہیں مجھ میں دم نہیں
کہاں کہاں سے ترا عشق رنگ لائے ہوئے　　شفق کے خون میں ہے شامِ غم نہائے ہوئے
ہوائے عشق تھی یا صرصرِ فنا یارب　　چراغ کسنے بجھائے ترے جلائے ہوئے
جگر کے زخم کا اور داغِ دل کا حال نہ پوچھ　　یہی ہیں عشق و محبت کے گل کھلائے ہوئے
سینہ میں اب سمٹے ہوئے دلکا پتہ کہاں　　اک داغ ہے کہ نقشِ تمنا کہیں جسے
کیا ہست و بود قطرہ و موج و حبابِ بحر　　مجموعۂ خیال ہے دریا کہیں جسے
سینے میں نیشِ غم کے مزے لے رہا ہے دل　　رگ رگ میں وہ خلش ہے کہ کانٹا کہیں جسے
اب علاجِ زخمِ دامندار رہنے دیجئے　　تیر کو سینے میں تا سوفار رہنے دیجئے
وصل کی دیکر زباں اتنی پشیمانی ہے کیوں　　اب تو جو کچھ ہو چکا اقرار رہنے دیجئے

ایک زباں ہیں سب علاجِ دردِ دل کے باب میں
وحدت و کثرت کا میں قائل نہیں اے اہلِ بیں
یادگارِ عشق ہے یہ صحبتِ تیغ و جگر
رو دیے جب تک نہ لوٹے ثاقبِ دردِ دل

جو یہ کہتا ہے اسے بیمار رہنے دیجئے
بندۂ عشقِ بتِ پندار رہنے دیجئے
اور دم بھر حلق پر تلوار رہنے دیجئے
آنکھ کو جب تک رہے خونبار رہنے دیجئے

ثاقب

ثاقب - مولانا مولوی محمد نواب خاں - نواب احمد علی خانصاحب رئیس مالیرکوٹلہ والئے حال کو زمانۂ نابالغی میں آپ فارسی اُردو پڑھایا کرتے تھے - اب بھی اُسی ریاست کے دُعاگو ہیں - گاہ گاہ اپنے آقا کی فرمایش سے فکرِ سخن بھی کر لیتے ہیں - مالیرکوٹلہ کے مشاعروں میں چند غزلیں پڑھی تھیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے -

رباعی

عاشق تو ہیں لیکن نہیں ہرجائی ہم
سُنتے ہیں بگوشِ دل فغانِ بلبل

ہیں جنسِ غم و درد کے سودائی ہم
ہیں درد بھرے دل کے شیدائی ہم

کسیکو جان بھی دیدیجئے یہ خواہشِ دل ہے
اشاروں سے ہوئے طالب جب وہ دل کہا میں نے
ابھی بیٹھا ہی تھا محفل میں میں آکر بول اُٹھے
بھلا مرہم سے کیا اے چارہ گر ہو زخمِ دل اچھا
بندھا ہے تارِ گیسو میں - پھنسا ہے پیچ کاکل میں

ہم آمادہ ہیں مرنے پر اجل کہتی ہے مشکل ہے
ابھی سے لیجئے لے دیکے اپنے پاس اک دل ہے
اُٹھا دو اس کو بارِ خاطرِ اربابِ محفل ہے
یہ دل اپنا نگاہِ یار کے پیکاں سے بسمل ہے
بلائیں دل کی گردیدہ بلاؤں پر یہ مائل ہے

ثاقب

ثاقب - شیخ غلام محمد شہاب الدین نام خلف شیخ حافظ سلام الدین نا درنبیرہ نواب حاجی محمد خاں مرحوم مدار المہام مارواڑ آپ کا خاندان اجمیر میں معزز و موقر مانا جاتا ہے - ابھی عنفوانِ شباب ہے اور تحصیل علم میں مشغول ہیں حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کے رشید شاگرد نواب حمید اللہ خاں مطلب مرحوم آپکے حقیقی ماموں تھے - شعر و سخن سے ذوق ہے - مگر غزل گوئی کی طرف اسقدر رجحان نہیں جس قدر اخلاقی نظموں سے دلچسپی ہے - ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام خود ارسال کیا ان میں سے چھ شعر حاضر

سے گئے جاتے ہیں۔

میکدہ میں دیکھ کر شغل حریفانہ مرا	خم سے کچھ سرگوشیاں کرتا تھا پیمانہ مرا
شیشے میں خیالی صورتیں ہیں جلوہ گر	روکش بزم سلیماں ہے پری خانہ مرا
روکتا دربان مگر شب کو بحسن اتفاق	بھیس از رہِ تفنن تھا فقیرانہ مرا
دل نے الفت میں نہ کی اپنی خرابی پر نظر	حسرت تعمیر سے ہے پاک کاشانہ مرا
سب کو نخل وادیٔ ایمن کا دیتا ہے نشان	پتّا پتّا ڈالی ڈالی ہر شجر احمیر کا
نہیں ہے دعویٰ الفت مگر میں کہتا ہوں	زباں پہ نام ترا بار بار آتا ہے

ثاقب

ثاقب ۔ مولانا سید محمود حسن دہلوی خلف سید محمد یحییٰ خاں خلف نواب سید محمود خاں ۔آپ سادات کرام اور شرفائے دہلی میں سے ہیں۔ آپ کے حقیقی چچا سید محمد ذکریا خاں صاحب ذکی غالب مرحوم کے رشید شاگرد اور صوبہ شمال مغرب میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تھے۔ آپ کے بزرگوں کا وطن نیشاپور ہے ۔ وہاں سے شاہجہاں کے وقت میں کشمیر آئے اور کچھ عرصے بعد دہلی آکر دربار میں خدمات شائستہ پر مقرر ہوئے۔ آپ کے نانا میر سید علی سادات عرب سرائے دہلی میں موقر و ممتاز بزرگ تھے ۔ سید محمود حسن صاحب دہلی میں پیدا ہوئے ۱۸۸۵ء تک ۶ برس اپنے چچا کے زیر سایہ الہ آباد میں تعلیم پائی ۔جب ان کی تبدیلی کے باعث دہلی واپس آئے تو اگرچہ عمر ۱۷ برس سے زائد نہ تھی مگر ذہن میں لیاقت اور معلومات کا اچھا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ یہاں ایک ایک سال عربی سکول میں تعلیم پانے کے بعد انگریزی تعلیم سے بددلی پیدا ہوگئی اور سیاحت کا شوق دامنگیر ہوا راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں دو تین سال پھرتے رہے اور ۱۹۰۵ء میں کوٹہ کی ریاست میں ملازمت اختیار کر لی۔ چند ہی روز بعد قانونی دستگاہ بہم پہونچا کر منظوری ریاست وہاں وکالت شروع کر دی ۔چونکہ زبان میں طلاقت اور ذہن میں رسائی اور جودت خوب نمایاں تھی وکالت میں اچھی کامیابی حاصل کی ۔معاش کی طرف سے اطمینان ہوجانے پر شاعری کی طرف توجہ کی ابتدا میں مولوی سید افضل حسین صاحب ثابت لکھنوی سے اصلاح سخن لیتے رہے پھر بذریعہ مکاتبت اپنے چچا جناب ذکی سے مشورہ کرتے رہے اور

اُن کی وفات تک یہ مشغلہ دو برسوں پر رہا۔ کچھ کلام نقل تذکرہ کے ہنگام میں ارسال کیا اُسکا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ زبان صاف شستہ اور اُسمیں جابجا استعارات و ندرتِ بندش و اسلوب بیان سے تکلفات پیدا کرتے ہیں۔ شعر میں بات پیدا کرتے ہیں۔ اخلاقی مضامین لکھنے کا بھی شوق ہے۔ آدمی لئیق اور شریف اور باوضع ہیں۔ فن سخن سے اچھی دل بستگی ہے۔ اکثر احبابِ صحبت میں یہی چرچا رہتا ہے اب کلام ملاحظہ ہو۔

میں قیدی ہوں ازل سے عشق و نازِ حسنِ خوباں کا
نگار رہتا ہے پہرہ یاس و درد و رنج و ارماں کا
مجھے شیدا سمجھتے ہیں وہ اپنے روئے تاباں کا
تماشا دیکھتا ہوں خود میں اپنی چشمِ حیراں کا

ادہر بھی ہو نگاہِ لطف ساقی ہو
دلِ ناشاد کو بھی شاد کرنا ہو
کہیں اہلِ وفا کا ذکر تو ہو ہو
میں دیکھوں نگانہ مجھکو یاد کرنا
ہمیں کیا خبر تھی کہ کیا کیجیے گا ہو
وفا کیجئے گا جفا کیجئے گا
دمِ قتل یہ تو ذرا کیجئے گا ہو
نکل جائے دم وہ ادا کیجئے گا
وفا اُٹھ گئی اب زمانہ سے ثاقب
جو دل دیجئے گا خطا کیجئے گا

ثاقب بس اب تو گوشۂ عزلت میں بیٹھ رہ
مطلب کا اس زمانہ میں یار انہ رہگیا
بقا میری اُسے منظور کب تھی قتل کیوں کرتا
لکھی تھی میری عمر جاوداں شمشیر قاتل پر
کام بن بنکے بگڑ جاتے ہیں یوں سب اپنے
بحر تدبیر میں گویا یہ حباب آتے ہیں
عالمِ زیست میں ملتی ہی نہیں غم سے نجات
کیا عدم سے ہم اُٹھانے کو عذاب آتے ہیں
کب نہیں آتے ہیں وہ جذبۂ دل سے کھنچکر
جب تڑپتا ہے دلِ خانہ خراب آتے ہیں
خوف کرتے ہیں کسیکا نہ حضر کرتے ہیں
اہلِ دل عشق میں مردانہ بسر کرتے ہیں
تھے کبھی گلشنِ ہستی کے یہی گل لالہ ہو
جنکو پنہاں تہِ خاک آج بشر کرتے ہیں
طعنۂ غیر نہیں ہیں کہ جنہیں سن نہ سکو
ہم فقط تذکرۂ دردِ جگر کرتے ہیں
دل میں ہے آئینہ رویوں کا تصور ہر دم
عمر ہم عالمِ حیرت میں بسر کرتے ہیں

آہ و زاری کیا کروں میں داد خواہی کیا کروں
کون سنتا ہے بیان اپنی تباہی کیا کروں

کس بنا پر میں کروں شکوہ الٰہی کیا کروں
دل ہی میرا کچھ نہیں دیتا گواہی کیا کروں

جب فقیری میں ہی قابو سے نکل جاتا ہو دل
میری شامت آئی ہے میں لیکے شاہی کیا کروں

دل کو بستہ وفا پر وہ جفا پر مستعد
جان پر ہے سخت آفت یا الٰہی کیا کروں

بے سر و ساماں ہوں ثاقب اور مجکو ایک دن
جانبِ ملکِ عدم ہونا ہے راہی کیا کروں

نیم جاں کر کے تم عاشق کو کدھر جاتے ہو
رقصِ بسمل کا ذرا ٹھیرو تماشا دیکھو

بزم اعدا میں بھی جانباز نظر آئیں گے
تم اٹھا کر تو نقابِ رُخِ زیبا دیکھو

کیا غضب تم نے کیا حضرتِ دل چھیڑ دیا
بے طرح بکھری ہے وہ زلفِ چلیپا دیکھو

شکر کے بعد شکایت ہے زباں پر ثاقب
یہ طریقہ نہیں تسلیم و رضا کا دیکھو

ہوا انجم و مہر و مہِ انور سے زیادہ
دو چار ہے کیا تم تو ہو۔ اکثر سے زیادہ

حسرت مری نکلی مگر ایسی کہ نہ نکلی
وہ آئے بھی تو ٹھیرے نہ دم بھر سے زیادہ

زنجیرِ زلف سے جو رہا ہیں وہ اور ہیں
عاشق کہیں نکلتے ہیں اس پیچ و تاب سے

اللہ رے جذبۂ کششِ عشق و شوقِ حسن
منصور ایک بات میں نکلا حجاب سے

گر سوزِ دل نہو تو مزا کیا ہے عشق کا
لذت پھلوں میں ہے طپشِ آفتاب سے

رکھا ہے کیا تاسف و افسوس کے سوا
دُنیا بھی کم نہیں ہے وجودِ سراب سے

کونسا دل ہے نہ جس میں تری الفت ہو گی
کونسا گل ہے نہ جس میں تری نکہت ہو گی

چار ہوتے ہی گئے نذر دل و جاں ہم نے
شاید اُس شوخ کی آنکھوں میں کرامت ہو گی

حاصلِ جور و جفا لطفِ بقائے ابدی
تیرے شیدا کو نہ کیوں مرنے کی حسرت ہو گی

ذاتِ مطلق کے فدائی سے سروکار ہی کیا
ہو گی سبھکے لئے اے یار قیامت ہو گی

رات دن فکرِ حسینانِ جہاں رہتی ہے
تمکو ثاقب کبھی ان جھگڑوں سے فرصت ہو گی

واقعی قہرِ خدا عشقِ بتاں ہوتا ہے
دردِ دل دشمنِ دیں۔ آفتِ جاں ہوتا ہے

واے وارفتگیِ دل کہ تصوّر میں بھی | وہ یہاں ہوتے ہیں۔ لیکن یہ وہاں ہوتا ہے
چشم گریاں دلِ بریاں متحیّر بیخود | اہل باطن کا یہ تغیر یہ نشاں ہوتا ہے

چشم حیرت چاہئے ذوقِ تماشا چاہئے | اُسکا شیدا ہر نفس محوِ تجلے چاہئے
سر میں سودا چاہئے۔ دل میں تمنا چاہئے | عشق کو کچھ آسرا۔ کوئی سہارا چاہئے
درد و رنج و یاس و ہجر و داغ و سودا چاہئے | ایک الفت کے لئے سامان کیا کیا چاہئے
کشتۂ نازِ تغافل ہوں جنازے کو مرے | آرزوؤں کا کفن حسرت کا کاندھا چاہئے
چشم عالم ہے طلسمِ نقشِ حیرت لاکلام | ہر دم اس میں پیکرِ آئینہ سیما چاہئے
ہم بھی ہیں قدرت سے تیرے لطف کے اُمیدوار | ساقیِ فیاض اودھر بھی جامِ صہبا چاہئے
اللہ اللہ سازگاری سوزِ حسن و عشق کی | ورنہ پروانہ کو کیوں اُلٹی تمنا چاہئے
امتحانِ عاشق و اغیار کیا دشوار ہے | پردہ سے باہر ذرا وہ روے زیبا چاہئے
اُن کی شرمِ بےمحل نے کر دیا خونِ سوال | کاش اتنا ہی وہ ظالم پوچھتا کیا چاہئے
کب تلک آخر یہ جوانی ثاقبِ عشرت گزیں | اب تو اے مردِ خدا کچھ فکرِ عقبیٰ چاہئے

ثروت۔ نواب بخش اللہ خاں مرحوم خلف الرشید وزیر صاحب تدبیر نواب عماد الملک غازی الدین خاں وزیر احمد شاہ عالمگیر ثانی۔ خوش جوان قابل۔ صاحب اخلاق و مروت اور رسائی ذہن اور عالی ہمتی کے باعث اقرانِ و اماثل میں ممتاز تھے کبھی کبھی باقتضاے موزونی طبع زبان اُردو میں شعر بھی کہا کرتے تھے قدرت اللہ شوق کا بیان ہے کہ صاحب دیوان تھے جو کچھ کلام نظر سے گذرا اس میں سے تبرکاً چند شعر یہاں انتخاب کرکے لکھے جاتے ہیں۔

ادا و ناز شوخی میں ہے وہ آتش کا پرکالا | نگہ برقِ درخشاں اور رو آتش کا پرکالہ
ترا چلنا ٹھہرنا دیکھنا مڑ مڑ کے اے ظالم | جسے دیکھو سو ہے سب مُو بمُو آتش کا پرکالہ
ہوا اس شمع رو سے ہر گھڑی ثروت تو ہم محفل | غضب ہے وہ ستمگر شعلہ خو آتش کا پرکالہ

صنم کی بزم میں جو مے کا جام چلتا ہے | تو یہاں بھی خونِ جگر پی کے کام چلتا ہے

ثروت

ثروت - جناب نواب احمد علیخاں صاحب عرف پتن صاحب رئیس لکھنو توپ دروازہ شاگرد جناب نواب بندہ علی خاں زیبا مرحوم لکھنوی موزوں طبع سخن اور لکھنو کے ایک قدیم معزز خاندان کے رکن ہیں انجمن معیار میں یہ بھی شریک ہیں۔ مذاق سلیم اور طبیعت شگفتہ پائی ہے۔ حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئے۔ مجبوراً اندراج انتخاب کلام پر اکتفا کی گئی۔

سوزِ پنہاں سے مرے سینے میں دل کیا جل گیا
خانۂ حسرت پھنکا قصرِ تمنا جل گیا

تیری کاکل یاد آئی پڑ گیا اک دل میں داغ
رات ہوتے ہی چراغ اے ماہ سیما جل گیا

کس جنوں دوست کا دم اے شبِ ہجراں نکلا
شب کے پردے سے جو دن چاک گریباں نکلا

وجہ تسکیں کی ترے تیر کا پیکاں نکلا
ہم جسے درد سمجھتے تھے وہ درماں نکلا

سننے والے رو رہے تھے دل ہر اک غمخانہ تھا
اک مرقع رنج و ماتم کا مرا افسانہ تھا

کہونگا روزِ محشر کس لئے قاتل سے پرسش ہو
جفا دل کو پسند آئی جفا کو دل پسند آیا

کچھ ایسے اسکے سامنے جاتے رہے حواس
جو خاص مدعا تھا وہی دل میں رہ گیا

آنے دیا نہ لب پہ ترے رعبِ حسن نے
جو کچھ سوال تھا دلِ سائل میں رہ گیا

لیلی وہ خاکِ دشت تھی ہے یہ غبارِ قیس
جو کچھ لپٹ کے پردۂ محمل میں رہ گیا

دردِ اظہار بھی کہنے سے ہوئی کچھ نہ کمی
آہ کرنا شبِ غم وجہِ تسلی نہ ہوا

زندہ کرتا تو کسی اور ادا پر مرتا
فکر کیا گر لبِ قاتل لبِ عیسیٰ نہ ہوا

لاکھ چاہا نہ کیا اس نے مرض کا درماں
اور مری جان بھی دینے پہ وہ راضی نہ ہوا

سینہ کو خانۂ ماتم تھا ازل سے بننا
تھا مرے دل کو تمناؤں کا گھر ہو جانا

فاتحہ پڑھتے نہیں گر قبر کو ٹھکرا ہی دو
پاس کچھ تو چاہئے وارفتۂ رفتار کا

غم ہو عریانی کا کیا قاتل شہیدوں کو ترے
ہے بہت بھر کفن دامن تری تلوار کا

بیٹھ جاتا ہوں پسِ دیوارِ قصر اے یار اگر
ضد سے ہٹ جاتا ہے سایہ بھی تری دیوار کا

سامنے قاتل کے کیا جائے کوئی مشتاقِ دید
تشنۂ خوں ہے وہ اپنے تشنۂ دیدار کا

وعدہ بے درد کو آنے کا اگر یاد آیا
درد بن کر مرے دل میں ستم ایجاد آیا

آنکھیں خود بند ہوئیں سو گئے غافل ہو کر
اس قدر چین تہِ خنجرِ جلاد آیا

گلو ہے غیرتِ خورشید میرے ماہ تاباں کا
سحر ہو شب کو کھل جائے اگر تکمہ گریباں کا

دلِ پر خون کی جانب ہے اشارہ چشمِ جاناں کا
قبائے سرخ میں یہ خوب ہے تکمہ گریباں کا

جنوں میں چاک ہونا تو گریباں کا کہاں ممکن
نہ ٹوٹا ناتوانی سے کبھی تکمہ گریباں کا

لئے جاتا ہے مجھ دیوانہ کا تو خط جو اے قاصد
گریباں پھاڑ دے یا کھول دے تکمہ گریباں کا

گریباں کھلتے ہی رازِ جنوں سب ہو گئے افشا
کلیدِ قفلِ وحشت تھا مگر تکمہ گریباں کا

یہ شوقِ ذبح ہے اللہ اکبر دیکھیو قاتل
کہ بیٹھا ہوں میں خود کھولے ہوئے تکمہ گریباں کا

جس طرح قبر میں جی چاہے لٹا دیں احباب
رخ رہے گا طرفِ کوچۂ دلبر اپنا

ہو برا بے خودیٔ الفت کا کہ
دل کا جو راز تھا زباں پر تھا

نالہ کش تھا درِ جاناں پہ ہوا دل خاموش
لو جرس ہو گیا جا کر سرِ منزل خاموش

سب کو پروانہ بنایا ہے بنے ہیں خود شمع
کیا تماشا ہے کہ محفل کی ہے محفل خاموش

حال ایذائے جراحت ہے تڑپنے سے عیاں
گو مثالِ دہنِ زخم ہے بسمل خاموش

پوچھنے بیٹھے ہیں تصویر وسے حالِ عاشقاں
آج ضد ہے مجھ سے باتیں پیکرِ بے جاں کریں

آئینہ ہے ہاتھ میں حالت تغیر کی یہ ہے
جو نظر میں تھی ابھی دیکھا تو وہ صورت نہیں

زخم وہ رکھتے ہیں گل ہو گا نہ گلزاروں میں
سیر کو آؤ کسی روز دلِ افگاروں میں

بسے اسی چرخ و زمیں میں دلِ پر داغ اپنا
ڈھونڈوں ذروں میں الٰہی کہ اسے تاروں میں

اس آئینہ میں ہم کو عکس ہی بنکر نظر آ جا
کہ رکھ کر سامنے دل طالبِ دیدار بیٹھے ہیں

ابھی دل سامنے ان کے نہ لیجانا کہیں ثروت
ابھی الجھی سی ہے زلف آئینہ سے بیزار بیٹھے ہیں

سہتا ہوں جورِ کشورِ الفت میں بس نہیں
عہد ان کا ہے کہ جن میں کوئی دادرس نہیں

ٹکرا کے سر کو مر گئے یا توڑیں تیلیاں
صیاد یا ہم آج نہیں یا قفس نہیں

خنجر تو میرے حال پہ روتا ہے اشکِ خوں
اللہ رے سنگ دل تجھے آتا ترس نہیں

لازم ہے اس طرح مجھے صیاد قید رکھ
سمجھوں میں آشیانہ ہے میرا قفس نہیں

نگاہوں کا وفاداروں کی وقتِ واپسیں عالم
ٹھہر کر تم مری بالیں پہ دم بھر دیکھتے جاؤ

جو کچھ ہے دعوئ سنگیں دلی پہاڑوں میں
جگر کا زخم اگر تم ہو ستمگر دیکھتے جاؤ

کیونکر محبت انکی مرے دلکو بار ہو
کس طرح گل کو رنگ بھلا ناگوار ہو

عرض اپنا حال آہ میں نالے میں کر چکا
اب کس طرح کہوں جو تمہیں اعتبار ہو

گونگی ہو کیوں زباں مری ایسی دعا کرو
نا آشنائے حرفِ شکایت ہی کیوں نہو

ستم وہ کونسا ہے یاد جو تجکو نہیں ظالم
جہاں ہو تو کہیں پھر اس زمیں پر آسماں کیوں ہو

دکھیں گے دستِ نازک گر برے بانکے ستمگر کے
ندامت ہوگی لے شوقِ شہادت پھر مجھے مر کے

ہوئے پژمردہ یہ کس نے نگاہِ گرم سے دیکھا
ابھی تو پھول تازہ تھے مری تربت کی چادر کے

کسی صورت سے میری مشکل آساں ہو نہیں سکتی
کہ میں ہوں سخت جاں اور ہاتھ نازک ہیں ستمگر کے

یہ کس پر غیظ آیا تھا جو سرخ آنکھوں کے ڈورے ہیں
نگہ کی تیغ سے آئے ہو کس کے دل کا خوں کر کے

نگاہِ شوق تو بیتاب شامِ وصل سے ہے ثروت
حیا کا حکم ہے آنچل نہ سینے سے ذرا سرکے

کہتے ہیں وہ ہماری طرف کیوں نگاہ کی
لو بس ہم اس خطا پہ گنہگار ہو گئے

عادتِ رحم بھی دکھلائی ستم کی خو بھی
ہنسکے پاس اپنے بٹھایا تھا رلا کے اٹھے

بیٹھکر وصفِ نقابِ رخِ روشن چھیڑا
حالِ دل ہم اسی پردے میں سنا کے اٹھے

اٹھ بھی سکے پہلو سے وہ یاں ہوش نہیں ہے
رکھا نہ کہیں کا مجھے اس بیخبری نے

عشاق کو تھا ناز بہت صبر پہ اپنے
چھڑوا دیا ظالم تری بیدادگری نے

دوائے زخمِ دل کیوں چارہ گر کی
نشانی مٹ گئی تیرِ نظر کی

چلے کیونکر کوئی تدبیر میری
مزاجِ یار ہے تقدیر میری

لاچکے جواب نامہ قاصد کہ جا چکیں ہم
پیغام آ رہے ہیں اب دمبدم اجل کے

مجھ تک آتے آتے دیکھوں نیتِ ساقی ہو کیا
میکشو اب تک تو رنگِ دورِ محفل ایک ہے

نہ ہو رستہ تو پھر کیونکر مکینِ قصرِ غم نکلے
کوئی دل لگا ہمارے پھوڑ دے چھالا تو دم نکلے

رگیں لپٹی ہیں اے قاتل نشانی جانکر تیری
نکل آئے مرا دل بھی اگر تیرہ ستم نکلے

فلک سے خاک برسی ہو گیا عالم میں سناٹا
خدا جانے جنوں کے جوش میں کسطرح ہم نکلے

خشک ہو گا پھول بُو رہ جائے گی
دل مرے گا آرزو رہ جائے گی

ہم جو پہلے قتل اے قاتل ہوئے
حسرتِ مرگِ عدو رہ جائے گی

سینہ پر زانوئے قاتل ہے گلے پر تیغِ تیز
دل کو جو اسوقت راحت ہے کبھی ایسی نہ تھی

آستاں ہی دیدیا اُسنے جبیں سائی کا حکم
مہر کی اللہ نے قسمت کبھی ایسی نہ تھی

ثروت - حکیم سید محمد اطہر الدین حسن خلف مولوی امیر الدین متوطن تالگرام ضلع فرخ آباد - عربی و فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں - اور مدرسہ آرہ سے علم حدیث کی تکمیل کی سند حاصل کر چکے ہیں - فن طب میں آپ فرخ آباد کے نامور طبیب حکیم اصغر حسین صاحب کے شاگرد ہیں - کئی سال تک کانپور - اجمیر میں مطب کرنے کے بعد اب آپ اندور میں قیام فرما ہیں - ابتدائے سن شعور سے آپ کو شعر گوئی کا شوق ہے - ذہن میں رسائی اور تخیل میں بلند پروازی پائی جاتی ہے - دس بارہ غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے - چستیِ بندش - صفائی زبان - اور اُسکے ساتھ تلاش مضمون سب خوبیاں ان کے کلام میں بدرجۂ مناسب موجود ہیں -

ثروت

بٹھالو بزم میں ہم کو بھی صدقہ اُٹھتے جوبن کا
تمھارے دوست ہیں ہم واسطہ دیتے ہیں دشمن کا

تم اپنی دوستی اور دشمنی کی جانچ خود کر لو
کہ میرے دوست بنکر تذکرہ کرتے ہو دشمن کا

پتہ ہماری آنکھ کہیں ٹھیرتی نہیں
دیکھو تو ایک کھیل ہے یہ بھی نگاہ کا

باتوں میں ہم اشاروں میں کرتے ہیں وہ مطیع
جادو یہاں زباں کا وہاں ہے نگاہ کا

فراقِ یار میں رحمت خدا کی چشمِ گریاں پر
تواترِ اشکِ باراں ریز کا طوفاں ہے طوفاں پر

بجا ہے گر کہیں جمشیدِ تختِ سرخوشی تجھکو
جھکی ہیں گردنیں شیشوں کی ساقی تیرے زانو پر

ہوا ہے کون دیوانوں میں آرایش پسند ایسا
کرو تو کر رہے ہیں خضر داماں بیاباں پر

بڑی مشکل سے یہ نعمت ملی ہے دستِ دلبر سے
گلے ملتا ہے پیرا خونِ ناحق آبِ خنجر سے

علاجِ زخمِ بسمل میں بھی سفّاکی رہی شامل
جراحت پر مرے مرہم لگایا آبِ خنجر سے

کسے تشبیہ دوں یارب دو ابرِ دیدۂ تر سے
نہ ساون اسقدر برسے نہ بھادوں اسقدر برسے

پریشاں دل ہوں ایسا گردشِ چرخِ ستمگر سے
مجھے دورانِ سر ہوتا ہے ساقی دورِ ساغر سے

اگر شوقِ شہادت میں کوئی بیہوش ہوتا ہے
اٹھا لیتے ہیں وہ دیدے کے چھینٹے آبِ خنجر سے

بتوں کی یاد جنے پائی اپنے گوشۂ دل میں
یہ سمجھو اُس نے سب کچھ پا لیا اللہ کے گھر سے

کیا ہے مفلسوں کے مُنہ نے شرمندہ ایسا
نہ ہرگز دور ہو گی منعموں زردی رُخِ زر سے

کھلی وصفِ دہانِ تنگ جاناں میں زباں میری
طبیعت نکتہ داں ہو کر ہوئی ہے غیبداں میری

ہوا جو غرقِ بحرِ عشق میں وہ کب نکلتا ہے
کہیں دریائے بے پایاں کا ڈوبا بھی اچھلتا ہے

دلِ عشاق کی کیا اصل ہے او فتنۂ دوراں
قیامت جس سے برپا ہوتی ہے تو وہ چال چلتا ہے

نہالِ قدِ جاناں میں ثمر نامِ خدا نکلے
ذرا دیکھے کوئی آ کر تماشا سرو پھلتا ہے

غیر اپنی ہی جب جما بیٹھے
میری الفت کا نقش کیا بیٹھے

وہ جو اُٹھے تو درد بھی اُٹھا کر
درد بیٹھا جو وہ ذرا بیٹھے

مرنے والے کو دیکھ کر تو آؤ
تم یہاں کر رہے ہو کیا بیٹھے

لگا تیغ انداز کیا دیکھتا ہے
مری بے گناہی خدا دیکھتا ہے

ہماری محبت تمہاری عداوت
خدا جانتا ہے خدا دیکھتا ہے

خدا جانے اُس میں کیا دیکھتا ہوں
خدا جانے وہ مجھ میں کیا دیکھتا ہے

جدائی میں اے موت آجا کہ رُو
بہت دیر سے راستہ دیکھتا ہے

بڑھ گئی کس درجہ حیرانی مری
شکل ظالم نے نہ پہچانی مری

سیکھی آئینے نے حیرانی مری
لے اُڑی کاکل پریشانی مری

ثریا - منشی سید امیر علی متوطن قصبہ گوپامؤ من مضاف اودھ سنہ ۱۲۷۱ھ میں شباب کا عالم او[ر] تحصیل و تکمیل علم طب کی طرف متوجہ تھے - گاہے گاہے شعر کہنے کا بھی اتفاق ہوجاتا تھا یہ ان کے اشعار ہیں -

جھوٹے وعدے بھی یاں غنیمت ہیں　　اس میں تسکین کچھ تو ہوتی ہے
مژۂ بوالہوس پہ دھیان نکر　　جھوٹے موتی سدا پروتی ہے

ثریا - والا جاہ آسمان قدر سید اسد علی مرزا بہادر ثریا خلف الرشید امیر الامرا نواب منصور علی خاں بہادر نواب ناظم بنگال و برادر خورد نواب ناظم مرشد آباد مرحوم - آپ کی تعلیم اپنے برادر والا قدر نواب میر حسین علیخاں نواب بہادر مرشد آباد کے ساتھ انگلستان میں ہوئی - وہاں سے فارغ التحصیل ہوکر ہندوستان آئے تو زیادہ تر کلکتہ اور مرشد آباد میں قیام رہا - ہزار روپیہ ماہوار کا وثیقہ آپ کو سرکار سے ملتا تھا - شعر گوئی کا بھی شوق تھا یہ کلام کا انتخاب ہے -

میری وفا اور انکی جفا ہے عجیب راز　　ہے دادرس کوئی نہ کوئی دادخواہ ہے
ہونٹوں پہ جان آئی ہے ہجر حبیب میں　　اب حال انتہا سے زیادہ تباہ ہے
ٹھوکر لگا کے تم کہے گر غیرت مسیح　　لبیک کہہ کے آؤں میں باہر مزار سے
ہزاروں آندھیاں آئیں پس مرگ　　نہ اٹھی خاک پر مجھ ناتواں کی
مٹایا اس طرح آخر فلک نے　　نہ رکھی خاک تک مجھ بے نشاں کی
یہاں رہتا ہے جلوہ نور حق کا　　جگہ دلمیں نہیں عشق بتاں کی

ثریا - عالی جناب شاہزادہ ثریا قدر مرزا محمد تقی علی بہادر المتخلص بہ ثریا ابن عالی جناب مستطاب معلی القاب ہز ہائینس شاہزادہ عالم و عالمیان یادگار اودھ پرنس سلیمان قدر مرزا محمد حسن علی بہادر دام اقبالہٗ برادر زادہ و خویش سلطان عالم حضرت محمد واجد علی شاہ جنت آرامگاہ - دسمبر ۱۹۰۳ء میں راقم تذکرہ سے بمقام لکھنؤ ملاقات ہوئی تھی - ۲۴ - ۲۵ سال کی عمر ہے دربار گورنری میں آپکا چھٹا نمبر ہے آپ کو سن طفولیت سے ہی ہر علم و ہنر کا شوق رہا کئی زبانیں جانتے ہیں اور صنعت و حرفت میں بھی

مہارت ہے ہر فن میں دستگاہ ہے۔ مصوری نقاشی خوش نویسی فن سپہ گری اور نظم و نثر میں اچھا ملکہ ہے۔ مرثیہ۔ واسوخت۔ قصائد۔ غزل وغیرہ جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں علاوہ ازیں علم ہیئت وہندسہ۔ نصائح و فلاسفی وغیرہ سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کا ذہن رسا و جودت طبع خداداد ہے۔ فن شعر کا مذاق در انتہا بالا ہے۔ اکثر مشاعرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ زبان صاف روزمرہ سلیس نشست الفاظ مرغوب ہے۔ اکثر دشوار و سنگلاخ زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے جس سے ان کی مشاقی ظاہر ہے۔ ایک رسالہ آپکے کلام کا شایع ہو چکا ہے۔ اسمیں سے چند شعر اپنے مذاق کے بموجب انتخاب کرکے پیش کرتے ہیں۔

کیا لطف روئے یار پہ ہے زلف یار کا
صبح حلب میں عکس ہے شام تتار کا

ترے زانو پہ سر اب ہے دشوار
مری جاں ہوش میں آنا کسیکا

جو منظور رجانا ہی تھا غیر کے گھر
عبث پھر ہمیں تھا بلانا کسیکا

مانگا ابرو کا جو بوسہ تو کہا کھینچ کے تیغ
پھر تو فرمایئے کیا آپ نے ارشاد کیا؟

آشیاں کس جا بنائے اپنا بلبل شاخ پر
جا نہیں ملتی لدے ہیں اسقدر گل شاخ پر

صحن گلشن سے نکل جانے تو دو صیاد کو
عندلیب پھر چہکتا ہے تا ل شاخ پر

اے ثریا محو تھے نظارہ گل میں ہزار
ہاتھ سے صیاد کے جو کھا گئی جل شاخ پر

ضیائے حسن کے تھے پہلے تو حجاب میں تیر
اٹھی نقاب گرے قلب آفتاب میں تیر

سوال بوسہ مژگاں پہ وہ کمان ابرو
لگا ہی بیٹھا نظر کا مجھے جواب میں تیر

ترا جو مصحف رخ چوما اے کمان ابرو
گناہ اڑ گئے ہیں بن کے اس ثواب میں تیر

نہ ہے نصیب کہ وہ قتل کرکے ہاتھوں نہیں
عوض حنا کے مرا خوں لگائے بیٹھے ہیں

پھر بعد میرے دیکھنا پچھتاؤ گے ضرور
عاشق ملیگا مجھسا کوئی عمر بھر نہیں

جو وہ شاہ خوبی ہمارا نہیں ہے
اگر سلطنت ہو گوارا نہیں ہے

ادھر صبر کا مجھکو یارا نہیں ہے
ادھر وصل ان کو گوارا نہیں ہے

چمکتا ہے افشاں کا تیری جو ذرّہ
فلک پر کوئی ایسا تارا نہیں ہے
بجز وعدۂ وصل جاناں ہمارا
کوئی زندگی کا سہارا نہیں ہے
جو دی چھیڑ کیا اوسکا دعویٰ وہ بولے
ہمارا ہے اب دل تمہارا نہیں ہے
میں اوروں کو چاہوں یہ سب ہے بدگمانی
جہاں میں کوئی تمسے پیارا نہیں ہے
کہا میں نے غیروں سے ملئے نہ صاحب
تو بولے تمہارا اجارا نہیں ہے
آپ جو چاہے کہہ لیجئے اپنی جا پر
پر نہ غیروں میں کیا کیجئے بدنام مجھے
یاد ہے عارض و گیسو کی ترے آٹھ پہر
کیا کہوں کٹتے ہیں کیونکر سحر و شام مجھے

غضب کی وہ بلا پر پیچ زلف عنبریں نکلی
پھنسا جو دل تو پھر صورت رہائی کی نہیں نکلی
گدا کے پاؤں کی کھا کھا کے ٹھوکر فرق شاہاں سے
بھری تھی زیست میں جو نخوت تاج و نگیں نکلی
نہیں تن پر کسی جا زخم گوشتہ سراپا ہوں
وہ پر جوہر تری تیغ نگاہ سرمگیں نکلی
اٹھا بار امانت اے ثریا جز بشر کس سے
یہ مشت خاک راز حق تعالیٰ کی امیں نکلی
نہیں ہے یہ گرد باد صحرا زبسکہ تھا زندگی میں شیدا
تلاش لیلیٰ میں بعد مردن بھی روح مجنوں بھٹک رہی ہے
خزاں گئی پھر بہار آئی وے اب تو صیاد اسے رہائی
کہ بہر نظارۂ گلستاں قفس میں بلبل بلک رہی ہے

ثمر - مرزا علی خلف مرزا جعفر علی لکھنوی۔ آپ کو شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے تلمذ تھا۔ غدر تک حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں بقول صاحب تذکرہ سراپا سخن صاحب دیوان تھے۔ طبیعت کی مشاقی مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے۔ مشکل زمینوں میں بھی صاف اشعار نکال کر اپنا زور طبع دکھایا ہے۔

سب پڑھتے ہیں تربت پہ ترے کشتہ کی الحمد
رکھتے نہیں تم قبر وفا کوش پہ انگشت
آنکھو نے ملتے ملتے جو اس سیمتن کے پاؤں
آتے جو ہاتھ چومتے اس گلبدن کے پاؤں
کوئے صنم سے جانا نہو وے کبھی نصیب
ہو جائیں یا الٰہی مرے لاکھ من کے پاؤں
حد سے ہیں گذری یار کی وعدہ خلافیاں
پوجیں گے آج اس بت پیماں شکن کے پاؤں

غمزے سے تڑپے ہے کوئی عشوہ سے مر گیا
چلتے ہیں کس طرح ترے ناز و ادا کے ہاتھ

رخسارِ یار پر ہے وہ ہر آج دستِ عنبر
کیا گنجِ شایگاں سے لگا اک گدا کے ہاتھ

ثمر۔ منشی احمد سعید خاں ثمر خلفِ سعد اللہ خاں۔ غدر سے پیشتر شاہجہان آباد میں رہتے تھے۔ اور حال معلوم نہ ہو سکا۔ یہ اُنکے شعر ہیں۔

نگاہِ مست سے ساقی کی یہ سرور ہوا
کہ دل سے حسرتِ مے کا خمار دور ہوا

مثالِ آئینہ ہے کھُلی حقیقتِ حُسن
کہ ہمکو دیکھ کے اپنا بھی تجھے غرور ہوا

بچھتا تھا حسن اپنا مجھکو آئینہ سمجھ
اور میں خوش تھا کہ بارے مہرباں مجھ پر ہوا

تھا تامل امتحانِ عشق کے قابل ہے کون
بل بے ہمت اس ضعیفی میں گماں مجھ پر ہوا

نگاہِ گرم کا تیرے ہے کچھ اثر اُلٹا
کہ غیر پر پڑی اور دل جلا دیا میرا

خلش مژہ کی نہ تھی کم کہ میرے زخموں پر
تبسمِ لبِ دلبر نمک فشاں ہوتا

ثمر۔ نواب مرزا مہدی علیخاں صاحب۔ منصور نگر لکھنؤ کے ایک شریف خاندان کے ممبر ہیں۔ تلمذ کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کس سے ہے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

ہمیں سودا نہیں جو اُسکے کوچے سے کہیں جائیں
مبارک قیس کو یہ راتدن پھرنا بیاباں کا

حشر میں عاشقِ مظلوم کا خونِ ناحق
ہاتھ میں تھامے ہوئے دامنِ جلاد آیا

مر کے یہ جملہ عناصر کا جدا ہو جانا
زندگی ہے جسے کہتے ہیں فنا ہو جانا

قاتل سنے کی نہ میرے تڑپنے کی سیر ہائے
یہ درد مرتے دم دلِ بسمل میں رہ گیا

حالِ مسافرانِ عدم کچھ نہ پوچھئے
لٹ کر متاع پہلی ہی منزل میں رہ گیا

کہتی ہے شمع بزم جلوں یا کہ خاک ہوں
وہ نامراد ہوں کہ کسی کو الم نہیں

ستمگر جب کوئی تازہ ستم ایجاد کرتے ہیں
تو پھر امتحاں پہلے ہمیں کو یاد کرتے ہیں

ہم خوشی سے جان دیدیں آبرو قرباں کریں
دل وہی کچھ بھی جو یہ غارتگر ایماں کریں

ابروئے پُرخم کی جنبش کا فقط ہے انتظار
آپ اشارہ کیجئے ہم جان کو قرباں کریں

دم پر بنی ہے اور کچھ آزار بھی نہیں
بیمار عشق سا کوئی بیمار بھی نہیں

ملتے ہی نظر رنگ بدل جاتا ہے دل کا
اس آنکھ کے پردے میں کوئی شعبدہ گر ہے

ثمر

ثمر۔ منشی اودھ بہاری لال صاحب ثمر۔ لکھنؤ کے رہنے والے اور قوم کے کایستھ ہیں۔ کسی سرکاری مدرسہ میں معلم ہیں۔ ۴۰ برس کے قریب سن اور یہ کلام کا رنگ ہے۔

کیوں نہ ہو مجھ کو جستجو تیری
دل میں رہتی ہے آرزو تیری

رہ رہ کے دیکھتا ہے ترچھی نظر سے مجھ کو
خنجر لگا رہا ہے قاتل سنبھل سنبھل کر

وہ شہ حسن ہیں عشاق ہیں ناچیز فقیر
اس سبب سے انہیں بھاتی نہیں سنگت اُنکی

ثمر

ثمر۔ جناب خواجہ فقیر محمد صاحب رئیس ڈھاکہ نوشش کے والو رئیس ہیں۔ اور حضرت داغ دہلوی کے شاگرد جناب نسیم ملسوی سے اصلاح لیتے ہیں۔

جس سے جی چاہے دل لگائیں آپ
دوست دشمن کو آزمائیں آپ

ہو چکی وید حضرت موسےٰ
ہوش میں لے جناب آئیں آپ

حال روشن ہو لن ترانی کا
رُخ سے پردہ اگر اُٹھائیں آپ

ثنا

ثنا۔ میر شمس الدین ثنا۔ اصل وطن کشمیر تھا مگر عظیم آباد میں رہا کرتے تھے۔ اور حضرت مشتاق کے شاگرد تھے۔ زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔ آخر اٹھارویں صدی میں زندہ و سلامت موجود تھے۔

شب فرقت میں تیری نالہ و زاری ہے اور میں ہوں۔
جھپکتی پل نہیں آنکھیں ہیں بیداری ہے اور میں ہوں

چمن ہے خندۂ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے
فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

ثنا

ثنا۔ منشی ثنا اللہ خان فرخ آبادی۔ بڑے طباع اور ذہین شخص تھے۔ مرزا غالب ذوق و مومن کے روشناس اور شیخ ناسخ لکھنوی کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ عرصہ تک مرزا

سخاوت علی بیگ ضیا خلف مرزا حاتم علی بیگ مہر کی تحصیلداری ایٹہ کے زمانہ میں اُن کے پاس ایٹہ میں رہے۔ یہ ۱۸۵۳ء کا ذکر ہے۔ کچھ اشعار اُن کے لکھے جاتے ہیں۔

یہ تو بڑوقت گریہ کیا سیل اشک نے
دیوار قہقہہ کو جو دیکھا تو ڈر ہوا

رہائی پاکے اُڑے ہم صفیر سوئے چمن
ہم ایک رہ گئے تکتے قفس تہ و بالا

بن گئی میری شب ہجر تری زلف دراز
وصل کی رات سمٹ کر ہوئی جوڑا سر پہ

جلنا ہو ایک دم کا تو میں صبر بھی کروں
آٹھوں پہر سلگتا ہے چولھے میں جائے دل

دل عشق میں گیا دلِ شیدا کو کیا کریں
ہم ہوچکے تمام تمنا کو کیا کریں

اوڑھیں بچھائیں پھونکیں جلائیں بتا جنوں
صحرا میں ایک دامن صحرا کو کیا کریں

سناں پکڑی جگر نے اور بٹھایا دل نے پیکاں کو
غرض دونوں نے رکھا اپنے اپنے گھر میں مہماں کو

جب تپ دوری جلا کر خاک کر دے گی ہمیں
آہ پھر چولھے میں ڈالیں گے تری تاثیر کو

کھاتا ہے چرخیاں مرے نالوں کے سامنے
پیل فلک کو رکھ لیا بھالوں کے سامنے

ثواب - میر سعادت علی مرحوم خلف میر شہاب الدین دہلوی اصلی وطن شاہجہان آباد تھا۔ مگر اُن کے بڑے بھائی بہ تقریب ملازمت لکھنؤ میں مقیم تھے۔ اسلئے ان کی تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی۔ احباب خوش مذاق کے فیض صحبت سے شعر کا بھی شوق ہوگیا۔ ابھی زیادہ مشق کی نوبت نہ آئی تھی کہ بھائی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور فکر معاش نے فارغ البالی کا مزہ کھو دیا۔ کچھ عرصے اطراف و جوانب میں سفر کا اتفاق ہوا پھر چند سال دکن میں ایام گذارے کئی۔ ۱۲۶۰ھ کے قریب جمعیت خاطر بہم پہونچا کر کرنال میں مستقلاً سکونت اختیار کی۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہو سکا یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔

کبھی سے مردگانِ غم پہ احسان معجزِ قم کا
کبھی حق نمک ہے زخم دل پر اُس تبسم کا

ترے غم کی بدولت آگ یہ دل میں بھڑکتی ہے
کہ گر اک آہ کھینچوں آب ہو زہرہ جہنم کا

تپ دوری سے شعلے استخواں سے یوں نکلتی ہیں
بھڑکتے جیسے ثواب آتش سے پارہ پارہ ہیزم کا

ج

جادو۔ نواب میر احتشام علی خاں صاحب بہادر خلف اکبر و جانشین نواب میر ابراہیم علیخاں صاحب بہادر و قائم مرحوم ریاست بڑودہ گائکواڑ کے درجہ اول کے سردار ہیں۔ آپ نقوی مودودی سادات میں ہیں۔ آپ کے اجداد کا وطن قصبہ سہسوان ضلع بدایوں قسمت روہیلکھنڈ متعلقہ ممالک متحدہ ہے۔ مگر اب عرصہ سے بڑودہ ہی میں قیام ہے۔ آپ کے والد مہاراجہ بڑودہ کے مصاحب اعلے تھے۔ اُن کے اسلاف کو سرکار بڑودہ سے ایک معقول جاگیر عطا ہوئی تھی۔ جس پر آجتک جناب جادو متصرف ہیں۔ حضرت جادو ۵ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ کو بڑودہ میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً کچھ کلام اپنے والد کو دکھایا بعد ازاں سالہاسال ثاقب بدایونی سے اصلاح لیتے رہے۔ پھر تیمناً و تبرکاً چند غزلیں حضرت ظہیر دہلوی کی خدمت میں پیش کیں صاحب دیوان ہیں۔ مگر ہنوز دیوان طبع نہیں ہوا ہے۔ آپ کے مورث میر سرفراز علی خانصاحب بہادر سہسوان سے اول بڑودہ میں آئے اور درجہ اول کی سرداری پر بہ جلدوے بڑے بڑے اہم کارہائے ریاست کی انجام دہی سے فائز ہوئے۔ اُس وقت سے ابتک برابر ریاست میں سے وہی اعزاز و مراعات حاصل ہیں اور برٹش گورنمنٹ میں بھی ریاست کی مثل اعزاز ہے۔ ان کی عمر اس وقت ۴۰۔ ۴۲ سال کے قریب ہے۔ مہاراجہ صاحب بڑودہ کی مصاحبت میں یہ بھی رہ چکے ہیں۔ کلام نہایت پاکیزہ۔ خیال بلند۔ تلاش اعلے۔ بندش چست۔ زبان صاف اور اور ستھری ہے۔ طبیعت میں شوخی بھی بقدر ضرورت و مناسب ہے۔ اپنے استاد کے رنگ میں کہتے ہیں اور ایک حدتک اُس میں کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

کوئی دیکھے تو عالم میرے جذبِ شوقِ پنہاں کا	ہوا ہے روکنا دشوار اب ناوک کو پیکاں کا
قیامت جوششِ وحشت کی ہے ہنگامہ آرائی	کہ صبح روزِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

تنِ عریاں کو خارِ دشت سے پیوند ہی کر دے
ٹھکانے ہی لگا دے لے جنوں ٹکڑا گریباں کا

تنِ مجروحِ بسمل کی وہ دعوت کرنیوالے ہیں
مزہ جب ہے کہ زخموں سے ہو منہ پھیکا نمکداں کا

نہ کوئی پوچھنے والا نہ کوئی سننے والا ہے
ہماری بیکسی ہے آئینہ گورِ غریباں کا

اُڑے پھرتے ہیں ہم دوشِ صبا پر چارسُو جادوؔ
ہماری لاغری میں ہے اثر تختِ سلیماں کا

تو ہی مرگِ ناگہاں مشکل مری آسان کر
چین سے سو جائیں ہم تربت میں چادر تان کر

مُنہ مرا حیرت سے تکتے ہیں سرِ بزمِ عدو
دیکھنا انجان وہ بنتے ہیں کیسے جان کر

وصل میں بھی لی نہ کروٹ میرے بختِ خفتہ نے
سونے والے سو رہے مُنہ پر دوپٹہ تان کر

کوئے جاناں پاس ہے واماندہ میں ہوں اے صبا
اب تو مشتِ خاک پر تُو ہی ذرا احسان کر

مرتے مرتے میرے سر پہ بارِ احساں دھر دیا
آئے بالیں پر گھڑی ساعت کا مہماں جان کر

آئے ہیں ہنگامہ ہائے کوئے دلبر دیکھکر
خاک جی بہلیگا سیرِ روزِ محشر دیکھکر

ہے مزارِ کشتۂ نازِ بُتِ محشر خرام
پاؤں رکھنا اس طرف اے شورِ محشر دیکھکر

حسرتِ دیدار پوری سخت جانی سے ہوئی
دیر تک تڑپا کیے سولے ستمگر دیکھکر

ہو گئے بیتاب تم تو سنتے ہی ذکرِ عدو
ورنہ دل دیتے ہیں سب آئے بندہ پرور دیکھکر

کھُل نہ جائے پردۂ عشقِ بتِ پردہ نشیں
اشک ریزی ہجر میں اے دیدۂ تر دیکھکر

ہو نہ ہو آہِ رسا نے کچھ اثر پیدا کیا
ورنہ کیوں مضطر ہیں وہ جادوؔ کو مضطر دیکھکر

ہے یہ مشکل کہ وفادار و نکا دستور نہیں
ورنہ میں ہجر میں مرنے سے بھی مجبور نہیں

عشقِ پنہانِ عدو باعثِ رسوائی ہے
وجہ شہرت ہے وہی بات جو مشہور نہیں

لیگئی لوٹ کے رونق مرے گھر کی شبِ وصل
کہ رُخِ صبحِ جدائی پہ ذرا نُور نہیں

دل سے آجائے زباں تک نہیں ممکن واعظ
الفتِ پردہ نشیں آرزوئے حور نہیں

وہ سُنیں کان لگاکر یہ کہاں ممکن ہے
میرا افسانۂ غم غیر کا مذکور نہیں

میں وہ ہوں مورد شِ بادۂ حرماں ساقی
کہ مرے زخم کی قسمت میں بھی انگور نہیں

حجتِ وعدۂ فردا پہ غضب ہے جادو	وہ یہ کہتے ہیں قیامت بھی تو کچھ دور نہیں
مٹنے میں بھی آپ کا پتا ہوں	میں کوئے عدو میں نقشِ پا ہوں
محفل میں نگاہ کب ہے اون پر	اوروں کی نظر کو دیکھتا ہوں
آنکھوں میں بسی ہے شکلِ وحدت	آئینہ میں اُن کو دیکھتا ہوں
مجبوریِ عشق صلحِ کُل ہے	دشمن سے بھی دوستی نباہوں
جادو مرا مدعی ہے کافر	مومن میں اپنے وقت کا ہوں
عشق کو پردہ دری حسن کی منظور بھی ہو	ورنہ موسیٰ ہوں وہی اور وہی طور بھی ہو
نحن اقرب سے کھلا صاف یہ مضموں یعنی	وہ رہے دل میں جو نزدیک بھی ہو دور بھی ہو
ربکے ہر شے میں نہاں ہو نہیں سکتی ظاہر	جتنے مختار رہو تم اُتنے ہی مجبور بھی ہو
کیف ہو نشۂ عرفاں کا دوچنداں واعظ	تیری تسبیح میں گر دانۂ انگور بھی ہو
کوئی دیکھے نظرِ اہلِ نظر سے جلوہ	آپ ناظر بھی ہو تم آپ ہی منظور بھی ہو
شہرتِ پردہ نشینی ہوئی شکلِ عنقا	تم جو نظروں سے ہو معدوم تو مشہور بھی ہو
کب ہوا رشک سے اظہارِ تمنا منظور	کب گوارا ہے زباں سے ترا مذکور بھی ہو
لن ترانی سے غرض جلوۂ جاناں کو نہیں	دیکھنے والوں کی آنکھوں میں مگر نور بھی ہو
قابلِ دید ہے حسرت بھی تمہاری جادو	دور منزل سے ہو اور ضعف سے مجبور بھی ہو
زیب و زینت سے اُنہیں فرصت نہیں ہر آئینہ	رات بھر ہے روئے دشمن اور دن بھر آئینہ
شکلِ خوبانِ جہاں رہتی ہے ہر دم دلنشیں	کچھ عجب رکھتا ہے خوبیٔ مقدر آئینہ
شکلِ خوب و زشت ہے اُس میں ہویدا صاف صاف	حق نمائی کا مگر رکھتا ہے جوہر آئینہ
معرکہ ٹھیرا ہے قاتل سخت جانی سے ضرور	خوں ٹپکتا ہے جو چشمِ جوہرِ شمشیر سے
اب بھی جذبِ سوزِ پنہاں کام سے قائل نہیں	آب تک تو کھنچ گئی قاتل تری شمشیر سے
خوف ہے یہ ضعف کے آزار سے	دب نہ جاؤں سایۂ دیوار سے

شاد ہوتے خواب میں دیدار سے
اب تو گر پڑتی ہے اُٹھ اُٹھ کر نظر

آنکھ لڑتی طالعِ بیدار سے
تھک گیا ہوں انتظارِ یار سے

کیوں نہ ہو اے جادوئے نازک خیال
طرزِ مومن ہے عیاں اشعار سے

کچھ اُس انداز سے دیکھا کہ رحم آ ہی گیا اُن کو
مری خوش قسمتی میری نگاہِ واپسیں نکلی

ہزاروں رنگ بدلے حادثاتِ دہر نے لیکن
نہ سر سے آسماں سرکا نہ پاؤں سے زمیں نکلی

کسی کا وصل کی شب ناز سے مُنہ پھیر کر کہنا
کہ کیسے دل کی حسرت اب بھی نکلی یا نہیں نکلی

قضا آئی جو فرقت میں ہوئیں سب مشکلیں آساں
کہ حسرت بن کے سینے سے مری جانِ حزیں نکلی

ہوئی جب آنکھ سے باہر دلِ بسمل میں جا بیٹھی
نگاہِ ناز قاتل بھی عجب پردہ نشیں نکلی

بنایا آسماں اوجِ مضامیں سے اُسے جادو
زمانے میں نئی جب شعر کی کوئی زمیں نکلی

سرِ محفل نہ دیکھو تم کنکھیوں سے مری جانب
کہیں رکھ دیں نہ تہمت پر کوئی تہمت رکھنے والے

جادو۔ منشی محمد رکن الدین جادو دہلوی خلف خان بہادر مولوی محمد انوار الحق مرحوم سابق میر منشی ریذیڈنٹی راجپوتانہ۔ پہلے اپنے چچا ادیب مرحوم کے شاگرد اور تلاوان تخلص کرتے تھے۔ پھر حضرتِ داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد ہوئے۔ علمی استعداد کافی ہے۔ مزاج میں وارفتگی زیادہ ہے۔ ریاست بھرتپور میں نائب میر منشی تھے۔ پھر ترک روزگار کر کے دہلی چلے آئے۔ اب سُنا ہے کہ پھر اپنی قدیم ملازمت پر بحال ہو گئے ہیں۔ جوان تیز طبع اور مزاج میں ظرافت خلقی ہے۔ مولانا عبد الحق محدث دہلوی کے خاندان سے ہیں۔ اپنے والد کے ہمراہ راجپوتانہ کی اکثر ریاستوں کی سیر کی ہے۔ یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔

سمجھ لو اپنے دل میں پوچھنا کیا
ہماری آرزو کیا مدعا کیا

ہو جان کو گر ایک مصیبت تو رو دیے
دل بھی یہاں ملا تو ترے اختیار کا

بے وجہ آسماں نہیں گردش میں رات دن
اس پر پڑا ہے صبر کسی بے قرار کا

دے کے دل آپکو لے جان چلے آتے ہیں
کس کو دہوکے میں کیا قتل لگے ہاتھ کہ وہ
دیکھکر مجکو وہ کہتے ہیں یہی ہیں جادو
عدو کو بیٹھکر پہلو میں میرے یاد کرتے ہیں
دلنواز آپ تو فرمائیے کیا دیتے ہیں
مرمٹا تیرا تصور بھی ہمارے دل پر
زندہ رہجاتے ہیں جی جاتے ہیں مرنے والے
وہ کسیکے نوکِ مژگاں کی کہاں اب چھیڑ چھاڑ
تم نہیں پہلو میں کیا دل نے بھی کی پہلو تہی
ہائے کیا ناشاد ہے جادو کہ جسکو بعدِ مرگ
جادو اب اغنیائے زمانہ کا ہے یہ حال
سُنتا ہوں کہ مہمان وہ بُت غیر کے گھر ہے
بالیں پہ سراسیمہ کوئی رشکِ قمر ہے

بیچکر دین مُسلمان چلے آتے ہیں
ہاتھ ملتے ہیں پشیمان چلے آتے ہیں
یہ جو چلتے ہوئے انسان چلے آتے ہیں
کبھی وہ شاد کرتے ہیں کبھی ناشاد کرتے ہیں
دل اُنھیں کا ہے کہ دل اہلِ وفا دیتے ہیں
مٹنے والے وہ بلا ہیں کہ مٹا دیتے ہیں
معجزے تیرے مسیحا کو جلا دیتے ہیں
ڈھونڈہتے ہیں زخم کوئی نیش زن ملتا نہیں
تم نہیں ملتے تو دل بھی ہمانفس ملتا نہیں
عشق کی سرکار سے گور و کفن ملتا نہیں
دیتے نہیں فقیر کو ٹکڑا اُٹھا کے ہاتھ
پتھر پڑیں اس پر کہ دُعا کا یہ اثر ہے
او بے خبری تجھکو بتا کچھ بھی خبر ہے

رہے کمبخت کیا ٹھکانے سے
وہ اٹھا جو ہے زمانے سے
کیا زمانہ ہے دوستی کا تری

بن گئی دل پہ دل لگانے سے
رُوٹھتا ہے مرے منانے سے
دشمنی ہوگئی زمانے سے

جور میں بھی ترے اک چیز ہے لذت والی
کھوٹے داموں بھی نہ لوں دولت دنیا ہرگز
اُن کو دعویٰ تو ہے مجھسا نہیں دُنیا میں کوئی

لطف کا جس میں مزا ہو وہ ستم اچھا ہے
کہ دِرم سے مجھے یہ داغِ دِرم اچھا ہے
لیکر آئینہ جو دیکھیں گے تو حیراں ہونگے

جادو - منشی تہور حسین صاحب جادو سنہ ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی طبیعت خداداد آغاز شباب سے شعر و سخن کی طرف متوجہ رہی ہے۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں حضرتِ جلال لکھنوی

م کاہیدہ اس قدر ہوں غم ہجر یار میں ٭ ڈھونڈے مجھے قضا تو نہ آؤں قضا کے ہاتھ ٭ یارب مرے ہوں دست دعا اسقدر دراز ٭ میں چھین لوں فلک سے اثر کو بڑھا کے ہاتھ

جادو

کی شاگردی کا فخر حاصل کیا اُسی وقت سے بصیغہ فوج ریاست رامپور میں ملازم رہے خدمتِ کار منصبی سے جسوقت فرصت ملتی تھی غزل گوئی میں مصروف رہتے تھے۔ بہت سا کلام جمع ہوگیا تھا پندرہ سولہ سال کا زمانہ ہوا کہ ایک پیر روشنضمیر کی خدمت میں حاضر ہوکر مرید ہوگئے۔ ان کے فیض صحبت سے زیادہ فرصت کا وقت یادِ الٰہی میں صرف ہوتا ہے۔ یہانتک فقر کی جانب طبیعت راغب ہوئی کہ فوج کی ملازمت سے دست بردار ہوگئے۔ رات دن گوشۂ تنہائی میں یادِ خدا کرتے رہتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ مجموعہ تصنیف تلف ہوگیا۔ دس بارہ سال سے ایک مصرع بھی کہنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ دو سال ہوئے کہ احباب کے مجبور کرنے سے کبھی کبھی غزل کہہ لیتے ہیں ورنہ ہردم ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں دنیوی ساز و سامان سے تنفر ہے گیروا کرتا گیروا تہبند زیبِ تن رہتا ہے۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

نمایاں حسن کرتا ہے تو مجھکو کیوں رلاتے ہو　　　مہِ روشن چھپا دیگا برسنا ابرِ باراں کا
اُڑائیں دھجیاں جب پیرہن کی دستِ وحشت نے　　　غبارِ کوئے جاناں نے تنِ عریاں مرا ڈھانکا
تصور نے ترے ظالم یہانتک تفرقہ ڈالا　　　کہ ملنا ہوگیا دشوار اب مژگاں سے مژگاں کا
خیال یار بچپا تھا اگر ایذا رسانی سے　　　دلِ مجروح میں تارِ نفس کا کیوں دیا ٹانکا
کسی فن میں تو کامل ہو بقول آتش کے ای جادو　　　نشاں رہتا نہیں ہے نام رہجاتا ہے انسان کا

اللہ ری لاغری کہ مرا جسمِ ناتواں　　　حدِ گمان و وہم سے باہر نکل گیا
نامِ وفا لیا تھا کہ جادو زباں کٹی　　　اچھا ہوا کچھ اور نہ منہ سے نکل گیا

روئے جاناں کا تصور بنگیا انوارِ صبح　　　راتدن حاصل ہے آنکھونکو مری دیدارِ صبح
اپنا اپنا بخت ہے اب دیکھو جاتا ہے کہاں　　　شام کا وعدہ ہے مجھ سے غیر سے اقرارِ صبح

داغِ دل جلتا ہے دوزخ کا نمونہ ہو کر　　　چشمِ تر نے نہ بجھایا اسے دریا ہو کر
دیکھ لینا یہی رونا ہے تو آنسو میرے　　　ایکدن غرق کریں گے مجھے دریا ہو کر
جس اذیت کا نہ دنیا میں ٹھکانا ہو کہیں　　　دل میں آبیٹھے مرے میری تمنا ہو کر

آنکھیں تلوؤں سے ملیں میری زباں کاٹی گئی — کون دُنیا میں فغاں کرتا نہیں روتا نہیں

حالِ غمگیں حالِ خستہ ایک ہے پھر فرق ہے — زخمِ دل ہنستا ہے اکثر میں کبھی ہنستا نہیں

نیک و بد جادو کسی کا دیکھتا ہے کس لئے — جب سے تجھے اچھا بُرا اپنا نظر آتا نہیں

فریاد و آہ کے در سب بند ہو گئے ہیں — ضبطِ فغاں کی مُہریں میری زبان پہ ہیں

بیہوشیِ جنوں میں یہ بھی خبر نہیں ہے — بیٹھے ہیں ہم زمیں پہ یا آسمان پر ہیں

عشقِ بتاں کے صدمے حوروں کی آرزو میں — دونوں جہاں کے جھگڑے اِس ایک جان پر ہیں

نہ بیٹھو تھک کے اے جادو اُڑا لو خاک جنگل کی — کرو کچھ دشت پیمائی ابھی بے دست و پا یوں ہو

دودِ دل یوں ہے مرے نالۂ شبگیر کے ساتھ — جیسے لپٹی ہوئی زنجیر ہو زنجیر کے ساتھ

رہ گیا قتل کا ارمان دلِ قاتل میں تو — بسملِ ناز کا دم کھنچ گیا شمشیر کے ساتھ

روح قالب سے تو پہلو سے مرا دل نکلے — تیری شمشیر کے ہمراہ ترے تیر کے ساتھ

فقر وہ چیز ہے جادو کہ گلیمِ درویش — ہمسری کرتی ہے دوشالۂ کشمیر کے ساتھ

کہا جب وصل ہو ممکن کوئی تدبیر ایسی ہے — وہ بولے تیرا مُنہ ایسا تری تقدیر ایسی ہے

جسے تو آئینہ میں دیکھ کر ہے محوِ نظارہ — مرے چشمِ تصور میں بھی اک تصویر ایسی ہے

تنِ لاغر کو میرے دیکھ کر کہتا ہے وہ ظالم — مرے نقشِ کفِ پا میں بھی اک تحریر ایسی ہے

کوئی سر ٹھوکروں میں ہے کسی کا سر ہے زانو پر — نصیب ایسا کسی کا ہے کوئی تقدیر ایسی ہے

اُس خاکِ رہگذر میں میں ناتواں پڑا ہوں — نقشِ قدم کی صورت ہر اک مٹا رہا ہے

دلکو قرار ہے نہ جگر کو قرار ہے — یارب یہ کس بلا کی شبِ انتظار ہے

ترے مژگاں کے زخمی ایک حالت پر نہ شب دیکھے — ہزاروں نیم جاں دیکھے ہزاروں جاں بلب دیکھے

بنا کر آئینہ تو دلکو اپنے دیدیا میں نے — تماشا اسکی قدرت کا وہ دیکھے یا نہ اب دیکھے

اسی کا نام عاشق ہے تلاشِ یار میں برسوں — کرے مثلِ فلک چکر نہ دن دیکھے نہ شب دیکھے

مری آنکھوں سے ٹپکی خون ہو کر آرزو دل کی — تری اُلفت نے مٹی میں ملادی آبرو دل کی

رفاقت اسکو کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے	رہی دل میں کبھی دل سے نہ نکلی آرزو دل کی

جالب

جالب - منشی سید بشارت علی دہلوی - انگریزی اور فارسی میں بھی کافی استعداد رکھتے ہیں - بڑے ذہین اور طبیعت دار شخص ہیں - اخباری دنیا میں خاصی شہرت حاصل ہے - مدرسہ چھوڑنے کے بعد سے مضمون نگاری کا مشغلہ ہے - پیسہ اخبار - اودھ اخبار - روزانہ دہلی - وطن - وکیل - شریف - مخزن - متعدد اخباروں میں اڈیٹری کر چکے ہیں - مگر کسی جگہ جم کر نہیں رہتے اس فن میں آپ کو خاصہ ملکہ ہے - نظم کیطرف توجہ کم ہے - آپ کو حضرت داغ دہلوی سے تلمذ حاصل ہے اور ایکمرتبہ چند ماہ اُن کی خدمت میں دکن میں بھی رہے ہیں - اب ۴۰ سال کی عمر ہے اور امرتسر میں کسی اخبار کے اڈیٹر ہیں - چند غزلیں نظر سے گذریں انکا انتخاب حاضر ہے -

کسی عاشق پہ جب بیداد کرنا	ہمیں بھی اُو ستمگر یاد کرنا
وارفتہ جو کسی کی کمر اور دہاں کے ہیں	اُنکو خبر نہیں کہ کہاں ہیں کہاں کے ہیں
جنت کا حال کھلگیا دور شراب سے	اُس میکدے میں ندیم سارے جہاں کے ہیں
ہم کچھ ہلاک نہیں جو مریں حور خلد پر	ایک بُت پہ جان دیتے ہیں ہندوستاں کے ہیں
اے عندلیب تو نے کہاں سے اڑا لئے	یہ رنگ میرے نالۂ آتش فشاں کے ہیں
اُن سے اُمید وفا بالکل فضول	اور اپنی تاب و تب بے فائدہ
حال دل کہنے پہ یہ پایا جواب	بس زیادہ وہ بک ناب بے فائدہ
اپنے بیماروں کو مرجانے بھی دے	تم ہوئے عیسیٰ لقب بے فائدہ
جالب اب گستاخ ہی بنجاؤ تم	ہے کمسن کا ادب بے فائدہ
جالب خدا کیو لے اس پھیر میں نہ آ	زلفوں میں پھنسکے دلکا نکلنا محال ہے
چھوڑ دے خود نمائیاں اتنی	کہیں تجکو نظر نہو جائے
اپنا مرنا بھی میں قبول کروں	غیر کا تو اگر نہو جائے

زلف و ابرو بھی یہ ہیں ہر دم	کہیں آپس میں شر نہو جائے

جان

جان - جان علی جان - قرابتدار نواب بیرم خاں مغفور امیر عہد احمد شاہ بادشاہ - میر تقی میر کے شاگرد تھے اور آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے - ایک شعر ملاوح کیا گیا -

ذکر اُس زلف کی درازی کا	صبح سے تا بہ شام ہوتا ہے

جان

جان - اشرف خاں جان - شاگرد شیخ غلام ہمدانی مصحفی - غازی الدین حیدر کے زمانے میں لکھنؤ میں رہتے تھے - دیوان مرتب ہو گیا تھا مگر اُسنے شہرت نپائی -

دل دیکے تجھ پہ کو یار ترا یار میں ہوا	البتہ یہ خطاب ہے گنہ گار میں ہوا
مانند شمع نور ہے روشن خدا کرے	کاٹا جو تونے سر تو سبکسار میں ہوا
اے داغ سینہ باعث شہرہ ہوا ہے تو	مانند لالہ سب میں نمودار میں ہوا
ہر ہر قدم پہ پیسیگا دلکو مرے وہ شوخ	آفت ہوئی کہ مائل رفتار میں ہوا
نظارہ اُسکا کرتے ہی حیرت سی ہو گئی	دروازہ سے وہ نکلا تو دیوار میں ہوا
آنکھوں نے تیرے باغ میں رنگ کر دیا	نرگس کو جاکے دیکھا تو بیمار میں ہوا
بوسے لئے نشہ میں لب سرخ رنگ کے	غافل ہوا وہ شوخ تو ہشیار میں ہوا
اے جاں مرے قریب کو تو دیکھ تو ذرا	بیگانہ ہو کے محرم اسرار میں ہوا

جان

جان - جانعالم خاں لکھنوی خلف نواب منور خاں مغفور - برادر خرد نواب روشن الدولہ ظفر خاں فن سخن میں میر سوز مرحوم سے اصلاح لیتے تھے - نثر بھی خوب لکھتے تھے - فی الجملہ علوم عربیہ سے واقف تھے - خط نستعلیق و شکستہ میں یدطولی حاصل تھا - یہ اُن کے اشعار ہیں -

چھوڑ عارض دل نے گھیر از لف مشکیں فام کا	صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو
لگا خوبان نوخط سے یہ ملنے کو	گھسیٹا پھر مجھے کانٹوں میں دل نے
اُس سنگدل کے دل میں ذرا بھی نہ راہ کی	دور از اثر سدا رہی ہمت تیری آہ کی
بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے	جوں تابداں میں شیشۂ رنگیں وہ ہرے ہوئے

جان صاحب

جانصاحب - میر یار علی ولد میر امن شاگرد نواب عاشور علی خاں لکھنوی - لکھنؤ انکا اصلی وطن تھا مگر آخر عمر میں بسبب ملازمت زیادہ تر رامپور میں رہے - زندہ دل خندہ پیشانی ونج مرنجان آزاد منش شخص تھے - فنِ شعر کا ہر اک شایق - ان کے نام اور طرزِ کلام سے واقف ہے کہنے کو اور بھی لوگوں نے اس کوچے میں طبع آزمایاں کیں مگر جو نام اُنہوں نے پایا وہ اور کسیکو حاصل ہوا - دراصل سعادت یار خاں رنگین اور سید انشا اس طرز کے موجد تھے - مگر اُنہوں نے جو کچھ کہا تفنن طبع کے لئے - برخلاف اُنکے جانصاحب نے اپنی تمام عمر اسی خاص صنف میں بسر کردی اور اپنی خاص روش میں اُستادی کا رنگ پیدا کیا جیسا کہتے اچھا تھے پڑھتے بھی خوب تھے - سُنا گیا ہے کہ مشاعروں میں زنانہ لباس سے شریک ہوتے تھے - اور پڑھنے میں وہ وہ ناز آفرینیاں کرتے تھے کہ سامعین ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بنجاتے تھے۔

۱۸۴۷ء میں ہر چند کہ لکھنؤ آباد اور شاہی برقرار تھی جانصاحب بہ تلاش معاش دہلی آئے اور یہاں سے پھر بھوپال پہونچے - مگر ناکام رہے - افسوس کا مقام ہے کہ لکھنؤ جیسے شہر میں جہاں شاہی میں ہُن برستا تھا انہیں معاش کی طرف سے کبھی دلجمعی حاصل نہیں ہوئی اسے شومیٔ تقدیر کہو خواہ نا قدریٔ فن - ۱۲۹۰ھ میں ۹۳ برس کی عمر تھی اور رامپور میں نواب کلب علی خاں کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے - ۱۰۰ برس سے زیادہ عمر پاکر انتقال کیا - مستورات کے رسم و رواج - خیالات اور جذبات سے خوب واقف تھے - اور اکثر ایسے ہی مضامین نظم کرتے تھے - عورتوں کے روزمرّہ اور محاورات میں حیرت انگیز دسترس حاصل تھی - ان کے اشعار مخربِ اخلاق و خلاف تہذیب مضامین سے مملو ہیں اسی وجہ سے اب ایک عرصے سے انکا کلام چھپنے کی ممانعت ہوگئی ہے عرصہ ہوا دو دیوان چھپے تھے ان میں سے کچھ اشعار منتخب درج کئے جاتے ہیں جو دائرہ تہذیب سے خارج نہیں۔

خصم دو جو روٹھ کالے یا چوسر کا پانسہ ہے اگر دوزخ نہو تا قدر کرتا کون جنت کی	بدی جس سے کریگا سامنا ہوویگا ذلت کا ہے رتبہ سُوم کی جنّت سے حاتم کی سخاوت کا

پڑھائی کیوں زلیخا مولوی صاحب نے یوسف کو
کیا خانہ خراب اسکو دکھایا کوچہ الفت کا

کہ پھینکا ڈھیلا نہ کھنکار سے چپ چلے آئے
کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت
سر پر جو کوئی چاہنے والا نہیں ہوتا

پہ دل مسوس کے چپ بھی رہا نہیں جاتا
گلا جو کرتی ہوں چاہت کا ہے مزہ جاتا

ہے منافع جو مسئلہ سے سوا
شود کھانا بھی اب حلال ہوا

مرگئی سوت مگر غم نہیں بھولا مجھکو
جانصاحب نہ کبھی دل سے یہ کانٹا نکلا

اسکے قربان دو آنکھوں سے جو چار آنکھیں ہوں
کرتی مضمون ہوں آنسو کی دعا سے پیدا

مرزا مقیم سینکڑوں آتے ہیں جوہری
گوہر نے گھر کو جوہری بازار کردیا

کہے ہیں دیتی ہوں لاؤ دوخانم قسم خدا کی یہ دیکھ لینا
نکال لونگی میں دو نو دیدے کیا کسی سے جواب شارا

چھوٹے دیور سے مرے پردا کیا
باجی صاحب اوہی تم نے کیا کیا

بچی جو موئی میری دادا بہت رویا کئے
مرنے پہ کھلی الفت ناشاد بہت رویا

ایک ایک نقطہ پراجی لڑتے ہیں مردوے
محفل مشاعرہ کی اکھاڑا ہے بھیم کا کئے

تیسرے دن نہیں جلتے ہیں کسیکے گھر سے
اور رہجاؤ بوا آجکا دن آجکی رات

قبر میں روح کو صدمہ ہوگا مرزا
سوت بچوں پہ اگر ہوگی خفا میرے بعد

کیا سخی اگلا زمانہ تھا بوا[1] امتیاز کو
لاکھ توڑے دیدیے اک لاکھ کی زنجیر پر

نہ دیکھ دولھا کو ساس نندوں کے آگے گھونگھٹ اٹھا اٹھا کر
نئی نویلی دولھن ہے بچی ابھی تو دو چار دن حیا کر

نکاحی بیاہی کو چھوڑ بیٹھے متاعی رنڈی کو گھر میں ڈالا
بنایا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تم نے ڈھا کر

کیا زمانہ برا ہے اچھی بی
کوئی کرتا نہیں کسیکا پاس

[1] نواب آصف الدولہ کی فیاضی کی طرف اشارہ ہے

یہ جو حسن سے کہیں گاہک مرد و نکو خوب دیکھا / یوسف بنا رہے گا بی بی غلام کب تک

جو اشراف کے جوہر مٹیں تکلیف سے کب / زنگ میں لاکھ ہو چھپتی نہیں تلوار اصیل

جان سولی پہ رہے گی مری ہیا منصور / بد نظر وہ ہیں نہ رکھونگی طرحدار اصیل

کچھ نہیں نرگس کو مزا اس بدن کا اپنے ہوش / کام پر دیدہ ہ لگے کیا دل لگا ہے یار میں

برسوں بچی کو نہیں پیار کبھو کرتے ہیں / یہ پیار بھی کرتے ہیں تو کان میں تھو کرتے ہیں

جو جو نہیں اٹھائی تھیں مینے اٹھالیاں / بس بس زبان روکو ندو مجھکو گالیاں

میری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ / بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہے یہ مردار کہیں

تل نہیں مانگ میں زنانی کے بڑ / یہ کنہیا کھڑا ہے گوکل میں بڑ

آنکھ لڑتے ہی ہو گئی عاشق / موہنی تھی موئے کے کاجل میں

سید اکل کھرے ہیں بوا کائنات میں / لیکن سمائی سبکی ہے شیخوں کی ذات میں

اٹھائی جا کے عدالت میں ہیں بڑی رونٹ / دوگانا کام تو جھوٹے گواہ کرتے ہیں

تم نہ آئیں دل بہت تڑپا ہمارا رات کو بڑ / ذکر ای گوئیاں رہا کیا تمہارا رات کو

جان صاحب میں نہوسنے دونگی بچی کو سوار / ونکو کیا سوتی تھی لائے ہو سواری رات کو

یہ ورثہ کا جھگڑا ہے سنو چھوٹی ممانی / دو چار بڑے اپنے ہوں دو چار تمہارے

ہے خدا کی شان وہ افضل النسا خانم بنے / یہ پھرتی تھی گلیوں میں جو گھرنی فالسے

روز پھر آتی ہے لونڈی مری ہا گھر خالی / بھاڑ میں جائے کرایہ وہ کریں گھر خالی

کمال منہ کا نوالا نہیں ہے بی نعمت / خمیر چینی کا بارہ برس میں اٹھتا ہے

کیا ریختی کہکے کیا نام ہے پیدا / اے جان ترا عیب بھی بہتر ہے ہنر سے

سنتے بچے کو رلا دیتے ہیں کیا خوب ہے بری / اے کھلائی لے لے باز آئی میں انکے پیار سے

کرونگی دھوم سے شادی بوا نسبت تو ٹھہری ہے / گلہرا ہے مرا اور منجھلی بھابی کی گلہری ہے

یہ بات سچ ہے جسے جس سے پیار ہوتا ہے / وہ لاکھ جان سے اس پر نثار ہوتا ہے

بہو تم ہو خسر کا مال جو ہے وہ تمہارا ہے
اماں جان کے اسمیں خصم کا کیا اجارہ ہے

انتخاب دیوان دوم

نرالا ہی نظر آیا اُٹھا پردہ جو غفلت کا
تماشہ گاہِ عالم میں تماشا اُسکی قدرت کا

نکھٹو وہ نکلتا ہے خصم جسکو بتاتی ہوں
کسیکے پاس روٹی ہے نہ کپڑا میری قسمت کا

سوکن نے پائجامہ پہنا ہے گلبدن کا
پھولوں میں تُل رہا ہے کانٹا مرے چمن کا

سیدھا بنایا جائے بانکا جو ٹیڑھی بولے
شاہی میں لطف تھا کچھ لیے تو بانکپن کا

وحشی کو رام کرکے ایسی کتھا سُنائی
ہر دم دوگانہ کلمہ پڑھتی ہے برہمن کا

بتاؤں ٹوٹکا وہ چھوڑدیں رنڈی کو خود بہنا
تم اپنی بائیں لٹ چھُٹنے لگے جسدم گہن دہنا

صبر ہمکو کیا ہو شیریں شیر ہے کچا پیا
دنکو جو روٹی ملی دھڑکا رہا پھر رات کو

کمیں ویدے گھٹنوں کے آگے نہ آئے
قسم جھوٹی سچی نہ کھاری دوگانا

وہ شور ما رنڈی ہوں نہ کو روسنے ڈری ہیں
بھگدڑ میں قدم شہر سے باہر نہ نکالا

قسمت کا مری پھیر رہا دم کے مرے ساتھ
اس راہ کا خالق نے بھی چکّر نہ نکالا

بیٹی ہی نہیں کہنے میں وہ غیر کا بچہ
سچ پوچھو تو کیا زور ہو داماد پہ اپنا

سہرے دیکھے ہوچکے بچوں کے بچے آہوا
کوئی باقی ہی نہیں دلمیں مرے ارمان اب

اعمال نامہ میرا فرشتوں نے کھو دیا
صد شکر ہوگا حشر میں کیونکر حساب اب

بے ماں کے ضد اُٹھاتے نہیں زینہار باپ
جورو کے مُنہ سے کرتے ہیں بچوں کو پیار باپ

بتو مثل یہ سچ ہے پسنہاری ماں بھلی
بہتر نہیں ہے ہو جو تونگر ہزار باپ

دل مُوا پیار جسے کرتا ہے کہتا ہے اُسے
اپنے ہاتھوں سے ہے خالق نے بنائی صورت

ایک دم بھر کے تو جینے کا بھروسہ ہی نہیں
کرتے حاکم ہیں بوا قید کی میعاد عبث

اُڑیں یہ مرغ کبوتر بٹیر کنکوّے
اُٹھے حرام میں پیسہ تو پالے کیا محتاج

خدا کو پیارے ہیں سیدھے بھی اور ٹیڑھے بھی
جو ایک تیر کو بخشا تو اک کماں کو شرف

ہزار ریختی گو جان منہ چڑائیں ہر اُ	ملیگا ایسا نہ اُن کے فرشتہ خاں کو شرف
بنا سپاہی سوا بیچا تھا تل شکر سے	خدا کی شان یہ پیدا کئے کرارے ڈہنگ
لالوں کی لال ہوں ہیں دو تو جگہہ وطن میں	سسرال ہے بدخشاں میکہ مرا یمن میں
ریختی پڑھکے بڑھاپے میں مٹکتا ہے بوا	جاآن صاحب کی اجی دیکھو حماقت نہ گئی

جاوید

جاوید۔ حکیم عبد النبی خاں خلف سید نور خاں حسین اور نیک طینت شخص تھے۔ حضرت امیر شکوہ آبادی مرحوم کے شاگرد اور فن طب میں دستگاہ رکھتے تھے۔ ۱۲۹۰ سنہ ہجری میں موجود تھے یہ اُن کا کلام ہے۔

راس وچپ بیٹھے ہوئے ہیں غیر بزم عشق میں	دل مرا ٹھیرے کہاں خالی نہیں پہلو دوست
خموشی اس لئے دیوانگی میں ہمنے حاصل کی	خدا جانے وہ کیا پوچھے ہمارے منہ سے کیا نکلے
حضرت جاوید عشق چشم مست اچھا نہیں	خاک میں ملجائے گی یہ پارسائی آپ کی

جاوید

جاوید۔ مولوی سید محمد کاظم۔ لکھنوی شاگرد رشید و اُستاد زادہ خورشید لکھنوی مرحوم۔ سید محمد جعفر اُمید مرحوم کے بیٹے ہیں۔ ان کے خاندان میں اکثر بزرگوں نے درجہ اجتہاد پایا ہے یہ بھی علمی استعداد زبردست رکھتے ہیں۔ اشعار سے کہنہ مشقی اور پختگی کا پتہ چلتا ہے۔ عیوب سے آپکا کلام پاک ہوتا ہے۔ ٹھمری وغیرہ کہنے کا بھی شوق ہے۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے۔

بنی تھی رہگذر میں قبر کیوں پامال ہونے کو	کوئی کس منہ سے اب شکوہ کرے اُس آفت جاں کا
اُداسی چارہ گر کے منہ پہ جب آتی ہوئی دیکھی	یں سمجھا یہ کہ ٹوٹا زخم کا میرے کوئی ٹانکا
کفن پہنے ہوئے خود چاندنی آئے مرے گھر میں	خدا عالم نہ دکھلائے شب مہتاب ہجراں کا
سنا ہے مرکے باتیں خوب ہوتی ہیں فرشتوں سے	لحد جب بند ہوتی ہے تو دل کھلتا ہے انساں کا
جلا شباب میں جو دل بجھا وہ پیری میں	چراغ صبح تھا اب اسکا اعتبار نہ تھا
کسے غرض تھی کہ روتا ہمارے ماتم میں	کوئی لحد پہ بجز شمع اشکبار نہ تھا
ہزار بار رکھا ہاتھ اُسنے سینے پر	کہ میرے دم کے نکلنے کا اعتبار نہ تھا

حد سے افزوں ہے یہ کھٹکا میں بھی اک مشکل میں تھا
سب ہی پر روا تنا تھا کہ میرے دل میں تھا

تیر سینے میں ہے گر مہماں تو راحت دُوں اسے
خود نکل کر یہ کہے میں بھی کسی کے دل میں تھا

حالِ دُنیا پوچھتے ہیں اہلِ محشر تو سُنیں
مرنے جینے کا مزہ سب کوچۂ قاتل میں تھا

اُٹھائیں دستِ نازک سے وہ خنجر ذبح ہوتا ہوں
میں کر لوں امتحاں اُنکا وہ کر لیں امتحاں میرا

خدا محفوظ رکھے سینکڑوں وسواس آتے ہیں
نہ ہنس ہنس کے وہ دیکھیں زخمِ قلبِ خونچکاں میرا

درِ جاناں پہ اگر حسرتیں بھی مر گئیں دل بھی
پہنچکر آج منزل پر لُٹا ہے کارواں میرا

کہیں ایسا نہ ہو مر جاؤ لیکن حسرت ہی حسرت میں
جو لینا ہو تو لے لو سب کے پہلے امتحاں میرا

نہ جانے وصل میں کیا تھا ہوا ہے ہجر میں کیا
جو پھول کل تھے وہ کانٹے ہیں آج بستر پر

مر کے دکھلایا کہ اسکا نام ہے انجامِ عشق
کام کہتے ہیں جسے وہ کر گئے ناکامِ عشق

عبث دلو نہیں کدورت کو دوست رکھتے ہیں
یہ آئینہ ہیں بھلا کب غبار کے قابل

لیسے ستمگروں سے پڑا تھا مقابلہ کو
ہمنے شباب میں بھی نہ دیکھی بہارِ دل

مر وہ حسرتیں ہیں جو تھیں غمگسارِ دل کو
ویراں ہے مثلِ گورِ غریباں مزارِ دل

تصور سے دلِ ناشاد اپنا شاد کرتے ہیں
جنھیں تم بھول جاتے ہو وہ تمکو یاد کرتے ہیں

ہماری عمر آخر کٹ گئی ساری اسیری میں
یہی سنتی چلی آئی کہ اب آزاد کرتے ہیں

کون کہتا ہے کیا تھا تُنے وعدہ وصل کا
عذر مجھکو کچھ نہیں جھوٹی قسم کھاتے ہو کیوں

پروانہ غم میں شمع تھی رنج و ملال میں
دونو غریب رات کو تھے ایک حال میں

پھر شرمگیں نگہ سے ادھر دیکھ لے ذرا
فرق آنجانے لگا تری حُسن و جمال میں

اسکو ہماری فکر نہ کچھ ہمکو اُسکی فکر
دل اپنے حال میں ہے تو ہم اپنے حال میں

دل میں کبھی تو آنکھوں میں رہتے ہو تم کبھی
اب میں ہوں بیقرار کہ تم بے قرار ہو

مرنے کی اک اُمید پہ جی جائیں بے نصیب
تم بھی کسی کے غم میں اگر سوگوار ہو

پانی کی اور رائے ہوا کا کچھ اور حکم کو
اب کس طرف سفینۂ عمرِ رواں چلا

جاہ

جاہ - راجہ جنگ بہادر خاں کے - سی - آئی - ای - راجہ نانپارہ اودہ - طبقہ تعلقہ داران اودہ میں بڑے ممتاز اور معتقد رئیس گزرے ہیں - اپنی بیدار مغزی ہوشیاری اور خوش انتظامی سے ریاست کے ہر صیغے میں نمایاں ترقیاں کیں - رعایا اور حکام دونوں کو خوش رکھا ۱۳۱۴ھ میں آپ کا دوسرا دیوان چھپا تھا اُسمیں سے چند شعر انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں - غزلوں کی نسبت دوہے اور ٹھمری کہنے کا زیادہ شوق تھا - آدمی فقیر دوست - سادہ مزاج اور خلیق تھے ۱۸۹۱ء میں انتقال کیا - مال و جنس کے علاوہ ایک کروڑ روپیہ نقد خزانہ میں اپنے جانشین صاحبزادے کیلئے چھوڑا - اب اُنکا بھی انتقال ہو گیا اور ریاست زیر انتظام کورٹ آف وارڈ ہے -

شعر بنا ہے کوہ تجلی حسن سے	کیا رنگ ناز طور پر اسے جاں دکھا دیا
سوز فراق آتش رخسار یار نے	تو عشق کی لاگ کے مجھے کیوں جلا دیا
بسمل تڑپ تڑپ کے یہ کہتا ہے شوق میں	اک ہاتھ اور کیوں نہ ستمگر لگا دیا
ہیں حسینان جہاں سامنے سب تیرے خجل	چہرۂ حور کہوں یا رخ پر نور کہوں
ہو قریب رگ جاں گو ہو نہاں نظروں سے	اس ادا سے تمہیں نزدیک کہوں دور کہوں

جاہ

جاہ - نواب سید بنیاد حسین خاں جاہ رئیس اعظم کانپور - آپ نواب سید احمد حسین خاں سالک مغفور کے فرزند رشید اور نواب معتمد الدولہ وزیر غازی الدین حیدر اول بادشاہ اودہ کی اولاد امجاد سے ہیں چنانچہ شاہ موصوف نے جو وثیقہ اولاد نواب معتمد الدولہ کے لیے مقرر فرمایا تھا اُس سلسلہ میں زائد از ایک ہزار روپیہ ماہوار آپ کو بھی وثیقہ ملتا ہے - اِسکے علاوہ زمینداری و دیگر جائداد بھی معقول آپکے ورثہ میں آئی ہے - علوم متعارفہ میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں - فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے مستفید ہیں - پہلے قیصر تخلص فرماتے تھے - اب جاہ تخلص کرتے ہیں - ماہ صیام سنہ ۱۲۸۰ھ آپ کا سال ولادت ہے - آپ کی تصانیف سے دو دیوان شایع ہو چکے ہیں - اور بیاض نوحہ جات - اقتباس الانوار بطور کشکول اور کتاب وردِ ثمین بھی چھپ گئی ہیں - شعر شاعری کا شبانہ روز مشغلہ رہتا ہے اور حق یہ ہے کہ آپ کا مذاق شاعری نہایت صحیح و شستہ ہے - عادات و اخلاق میں بھی اپنے بزرگان

محتشم کے قدم بہ قدم ہیں اور رؤسائے قدیم کی ایک عمدہ یادگار۔ اب کئی سال سے مرثیہ گوئی کا بھی شوق ہے۔ کئی برس سے اب اکثر لکھنؤ میں قیام رہتا ہے۔ کلام فصاحت التیام کا انتخاب ملاحظہ ہو

شام سے وصل ہیں جاگا جو مقدر اپنا | صبح تک یار کے زانو پہ رہا سر اپنا

حیا جائے تو نکلے دل سے ارمانِ وصل جاناں کا | یہ قیدی منہ لگا کرتا ہے زنداں میں نگہباں کا

لہو میں لوٹتے ہیں کشتگانِ خنجرِ الفت | عروسِ مرگ غازہ ملتی ہے خونِ شہیداں کا

متاعِ حسن کی میزاں ہیں آنکھیں عشق بازوں کی | انھیں پلّوں میں سونا تُلتا ہے رخسارِ جاناں کا

عدم کا راہ رو اب راستے میں مر نہیں سکتا | کفن پایا کہ پروانہ ملا شہرِ خموشاں کا

دمِ رخصت کہاں الفت گئی تھی یاد کر ظالم | جھٹک دینا وہ ہاتھوں کا چھڑا لینا وہ داماں کا

بتوں کی ہے یہ گلی جاہ دیکھ بھال کے چل | سنبھل کے چل دلِ بیتاب کو سنبھال کے چل

نقاب ڈال کے چل چال کچھ سنبھال کے چل | ارے یہ عرصۂ محشر ہے دیکھ بھال کے چل

رخسار گلرخوں کے بھی قدرتِ خدا کی ہیں | کیا کیا کھلے ہیں گل چمنِ کائنات میں

شیریں زباں ہو تم نہیں زیبا ہیں گالیاں | کیوں دو کسی کو زہر ملا کر نبات میں

حوروں سے کم نہیں ہیں حسینانِ دہر بھی | جنت کے پھول ہیں چمنِ کائنات میں

دلہائے داغدار کو دے زلف میں جگہ | روشن چراغ ہوں ترے گیسو کی رات میں

جو تڑپائے گا فرقت میں دلِ اندوہگیں مجھ کو | اُگل دیگی دفینہ کی طرح فوراً زمیں مجھ کو

بینا نہیں ہے چشمِ بصارت اگر نہ ہو | آنکھیں ہیں دیکھنے کی جو نورِ نظر نہ ہو

آفت کا سامنا تھا بڑی خیر ہو گئی | دل جا چکا تھا بیچ میں چلمن اگر نہ ہو

ظلم کی عادت بڑی ہی جور و جفا کی خو بڑی | مشقِ سفاکی بڑی ہے جتنا ستمگر تو بڑا ہے

کچھ راستے میں ملتے جو اشارہ کریں حضور | تیغِ نظر چلے تو چھٹے بھیڑ راہ کی

ہجر میں دے نہ سکا ساتھ ہمارا کوئی | دل جگر دونوں میں نکلا نہیں اپنا کوئی

عاشقوں ہی پہ ہے سارا زور تیرا اے جنوں | قیس دیوانہ ہوا لیلیٰ نہ دیوانی ہوئی

آپ کے جاتے ہی پھر رخصت ہوا صبر و قرار
پھر شکستِ رنگ کی رخ پر بحالی ہوگئی

جب ہوئے گویا لبِ رنگیں بڑھا حسنِ کلام
غازۂ روئے سخن ہونٹوں کی لالی ہوگئی

یاد میں اُس مہروش کے ہجر میں کیں گرمیاں
لیلیٔ شب دھوپ کھا کر اور کالی ہوگئی

سامنے اس روئے روشن کی ضیا پایا جب فروغ
ایسی سمٹی چاندنی چاندی کی تھالی ہوگئی

جاہ

جاہ - جناب سکندر جاہ صاحب لکھنوی تلمیذ جناب ثاقب بدایونی - حالات باوجود کوشش دستیاب نہیں ہوئے - کلام بہم رسیدہ سے چند شعر منتخب ہو کر درج ہوئے -

ساقی ترے کرم کو بہت دیر ہوگئی
لینا خبر کہ نشۂ مے ہے اُتار پر

اللہ رے نازِ حسن تری بے نیازیاں
دو پھول بھی چڑھانے نہ آئے مزار پر

ہمارا مال وہ ایک ایک کر کے مول لیتے ہیں
کبھی دل مول لیتے ہیں کبھی سر مول لیتے ہیں

خدا کی یاد میں فانی کہاں ہیں حضرتِ زاہد
یہ حورانِ جناں ہستی مٹا کر مول لیتے ہیں

خدا حافظ ہے ان عشاق کا بازارِ اُلفت میں
بتوں کا حسن ایماں تک مٹا کر مول لیتے ہیں

ہمنشیں چھیڑ کے گزرے ہوئے افسانے کو
اور دیوانہ بنا دیتے ہیں دیوانے کو

تجھ پہ قربان جو ہوتے مجھے دیکھا سرِ بزم
شمع جل جل کے جلانے لگی پروانے کو

عمر بھر ناصحِ نافہم جو سمجھائے گا
راہ پر لا نہ سکے گا ترے دیوانے کو

آ گئے اس دلِ مضطر کے کہے میں ہر بار
ہم یگانہ ہی سمجھتے رہے بیگانے کو

مر نہ جاؤں کہیں گھٹ گھٹ کے قفس میں صیاد
کب سے بےچین ہوں گلشن کی ہوا کھانے کو

دیکھو ہو جائے نہ محفل میں قیامت برپا
کچھ ہنسی کھیل نہ سمجھو مرے تڑپانے کو

بیطرح سر مرے نالوں نے اُٹھا رکھا ہے
کیا فلک سے ہے کوئی تازہ بلا آنے کو

محتسب دیدۂ بد بیں سے جو دیکھے اے جاہ
اپنی آنکھوں میں چھپا لوں ابھی میخانے کو

رشکِ اغیار کی اک عمر خلش مٹ نہ سکی
یہ وہ کانٹے ہیں کہ سینے سے نکالے نہ گئے

بیکسی کہتی ہے شاہوں کی لحد پر اے جاہ
کچھ بھی دنیا سے یہ حسرت کے سوا لے نہ گئے

جدت - منشی محمد عزیز الرحمن خاں نام - جدت تخلص - آفریدی سیاہ خیل پٹھان وطن فرخ آباد - خلف الصدق محمد عبد الرحمن خانصاحب ہیڈ کلرک و مترجم عدالت ججی فتحگڈھ ضلع فرخ آباد - چونکہ ان کے والد ماجد حضرت پیران پیر دستگیر کے بدل معتقد اور نیاز گیارہویں کے پابند تھے اس واسطے ان کا تاریخ گیارہ ماہ پیران پیر کو پیدا ہونا خاندان میں نہایت مبارک خیال کیا گیا۔

آپ شاعری میں حضرت داغ دہلوی کے شاگرد ہیں - ذیل کے ناول آنکی تصانیف سے ہیں جن میں سے چند طبع ہو چکے ہیں - ماہ کامل - بدر - میاں بی بی کا مکالمہ - رشیدًا مجیدًا وغیرہ وغیرہ مدت تک اخبار انیس ہند میرٹھ - اودھ پنچ - لاہور پنچ - آگرہ پنچ وغیرہ کی نامہ نگاری کے ہے - ذیل کا منتخب کلام اُن کی جولانی طبع کا نمونہ ہے۔

قتل مجھکو بے خطا بیجا کیا
یہ تو کہئے آپنے پھر کیا کیا

کوسا کاٹا گالیاں دیں آپنے
میں نے جھوٹوں بھی کبھی شکوا کیا

مرضِ عشق کا بیمار جو اچھا ہوگا
لبِ جاں بخش سے اعجازِ مسیحا ہوگا

تم ملو غیر سے میں تم سے ملوں خوب کہی
کوئی ہمتا ہی اگر ہوگا تو ایسا ہوگا

میں نے پوچھا جو مزاج اُنکا تو یہ فرمایا
آپ کی جان کو ہر وقت دعا کرتے ہیں

منہ کو آنچل سے چھپاتے ہیں بُرا کرتے ہیں
کوئی پوچھے تو بھلا آپ یہ کیا کرتے ہیں

واعظا کون ہے تو ہمکو ڈراتا کیوں ہے
جس کے بندے ہیں اُسی کی تو خطا کرتے ہیں

اُن کی آمد کی خبر جب سے سنی ہے قاصد
رات دن بیٹھے ہوئے در کو تکا کرتے ہیں

جو دیکھا گیسوئے پُرشکن کو تو عالمِ پیچ و تاب میں ہوں
نکیلی پلکوں نے چھانا تن کو بلا کے قہر و عذاب میں ہوں

نہ جان و تن کی خبر ہے مجکو نہ فکر درد جگر ہے مجکو
یہ بیخودی کا اثر ہے مجکو کہ جیسے شغلِ شراب میں ہوں

رہا وعدہ دل یہ کیوں اپنے نہ قائم تو
ادہر تو دیکھئے آنکھیں ملا کے

نجائیگی ہماری آہ خالی
جلیں گے آپ بھی ہمکو جلا کے

سنی جو رنج فرقت کی کہانی
بہت روئے گلے مجکو لگا کے

سوال وصل پر بولے وہ جدت
چالیں چلتے ہیں نئی حشر اٹھانیکے لئے
سن کے یہ مژدۂ جاں بخش ہوا شادی مرگ
آپ کی خاکِ قدم کاش مجھے ملجائے
ہائے رے حسرتِ دیدار کہ مرتے مرتے
چال اٹکھیلیوں کی چلتی ہوئی آئی بہار

دغا کرتے نہیں گھر میں بلا کے
تربتِ عاشقِ ناشاد مٹانیکے لئے
کہ وہ آئیں گے جنازے کو اٹھانیکے لئے
سرمۂ دیدۂ بے خواب بنانے کے لئے
آنکھ اغماض رہا شکل دکھانے کے لئے
نیند سے سبزۂ خفتہ کو جگانے کے لئے

جدت - جناب مسعود رضا ساکن مددپور - بھاگل پور - معلوم نہیں کہ تلمذ کس سے ہے - اشعار ذیل سے پایا جاتا ہے کہ طبیعت دار شخص ہیں اور روزمرہ زبان پر اچھی دسترس ہے -

یہ ڈھٹائی نہیں تو پھر کیا ہے
ہمسے نفرت ہے غیر سے الفت
ہم ہیں مشتاق اور تم بیزار
میں کشیدہ ہوں تم کشیدہ ہو
اُس کے در تک نہ پہونچو گے جدت

کج ادائی نہیں تو پھر کیا ہے
میرزائی نہیں تو پھر کیا ہے
یہ رکھائی نہیں تو پھر کیا ہے
یہ لڑائی نہیں تو پھر کیا ہے
جب رسائی نہیں تو پھر کیا ہے

جدت - مستری محمد ابراہیم مقیم شملہ شاگرد شوکت میرٹھی - شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں - استعارہ بندی کی طرف زیادہ میلان ہے - یہ کلام کا رنگ ہے -

دل مسکن حبیب تھا دل کا نشاں نہ تھا
کس کی چشم مست نے دلپر چلائی تیغ ناز
شیخ صاحب گر مئے انگور پینا ہے حرام
یہ کھا ول سنئے کہ میں بھی ساتھ اسی کے جاؤنگا
وہ مجکو قتل کرکے یہ کہتا ہے غیر سے
سینے میں یاد دوست ہو اور دم لبوں پر ہو

حیرت کا ہے مقام مکیں تھا مکاں نہ تھا
زخم کے انگور میں بھی ہے مزہ انگور کا
کسنے جائز کردیا کھانا تمہیں انگور کا
لے کے خط مجھسے جو رخصت نامہ بر ہونے لگا
چکھو تو تم بھی خنجرِ فولاد کا مزہ
ایسی اگر ہو یاد تو ہے یاد کا مزہ

انساں ہے مبتلائے ہوس روح کا ہے قول	مشکل ہے تیرا چھوٹنا دنیا کے جال سے

جدید۔ منشی سید محمد مہدی صاحب جدید لکھنوی آپ حضرت تعشق مرحوم کے حقیقی بھتیجے اور جناب محمد مرزا انس کے پوتے ہیں۔ گویا خاندانی شاعر و مرثیہ گو ہیں ۱۲۸۵ھ ہجری سال ولادت ہے۔ تیرہ سال کی عمر سے شعر کہتے ہیں۔ پڑھتے بھی خوب ہیں۔ محرم کے زمانہ میں حسب معمول خاندان اکثر بیرونجات میں جاتے ہیں۔ چنانچہ اب کئی سال سے دکن تشریف لیجاتے ہیں۔ حضور نظام کی خدمت میں بھی باریاب ہو چکے ہیں۔ مذاق سخن بہت شستہ اور درست ہے۔ مشق سخن کا پوچھنا ہی کیا۔ رہی غزلگوئی وہ مرثیہ کے مقابلہ میں کیا چیز ہے۔ آپ کی زباندانی کی تعریف فضول ہے کیونکہ وہ ان کے خاندان کا حصہ ہے۔ اسکے علاوہ نزاکت خیال اور مضمون آفرینی بھی آپ کے کلام میں موجود ہے۔ بہرحال ان کا کلام ہر طرح پاکیزہ اور ستھرا ہے۔ سن شریف ۴۰ سال کے قریب ہے۔ آپ کو مرثیہ گوئی میں جناب تعشق سے تلمذ ہے اور اب تو آپ لکھنؤ میں خود استاد مانے جاتے ہیں۔

دل ہوا خوں جو ترے تیر کا پیکاں نکلا	ظرفہ ماتم ہوا جب گھر سے یہ مہماں نکلا
وہ نہ آئے مرے لاشہ پہ بھی اللہ کرے	یہ تو کہنے میں نہ آئے کوئی ارماں نکلا
حسن وہ چیز ہے ہر ایک جگہ ہوتی ہے قدر	سبب رونق زنداں مہ کنعاں نکلا
ہے مے حسرت سے نظر کی دل مایوس کی سمت	جب سنا یہ کہ کسی کا کوئی ارماں نکلا
اے زہے جوش جنوں اُن سے اسیری کی ہوس	دم بھی نکلا تو قریب در زنداں نکلا
قاتل نہ تو نے ستم کے تڑپنے کی سیر کی	جو کچھ تھا حوصلہ دل بسمل میں رہ گیا
اُسکی نگاہ ناز میں تیزی زیادہ ہو	اک تیر تھا کہ آکے مرے دل میں رہ گیا
دریا گھٹا یہ دیکھ کے اُس بحر حسن کو	دھبہ سا ایک دامن ساحل میں رہ گیا
دنیا میں گرچہ میں نہ رہا تو نہیں سہی	ذکر وفا تو یار کی محفل میں رہ گیا
آخر کسی سے راہ محبت نہ طے ہوئی	ہر ایک تھک کے عشق کی منزل میں رہ گیا
عمر سب نفس کی طاعت میں بسر کی سینے	ہائے افسوس کہی دن نہ خدا یاد آیا

دل کو تاراج کیا تو نے قیامت کر دی
تیرا ارماں بھی تھا اسمیں ترا راز بھی تھا

ضبط وحشت کا ہے دشوار ذرا حضرتِ قیس
فخر کی بات نہیں آبلہ پا ہو جانا

وہ یہ کہتے ہوئے آتے ہیں مری لاش کیساتھ
چاہئے حقِ محبت سے ادا ہو جانا

ایسا ہے یار حُسنِ رخ لاجواب کا
دریا میں ایک پھول پڑا ہے گلاب کا

جاتے ہیں اس خیال سے خود لیکے اپنا خط
ہم انتظار کر نہ سکیں گے جواب کا

عشق میں خاطر سبھوں کی چاہئے یکساں کریں
دل کے سو ٹکڑے برائے ناوکِ مژگاں کریں

زخم میرے دلِ سوزاں کے سے جاتے ہیں
جلتے جاتے ہیں وہ ٹانکے جو دیئے جاتے ہیں

اب خبر لیجئے لاش اُٹھتی ہے مجبور ہوں میں
سب مجھے آپکے کوچے سے لئے جاتے ہیں

موت سو مرتبہ آ آکے پلٹ جاتی ہے
اُلٹی سانسیں ترے بیمار سے لئے جاتے ہیں

ظلم سے اپنے پشیمان ہوا وہ سفاک
آج ٹانکے مرے زخموں میں دیئے جاتے ہیں

اسیرانِ کہن اس ڈر سے کب فریاد کرتے ہیں
کہیں گے آپ یہ سب شکوہ بیداد کرتے ہیں

ترے آنے کا ذکر او بانیِ بیداد کرتے ہیں
یہ باتیں بہرِ تسکینِ دلِ ناشاد کرتے ہیں

جہاں میں عاشق و معشوق لاکھ چھوٹتے ہیں
کہیں جو رشتۂ الفت ہیں وہ بھی ٹوٹتے ہیں

مثال نشۂ مے نشۂ جوانی تھا
گیا شباب تو اب ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں

رباعی

والی کو یہاں کے شاد و خرم رکھیں
دشمن کو سدا ذلیل و برباد رکھیں

اسلام کا ہے ملک دعا مانگ جدید
محشر تک اسکو حیدرآباد رکھیں

آزمانے کوئی سوزِ عشق کی تاثیر کو
آبلے پڑ جائیں گر چھو لے مری تصویر کو

یہ نالہ پوچھتا ہے مجھ حزیں سے
ملا دوں آسمانوں کو زمیں سے

تیرے بیمار بگڑتے ہیں برا مانتے ہیں
اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حال اچھا ہے

ہے نئی ضد کہ پریشان کرینگے گیسو
جب سُنیں گے دلِ بیمار کا حال اچھا ہے

بجا ہے اب جو کہیں لوگ اُن کو ہرجائی
نہ اُٹھی ایک سے تکلیف مرے لاش اُٹھانیکی
فکریں بیٹھے ہیں در پر مری لاش آئی ہے
پھول گر ہو جائیں یہ خوش قسمتی

تمام خلق کی آنکھوں میں ہیں سمائے ہوئے
ہوئیں جب بند آنکھیں کیفیت دیکھی زمانے کی
دل سے فرماتے ہیں کیسی مری رسوائی ہے
آپ کا نٹے میرے حق میں بو چکے

جدید — **جدید** - جناب محمد امیر صاحب بلگرامی شاگرد جناب مرزا حاتم علی صاحب مہر ۱۸۹۰ء تک حیات تھے - باوجود تلاش زیادہ حالات معلوم نہو سکے۔

عشق کی جب عنایت ہو گئی
کیا نظر آیا انہیں آئینے میں
خواب میں آیا نظر اُنکا جمال
کس پریرو پر ہوئے عاشق جدید

ہوش زائل عقل رخصت ہو گئی
کسکو دیکھا کیسی حیرت ہو گئی
عین ہشیاری یہ غفلت ہو گئی
کیا ہوا کیوں زرد صورت ہو گئی

جذب — **جذب** - میر عزت اللہ عرف میر بھکاری - مقیم دہلی - بریلی کے معززین میں سے تھے - علوم رسمی سے آگاہ اور اکثر فنون سے واقف تھے - سرکار کمپنی کی طرف سے عہدۂ جاسوسی پر مقرر تھے اور اسی ذریعہ سے سیر و سیاحت میں مصروف رہتے تھے - وسط الیشیا کے نواح میں بخارا کے قریب مارے گئے - طبیعت موزوں پائی تھی شعر و سخن کی طرف توجہ تھی - یہ اشعار اُنکے ہیں۔

واں صفائی و خود نمائی ہے
اے فلک مجھ سے اتنی بے مہری
یاں ہوئے ہم تو جاں بحق تسلیم
جو کہ حلقہ بگوش نسکے ہیں
جذب چل دیکھ آستانۂ یار

یاں مری جان کی صفائی ہے
یہ ترے دل میں کیا سمائی ہے
واں ابھی عشق آزمائی ہے
ناک میں اُن کی جان آئی ہے
ہم ہیں اور اُس کی جبہ سائی ہے

جذب — **جذب** - مولوی عابد حسین صاحب جذب شاگرد منشی جلیل احمد صاحب وجد سلیم المذاق اور طباع شاعر تھے - کلام سے مشاقی ٹپکتی ہے - زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - یہ اشعار اُنکے ہیں۔

تھا زیست تیری سمت خیالِ بشر نہ تھا — تو تھا جدھر گماں بھی کسی کا اُدھر نہ تھا
تیرے سوا کسی کا مرے دل میں گھر نہ تھا — انسان کیا بلا ہے پری کا گزر نہ تھا
ساقی یہاں تو شیشہ و ساغر کا ذکر کیا — خُم کا یہ حال ہے اِدھر آیا اُدھر نہ تھا
اِس سے تو گور تک بھی نہ پیچھا چھٹا ہوا — دشمن تھا جان کا مرے دردِ جگر نہ تھا
مرتے ہی میرے جا کے ملو گے رقیب سے — ان قدموں کی قسم یہ گماں آپ پر نہ تھا
جب تک عزیز جان تھی ہر چیز کا تھا خوف — مرنے پہ باندھتے ہی کمر کچھ خطر نہ تھا
کس زندگی پہ جذب اکڑتے تھے صبح شام — جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر نہ تھا

جذب

جذب - حکیم علی حافظ جذب باشندۂ حکیم آباد - دورِ موجودہ کے شاعر ہیں - چند شعر درج کئے جاتے ہیں -

گر نہ تھا گھر میں چراغ اپنے تو اچھا نہ سہی — داغ ہی سینے میں ہوتا کہ اُجالا ہوتا
جذب کیوں ناز حسینوں کے اُٹھانے پڑتے — دل ہی قابو میں جو اپنے حضرتِ والا ہوتا
دل آ جائے تو اعلیٰ اور ادنیٰ سب برابر ہیں — جو بجزو ہو وہ کیا دیکھے بلندی کیسی پستی ہے
چل اے دل ہم بھی کچھ سودا کریں بازارِ خوباں میں — سنا ہے آجکل جنسِ محبت خوب سستی ہے
نہ تو پھولوں کی چادر ہے نہ کوئی شمع ہی روشن — مزارِ بیکساں پر کس قدر حسرت برستی ہے

جرأت

جرأت - مرزا مغل خلف عبدالباقی خاں ابن حمید الدین خاں ساکن نیچہ - مرزا رفیع السودا کے شاگردوں میں تھے - زندہ دل - شیریں گفتار اور نہایت قابل شخص تھے - بریلی میں انتقال کیا - زمانۂ وفات صحیح معلوم نہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ سنہ ۱۸۴۰ء میں مر چکے تھے - یہ اُن کا کلام ہے -

بھلا تو مجھ سے تو کہہ کیا ہوا ہے تجھے اے دل — جو اس طرح سے تو رہتا ہے میرے لال پڑا
نپٹ ہی حال پریشاں ہے آج سنبل کا — چمن پہ آہ یہ کس زلف کا وبال پڑا
کیوں نہ ہوویں جان و دل سے ہم نثارِ آئینہ — عکس ہے مکھڑے کا تیرے ہم کنارِ آئینہ

روبرو ہوتے ہی مفتوں کر لیا اُس شوخ کو	دیکھیو ٹک غور سے جرأت تو کارِ آئینہ
غیروں کا گر میں شکوہ یارو کروں عبث ہے	سو دشمنوں کا دشمن دل ہے یہ پاس میرے
جوں برگِ گل جھڑے ہیں گلشن میں زیرِ گلبن	لختِ جگر پڑے ہیں یوں آس پاس میرے

جرأت - یحییٰ امان عرف قلندر بخش - اکبرآبادی مشہور ہیں مگر انکے باپ حافظ امان خاص دہلی کے رہنے والے تھے تمام تذکروں میں لکھا ہے کہ ان کے خاندان کا سلسلہ رائے امان عہدہ دار محمد شاہ سے ملتا ہے۔ دہلی میں گھنٹہ گھر کے قریب رائے امان کا کوچہ انہیں کا بنایا ہوا ہے۔ جرأت جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے۔ فن شعر کے علاوہ نجوم اور موسیقی میں اچھی دسترس حاصل تھی۔ ستار خوب بجاتے تھے۔ میاں جرأت ۱۲۱۵ھ میں دہلی سے لکھنو پہنچے اور مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہِ عالم ثانی کی سرکار میں ملازم ہوگئے۔ وہاں میر انشاء اللہ خاں اور مصحفی سے اکثر صحبتیں رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ تنخواہ میں دیر ہوئی حسن طلب میں ایک غزل کا مقطع کہا ؎

جرأت اب بند ہے تنخواہ تو کہتے ہیں یہ ہم	کہ خدا دیوے نہ جبتک تو سلیماں کب دے

فارسی کا ترجمہ ہے "تا خدا ندہد سلیماں کی دہد" پھر کچھ عرصے بعد نواب حافظ رحمت خاں کے بیٹے نواب محبت خاں کی سرکار میں بزمرۂ شعرا منسلک ہوگئے۔ اُسوقت میں یہ شعر کہا ؎

بسکہ گلچیں تھے سدا عشق کے ہم بستاں کے	ہوگئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے

جناب جرأت کے واقعات زندگی میں یہ قابل افسوس واقعہ ہے کہ عین جوانی میں آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ یہ حادثہ چیچک سے ہوا۔ بعض مشہور کرتے ہیں کہ پہلے یہ اندھے نہ تھے بعض موقعوں پر شوخیِ عمر کے اقتضا سے شوقیہ اندھے بنے پھر دیکھتے دیکھتے فی الواقع نابینا ہوگئے۔ اگرچہ بصارت ظاہری سے معذور تھے۔ مگر رنگین اور پُرلطف مضامین خوب سوجھتے تھے۔ اُس زمانہ کے لوگوں نے جو اُن کے حالات لکھے ہیں اُن سے پایا جاتا ہے کہ ان کے اور ان کے ہم عصر شعرا آتش، قتیل وغیرہ کی امرا ایسی قدر کرتے تھے کہ گھر میں رہنے نہ پاتے تھے۔ آج ایک امیر کے ہاں ہیں دوسرے دن دوسرے امیر کے ہاں آئے اور اپنے

ساتھ سوار کرا کر لے گئے۔ چار پانچ دن وہاں رہے کوئی اور رئیس آئے وہاں سے لے گئے۔
جہاں جاتے ضروری عیش و آرام سے زیادہ عیش کے سامان مہیا ہوتے۔ رات دن قہقہے چہچہوں میں وقت گزارتے۔ بلبل و طوطی کیطرح طبع موزوں ازل سے لائے تھے انکے کلام خاص جوہر عطا اللہ ہیں جسنے انکی حیات ہی میں انکا نام خوب چمکا دیا۔ عاشقی کے راز و نیاز اور کوچہ عشق کی راہوں سے باخبر تھے۔ اسی سلئے جو کچھ زبان قلم سے نکلتا تھا دلوں میں گھر کر لیتا تھا۔ کلام صاف شستہ بندش چست۔ ان کے اشعار سر تا سر نیچر کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور پھر مزا یہ کہ لطف محاورہ کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ باوجود کم علمی کے فن شعر کا ایسا ملکہ راسخہ حاصل تھا کہ بڑے بڑے معرکوں میں کبھی کسی ہمعصر سے دب کر نہیں رہے۔ بلکہ بیشتر تو یہی ہوا کہ میدان ان کے ہاتھ رہا۔ ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا۔ شیخ ناسخ نے انتقال کی تاریخ کہی ؎

گلشن فردوس میں جانا ہوا	جب میاں جرأت کا باغ دہر سے
ہائے ہندوستان کا شاعر موا	مصرع تاریخ ناسخ نے کہا

غزلگوئی میں میاں جرأت میر تقی میر کی طرز کے معتقد تھے اور ان کی فصاحت و سادگی پر انہوں نے اپنی شوخی اور بانکپن کا حاشیہ ایسا چڑھایا کہ جسنے پسند عام اور شہرت دوام کا تمغہ حاصل کر لیا انکی حیات ہی میں کلام کی دھوم مچ گئی۔ بازاروں میں لوگ شعر پڑھتے پھرتے تھے اور خاص علمی صحبتوں میں بھی اکثر اشعار شوق سے پڑھے اور سنے جاتے تھے ان کی طرز خاص انہیں کا ایجاد ہے۔ ان سے تین ضخیم دیوان یادگار رہے۔ راقم تذکرہ کے کتب خانہ میں جو انکی تصانیف کا ذخیرہ ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ ایک ضخیم کلیات کامل ۴۰۰ صفحہ کا دوسرا کلیات نہایت خوشخط اور صحیح نواب جھجر کے کتب خانہ کا قریب ۱۰۰۰ صفحہ کا اور اسی طرح ۲ نسخے اور متفرق عمائد کے کتب خانوں کے موجود ہیں۔

حضرت جرأت کی زندہ دلی اور ہردلعزیزی کے لطائف اور ظرائف اکثر لوگوں کے زبانزد ہیں اسلئے یہاں صرف ضروری حالات کے اندراج پر اکتفا کیا گیا ؎

انتخاب کلام جرأت

شمع ساں کسنے مجھے پھولتے پھلتے دیکھا
ہوں میں وہ نخل کہ دیکھا بھی تو جلتے دیکھا

تجکو ہم اسلئے کہتے تھے کوئی دم مت جا
چل بسے ہم نہ ترے چلتے ہی چلتے دیکھا

اس کا بیمار نہ نکلا کبھی گھر سے جرأت
گھر سے تابوت ہی آخر کو نکلتے دیکھا

جستجو میں دل کے بہلانیکی جی کھونا پڑا
جو ہنسی کی بات بھی اسکا ہمیں رونا پڑا

کوئی دل مانگے تھا۔ تو کہتے تھے ہم منہ دھو رکھو
سو یہ کہتے کہتے اب اشکوں سے منہ دھونا پڑا

دل کے لگجاتے ہی جی تن سے ہمارے نکلا
جی لگانیکا تھا ارمان سو بارے نکلا

غرق ہو بحر محبت میں جو ہے طالب یار
کہ نہ موتی کبھی دریا کے کنارے نکلا

اب گذارا نہیں اس شوخ کے در پر اپنا
جسکے گھر کو یہ سمجھتے تھے کہ ہے گھر اپنا

پوچھو نہ کچھ سبب مرے حالِ تباہ کا
الفت کا ہے ثمر یہ نتیجہ ہے چاہ کا

تیرے مریضِ غم کی زباں پر نہیں کچھ اور
ایک تار بندھ گیا ہے مگر آہ آہ کا

تشبیہ کس مزے سے میں لذت کو اسکی دوں
کچھ دل ہی جانتا ہے مزا دل کی چاہ کا

مت یہ گھبرا کر کہو اب یاس سے بندا جائیگا
کوئی مر جائیگا صاحب آپکا کیا جائیگا

رات کیا کیا مجھے ملال نہ تھا
خواب کا تو کہیں خیال نہ تھا

بزم میں گل نگہ مست سے اسکی یارو
کون ایسا نظر آیا کہ جو مدہوش نہ تھا

چین کیا ہو خانۂ ہستی میں خاک
جو یہاں آیا مکدر ہی گیا

غم فراق سے جرأت نہ اسقدر گھبرا
کہ وصل صبح نہیں ہے تو شام ہوویگا

گرمی سے رخ کی یوں دلِ دیوانہ جلگیا
شعلے سے جیسے شمع کے پروانہ جل گیا

لکھتے ہی سوزِ غم نہ فقط خامہ جل گیا
لو مرغ نامہ بر بھی معہ نامہ جل گیا

مر گیا کل ہی جرأتِ بیمار
تو عیادت کو اسکی آج آیا

لگتی نہیں پلک سے پلک وصل میں بھی آہ
آنکھوں کو پڑ گیا ہے مزا انتظار کا

چشم وا کرتے ہی نرگس کی طرح کملائیے
چمنِ دہر کا کچھ ہم نے نظارا نہ کیا

کوئی جہاں میں مجھکو بھی منہ لگاتا آہ
برنگِ نے جو مرے نالوں میں گر اثر ہوتا

فصلِ گل گرچہ ہزار آئی پر اپنا جرأت
دلِ پژمردہ نہ جوں غنچۂ تصویر کھلا

کس گھڑی سے وہ ہمیں در پہ نظر آیا تھا
سر ٹپکتے ہیں پڑے ہم پسِ دیوار اپنا

لبِ ساغر سے بلا مست لبِ گلگوں اپنا
غنچہ ساں رشک سے کب تک میں پیوں خوں اپنا

کیسا پیغام آکے یہ تو نے صبا دیا
مثلِ چراغِ صبح جو دل کو بجھا دیا

گر لگی آتش مرے دل اور جگر کو کیا ہوا
اشکِ تر کیوں تھم رہے ہیں چشمِ تر کو کیا ہوا

یہی کہتا ہوں جب سے اسے جرأت
کوچۂ یار مجھ سے چھوٹ گیا

کس بیاباں میں آہ لائے نصیب
گل و گلزار مجھ سے چھوٹ گیا

جوں حباب اس بحر میں ہستی کی لگتے ہی ہوا
ٹکڑے ٹکڑے سو جگہ سے اپنا پیراہن ہوا

چین اس دلکو نہ اک آن ترے بن آیا
دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا

گو پھول پھول کر اب تو دیکھتی ہے بلبل
گلشن کا پر نظارا معلوم ہو رہیگا

اور تو کیا مشغلے ہیں ہجر میں تیرے مگر
دل کی بیتابی سے سو سو بار اٹھنا بیٹھنا

اسکی اک آواز تو سن لیویں آ اٹھتے بیٹھتے
گر میسر ہو پسِ دیوار اٹھنا بیٹھنا

جام سے کی نہیں اب ہمکو طلب اے ساقی
بس تری آنکھ دکھانے ہی نے بیہوش کیا

کیوں ہو حیراں سے کیا آئینہ دیکھا پیارے
کچھ تو بولو کہ کسی نے تمہیں خاموش کیا

بھری ہے حسرتِ دیدار دل میں دم ہے آنکھوں میں
خدا کیواسطے جلدی اب اے بیداد گر آنا

گئے وہ دن کہ واں جاتے تھے اور پردہ اٹھاتے تھے
میسر اب نہیں چوری چھپے بھی بات کر آنا

کون دیکھیگا بھلا اس میں ہے رسوائی کیا
خواب میں آنے کی بھی تمنے قسم کھائی کیا

اب بھی اے ساقیِ گلفام ہمیں بھول گیا
سبکو بھر بھر کے دیئے جام ہمیں بھول گیا

جب تلک دل نہ لیا تھا تو کبھی آتا تھا
دل کے لیتے ہی وہ خود کام ہمیں بھول گیا

کوئی ایسی نہ شب گذری جو ٹوٹے تار رونیکا
ہوا سے شمع ساں جب سے مجھے آزار رونیکا

سبھی باغ جہاں میں مثل گل خنداں ہیں پر جیتا
فلک نے شبنم آسا ایک ہمیں کو کار رونیکا

یہی رونا ہے گر منظور جرأت
تو بینائی سے تو معذور ہوگا

یاد ہیں کا ہو رہے گا یا عدم کو جائیگا
پھر نہیں پھرنے کا اس کوچے میں اب ہو جائیگا

گلشن گیتی میں جو آوے گا کیا پاویگا یاں
غنچہ ساں کچھ اور اپنی گانٹھ کا کھو جائیگا

رو بروئے سوز غم سے یوں تن لاغر مرا
حال جو شعلے کے آگے ہو خس و خاشاک کا

گر کرے پرواز اوج عرش پر جرأت تو کیا
خاک میں ملجائیگا آخر یہ پتلا خاک کا

گرد سے آئینہ پایا ہے جلا دیکھ لو تم
حسن یہ آپ کا مجھ خاک بسر سے چمکا

صبح ہوتے ہی جو وہ غائب ہوا مہتاب سا
وصل کی یہ رات تھی یا ہمنے دیکھا خواب سا

یہ سواد شہر اور ایسا کہاں حسن ملیح
شش جہت میں ملک دیکھا ہی نہیں پنجاب سا

شعلۂ برق و شرر کو ہمنے دیکھا پر کوئی
بیقراری میں نہ دیکھا اس دل بیتاب سا

رخ جو پردے سے مرے رشک قمر کا نکلا
نہیں معلوم کہ یہ چاند کدھر کا نکلا

زلف و رخ کی جو گیا یاد میں دل کھو جرأت
شام تک بھی نہ پھر آہ سحر کا نکلا

کیا خلل آپس میں یہ اے شوخ پر فن کر دیا
دلکو میرا اور مجکو دل کا دشمن کر دیا

دل جو غم کھایا کیا وہ غم سبھی کھاتا رہا
جب تلک جیتا رہا میں دل لئے دکھ پاتا رہا

کیا خزاں نے رنگ گلشن کا یہ بلبل کر دیا
ہوتے ہی روشن چراغ گل کو جو گل کر دیا

برہم کبھی قاصد سے وہ محبوب نہ ہوتا
گر نام ہمارا سر مکتوب نہ ہوتا

خوبان جہاں کی ہے ترے حسن سے خوبی
تو خوب نہ ہوتا تو کوئی خوب نہ ہوتا

شمع ساں جسنے کی زبان دراز
اسکا قصہ ہی مختصر دیکھا

ہم اسیران قفس کیا کہیں خاموش ہیں کیوں
راہ لگ اپنی چل اے باد صبا تجھکو کیا

نکلے ہے بیخودی ہی کا کلمہ زباں سے
زاہد بھی بزم بادہ کشاں میں بہک گیا

خجل ہوں باغباں سے میں نہالِ خشک ساں اپنا
نہ بیٹھا کوئی سایہ میں نہ کچھ مجھ سے ثمر پایا

موئے مجھو تن پہ میرے یہ نکلتا ہے دھواں
دل نہیں پہلو میں اک دہکے ہے انگارا پڑا

پردہ مت منہ سے اُٹھا ناز نہار
مجھ میں اوسان نہیں رہنے کا

گُل کو کیا روتی ہے تو اے بلبل
یہ گلستان نہیں رہنے کا ہو

سینے میں آج نالۂ دل کی صدا نہیں
ہے ہے قفس سے مرغِ خوش آہنگ اُڑ گیا

وہی سمجھے گا جسے زخم دل کو
جگر پر جسکے اک ناسور ہوگا

ہستی ہے جوں حباب یہ ہم غافلوں کو آہ
کتنا کچھ اعتبار ہے بے اعتبار کا

آوارہ یوں ہوا کہ صبا اور نسیم نے
پایا کہیں نہ کھوج ہمارے غبار کا

جرأت اب اُسکے آنیسے بالکل ہوئی جو یاس
احوال کیا کہوں دلِ اُمیدوار کا

رتبہ گُل بازی کا رد لا کاش تو پاتا
ہاتھوں نے جو گرتا تو وہ آنکھوں نے اُٹھاتا

کلمہ پھر سے ترا جسے دیکھے تو پھر نظر
کافر اثر یہ ہے تری کافر نگاہ کا ہو

سوز دل سے حال یہ تھا شب ترے غمناک کا
صبح بستر پر جو دیکھا ڈھیر تھا اک خاک کا

نزع میں بھی تری صورت کو نہ دیکھا افسوس
مرتے مرتے بھی نہ ارمان نظر کا نکلا

بسکہ لکھی تھی میں حالت دلِ گم گشتہ کی
کھو کے قاصد مرا مکتوب کہیں بیٹھ رہا

کیا اُس گھر میں چرچا جسنے میری آہ وزاری کا
الٰہی صبر اُسکی جان پر اس بیقراری کا

کی میکشی جو ہمنے ترے بن تو کیا کہیں
شعلے اُٹھے یہ دل سے کہ میخانہ جل گیا

نہ کچھ حقیقتِ یعقوب پوچھو کنعاں میں
بغیر یوسفِ مصری جو کارواں پہنچا

پھر کہو سوتے میں بوسہ کیوں لیا تونے مرا
گو ہے تہمت پر مزا کیسا ہے اس بہتان کا

اُدھڑ جاتے ہیں ٹانکے بخیۂ زخمِ جگر کے سب
تصور جبکہ گذرے ہے کسیکے مسکرانے کا

خدا جانے کریگا چاک کس کسکے گریبانکو
ادا سے اُسکا چلنے میں اُٹھا لینا یہ داماں کا

یہ وفا کی سینے پتھر مجھے کہتے بیوفا ہو
مری بندگی سے ہے صاحب یہ بلا خطاب اُلٹا

نہ آیا اس فلک کو اور کچھ آیا تو یہ آیا
گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روزِ ہجراں کا

ق

عزیزو کیا حقیقت پوچھتے تم ہو کہ جرأت کی
عجب احوال دیکھا ہم نے کل اس خانہ ویرانکا

بڑے ہے تھے موئے سرتا پا لباس تن تھا عریانی
بچھایا بستر اتھا خاک پر خارِ مغیلاں کا

کبھی اُٹھ دوڑتا تھا گاہ کانٹوں پر وہ لوٹتا تھا
نہ تھا کچھ ہوش اس وحشی کو اپنے جسم اوجانکا

نہ کرتا تھا کسی سے بات لیکن اک یہی مطلع
ہوا وردِ زباں تھا اس مریضِ دردِ ہجراں کا

کچھ ایسا کر گیا بیہوش جانا مجھکو جاناں کا
نہ جی کو ہوش ہے دل کا نہ دلکو ہوش ہے جانکا

جگر سے نکلے ہیں شعلے سرشک آنکھوں سے
چلے یہ سلکے کہاں کاروانِ آتش و آب

بلائیں ہاتھوں نے مینہ جو لیں تمہاری رات
بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات

شبِ فراق کٹے کس طرح سے اے جرأت
یہ رات وہ ہے کہ کہتے ہیں جسکو بھاری رات

بلبل سنے نہ کیونکہ قفس میں چمن کی بات
آوارۂ وطن کو لگے خوش وطن کی بات

سر دیجے راہِ عشق میں پر مُنہ نہ موڑیے
پتھر کی سی لکیر ہے یہ کوہکن کی بات

چلی آتی ہے ناداں صبحِ پیری
جوانی کی گنوا مت بے خبر رات

دل ملا جس سے ہے آنکھیں بھی ملاؤ اُس سے
ہم سے کرتے ہو لگاوٹ کے اشارات عبث

فردا یہاں سے کوچ ہے بس ہمنے شب کی شب
جوں شبنم اس چمن میں کیا ہے قیام آج

مرہم پذیر کون ہے گھاؤ جو نہیں
پر اک زخمِ تیغِ زباں کا نہیں علاج

دل کو اے عشق سوئے زلفِ سیہ فام نہ بھیج
رہزنوں میں تو مسافر کو سرِ شام نہ بھیج

بھڑکے ہے آتشِ غم یہ اپنے تن کے اندر
ہر دم نئی تپش ہے داغِ کہن کے اندر

گردش سے طالعوں کی جوں مردمانِ دیدہ
گویا ہے شامِ غربت صبحِ وطن کے اندر

یہ سوزِ عشق سے ہے تپش اپنی جان پر
اک آہ کی تو پڑگئے چھالے زبان پر

کیا جانیئے کیا لائے فلک پیکرِ گُل پر
بیوجہ نہیں روتی ہے شبنم سرِ گُل پر

ہم اس طرح رہے یارانِ رفتگاں سے دور
غریب جوں کوئی رہ جائے کارواں سے دور

شامِ فرقت یاالٰہی یہ کدھر سے آ گئی
گیا وہ دل بھی پہلو سے کہ جس کو
اگرچہ اور بھی ہیں خوبرو پر حُسن کا تیرے
وہ ہنس ہنس کے کافر مری چشمِ تر پر
آتشکدہ میں دہر کے رہ سنگوں کی یاں
جل کے آغازِ شبِ وصل ہی میں خاک ہوئے
ہے یہ مشکل کہ ملیں اُس بُتِ مغرور سے ہم

مر چلے ہم اس بلائے ناگہاں کو دیکھکر
کبھی روتے تھے چھاتی سے لگا کر
جہاں میں شور ہے ایسا نمک ہے تیرے چہرے پر
نمک چھڑکے ہے زخم ہائے جگر پر
جُوں شمع سر اُٹھاتے ہی لگتی ہے سر کو آگ
شکل پروانہ ہوا اپنا یہ انجام وصال
دوسرے تیسرے دیکھ آتے ہیں ٹک دو رسے ہم

مثلِ آئینہ باصفا ہیں ہم
دل کے ہاتو نے لے میاں جرأت

دیکھتے ہی کے آشنا ہیں ہم
زندگانی سے بھی خفا ہیں ہم

نقشِ پا تیرے برنگِ گل نظر آئے مجھے
یہ حنا ہے یا رنگے ہیں خونِ بلبل سے قدم

ہے یہ اُسکے نقاب کا عالم
ماہ پر جوں سحاب کا عالم

ایکدن کا ہو جو رونا تو کہیں جرأت ہم
یاں تو روتے ہی کٹے زیست کے ایام تمام

کیا کہیں فرقت میں تری آہ اے آرامِ جاں
کن دکھوں سے کاٹتے ہیں آہ ساری رات ہم

اک نالہ کھینچ بلبلِ مسکین رہ گئی
گلچین چمن سے لیگئے گل توڑ کر تمام

کل واقفِ کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات
جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم
کیا جانے کمبخت نے کیا مجھپہ کیا سحر
جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

ق

خیالِ خواب کہاں سوزِ غم سے جلتے ہیں
تمام رات پڑے کروٹیں بدلتے ہیں
رکھیں ہیں سوختۂ عشق سوزشِ ازلی
کچھ آجکل سے نہیں سوزِ غم سے جلتے ہیں
بسانِ اخگر و برق و شرار و شمع و چراغ
یہ دل جلے تو نصیبوں کے جلے تبلتے ہیں

ق

دخترِ رز کی ہے جو کچھ عشوہ گری شیشے میں
کسنے اِس ناز سے دیکھی ہے پری شیشے میں
ہو کے آزردہ جو وہ ہمسے پرے پھرتے ہیں
ہاتھ ہم اپنے کلیجے پہ دھرے پھرتے ہیں

خانہ پرورِ قفس ہم ہیں اسیر اے صیاد
تو جتا دے ہمیں پرواز کسے کہتے ہیں

بعد مرنے کے مری لاش پہ لانا اسکو
ابھی مت پوچھو کہ اعجاز کسے کہتے ہیں

ناتوانی پہ کچھ اپنا زور چلتا ہی نہیں
دل پہ سو صدمے ہیں لیکن دم نکلتا ہی نہیں

اُسکے شمع حسن سے دل تھا منور اب تو آہ
ایک مدت سے چراغ اس گھر میں جلتا ہی نہیں

قدم میں ناتواں جب اُسکے کوچے سے اٹھاتا ہوں
تو شکلِ نقشِ پا ہر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

دل ہی اس کافر کا پتھر ہو تو کوئی کیا کرے
ورنہ ایسی آہِ سوزاں بے اثر میری نہیں

اب تو دن رات کے رونیکی بدولت اے ادا
پانی پی پی کے لگے کوسنے ہمسائے ہیں

ایک گھر میں بھی کبھی ملکے نہیں بیٹھے ہیں
ہم کہیں بیٹھتے ہیں آپ کہیں بیٹھتے ہیں

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں
تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں

کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ
چشمِ حسرت سے کہاں تک دمبدم دیکھا کریں

عجب درد فرقت سے غم دیکھتے ہیں
نہ سنتے تھے کانوں سو ہم دیکھتے ہیں

آنے کی خبر سنے اُن کے لیکن
آتا نہیں اعتبار دل کو

عیش انگڑائیاں سے لیکے کیوں ملتے ہو آنکھوں کو
بھلا یہ بھی تو گھر ہے سو رہو گر نیند آئی ہو

ایسے بیدردوں کے مجھکو دام میں لایا ہے چرخ
کوئی تو کہتا ہے اسکے توڑ کر پر چھوڑ دو

ق

اور کوئی بیدرد یوں کہتا ہے بیدردی سے آہ
جو تماشا دیکھنا ہے ذبح کر کر چھوڑ دو

میں کہا دیکھی ہے میں نے خواب میں آکے بر یار
دوستو مجھ سے کہو اس خواب کی تعبیر کو

ق

آہ اس مذکور کو سنتا تھا وہ قاتل کہیں
آن پہنچا سر پہ میرے کھینچکر شمشیر کو

جی دیا ہمنے تو پہلے ہی ترے ناز کے ساتھ
اپنا انجام ہوا عشق کے آغاز کے ساتھ

گئے دنیا سے الفت میں ثمر دیکھا تو اتنا کچھ
جلا دل آہ میں ہمنے اثر دیکھا تو اتنا کچھ

قیس و فرہاد کی تھی ایک ہی منزل لیکن
وہ بیاباں کی گیا راہ وہ کہسار کی راہ

نہ وہ دن ہیں نہ وہ راتیں نہ وہ چرچے نہ وہ باتیں
نہ مطرب ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے

کسے اس گلشنِ دلکی ہمارے سیر خوش آوے
کہ غیر از داغِ حسرت یاں کوئی گل ہے نہ لالا ہے

پتنگ دل کے جو ہاتھوں سے تھامیں چھیڑ سکے
ہوئے جدا نہ موئے پر بھی ہاتھ سینے سے

مت پوچھ اشک میرے یونہیں ہیں تسلسل
یہ ہار موتیوں کا اسے آستیں نہ ٹوٹے

کلیدِ آہ سے قفلِ لبِ خاموش کھلجاوے
تو لب بستہ ہے پھر جو اپنے دلمیں جوش کھلجاوے

چڑھا اک ساغرِ مے کچھ تو آنکھوں نہیں لگا کہنے
پیئے اور ایک دو پیالے تو وہ بیہوش کھلجاوے

احوال کچھ نہ پوچھ کہ کل نبض پر مری
رکھتے ہی ہاتھ چھُٹ گئیں نبضیں طبیب کی

کیجو فغاں تو عندلیب نالہ و خراش سے
صورتِ گل ہزار دل اپنے ہوں پاش پاش سے

جب چلے حسرت بھرے کوچے سے ہم دلدار کے
روئے ہم کیا کیا گلے ملکر در و دیوار سے

تجھکو منظور ہے سیرِ شبِ مہتاب تو پی
گر زیادہ نہیں اک جام مے ناب تو پی

نہ ہمدم کوئی ہے نہ اب ہمنشیں ہے
برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے

نہیں آہ و زاری یہ بے وجہ جرأت
گرفتار شاید ترا دل کہیں ہے

چھوڑا گلزار سے دُور اور پھر بلبل کترے
ہائے صیاد جفا پیشہ نے کیا گل کترے

نقدِ دل کھو کے جو بیتابیِ الفت پائی
بس غنیمت ہے بڑی ہمنے یہ دولت پائی

تو نے اس باغ میں دم بھرنے کی مہلت پائی
اے صبا ہمنے تو اتنی بھی نہ مہلت پائی

وصل کے دن بھی ہیں کانپ اُٹھتے ہوں بیٹھے بیٹھے
یاد آتے ہیں وہ صدمے جو شبِ ہجراں کے

پختہ مغزانِ جنوں میں آپ کو کہتا ہے تو
ہم تو دیوانے ہیں جرأت اس خیالِ خام کے

ہم بھی اس باغِ جہاں میں شب کی شب مہماں ہیں
مثلِ شبنم صبح کو گریہ کناں اُٹھ جائیں گے

ق

تھا جی میں یہ کہ مجھ سے بگڑ جائے اسلئے
میں نے کہا کہ غیر سے پھر تم میاں ملے

پر کیا کہوں کہ اپنا سا منہ لے کے رہ گیا
آنکھیں ملا کے جو یہ کہا اُسنے ہاں ملے

دور چھوڑا ہمیں گلشن سے یہ رونق ہی جا	کہ سزاوار اسیری بھی نہ ہم ہائے ہوئے
دلِ وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پر آنکی	دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی
چاہ کی چتون مری آنکھ اُسکی شرمائی ہوئی	تاڑلی محفل میں سب نے سخت رسوائی ہوئی
اُس پردہ نشیں سے کوئی کس شکل بر آئے	جو خواب میں بھی آئے تو مُنہ ڈھانک کر آئے
چھوڑا اپنے گرفتاروں کو صیاد سمجھ کر	جاتی نزہے جان رہائی میں کسیکی
جی خاک میں ملایا تمہارے فراق نے	اچھا غرض سلوک کیا ہمسے آپ نے
ہے کسکا جگر جسپہ یہ بیداد کروگے	لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے
بھلا پھر اُسکے اُٹھانے میں کیوں نہ دیر لگے	کسی کی موت لیکے جو انتظار میں آئے
نہ پوچھ مجھسے وہ عالم کہ صبح نیند سے اُٹھ	جب انکھڑیوں کو وہ ملتے ہوئے خمار میں آئے
سرسری اُسنسے ملاقات ہے گاہے گاہے	صحبتِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے
رونے میں اور آتشِ الفت بھڑک اُٹھی	اب اس لگی کا دل سے بھلانا محال ہے
غم بہت دنیا میں ہیں پر عشق کا غم اور ہے	ہے اسی عالم میں لیکن اس کا عالم اور ہے
غم سے گھٹتا یہ ہر اسب میں بڑھتا ہے تجھے	جو مجھے دیکھتا ہے دیکھنے جاتا ہے تجھے

جرأت

جرأت - پیر محمد مراد آبادی۔ مرغ نامہ آپ کی تصنیف سے مشہور و معروف ہے بس اک شعر آپ کا ملا جو تبرکاً درج کیا جاتا ہے۔

بس اے قاصد تری معلوم ہوئی لسّانی	روبرو اوسکی زباں کو بھی ہلایا نہ گیا

جرار

جرار - مرزا حسین بیگ جرار باشندۂ فیض آباد شاگرد رشید تدبیر الدولہ منشی اسیر لکھنوی فن سپہ گری کا شوق تھا مرد قانع اور آزاد منش تھے۔ عربی فارسی کی استعداد اچھی تھی۔ فن سخن کے دلدادہ اور اپنے استاد سے نہایت الفت رکھتے تھے۔ انکی وفات کے بعد انکی وصیت کے بموجب حضرتِ اسیر نے جملہ کلام نظر ثانی فرما کر ۱۲۹۰ھ میں چھپوا دیا۔ دیوان میں سے کچھ اشعار منتخب ہو کر حوالۂ قلم ہوئے۔ رسائی فکر اور خوش گوئی کلام سے ہویدا ہے

اسیرانِ قفس جب ہو گئے بے دست و پا چھوڑا
کتر کر بال و پر صیاد گر چھوڑا تو کیا چھوڑا

رہی جب تاب و طاقت روح کیونکر جسم میں ٹھیرے
شکستِ بادشہ ہے فوج نے جب مورچہ چھوڑا

خیال پر مظلوم کے ظالم کو کب آتا ہے رحم
نالۂ بلبل سے دل دکھتا نہیں صیاد کا

خفا صیاد گل آزردہ گلچیں دشمن جاں ہے
اب آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا انجام بلبل کا

شیخ عمامہ و جبہ جو پہنکر آئے
ہنس پڑے رند کہ ہولی کا تماشا آیا

کوئی اتنا تو پوچھے نزع میں جا کر سکندر سے
کہ چھوڑا گھر میں کیا ہمراہ اپنے لیچلا کیا کیا

بر آئی کچھ تری امید اے شیریں جو دنیا میں
تو تجھکو شیر سے لازم ہے قبرِ کوہکن ہونا

بہار آئی ہے ایک عالم نظر آتا ہے گلشن پر
جوانانِ چمن نازاں ہیں کیا کیا اپنے جوبن پر

عشقِ گل سے ہے عجب رفعت و شانِ بلبل
تخت ہے تختۂ گل آہ نشانِ بلبل

جان صدقے کرے سر قدموں پہ وارے بلبل
خون کیونکر سرِ قاتل سے اتارے بلبل

ہوا چھریوں سے اپنوں ہی کے مجروح
شہید تیزیِ تیغ زباں ہوں

گل سے نہ کام ہمکو غنچے سے اس چمن میں
بوئے وفا ہو جس میں اس دلکو ڈھونڈتے ہیں

زہر ہے آبِ بقا عشق کے بیماروں کو
دمِ عیسیٰ ہے دمِ تیغ دل افگاروں کو

عوض نیکی کا نیکی ہے بدی کا ہے بدی بدلا
مثل ہے دودھ کا ہے دودھ اور پانی کا پانی

مریضِ عشق کیسا قبر کے مردے جلا دیتے
جو کہکر قم باذنی آپ اک ٹھوکر لگا بیٹھے

جوشِ جنوں نے رنگ اڑائے بہار کے
داغوں نے گل چراغ کئے لالہ زار کے

زاہد اگر ہے طالبِ جامِ مئے طہور
کھلوا دے مے سے روزے کسی بادہ خوار کے

بلبلوں میں شور ہے باہم مبارکباد کے
کیا بہار آئی پھرے دن گلشن ایجاد کے

ذرہ بے قدر کو خورشید سے کیا ہمسری
کیوں نہوں جرار صدقے حضرت استاد کے

جری۔ منشی محمد ابراہیم خاں تلمیذ حبیب کنتوری حیدرآباد دکن کے رہنے والے اور دور موجودہ کے ایک موزوں طبع شاعر ہیں نسیمِ دکن میں چند غزلیں نظر سے گذریں انکا

انتخاب حاضر ہے۔

طاقت نہیں جو صدمۂ فرقت اٹھاؤ میں	بس ایسا ملا دے خاک میں آسماں کہیں
ناصح کو سوزِ آتشِ فرقت کی کیا خبر	دوزخ جلے جو دیکھے یہ گرمیاں کہیں
الفت ہوئی ہے جب سے کسی رشکِ ماہ سے	بنتے ہیں آسمان عری دودِ آہ سے
تڑپے نہ کس طرح صفتِ برق دل مرا	بسمل ہوا ہے یہ تری تیغِ نگاہ سے

جعفر۔ میر جعفر زٹل۔ ان کے حالات لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر ایک صاحبِ مذاق آپ کی یاوہ گوئی سے واقف ہے اور اگرچہ ان کا کلام اس پایہ کا نہیں ہے کہ اس تذکرے میں اسے جگہ دیجائے مگر صرف اسلئے کہ اردو کے ایک مشہور اور ابتدائی شاعر تھے اسلئے ان کا ذکر نہ کرنا ہمارے التزام کے خلاف ہوتا۔ یہ بزرگ نارنول کے سادات سے تھے زٹل گوئی کے سوا کسی قسم کی شاعری کو پسند نفرماتے تھے۔ چنانچہ انکا یہ مقولہ تھا کہ اگر میں کوشش کر کے مہذب اور عمدہ شعر کہوں تو بھی سعدی شیرازی یا فردوسی نہیں بن سکتا اس لئے زٹل کہونگا کہ تمام عالم میں مشہور ہو جاؤں۔ ایک مدت تک شاہزادہ معظم محمد اعظم شاہ بہادر کی سرکار میں بزمرۂ خواصان ملازم رہے۔ ان کے زٹل کہنے کا یہ عام دستور تھا کہ کہ جب کسی کے گھر جاتے تو ایک کاغذ پر صاحبِ مکان کی تعریف لکھتے اور ایک پر ہجو۔ اگر وہاں جا کر ان کا مطلب پورا ہو جاتا اور صاحبِ خانہ خوش اخلاقی سے ملتا تو وہ تعریف کا کاغذ دیدیتے۔ اور اگر کہیں اسکے برعکس معاملہ ہوتا تو پھر کیا تھا وہی ہجو لکھی لکھائی تیار ہوتی۔ اُنکے حوالے کر کے اپنی راہ لیتے۔ ان کا کلیات یادگار ہے مگر غیر مطبوعہ۔ مشہور ہے کہ جب عالمگیر بادشاہ کا انتقال ہوا اور آپ کے قدیم محسن اعظم شاہ تخت نشین ہوئے۔ اکثر شعرا دربار نے سکے کہے اور پیش کئے مگر کوئی پسند خاطر والا نہ ہوا۔ میر جعفر نے فی البدیہہ سکہ سر دربار تصنیف کر کے پڑھا جسپر خلعتِ فاخرہ و فیل مع ایک لاکھ روپیہ انعام بادشاہ نے عنایت کیا اور خاص و عام نے داد دی۔ وہ سکہ یہ ہے ۔

نگین سلیماں کہ تابندہ بود	ہمیں اسم اعظم بروکندہ بود

دربار سے واپسی کے وقت وہ تمام روپیہ جو انعام میں ملا تھا راستہ میں فقرا اور مساکین کو تقسیم کر دیا۔ جب فیلبان نے کہا کہ مجھے حضور نے کچھ عنایت نہیں کیا ہاتھی اُسے دیکر گھر چلے گئے۔ تمام و کمال اُن کا کلام ہجو و فحش سے بھرا ہوا ہے چونکہ اس زمانے میں فارسی کا مذاق بکثرت تھا اس لیئے زیادہ حصہ ان کے فحش کلام کا بھی اس زبان میں ہے مگر اکثر الفاظ و اسما اردو کے اس میں شامل ہیں چند اشعار اُن کے لکھے جاتے ہیں جو فحش و بیہودگی سے پاک ہیں۔ آپ نے بادشاہ جمجاہ فرخ سیر کا سکہ جلوس بھی نظم کیا ہے جو ذیل میں درج ہے۔ سکہ کیا ہے۔ اُن کے خلقی تمسخر کا نمونہ ہے ؎

سکہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر	بادشاہ طسمہ کش فرخ سیر
یہ جعفر زٹلی نے کیسا کیا	کہ کبھی کو مل سکے بھنیا کیا

کشتی جعفر زٹلی در بھنور افتادہ است	ڈبکو ڈبکو می کند در یک توجہ پار کن
کھکر لگا دیوار کو کہ جعفر اب کیا کیجے	خطرہ پڑا بازار کو کہ جعفر اب کیا کیجے
گھوڑا تو تیرا لنگ ہے کوئی نہ تیرے سنگ ہے	چلنا پڑا بازار کو کہ جعفر اب کیا کیجے

جعفر

جعفر - مرزا جعفر بخت بہادر جعفر نبیرۂ برادر مرزا قادر بخش صاحب بہادر صابر گورگانی ۱۸۷۲ء میں حیات تھے اور بنارس میں رہتے تھے۔ فن سخن میں غالباً اپنے نامور بزرگ حضرت صابر سے مشورہ لیتے تھے۔ چند غزلیں ہنگام ترتیب تذکرہ نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر ہے کلام سے پایا جاتا ہے کہ تلاش مضمون و الفاظ اچھی اور بندش چست ہے۔

نشہ میں راحت ملی ہر جام پر انکار میں	لطف دونا ہو گیا ساقی تری تکرار میں
سرد ہو کر ہر شرر بنتا ہے سونیکی ڈلی	حسن پرستی ہے ہماری آہِ آتشبار میں
عیسی مریم کی یہ موجِ نفس بجھائیگی	میرا دم آئیگا گر قاتل تری تلوار میں
ناخنِ وحشت نے جعفر ہمکو عریاں کر دیا	تار تک باقی نہ رکھا جسم و امن دار میں

روز جب واں سے گمانِ جرمِ پرتعزیر ہو — کیا عجب اثباتِ بیجرمی مری تقصیر ہو
کوئی کوچہ شہر میں آباد اسکا سا نہ ہو — پاس پاس ایسا ہمارا خانۂ زنجیر ہو
چشم نے دیکھا تمہیں رونا تھا پر یہ کہو — دل جو ہے بیتاب اُسکی کس طرح تدبیر ہو
پہلے پھیرے وصل پیچھے مجھکو گردن مارنا — کچھ تو کہنے کے لئے ثابت مری تقصیر ہو
نامہ بر بھر خدا اتنا نکر تو اضطراب — ایسی جلدی حالِ دل کیونکر ابھی تحریر ہو
اپنے مطلب پر تجھے پھیرا کروں وزرات میں — تیری گردش میرے قبضہ میں جو اے تقدیر ہو
اُڑکے جانے کو ہوئیں طیار اے جعفر وہاں — وصل پر راضی جو مجھسے وہ بتِ بے پیر ہو

ہم انکے شوقِ غمزہ میں مدام خوار رہے — جگر میں اپنے چُبھے خار خار رہے
نہاں جو سینے میں کچھ سوزِ عشقِ یار رہے — جگر پر آبلوں سے صورتِ انار رہے
پسِ فنا بھی عدو کے لئے مرے غم میں — شبِ وصال بھی آئے تو سوگوار رہے
الٰہی مرکے جیوں لاکھ بار مرنے کو — کہ آرزوے دلِ قاتل کی برقرار رہے
ہم ایسے قاتلِ عالم سے کیوں ملیں جعفر — جو کچھ بھی اپنی طبیعت پہ اختیار رہے

جعفر

جعفر ۔ نواب جعفر حسین صاحب المعروف بہ اعن صاحب لکھنوی باوجود تلاش آپکے حالات دریافت نہوسکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

نکالا برہمن نے دیر سے واعظ نے مسجد سے — محبت تیری کافر دشمنِ دنیا و دیں نکلی
نہ کعبہ مجھکو خوش آیا نہ دیر برہمن مجھکو — مرے سجدے کے قابل کوئے جاناں کی زمیں نکلی
جسے دیکھو نظر آتا ہے محویت کے عالم میں — پری نکلی کہ شیشے سے شرابِ آتشیں نکلی
رقیبونکے لئے ہے قبر کی جا انکے کوچے میں — ہمارے دفن کرنے کو نہ تھوڑی سی زمیں نکلی

جعفر

جعفر ۔ نواب جعفر حسین خاں بہادر مخاطب بہ نواب صف اُفگن جنگ بہادر ۔ آپ ریاست حیدرآباد دکن کے جاگیردار اور منصبدار ہیں اور وہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں ۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ۔

اکدم میں پاش پاش ہوا وہ بزنگِ گل / جس دل پہ تیغِ ناز کا اک وار چل گیا
اے آسمان وہ نہ بدلجائے ڈر یہ ہے / کچھ ڈر نہیں جو ہم سے زمانہ بدل گیا
اُٹھنے کا قصد یار نے پہلو سے جب کیا / دل میرا اُن کے قدموں پہ گر کے مچل گیا

جعفر

جعفر - صاحبزادہ جعفر علی خانصاحب خلف اصغر نواب ابراہیم علی خانصاحب مرحوم فرمانروائے مالیر کوٹلہ - رئیس حال نواب احمد علیخاں کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں - آپنے چیف کالج لاہور میں تعلیم پائی ہے۔ اب ۲۶ برس کی عمر ہے - ریاست سے ۲۵ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر ہے آپ کی شادی پنڈراول کے ایک معزز خاندان میں ہوئی ہے - شعر و سخن کا نیا نیا شوق ہے کچھ غزلیں ہنگام ترتیب تذکرہ موصول ہوئیں اُنکا انتخاب حاضر ہے -

رباعی

جو بات ہے خیر میں وہ کیا شر میں نہیں / کیا چیز ہے جو قبضہ داور میں نہیں
جعفر تو خدا کو گوشۂ دل میں ٹٹول / باہر تجھے کیا ملیگا جو گھر میں نہیں

الٰہی خیر ایسی آفتوں میں زیست مشکل ہے / اُدھر لاکھوں ادائیں ہیں اِدھر تنہا مرا دل ہے
نہ بیٹھے چین آتا ہے نہ لیٹے چین آتا ہے / کچھ اس انداز پر لے ہم نشیں بیتابیِ دل ہے
کچھ اس انداز سے دیکھا کہ اب تڑپا نہیں جاتا / نگاہِ نازِ قاتل بھی ادب آموزِ بسمل ہے
جوانی جا رہی ہے ولولے سب مٹتے جاتے ہیں / شکستِ رنگ پیغامِ وداعِ حسرتِ دل ہے
وہ لیتے نوک کی ہیں دل کو رکھکر نوکِ خنجر پر / کہ جس دل پر اُچھلتے تھے بہت تم کیا یہی دل ہے
مسل کر دو لکو چٹکی میں تنک کر ناز سے بولے / بہت غمزہ نکالا تھا مرا دل ہے مرا دل ہے
سمجھ لیں گے وہ خود ہی انتہائے شوقِ وصلت کو / تم اتنا کہدو اے جعفر کہ میرے پاس بھی دل ہے

جعفری

جعفری - دہلوی - میر باقر علی مرحوم جعفری - فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی اور ملک الشعرا میر قمر الدین منت کے خلفِ اصغر تھے - فن سخن میں اپنے بھائی سے مشورہ کرتے تھے ۱۲۴۵ھ میں سفر مکہ کی راہ میں انتقال کیا - یہ انکے اشعار ہیں ؎

آرام وعدہ کی شب اک دم کبھو نہ آیا
آیا نہ چین دل کو جب تک کہ تو نہ آیا

اس نالۂ رسا کی دیکھو درازدستی
کب دامنِ مسیحا یہ جا کے چھو نہ آیا

کہیں جمع گر ہو گیا دود دل کا
تو اک روز چرخِ فنا نیم ہو گا

نہ خوباں سے مل جعفری دیکھ اتنا
کہا مان کہتا ہوں بدنام ہو گا

سب سے مٹے نقشِ خیالاتِ جہاں بعدِ فنا
داغِ الفت ایک زیبِ صفحۂ دل رہ گیا

تیغ یوں دل میں خیالِ نگہِ یار نہ کھینچ
ناخدا ترس تو کعبے میں تو تلوار نہ کھینچ

تو ہے گر عرش پہ نالہ بھی نہیں تجھ سے کم
آپ کو دور ہیں اے آہِ شرربار نہ کھینچ

بے سر و پا چمن و دشت میں عالم کے نہ پھر
نازِ ہر گل نہ اٹھا منتِ ہر خار نہ کھینچ

جعفری

جعفری — شیخ جعفر علی جعفری متوطن دادری۔ نواب [illegible] جھجر کے ملازم اور قصبۂ دادری کے قاضی زادوں میں تھے غدر سے پیشتر حیات تھے۔

الٰہی ہر گھڑی ہر زخمِ دل سے خوں ٹپکتا ہے
شہیدِ ناز ہوں میں آہ کس دستِ حنائی کا

اے دل خیالِ زلفِ بتاں کیونکہ چھوڑ دوں
وحشی ہوں اور پاؤں میں زنجیر بھی نہیں

شق حجاب جانے ہو گئی اک دم میں سب زمیں
تڑپا جو تیرا کشتۂ الفت مزار میں

مر گئے اس جستجو میں سینکڑوں خانہ خراب
جعفری عشقِ بتانِ ہند کا گھر دور ہے

جگر

جگر — نواب سید بہادر علی خاں صاحب لکھنوی۔ آپ لکھنؤ کے ایک شریف خاندان کے رکن اور حضرتِ جلال لکھنوی کے نامور شاگرد ہیں۔ فنِ سخن سے طبیعت کو قدرتی مناسبت ہے۔ بندش صاف سلجھی ہوئی اور تلاشِ مضمون اچھی ہے۔ شعر کے حسن و قبح سے خوب ماہر ہیں۔ ہر شعر میں کوئی بات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کلام منتخب ملاحظہ ہو۔

غش کسی کو آ گیا کوئی گرا دل تھام کر
ایک ہی جلوے میں یہ عالم تھا بزمِ یار کا

اسکے زانو پہ جو سر ہے ہوش میں آتا نہیں
بیخودی میں کر رہا ہوں کام میں ہشیار کا

سوئے در آنکھیں مری وا دیکھکر بولا وہ شوخ
مرنے والا شوق دل میں لے گیا دیدار کا

مرنے جینے کے لئے کافی ہی مجکو اے صنم
تیرے کوچے کی زمیں سایہ تری دیوار کا

توڑ ڈالیں بیڑیاں یہ جوشِ وحشت بڑھ گیا
قید میں لیلیٰ نہ اکدن تیرا دیوانہ رہا

اسکو کہتے ہیں محبت نام اسکا ہے وفا
خاک ہو کر بھی قریبِ شمع پروانہ رہا

نہ نکلی مرتے دم بھی دید کی حسرت نہ بھولوں گا
ٹھہر جانا وہ آنکھوں میں نکلکر جسم سے جاں کا

جنوں کا جوش نہ تھا موسم بہار نہ تھا
مگر کب اپنا گریبان تار تار نہ تھا

رُکا تھا آنکھوں میں دم سنتے آکے دیکھ لیا
نہ کہنا اب کہ تجھے میرا انتظار نہ تھا

جب نظر شیخ کو وہ شوخ پڑا آیا نظر
پھر نہ تسبیح نہ توبہ نہ خدا یاد آیا

قتل بے قتل کئے ہوگئے سب محفل میں
اس ادا سے وہ مرا بانیِ بیداد آیا

قبر پر میری وہ آتا ہے خدا خیر کرے
کیا کوئی تازہ ستم اور اُسے یاد آیا

ہجر میں نالۂ دل میرا جو دمساز بھی تھا
رازِ دل کرتے کو افشا یہی غماز بھی تھا

جسکا افشا ہوا اس وحشتِ دل کے ہاتھوں
عشق اُس پردہ نشیں کا تھا مرا راز بھی تھا

کونسی چیز نہ دلکش تھی مرے دلبر کی
غمزہ بھی ناز بھی تھا عشوہ بھی انداز بھی تھا

وہ مست تھے کہ بنے ہیں ہماری خاک کے جام
خمِ شراب ہے گنبد ہمارے مدفن کا

اے چرخ ستا کر ہمیں تو شاد نہو گا
کچھ تیرا بھلا اے ستم ایجاد نہو گا

ہم جسے سمجھے تھے مہمان وہ مہمان نہ رہا
بن گیا سینے میں دل یار کا پیکاں نہ رہا

وہیں جائے نہیں منظور جو میرا ہونا
ہو رہے اس دلِ شیدا کو ہے جسکا ہونا

کہتا ہوں دیکھ کے پہلو میں عدو کے اسکو
ہائے کیا چیز ہے تقدیر کا اچھا ہونا

جفا سے کیا اُسے اندیشہ جینے
دیا دل آپ کو قاتل سمجھکر

جفا وہ ہم وفا اپنی نہ چھوڑیں
یہی ہیں عہد و پیماں درمیاں میں

مر کے اپنا فیصلہ خود اے شبِ ہجراں کریں
عشق کی سب مشکلیں ہم آپ ہی آساں کریں

دل سنبھالیں جان کو ٹھہرائیں یا تھامیں جگر
ایک ہم آفت زدہ کیا کیا شبِ ہجراں کریں

ساتھ غیروں کے عیادت کو مری آتے ہو کیوں
جو نہ سمجھے ناصحو پھر اسکو سمجھاتے ہو کیوں
تمکو ہم سے ہے اگر بیتابیٔ دل کا گلا
سمجھے ہیں دل کے دینے کا انجام موت ہے
عبث پھراتا ہے رندوں کے سر کو اے واعظ
بس آنسو آنکھوں میں بھر لاؤ لیکے ٹھنڈی سانس
محبت اس سے کرنا جان کو روگ اک لگانا ہے
زمین کوئے جاناں عاشقوں کی قدر لازم ہے

کوئی دم کا میہماں ہوں مجکو تڑپاتی ہو کیوں
ساتھ دیوانے کے دیوانے بنے جاتے ہو کیوں
ہمکو تم سے یہ شکایت ہے کہ یاد آتے ہو کیوں
موجود ہوتا ہے شب ہجراں ابھی سے ہیں
اگر درست ہے نیت تو مے حرام نہیں
ہمارے قتل کا کچھ اور انتقام نہیں
مگر تیری خوشی ہم اے دل ناداں کرتے ہیں
کہ یہ برباد ہو ہو کر تجھے آباد کرتے ہیں

مجکو سنا کے غیر سے اس شوخ نے کہا
دونوں کا فیصلہ ہے یہ ترے ایک تیر میں

ہمکو قرار آئے جو تو بیقرار ہو
بیتاب پھر نہ دل نہ جگر بیقرار ہو

غور سے دیکھو تو ہر جا جلوۂ جانانہ ہے
شیخ جی دو ایک ساغر لیکے ساقی سے پیو
ہیں گواہی میں اُدھر روز جزا ناز و غرور
ایک مدت سے لبالب ہو رہا ہے اے جگر
وہ رکھکر ہاتھ سینے پر تڑپ کو رکنے کی کھوینگے
کسی نے یہ اشارے ہیں کسی کی شمع محفل کے
چلا ہے کوئی جاناں میں تو اے دل یہ بتاتا جا
دل جگر میں ہے جھگڑا تمہارے پیکاں پر
اثر دل کا تڑپنا کچھ نہ کچھ دکھلا ہی دیتا ہے
یقیں اپنی محبت کا نہیں آتا اگر ان کو
راحت زمانہ بھر کی مصیبت کو جان لے

آنکھ اگر ہو ایک زاہد کعبہ و بت خانہ ہے
کیوں تکلف کرتے ہو یہ صحبت رندانہ ہے
اس طرف اک دل ہے وہ بھی تجویز دو دیوانہ ہے
بس چھلکنے کو ہماری عمر کا پیمانہ ہے
ہمارا دل ز خود رفتہ ہے اسکو کیا خبر ہوگی
کہ تیری زیست بھی گھل گھل کے جل جلکر بسر ہوگی
ہمارے مرنے جینے کی تجھے کیونکر خبر ہوگی
کسی کا ہو رہے یہ کچھ تو فیصلہ ہو جائے
تماشا بن گئے خود رقص بسمل دیکھنے والے
تو سینہ چاک کرکے دیکھ لیں دل دیکھنے والے
تیرا کہا جو اے دل شیدا کرے کوئی

جگر

جگر - نواب مرزا محمد عباس علیخاں بہادر معروف بہ مرزا بہادر رئیس لکھنو خلف میرزا محمد آغا علیخاں بہادر ناظم عہد شاہی - تحصیل علم کے بعد اپنے آبائی رسوخ کے ذریعے سے اودھ کی سول سروس میں نامزد ہو گئے تھے - اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے ڈپٹی کمشنری کے عہدے پر پہنچے پھر اپنے والد کی وفات کے بعد پنشن لے کر خانہ نشین ہو گئے اب ۵۵ - ۵۶ سال کے قریب عمر ہے اور لکھنو میں بکمال فارغ البالی بسر اوقات کرتے ہیں - اور وہاں کے عمائد میں شمار کئے جاتے ہیں - زبان کی خوبی بندش کی عمدگی خیال کی بلندی - طبیعت کی شوخی - مذاق کی شستگی کے علاوہ ان کے کلام میں ایک خاص بات یہ ہے کہ بیان کا طریقہ نہایت دلچسپ ہے - یہ ان کے اشعار ہیں -

تمہارے رخ پہ دلِ زار کب نثار نہ تھا
تمہاری یاد میں کس دن یہ بیقرار نہ تھا

شکوہ کریں ہم کس سے بھلا بیخبری کا
سایہ بھی تو ملتا نہیں اُس رشکِ پری کا

ہشیار ہو موقع نہیں بیدادگری کا
اب وقت مریضوں سے نہیں بیخبری کا

رُخ زرد ہیں لب خشک ہیں نمناک ہیں آنکھیں
یہ حال پتہ دیتا ہے دردِ جگری کا

مصروف رہے آپ مرے کام میں تا دفن
کیونکر ہو ادا شکریہ اس دردسری کا

سمجھا ہو تغافل کو جو اک حسن کی زینت
ایسے سے جگر کیا ہو گلہ بے خبری کا

صاف ظاہر ہے مرے گھر کا بیاباں ہونا
تم چلے آؤ تو آساں ہے گلستاں ہونا

اس سے بہتر کوئی تدبیر رہائی کی نہیں
دیکھے دل زلف کو پھر سلسلہ جنباں ہونا

شعلہ روین کے ہوئے زینت محفل شب کو
خوب آتا ہے انہیں شمع شبستاں ہونا

چھوڑ دو چارہ گرو مجکو خدا پر اب تم
غیر ممکن ہے مرے درد کا درماں ہونا

میری تقدیر میں لکھا تھا یہی روز ازل
دیکھے دل آپ کو یوں بے سر و ساماں ہونا

مشکلیں سب ہوئیں آسان جگر کی صد شکر
ایک باقی ہے فقط مرگ کا آساں ہونا

نتیجہ زندگانی کا ہے کچھ دنیا میں کر جانا
خیالِ موت بیجا ہے وہ جب آئے تو مر جانا

غضب ہے اُس ستمگر نے نہ اپنی بات تک پوچھی
دل وجاں دین وایماں جسکو ہمنے عمر بھر جانا

بڑی مشکل سے اتنا قرب تجھسے آج حاصل ہے
ہماری ذبح میں ظالم کہیں جلدی نہ کر جانا

جان تو پہلے ہی نذرِ روئے زیبا ہو چکی
اب فدا کیا آپ پر اپنا تنِ بیجاں کریں

ہماری نظروں میں جب سے وہ ہیں سمائے ہوئے
ہم اپنی آنکھونکو عالم سے ہیں چھپائے ہوئے

حجابِ قتل پہ میرے ابھی ادھر دیکھو
ذرا سی بات پہ کیوں ہو نظر جھکائے ہوئے

اُٹھائیں تیغ تو وہ دستِ نازنیں سے کہیں
اسی اُمید پہ ہم سر کو ہیں جھکائے ہوئے

بنائے یا کہ بگاڑے خدا ہیں قدرت ہے
ہمیں بنائینگے وہ کیا جو ہیں بنائے ہوئے

نہ مسرت ہمیں اچھی نہ ملال اچھا ہے
آپ راضی رہیں جس میں وہی حال اچھا ہے

جب ادہر دیکھتا ہے درد جگر بڑھتا ہے
دشمنِ جاں ہے تری شوخ نگاہی کیسی

کہتے ہو غیر سے ملنے کی شہادت کیا ہے
اپنی آنکھوں ہی سے دیکھا تو گواہی کیسی

رخِ روشن پہ تیرے یوں دلِ دیوانہ آتا ہے
کہ جیسے شمع کی جانب کوئی پروانہ آتا ہے

سنبھالے سے کہیں مچلا ہوا دل بھی سنبھلتا ہے
بھلا کب راہ پر کہنے سے یہ دیوانہ آتا ہے

مجھے وہ دیکھکر محفل سے یہ کہتے ہوئے اُٹھے
جگر ہے نام جسکا لو وہی دیوانہ آتا ہے

جلال

جلال - مولوی جلال الدین صاحب جلال ساکن قدیم لکھنؤ شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ مرحوم - آپ کی عمر کا بڑا حصہ بنارس میں گذرا - ۱۸۶۵ء میں زندہ و سلامت موجود تھے - طباع اور خوش کلام سخنور تھے - یہ آپکے اشعار ہیں -

کیوں الجھتا ہے یہ مجھسے زاہد صورت پرست
مِل گیا یاں رشتۂ تارِ نفس زنار میں

جذبِ لذت سے یہ محو روئے جاناں ہوگئی
لب ہمارے بنکے بوسہ رہگئے رخسار میں

ترا جامِ مے ہوگیا آفتاب
شبِ بزمِ عشرت سحر ہوگئی

ضیا اپنے عارض کی دیکھی جو رات
جھجک کر یہ بولے سحر ہوگئی

کھلے صبحدم اُن کی چوٹی کے ہار
معطر نسیمِ سحر ہوگئی

ضیا جو اُڑی اُنکے عارض کی رات	فلک پر پہونچ کر قمر ہو گئی
میں بوسہ پہ اُنسے جو روٹھا رہا ق	تو شب مجتوں میں بسر ہو گئی
لبوں سے وہ لب ملکے کہنے لگے	جلال اب تو بولو سحر ہو گئی

جلال

جلال - ان صاحب کا نام معلوم نہیں نہ زیادہ حال کھلا - فیض آباد کے رہنے والے اور طبقہ دوم کے آخر شعرا میں تھے - یہ اُن کے اشعار ہیں -

تنگ احوال ہے اب تو ترے شیدائی کا	آ کے ٹک دیکھ تماشا تو تماشائی کا
اب تلک بازار میں بیٹھے ہیں جس کی دید کو	کیوں نہ آیا آہ کیا سوجھی یہ اُس بےدید کو
دل دیا مفت اب اُس آئینہ رو کو افسوس	میں تو حیراں ہوں جلال اس تری دانائی سر
ایک عالم ہو خریدار نہ کیوں سوجے سے	بیٹھے جب کہ وہ یوسف سر بازار لگے
کیا ہوا میں نے جو ٹک جانب ابرو دیکھا	اتنی ہی بات پہ تم کھینچنے تلوار لگے

جلال

جلال - سرآمد شعرائے باکمال حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی ولد حکیم اصغر علی لکھنوی شاگرد رشید رشک و برق لکھنوی سادات عظام میں سے ہیں اور خاندان میں کئی پشت سے طبابت کا سلسلہ جاری ہے - ان کے والد اپنے وقت کے مشہور طبیب تھے اور اُن کے دادا سید حسین علیخاں صاحب مرحوم حکیم شفائی خانصاحب مرحوم کے فن طب میں شاگرد تھے اور شفاخانۂ شاہی لکھنو میں ملازم تھے اُسی سلسلہ سے ان کے والد کو پنشن ملا کی اور ان کے انتقال کے بعد جناب جلال کے منجھلے بھائی حکیم سید ثامن علی صاحب کو نصف پنشن یعنی پندرہ (۱۵) روپیہ ماہوار مقرر ہوئی اس وقت آپ کا دم غنیمت اور یادگار سلف سمجھا جاتا ہے اور واقعی اساتذہ متاخرین اور گلشن رام پور کے نامی شعرا میں ایک حضرت جلال ہی باقی ہیں - خدا ان کے انفاس میں برکت دے سنہ ۱۲۵۰ ہجری میں سید ضامن علیصاحب پیدا ہوئے - پل آہنی کے اُس طرف لکھنو میں ایک مشہور محلہ ہے جس کا نام پار ہے اُن کے بزرگ اُس محلہ میں رہتے تھے اور وہی ان کا مولد ہے سنہ ۱۸۵۷ء میں اُس مکان کو چھوڑنا پڑا

کیونکہ اُس محلہ کے بہت سے مکانات بالکل منہدم اور تباہ ہو گئے۔ بقول مرزا محمد جعفر صاحب اَوج سلمہ اللہ تعالےٰ سے

یہ ہوا کیسی چلی اِس تنگنائے دہر میں	شہر جنگل ہو گئے آباد یاں بَن ہو گئیں

سید ضامن علیصاحب نے نواب آصف الدولہ کے مدرسہ میں تعلیم پائی۔ لیکن شاعری کے شوق نے کتب درسیہ کی تکمیل نہونے دی۔ میبذی تک عربی پڑھی اور فارسی کی درسیات بجائے خود دیکھی۔ جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی رسالہ معیار جلد ا نمبر ۲ میں ان کی شاگردی کا حال اسطرح رقم فرماتے ہیں۔

"حکیم صاحب ہمیشہ سے فنافی الشعر رہے۔ کوئی شوق سوا اسکے ہوا ہی نہیں۔ ابتدا میں امیر علیخاں ہلال شاگرد رشک کو اپنا کلام دکھایا وہ عرصہ تک اصلاح دیتے رہے چونکہ ان میں قابلیت اور مناسبت فطری موجود تھی چند ہی غزلوں کے بعد اُنکی طبیعت میں ایک رنگ جداگانہ پیدا ہو گیا۔ جب ہلال نے انکے کلام اور اپنی اصلاح کا اندازہ کر لیا تو خود انہیں میر علی اوسط صاحب کے پاس لے گئے اور اُن کا شاگرد کرا دیا۔ یہ مدت تک اُن کے زیر اصلاح رہے۔ اتفاق سے اُن کو سفر عراق پیش آیا۔ ہنوز ان کا کلام محتاج اصلاح تھا اسلیئے اُنہوں نے فتح الدولہ برق سے مشورہ کرنا شروع کیا"

سید ضامن علیصاحب جلال کی شوخی طبیعت اور مشق نے آپکے کلام کو شہرت دی اور اُس صحبت میں شریک ہونے لگے جو خواجہ اسد آفتاب الدولہ قلق کے مکان پر ہر ہفتہ کو ہوا کرتی تھی۔ اِس میں بڑے بڑے مشاہیر مثل شیخ امداد علی بحر و شیخ امان علی سحر و اسیر۔ امیر و سید نادی علی تجو د شریک ہوتے تھے۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی اس صحبت کا فوٹو اس طرح کھینچتے ہیں۔

"حکیم صاحب (یعنی حکیم سید ضامن علیصاحب جلال) بھی اس صحبت کے جزو اعظم تھے اس بزم میں یہ سب شاعر جن کا اوپر ذکر آچکا ہے) اپنا اپنا کلام پڑھتے اور جہاں کسی سے لغزش

لغزش ہوتی تھی فوراً اعتراض ہوتا تھا اور اُس پر بحث کی جاتی تھی۔ مگر انصاف پسند شعرا باہم ایسے
شیر و شکر تھے کہ کبھی ایراد و اعتراض پر شکر رنجی نہ ہوتی تھی۔ پہلے یہی صحبت خاص صاحب
منزل میں ہوا کرتی تھی۔ پھر آفتاب الدولہ قلق کے مکان پر اُٹھ آئی سات برس برابر رہی
اُس کے بعد منشی مظفر علی صاحب اسیر نے اِس صحبت کو اپنے مکان پر منعقد کیا۔ اِس
زمانے میں حکیم صاحب رامپور چلے گئے"

سنہ ۱۲۸۲ ہجری میں نواب یوسف علی خاں صاحب والی رامپور نے جناب جلال کو طلب کیا
اور اُن کی بہت قدر و منزلت کی۔ لیکن نواب صاحب کی عمر نے وفا نہ کی اور حکیم صاحب
کے پہنچنے سے دو مہینے بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ اور نواب کلب علیخاں مسند نشین ہوئے
جنکی قدر دانی و سخن فہمی نے بڑے بڑے شاعروں کو رامپور کھینچ لیا۔ اور روزانہ مشاعرے ہونے
لگے حکیم صاحب بھی اُن جلسوں کے جزو اعظم تھے حضرت جلال خلد آشیان نواب کلب علیخاں
کے آخر عہد تک رامپور میں قیام پذیر رہے۔ لکھنؤ اور دلّی اُجڑ کر رامپور میں اہل کمال و اہل فن
کا مجمع تھا اور نواب خلد آشیاں کی زندگی تک وہ گلزار ہرا بھرا رہا۔ اُس چمن کے ایک پھول
آپ بھی ہیں مدت تک بزمرۂ شعرائے عالی قدر ممتاز رہے۔ حضرت امیر مینائی اور حضرت داغ
دہلوی مرحوم و مغفور اور حضرت جلال مدظلہ میں اکثر صحبتیں گرم رہتی تھیں اور ان تینوں صاحبوں
میں ایک خاص خلوص و محبت کا برتاؤ جاری تھا۔ ان تینوں صاحبوں کی ہم طرح غزلیں دیکھنے
سے تعلق رکھتی ہیں۔ تینوں اپنے اپنے رنگ میں پختہ۔ تینوں اپنے اپنے خیال میں راسخ۔ ان
صاحبوں کی یکجہتی اور ہم مشقی ناسخ و آتش و آباد کے زمانے کو یاد دلاتی ہے کہ جس طرح
اُنکی غزلیں باہم طرح ہیں اسی طرح اکثر ان کی غزلیں ایک ہی قافیہ ردیف میں موجود ہیں۔ اور
سب پر طرہ یہ کہ آپس میں ربط و اتحاد اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اکثر ایک ہی جگہ اور ایک ہی صحبت
میں تینوں نے غزل کہی۔ کوئی قافیہ کوئی نکال لے گیا۔ کوئی مضمون کسیکا حصہ ہو گیا۔
کسی زمین میں کسیکی غزل بڑھ گئی حضرت جلال کے مسلم الثبوت استاد ہونے میں کسکو کلام

ہوسکتا ہے۔ علمی قابلیت کے علاوہ آپ اِس فنِ خاص میں محققانہ اور مجتہدانہ رتبہ رکھتے ہیں اور تمام صنائعِ سخن پر قدرت حاصل ہے۔ ہر رنگ میں آپ کا کلام موجود ہے۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی کسی جگہ عاشقانہ رنگ ہے تو کہیں محض معاملہ بندی ہے۔ اگرچہ یہ بات کم و بیش سب شعرا میں ہوتی ہے کہ زمین کی مجبوری یا قافیہ کی رعایت سے جہاں جو موقع آتا ہے وہاں اُس رنگ میں وہ کہے بغیر نہیں رہتا۔ مگر انکے ہاں یہ بات بالتخصیص پائی جاتی ہے۔

حضرت داغ کو حیدرآباد تشریف لیجانے کے بعد انکی جدائی کا کمال افسوس و رنج تھا چنانچہ ایک مقطع میں یوں فرماتے ہیں ؎

اے داغ ہے دکن سے بہت دور لکھنؤ	ملتے آپ اُجہد و سید جلال سے

ناسخ مرحوم کے خاندان شاعری کی زندہ یادگار ہیں۔ خاص ٹکسالی لکھنوی زبان کے سکّے اِسی فرمانروائے اقلیمِ سخن کے حکم سے جاری ہوتے ہیں۔ آپکے فیضانِ سخن سے کامیاب ہونیوالے جا بجا ہندوستان میں موجود ہیں۔ منجملہ اُنکے یاس لکھنوی اور احسان شاہجہانپوری۔ ضیا دہلوی۔ جناب اثر رئیس اجی گڈھ اور جناب سیف سربرآوردہ شاعر اور صاحبِ دیوان ہیں۔ آپ کی تالیف و تصنیف سے اُردو ادب میں کئی مفید رسالے مثل دستور الفصحا۔ افادۂ تاریخ مفید الشعرا۔ منتخب القواعد شائع ہو چکے ہیں۔ اور چار دیوان غزلوں قصیدوں کے چھپ چکے ہیں۔ سرمایۂ زبانِ اُردو (لغت) بھی آپکی ایک قابلِ قدر تالیف ہے۔

بعد انتقال نواب خلد آشیاں آپ کی پنشن سرکار رامپور سے بند ہوگئی تھی۔ اب سُنا گیا ہے کہ چند سال سے پھر موجودہ نواب صاحب رامپور نے وہ پنشن جاری فرما دی ہے۔ پیرانہ سالی و امراضِ لاحقہ کیوجہ سے آپ کئی برس سے خانہ نشین ہیں۔ ریاست مانگرول کاٹھیاواڑ کے قدرداں رئیس کے اصرار پر آپ کئی برس وہاں بھی قیام فرما رہے۔ آپکی عمر اس وقت (۱۳۲۵ ہجری) قریب پچھتر برس کے ہے۔ لیکن طبیعت کی شوخی جوانی کا رنگ دکھاتی ہے اِس کیفیت کو خود یوں بیان فرماتے ہیں ؎

بُت پرستی جلال پیری میں	نامِ او بندۂ خدا نہ ہوا

آپکا حال کاتب کو دیا جا چکا تھا کہ آپکی وفات حسرت آیات کی خبر لکھنؤ سے آئی۔ آپکے صاحبزادے حکیم سید مہدی کمال فن سخن میں معقول مہارت رکھتے ہیں۔ فی الحال نواب صاحب بہادر والئی رامپور کی مصاحبت میں ہیں۔ تذکرہ "خمخانۂ جاوید" کی جلد اول کے آخر میں جناب جلال و جناب کمال دونوں کے قطعات تاریخ طبع ہو چکے ہیں۔ جناب جلال نے بعمر ۸۰ سال بتاریخ ۲۰- اکتوبر سنہ ۱۹۰۹ء انتقال فرمایا۔ اُنکے مرنے سے بزم سخن کی رہی سہی رونق بھی خاک میں مل گئی۔ اب اُنکے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

(انتخاب دیوان اول)

کوئے جاناں سے نہ پھر کر دل ناشاد آیا　　بے مروت کو نہیں بھول کے بھی یاد آیا

طاقت نے سنبھالا نہ تحمل نے دم ہجر　　سب دعوی ہی کرتے تھے کوئی کام نہ آیا

ہم تھوڑے ہی سے جرم میں شرمائے ہیں کیا کیا　　اک جرعۂ مے پی کے عرق آگئے ہیں کیا کیا

لکھنے جو لگے یار کو ہم شوق ملاقات　　پہلوئے دل بیتاب نے بتلائے ہیں کیا کیا

نہ خوف آہ بتوں کو نہ ڈر ہے نالوں کا　　بڑا کلیجہ ہے ان دل دکھانے والوں کا

پائی راحت ترے خنجر ہی کے نیچے قاتل　　پھر جو ٹھیرا تو یہیں کچھ دل بسمل ٹھیرا

خاص ہم پر وہ جور کرتے ہیں　　یہ بھی پہلو ہے مہربانی کا

اہل دل کے لیئے راحت نہیں اس سے بڑھکر　　جنکو سمجھا ہے وہ بیدرد دکھانا دل کا

بتھی سچ ہے مری سنتا خدا کیا؟　　کہیں نا چیز کیا میری دعا کیا؟

آیا نہ تا زبان قلم حرف مدعا　　دل ہی میں تھا کہ یاس نے اُسکو مٹا دیا

کہکے وہ اُٹھ گئے کہ مشکل ہے　　سہل کرنا تمھاری مشکل کا

دل کسی کے عشق میں اچھا ہوا جاتا رہا　　داغ تھا اک مٹ گیا اِک درد تھا جاتا رہا

کیا تم سے کہیں کہ مرکے منتہر　　کیا لُطف بلا ہے زندگی کا

مل گئی خاک میں ہر چند اُٹھی اُٹھ نہ سکی　　تیری ٹھوکر نے قیامت کو سنبھلنے نہ دیا

بہت سے ہے نالے اپنے اگر بے اثر ہیں — ہے تو دل کسی کا دُکھایا نجائے گا

(ر) ندامت کے بعد مُنہ سے لگی ہے جو چھوٹ کر — توبہ بھی مے پہ گرتی ہے کیا ٹوٹ ٹوٹ کر

(ک) فلک تیرے جگر کے داغ ہیں ہم — مٹائے جا مٹانا ہے جہاں تک

(ن) مجھ سے سید صاحب کی تقاریر کو سینے دو — پھر بتا دوں گا کہ یوں ترچھی نظر کرتے ہیں

اندازۂ طلب سے وہ بڑھ کے جب دیا — کم حوصلہ ہیں ہیں وہاں کچھ کمی نہیں

صنم کی بے نیازی کہہ رہی ہے — نہیں کچھ فرق بندے میں خدا میں

(ہ) رندوں کی ندامت سے تجھے فائدہ زاہد؟ — نیکوں کو نہ بد کہہ کے گنہگار خدا ہو

سو بار دل سے جاؤ چلے آؤ لاکھ بار — تم ہو یہ کوئی نکلی ہوئی آرزو نہ ہو

یہ ہوا آکے تری بزم میں حاصل مجھکو — دل کہیں کھو کے دو عالم سے چلا دل مجھکو

غیروں کو تو پلائی ہے ہم پہ چھڑک ہی دے — ساقی بچی کھچی جو سبو میں شراب ہو

(ی) کہتی ہے جلتی ہوئی شمع یہ پروانے سے — کچھ لگی دل کی جو بجھتی ہے تو جل جانے سے

رہے میرے دل میں راحت کو پشیمانی ہوئی — خواب کو گھر کر کے آنکھوں میں پشیمانی ہوئی

بولا وہ صنم حشر میں سُنکر مری فریاد — اللہ سے ڈرتا نہیں یہ کتنا نڈر ہے

اب یہاں سے کہتے ہیں کیوں ہاتھ تار رکھا ہے — دل تو ہم لیگئے اب سینے میں کیا رکھا ہے

نظارہ محو کر دیتا ہے حسن حیرت افزا کا — حسینوں کا تماشائی تماشا ہو ہی جاتا ہے

نہ ہو یہ ہم جو پوسے اجازت لیا میں نے — چلو جانے دو بیتابی میں ایسا ہو ہی جاتا ہے

ولے اس دردِ رسیدہ کی بھی تنہائی پہ — بیکسی پوچھتی ہو جس سے کہ حال اچھا ہے

اب کسی سے یہ کہیں سکتے کہ ہیں رنج ہی — شاد ہونے کی تمنا میں تو ناشاد رہے

کعبہ ہو بتکدہ ہو عرش بریں ہو دل ہو — جو مکان جلوہ گہ یار رہے آباد رہے

سُنتے ہیں تغافل کے بڑی دیر لگے گی — ہنگامۂ محشر کو جگانے میں ہمارے

ہنسی رو کی گئی اُنسے نہ مجھ سے تھم سکے آنسو — برابر ایک سی دونوں طرف بے اختیاری تھی

قلق دل کا دعا کو کارگر ہونے نہیں دیتا
کھول کر بال پریشان نہ کر روح کو تو

دعا جب مضطرب خود ہو اثر پھر یہیں کیا ٹھہرے
او مرے سوگ کے پرسے ہیں سنورنیوالے

(انتخاب دیوان دوم)

بھیجنا خط کا تھا پیام اجل
جب رو چکا میں دل کی جلن اور بڑھ گئی
رخ پر کبھی نمود ہوا رنگ بن کے عشق
فرقت میں درد ایک میرا ہمنشیں رہا
غیر اپنوں نے بنایا جلوہ گاہ یار میں
پتا کیونکر لے قاتل کسی پیکان کا تیرے
کوئی دامن جنوں میں کھینچتا ہے آستیں کوئی
دید کی ٹھنی نزع میں اپنی نگاہ یاس بھی
گر پڑا یوں تھام کر دل کو میں انکے سامنے
اپنا جسے یہ شیخ و برہمن نہ کر سکے
ہنس ہنس کے بولا یا وہ بولے جو شب کے اختلاط
ہنستا رہا جو حال دل پاش پاش پر
آرزو ہے کہ بلا کر اسے دل میں رکھیے
نزع میں اس لئے کھولے ہوئے بال آئے ہیں
قتل عالم کو کیا پھر وہ نہ ٹھہرے قاتل
نہ دیکھنے پائے آنکھ انکو اگر اٹھے بھی نقاب عارض
کہاں یہ بو سنبل چمن میں کہاں یہ نکہت گل چمن میں
اٹھے ہیں لطف وصل کا جب کہ تم اٹھا دو وصال کی شب

انتظار جواب نے مارا
نکلی چمک کے دھوپ جہاں مینہ برس گیا
بو ہو کے پیرہن میں کبھی اپنے بس گیا
اٹھ کے بھی کھڑا ہوا تو یہیں کا یہیں رہا
آنکھ نامحرم ہوئی جس دن سے دل محرم ہوا
لگا جو تیر آکر ہو گیا جزو بدن اپنا
اتار لیتے ہیں خار بیاباں پیرہن اپنا
یار سا لے دیکھ کے محو تماشا ہو گیا
وہ بھی یہ کہتے ہوئے دوڑے لیے کیا ہو گیا
(و) آیا ہے ہم کو وہ بہت بیگانہ خو پسند
(ر) بھول جاتے ہیں ہم ایسے خواب اکثر دیکھ کر
کیا روئیگا وہ کشتۂ حسرت کی لاش پر
صاحب خانہ جو بن جاتا ہے مہماں ہو کر
روح عاشق کی جو نکلے تو پریشاں ہو کر
بھولے بن کر کہیں چھوٹے کہیں ناداں ہو کر
(ض) ہوئی نگاہ کی اتنی کثرت کہ بن گئی خود حجاب عارض
انہیں کا گیسو مثال گیسو انہیں کا عارض مثال عارض
حیا کا پردہ غرور کی چلمن حجاب دیدہ نقاب عارض

میری تڑپ سے یار کی شوخی نے بزم میں
نقشہ یہ کھینچ دی ہے سوال و جواب کی

تیرے سب ناز ہیں گو زندہ ہی کرنے والے
ڈھونڈ لیتے ہیں بہانہ کوئی مرنے والے

کافر و مومن جسے دونوں نہ اپنا کر سکیں
برہمن محو بت بیگانہ اب چاہیئے

کہتا ہے یہ دل جب سے گیا ہو کہیں قاصد
کیا ہو گئے ہیں تم جو کچھ اچھی خبر آئے

میکدے کی خاک تک سے دو لیئے یہ دل میں ہے
کس خرابات کی مٹی اپنی آب و گل میں ہے

ہم کعبہ میں آکر یہ دعا کرتے ہیں اے شیخ
جنت سے کہ نکلے کوئی اللہ کے گھر سے

لو بند کئے بیٹھے ہیں ہم دید کے مشتاق
اب دیکھیں تو آ جاتے ہو تم دل میں کدھر سے

خواب غفلت ہی ہے بہتر کہ ہم آغوش ہے یار
آنکھ کھلنے پہ یہ ساماں رہے یا نہ رہے

میخانہ پوچھتا تھا کہ میں خانۂ خدا
بہکا کے لائے حضرت زاہد کدھر مجھے

قدموں سے ہم لگے ہوئے تھے یا جدا ہوئے
مہندی تھے ان کی پاؤں کی اب نقش پا ہوئے

لو جی گئے جو آکے کہا تم نے مر کہیں
اچھی گھڑی سے کوسنے ہم کو دعا ہوئے

(انتخاب دیوان سوم)

غم دلدار جب آتا ہے دل خوش ہو کے کہتا ہے
سراسر مایۂ عیش و نشاط زندگی آیا

سنبھالا درد نے فرقت میں دل کو بھی جگر کو بھی
ادھر گھبرا کے جا نکلا ادھر مضطر کبھی آیا

کیا تھی کیسی تھی ترچھی نظر کچھ نہ پوچھئے
اک تیر تھا کلیجے کے جو پار ہی رہا

کیا نیند ہوشیار تھی اسکی شب وصال
سو بھی گیا وہ فتنہ تو بیدار ہی رہا

پوچھتے کیا ہو کہ کیا چیز ہے آنا دل کا
دین و دنیا سے اسے کہتے ہیں جانا دل کا

بولے ہنس کر جو کہا رو کے فسانہ دل کا
دل لگی سمجھے تھے کیا آپ لگانا دل کا

عشق میں ہم یہ نصیحت کیئے رکھتے ہیں جلال
راز داں کو بھی نہ تم بھید بتانا دل کا

وہ دل کیا جان بھی لیکر کہیں گے
کہ تو کیا اور تیرا حوصلا کیا؟

عدو کو خوش ہیں نا شاد رکھنا
ذرا سے چرخ اس کو یاد رکھنا

مرا دل لیجئے تم جھوٹے تو جھوٹے
ستم ہے بوسہ دے کر یاد رکھنا

بندوبست اپنا کیا خاک اُنکے گھر میں غیر نے
میں نہیں میرا خیال آتا رہا جاتا رہا

اگلے معشوقوں کا ذکر آیا جو اُس بےمہر سے
ہنس کے بولا اب وہ دستورِ وفا جاتا رہا

کوئی ایسی بھی جفا ہے کہ ادا اُسمیں نہیں
لطف ہم سے کوئی پوچھے تری بیدادوں کا

دونوں آنکھیں ہیں جلال اشک فشاں فرقت میں
ایک ساون کا سماں رکھتی ہے اک بھادوں کا

مجھے جان دیکے اتنی بخدا خوشی نہ ہوتی
مرے مرنے کا ذرا بھی جو تمھیں ملال ہوتا

سرگرمِ شوقِ دید ہے پھر کوئی طور پہ
تم بھی جلے کو اور جلاتے تو خوب تھا

(ر)

عاشق سے اگر دور ہی رکھنا تھا الٰہی
جنت میں نہ رکھا اُسے کیوں حور بنا کر

الگ دل کے داغوں سے ہیں وہ لگی پھانسیں
یہ نکلے ہیں کانٹے گلستاں سے بچکر

جل بجھا وہ اور یہ جلتی رہی
شمع سے کیا کر گیا پروانہ چال

شمع پہ آسکے یہی ز خود رفتہ ہوا
چل گیا یہاں سے صاحب خانہ چال

(ن)

دم مرا کہتا ہے سے نکلوں گا اک دن اپنے ساتھ
میں تمھاری حسرتِ دل کے مددگاروں میں ہوں

بچاتے ہیں تمھیں الزام سے تم پر جو مرتے ہیں
ادا پر جان دیتے ہیں قضا کا نام کرتے ہیں

دیئے جائیں وہ ہمکو گالیاں جھوٹا کہے جائیں
ہماری تو یہ خو ہی بوسے لیکر مکرتے ہیں

(و)

غمخوار بھی ہو حضرتِ دل جاں نثار بھی
سب کچھ ہو جان کا مری لیکن عذاب ہو

درد دل کا ہے ترقی پہ اگر ہونے دو
جاؤ تم حال مرا نوعِ دگر ہونے دو

بگڑے کوئی اوروں سے بنے جان پہ اپنی
عاشق ہی کے سر آتی ہے آفت ہو کسی کی

اکیلے کا کہیں دو سرکشوں سے زور چلتا ہے
دوپٹہ لاکھ سینے پر سنبھالو کب سنبھلتا ہے

مار ڈالا مرے بے پردہ نہ ہونے والے
اب تو منہ کھول دے منہ ڈھانک کے رونیوالے

دل نے طوفانِ محبت میں اٹھائے کیا کیا
خضر ہی ٹھیرے مرے ناؤ ڈبونیوالے

خوبرویوں کے بگڑنے میں بھی ہیں لاکھ بناؤ
کہیں اچھوں کی کوئی بات بری ہوتی ہے

آئے شبِ وعدہ کوئی اور آکے پلٹ جائے
یوں بھی کسی کم بخت کی قسمت نہ الٹ جائے

سی لیں سگے گریبان کو ہم یہ تو بتا دو
کسطرح رفو سیں ہو دل تم سے جو پھٹ جائے

کھنچکے ملتے ہیں مگر وہ جسے ملتے ہیں ضرور
کیا شک اے جذبِ محبت تری تاثیر میں ہے

اک گلا خیر کا جس میں ہیں وہ دستِ نازک
ایک گردن مری جو طوقِ گلوگیر میں ہے

(انتخاب دیوان چہارم)

دلبری کی تو ادائیں تھیں انوکھی اُن کی
جاں ستانی کا بھی انداز نرالا ہوتا

شرم کو آپ کی اللہ سلامت رکھے
شوخیوں سے تو مجھے مار ہی ڈالا ہوتا

سامنے میرے حیا نے آنکھیں آنے نہ دیا
خاک میں نیچی نگاہوں سے ملانے نہ دیا

مرنے دیتی نہیں امیدِ وصالِ جاناں
دل کے آنے نے نہیں جان سے جانے دیا

اک قدم جانا جنہیں دشوار تھا
شوق لیکر سیکڑوں منزل گیا

رہتا ہے کلیجے میں نہاں دردِ محبت
یہ چوٹ وہ ہے جسکو ابھرنا نہیں آتا

کیوں حشر کے فریادیوں سے ڈرتے ہو اتنا
کیا ظلم تمہیں کر کے مکرنا نہیں آتا

کلیجہ کوئی تھام کر رہگیا ہے
اُدھر جانے والے اِدھر دیکھ لینا

فلک ترستے ہونگے حبابونکی صورت
دکھائیگی جو چشمِ تر دیکھ لینا

تماشا مری بیقراری کا آکر
شبِ وعدہ تم رات بھر دیکھ لینا

اُسکی سی کہنے لگے دیکھکے ناصح اُسے آپ
جائیے جائیے بس حضرتِ من دیکھ لیا

(ر)

صدقے دلِ ستم زدہ کی آن بان پر
تیور نہ بگڑے بن گئی گو اُسکی جان پر

جب آتے ہیں تڑپتے کوئی قاتل سے نکلتے ہیں
جگر تھامے سنبھالے دل کو بسمل سے نکلتے ہیں

دکھلا مجھے ایک آنسو بھی کھینچیں ہمنے لاکھ آہیں
دھوئیں کیا بے اثر اپنے بجھے دل سے نکلتے ہیں

عشق جس دل میں ہو کیونکر نہ شرر اُس سے اٹھیں
چوٹ کھا کر جو نہ دے آگ وہ پتھر ہی نہیں

ہمہ تن آرزو و شوق و تمنا میں ہوں
لاکھ جھگڑے ہیں مرے ساتھ وہ تنہا میں ہوں

پوچھنا میرا کہ لی کس نے جگر میں چٹکی — اُس دل آزار کا شوخی سے یہ کہنا میں ہوں

پوچھ تو جاتے ہیں آپ آکے کبھی میرا مزاج — اپنا بیمار ہی رکھیے یونہیں اچھا میں ہوں

جلا کر رکھتی ہے اُمیدِ وصل اے ہمنشیں ہرروں — رہے گو جاں بلب عاشق مگر مرتا نہیں برسوں

نہ جیتے جی ملی راحت نہ بعدِ مرگ اُلفت میں — فلک کی کیا شکایت ہمکو پیاسا کی زمیں برسوں

ندینا تھا نہ بوسے لب بلب ہو کر دیئے اُسنے — اسی اُمید میں لب پر رہی جانِ حزیں برسوں

ہمنے مانا مرنے والوں کو قضا آتی نہیں — کیا تمھیں بھی جان لینے کی ادا آتی نہیں

ہجر کی شب ہوگئی گویا ہر آفت کی سپر — اس بلا کے خوف سے کوئی بلا آتی نہیں

کونسا دل ہے کہ جس دل میں نہیں گھر اُن کا — سب کے مہمان بھی ہیں پھر کہیں جاتے بھی نہیں

لَن ترانی ہے سرِ طور تو موسیٰ ہی سے ہے — ہم جو ایسی نہیں سُنتے تو سُناتے بھی نہیں

سوال سُنکے مرا چپ ہی کچھ جواب نہیں — یہ کیا کہ ہاں ہے نہ او شوخ بیحجاب نہیں

جو پوچھا وصل میں محجوب کیوں اے دلربا تم ہو — تو شوخی سے وہ بول اُٹھے کہ کتنے بیحیا تم ہو

کیسا آکے میت پر ہماری ناز سے کہنا — کہو بیگانہ خو نا آشنا اب ہم ہیں یا تم ہو

تیغِ ادا کو دیکھو دل کی سپر کو دیکھو — تیرِ نگہ کو دیکھو میرے جگر کو دیکھو

دیکھو نہ آئینے میں اپنی نظر کو دیکھو — حالت ہے کیا ہماری پہلے اِدھر کو دیکھو

روزِ سیہ سے میرے انساں پناہ مانگے — بد تر ہے شامِ غم سے رنگِ سحر کو دیکھو

نالہ کھنچتا ہے تو اک دل میں چمک ہوتی ہے — اشک مرتے ہیں تو آنکھوں میں کھٹک ہوتی ہے

جلال آتا ہے کب کوئی پسِ مرگ — اجل بھی دوست ہے بس جیتے جی کی

لازم ہے چشم و دل کو تدبیر اپنی اپنی — پھر عشق جو دکھائے تقدیر اپنی اپنی

نامہ مجھے وہ بھیجیں پہنچے مرے عدو کو — لکھا یہ اپنا اپنا تقدیر اپنی اپنی

عاشق کے سامنے دمِ آخر تو آیئے — پردہ اُٹھا دیئے ملک الموت ہٹ گئے

مرضِ عشق ہے یا قضا کیا جانے کیا ہے؟ — یہ دردِ لا دوا کیا جانے کیا ہے؟

[illegible]

نہیں معلوم کیا کہتی ہے غیرت	تقاضا شوق کا کیا جانے کیا ہے؟

جلال

جلال - مولوی سید الٰہی بخش عرف ملا جلال عظیم آبادی - آپ پٹنہ کے سادات عظام سے تھے اور حضرت داغ دہلوی کے تلامذۂ رشید میں آپ کا شمار تھا۔ فارسی زبان میں آپکی لیاقت قابلِ امتثال تھی اور اس زبان میں شعر بھی خوب کہتے تھے۔ اُردو کی طرف توجہ بہت کم تھی۔ محض بپاسِ خاطر احباب سے کبھی ایک آدھ غزل کہہ لیتے تھے۔ سالہاسال بمبئی اور حیدرآباد دکن میں اپنے اُستاد کی خدمت میں رہے اُردو کلام میں بھی صفائی اور شوخی کے علاوہ مضمون کی حلاوت ایک خاص مزہ دیتی ہے۔ بندش بھی بہت چست طرز بیان کا سلیقہ اچھا تھا ۴۲ برس کی عمر میں اوائل ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔ کلام پراگندہ ہو گیا بصد دشواری چند غزلیں بہم پہنچیں اُن کا انتخاب درج ذیل ہے۔ فقیرانہ روش اختیار کر رکھی تھی۔

نہ کیونکر دل مرا مشتاق ہو ہر بار نشتر کا	مرا غمخوار نشتر اور میں غمخوار نشتر کا
تپاں رہتا ہے دل سینے میں پہلو میں جگر مضطر	کہیں آزار خنجر کا کہیں آزار نشتر کا
ترے قدموں کی ٹھکرائی ہوئی ہے	کرے تجھ سے قیامت سامنا کیا
قیامت ہی کے دن وہ پاک ہوگا	جو کچھ جھگڑا ہے رند و پارسا میں
دمِ رخصت رہی جاتی ہیں افسوس	تمنائیں دلِ درد آشنا میں
کبتک غمِ فراق کا صدمہ سہا کرے	اب بیقرار یہ دلِ بے اختیار ہے
رہروانِ رہِ تسلیم تھکے ہیں ہر چند	پھر یہ ہمت کہ کمر بستہ ہیں چلنے کے لیے

جلیس

جلیس - نواب سید محمد مہدی علیخان بہادر الموسوی نیشاپوری مرحوم خلف نواب سید علی نقی خان بہادر صمصام الدولہ ناصر الملک شوکت جنگ متخلص بہ عمی و ناصر - جناب جلیس ۱۲۴۵ھ میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے اور ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ میں بعارضۂ فالج وہیں انتقال فرمایا۔ اور نور باڑی مدفنِ خاندانِ نیشاپور میں پیوندِ زمین ہوئے - آپ کو شیخ امام بخش ناسخ مرحوم سے تلمذ تھا۔ آپکے صاحبزادے نواب سید عسکری مرزا خاں تلیغ اور سید محمد جعفر خان

ریاض لکھنؤ میں موجود ہیں۔ کلام باوجود تلاش نہ مل سکا صرف چند شعر ملے وہ حاضر ہیں۔

خود بخود آپ جو تشریف مرے گھر لائے	آگیا آج یہ اے جانِ جہاں کیا دل میں
ربط غیروں سے ہے منظور کہ ہمسے صاحب	سچ بتا دیجئے جو کچھ ہے ارادہ دل میں
یکتائی کا دعوی تجھے اے یار بجا ہے	تجھسا کوئی دنیا میں نہ ہوگا نہ ہوا ہے
زاہد بخدا ہوں میں دل وجاں سے تصدق	دیکھا نہیں اُس بت کا مگر نام سنا ہے

جلیس

جلیس - محمد جلیس آپ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں آپکا عالم شباب تھا اور اکثر رباعیاں کہا کرتے تھے۔ جو کلام نظر سے گذرا اُس میں سے یہ رباعی منتخب ہو کر درج کی جاتی ہے۔

غیروں کو دکھاکے یہ رنگیلی آنکھیں	کیوں کرتے ہو ہمپہ نیلی پیلی آنکھیں
جیدھر یہ پھریں کریں ہیں قتلِ مردم	آفت ہیں غضب تری کٹیلی آنکھیں

جلیس

جلیس - منشی سید ابو محمد لکھنوی خلف الصدق جناب سلیس و نبیرہ میر انیس۔ غزل اور مرثیہ گوئی دونوں میں جناب پیارے صاحب رشید سے اصلاح لیتے ہیں۔ زبان صاف اور فصیح۔ بندش چست مضمون بلند الغرض تمام خوبیاں آپکے کلام میں موجود ہیں مسودہ کاتب کے پاس جاچکا تھا کہ رسالۂ معیار سے آپکے بیوقت انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ جناب جلیس بڑے بامذاق اور دوست پرست شخص تھے آپنے بعارضۂ یرقان ۲۴ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ کو انتقال کیا اور اپنے دادا میر انیس کے پہلو میں دفن ہوئے۔ گذشتہ تین چار سال میں انھوں نے بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ انکے خاندان کے عقیدتمندوں کو ان سے بڑی اُمیدیں تھیں مگر سب پر انکی بیوقت وفات سے پانی پھر گیا۔ مشفقی و محبی مسٹر حامد علیخاں صاحب نے ازراہِ عنایت چند غزلیں ارسال کیں ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہیں۔

تھا میں اس حالت میں دیکھا جسنے وہ غمناک تھا	صبح محشر کا گریباں تا بہ دامن چاک تھا
ہجر میں ہر طرح کا سامانِ راحت تھا بہم	تو جو پہلو میں نہ تھا اے بیوفا سب خاک تھا

سیر گلشن میں نہ آیا کچھ تمھیں عاشق کا دھیان
جن کو تم صد برگ سمجھے ہو دلِ صد چاک تھا

بہار آئی ہے دل مائل ہوا وحشت کے ساماں پر
نظر میری کبھی زنجیر پر ہے گاہ زنداں پر

نظر بدلی بگل آیا گیسوں میں خم ہوئی ابرو
جوانی آئی واں یاں آفتیں آئیں دل و جاں پر

سراپا سوختہ ہوں کشتۂ برقِ تبسم ہوں
جلا جاتا ہے کیونکر ہاتھ رکھوں قلبِ ویراں پر

ہوئے ہیں قید جیسے عاشقِ چشم بتاں تیرے
ہیں اک عالم کی آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں پر

ہوئے ہیں غیر کے نقشِ قدم سیلِ فنا مجکو
ٹھہر سکتا نہیں دم بھر زمینِ کوئے جاناں پر

جفا کس لطف سے کرتا ہے مجبور چارہ گر بن کے
نظر ہے زخم دل پر ہاتھ ظالم کا نمکداں پر

اسیری میں بھی مجکو دھیان ہے دل کی تسلی کا
کہ نقشہ کھینچتا ہوں زلف کا دیوارِ زنداں پر

جلیس اچھی نہیں ہے خوش بیانی بزم عالم میں
کہ یہ باتیں گراں ہیں دوست و دشمن کے دل جاں پر

کیا مر کے بھی الفت کے نام کو روشن
چراغِ گورِ غریباں ہی وفا میری

مجھے غرور ہے اس کا کہ دل ہے سینے میں
انھیں ہے ناز بہت زلف ہے رسا میری

خموش رہ نہیں سکتا قفس میں کوئی گھڑی
پسندِ خاطرِ صیاد ہے صدا میری

کسی جگہ پہ ہے بلبل کہیں ہے پروانہ
نئی ہے عالمِ نیرنگ میں وفا میری

تمھارے مصحفِ رخسار میں ہے یہ تحریر
کہ چاہیے دلِ بیمار کو ہوا میری

اسکو کہتے ہیں کشش یہ جذب کی تاثیر ہے
ایک ہی جا قلب میں سوفار و نوکِ تیر ہے

صبح ہوتے ہوتے جلکر خاک ہو جائینگے ہم
آج اے دل قصدِ ضبطِ نالۂ شبگیر ہے

یہ چلی ہے کھینچکر صحرائے وحشت کیطرف
آپکے دیوانے کو موجِ ہوا زنجیر ہے

یہ بھلا کوئی غزل گوئی کی صورت ہے جلیس
دل ہمارا رنج و غم کی آجکل تصویر ہے

دعا قبول نہیں ہم سے عشق بازوں کی
جو بندے بت کے ہیں سنتا نہیں خدا انکی

نور پھیلا ہے نقاب الٹے ہوئے بیٹھے ہو تم
چاندنی شرما رہی ہے بام پر آتے ہوئے

گدائے عشق سمجھ کے ذرا نگاہ ملے
زکوٰۃ حسن کی بوسہ خدا کی راہ ملے

قتل سے محروم ہوں میں ضعف کی تاثیر سے
سو قدم پر اُڑ کے گرتا ہوں ہوائے تیر سے

تشنہ کامان محبت پر انھیں رحم آگیا
سب کے دل ٹھنڈے کیئے آب دمِ شمشیر سے

کیا تعجب ہے جو حسن و عشق کی تاثیر سے
دوست کو آواز کیئے دوست کی تصویر سے

جلیس

جلیس - منشی محمد مُبین - قصبہ مچھلی شہر ضلع جونپور کے باشندے اور حضرت احسان شاہجہانپوری کے شاگردوں میں درجۂ امتیازی رکھتے ہیں - چند سال ہوئے "بہارِ سخن" نامی ایک پرچہ بھی جاری کیا تھا جو چند ماہ نکلکر بند ہوگیا فارسی استعداد معقول اور طبیعت کا رنگ یہ ہے -

دل پستے ہیں جس چال میں وہ لغزشِ پا ہے
ساقی تری رفتار میں مستانہ ادا ہے

گھونگھٹ میں تڑپتی ہے اُن آنکھوں کی شرارت
بے چین وہ ارمان بھرے دل کے لیئے ہے

بتوں پر جان جاتی ہے حسینوں پہ فدا دل ہے
مری مٹی میں خاکِ کشتگانِ عشق کا دل ہے

دلِ مجروح کو تڑپا دیا بلبل کے نغموں نے
نمک پاشِ جراحت باغ میں شورِ عنادل ہے

صُراحی سے نہ کچھ مطلب نہ مینا کی مجھے خواہش
یہاں خونِ تمنا سے لبا لب ساغرِ دل ہے

قیامت میں جلیس اب ان بتوں کو کیا کریں رسوا
کسی سے کیا کہیں کیونکر مرے ہیں کون قاتل ہے

جلیل

جلیل - منشی علی مرزا صاحب جلیل - باوجود تلاش آپ کا حال اسیقدر معلوم ہوا کہ آپ زمانۂ غدر میں لکھنؤ میں زندہ سلامت موجود تھے - یہ آپ کا کلام ہے -

غیر ممکن ہے کہ اُسکو دمِ محشر دیکھیں
جو نہ دیکھا ہو اُسے آنکھ سے کیونکر دیکھیں

کل کا پتلا ہوں اشاروں سے نگہ کے مجکو
جسطرف آپکا جی چاہے پھرا کر دیکھیں

چشمِ ساقی میں مروّت کا ذرا نام نہیں
کیا ندیدوں کی طرح جانبِ ساغر دیکھیں

ہے عجب تاثیرِ عشق ابروے خمدار کی
درد بھی اُٹھ کر دکھاتا ہے چمک تلوار کی

چین سے سوئے نہ کیونکر رات بھر وہ مستِ ناز
لے گیا ہے نیند میرے دیدۂ بیدار کی

وا ہوئیں غفلت سے آنکھیں دیکھکر موئے سفید
صُبح ہوتے ہی دکانیں کھلتی ہیں بازار کی

جلیل

جلیل - شاعر بے بدل فاضل بے بدیل فخر زمن حافظ جلیل حسن خلف مولوی حافظ عبدالکریم صاحب

مانکپور کے رہنے والے اور حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد رشید و جانشین مشہور ہیں۔ قریب ۴۰ سال کے عمر ہے۔ نہایت متین و مہذب اور خاموش آدمی ہیں۔ ۲۰ برس کی عمر میں منشی صاحب کے شاگرد ہوئے عرصۂ دراز تک بلکہ منشی صاحب کے آخر زمانے تک دفتر امیر اللغات کے سکریٹری رہے۔ اپنے بزرگ استاد کے ہمراہ حیدرآباد دکن گئے اور بعد انتقال حضرت امیر مینائی مرحوم آج تک وہیں اقامت پذیر ہیں۔ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر پیشکار و مدار المہام حیدرآباد دکن کی سرکار سے سو روپیہ وظیفہ پاتے ہیں۔ اور اکثر حیدرآباد کے نومشق شعرا آپ سے فن سخن میں مستفید ہوتے ہیں۔ منشی صاحب کی وفات کے بعد مرحوم کے بعض تلامذۂ نامی مثل حضرت ریاض۔ مضطر۔ وسیم۔ وغیرہ نے جناب جلیل کو منشی صاحب کا جانشین قرار دیا۔ چنانچہ اب وہ اسی لقب سے لکھے جاتے ہیں اور اکثر تلامذۂ حضرت آپ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ فارسی کی استعداد زبردست ہے اور عروض و قوافی میں خاص دخل رکھتے ہیں۔ الغرض شاعری کے متعلق جتنی معلومات ضروری ہیں آپ ان سے بخوبی بہرہ ور ہیں۔ کلام کا پایہ نہایت بلند ہے ساری استادانہ ترکیبیں پائی جاتی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سادگی بیان و صفائی زبان کے ساتھ ساتھ بلند پروازی اور نازک خیالی دو متضاد صفتیں آپکے کلام میں جمع ہوئی ہیں جو بہت ہی کم کسی کے کلام میں ہوا کرتی ہیں۔ اشعار میں بانکپن کے ساتھ ایک خاص مزہ ہے جو سامع کے دل کو اپنے جادوانہ اثر سے تڑپا دیتا ہے۔ اگرچہ ان کے اکثر اشعار رعایت لفظی اور محاورہ بندی سے باہر نہیں ہوتے مگر بندش کی چستی اور بیان کی سلاست اُس نامطبوع رنگ کو نہایت دلچسپ بنا دیتی ہے اور بے اختیار مُنہ سے تعریف نکلتی ہے۔ آجکل دنیائے شاعری میں آپ امتیازی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور حقیقت میں اسی قابل ہیں۔ مذاق سخن نہایت پاکیزہ اور ستھرا ہے جسکی جلا نے انکی خداداد طبیعت کو اور بھی چمکا دیا ہے۔ حضرت امیر نے جسقدر انکے کلام کی تہذیب اور اصلاح میں محنت کی اس سے بہت زیادہ اُس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا۔ بلاغت متانت

خوش مذاقی۔ شوخی۔ مضامین عالی کی بلند پروازی ان میں سے کونسی شے ہے جسکی با تصریح تعریف کی جائے سبھی کچھ ہے اور اپنے اپنے محل اور موقعہ پر ان میں سے ہر چیز کا اقدرِ ضرورت ایک مناسب طریقے سے صرف ہے۔ اکثر اشعار انکے ناخنِ بدل زن اور لذتِ عشق چشیدہ دلوں کی تڑپا دینے والے نظر آئے۔ آپکی طبیعت ہمہ گیر اور ہمہ گو واقع ہوئی ہے۔ نیکدلی اور انکسار منشی صاحب کے فیضانِ صحبت کا اثر ہے اور غالباً اسی ایک صفت نے اُنھیں منشی صاحب کا جائز جانشین بنوادیا۔ ایک دفعہ راقم تذکرہ کو آپنے تحریر فرمایا کہ "کوئی امتیاز خاندانی علمی وعملی ایسا نہیں ہے جو قابلِ ذکر ہو سوائے اسکے کہ حضرت امیر مینائی قدس سترہٗ کی خدمت میں مدتِ دراز تک رہنے کا اتفاق ہوا ہے ع جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ؂ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم ؂" جوانِ صالح اور پابندِ مذہب ہیں۔ خدا انکی عمر میں برکت دے اور اُس رتبہ شاعری کو پہنچائے جو انکے استادِ مرحوم کو حاصل تھا۔ اصنافِ سخن پر وہی قدرت اور قبضہ حاصل ہو۔ آپ کا دیوان ابھی شائع نہیں ہوا مگر غزلیں برابر رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ رسالہ محبوب الکلام جو مہاراجہ مدار المہام کی زیرِ سرپرستی شائع ہوتا ہے اسکا اہتمام آپ ہی سے متعلق ہے۔ باعتبار قدردانی فن یہ امر قابلِ مسرت ہو کہ کامل دس سال کی امتیدواری کے بعد اوائل سنہ رواں ۱۹۱۰ء میں حضور نظام نے مہاراجہ مدار المہام کی پُرزور سفارش پر آپکی قدر افزائی فرمائی اور آپ زمرۂ شعرائے دربار میں منسوب ہوکر اب پانسو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے ہیں۔ جناب امیر کے صاحبزادے منشی لطیف احمد اختر کا بھی جن کا ذکر خیر جلد اول میں آچکا ہے اسی سلسلے میں چارسو روپیہ ماہواری منصب پر تقرر ہوا ہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

بیوفا یار با وفا نہ ہوا	دل ہوا دل کا مدعا نہ ہوا
لوٹ ہیں غنچے بھی آن پرمثلِ دل	مُسکرا کر جسکو دیکھا کھل گیا
ہائے کیا لذت بھری تھی تیغِ ناز	زخم روتے ہیں کدھر قاتل گیا

بتوں کو چھوڑ کے نام خدا لگے رٹنے
جلیل آج یہ دل میں تمہارے آئی کیا

بلبل کی بہار میں نہ پوچھو
منہ چومتی ہے کلی کلی کا

دردوالے کو دیکھتے ہیں پرائی آگ میں
تو جو اٹھی شمع سے پروانہ جل کر رہ گیا

کچھ سمجھا نا ہمنے کب چمکی تری برقِ جمال
اسقدر جانا کہ دل پہلو میں جل کر رہ گیا

جب ترے عشق کا پھندہ مری گردن میں رہا
پھر برابر ہے قفس میں کہ نشیمن میں رہا

کبھی اس گل کا لیا بوسہ کبھی اس گل کا
اے جنوں مشغلہ اپنا یہی گلشن میں رہا

صبح ہوتے ہی ہوا جامہ دری میں مصروف
ہائے وہ ہاتھ جو شب بھر تیری گردن میں رہا

لوگ آرام کی خاطر رہے دنیا میں خراب
اور آرام چھپا گوشۂ مدفن میں رہا

پھول بنکر مرے اشعار بنے یاروں میں
داغ بنکر مرا مضموں دلِ دشمن میں رہا

چاک دامانِ یوسف تو کوئی بات نہ تھی
ہائے وہ چاک زلیخا کے جو دامن میں رہا

دونوں خواہاں کہ تری تیغ مری ہو کے رہے
مرتے مرتے یہی جھگڑا سر و گردن میں رہا

قیس و فرہاد کا بھرتے رہے بہروپ جلیل
یہی سودا تھا یہی کھیل لڑکپن میں رہا

مانگے جائینگے تجھکو تجھ سے ہم
منہ میں جبتک زبان ہے گویا

مژہ کی پھانس چبھنے سے مزا پورا نہیں آتا
یہ بڑھکر تیر ہوتی۔ تیر دل کے پار ہو جاتا

یہاں تو ہے غرض اس سے کہ جینے کا سہارا ہو
وہ ملتے یا نہ ملتے وصل کا اقرار ہو جاتا

ترے جلوے سے غش آنا نہیں موقوف موسیٰ پر
یہ وہ مے ہے کہ جو پیتا وہی سرشار ہو جاتا

کیا چلکر مجھے بسمل تو کیا تعریف ناوک کی
تری چٹکی میں رہتا اور دل کے پار ہو جاتا

ہمارا طائرِ دل مرغِ دست آموز ایسا ہے
جو تم چمکارتے چٹکی بجاتے یار ہو جاتا

تم وہاں پان ہو نہیں موقع حجاب کا
کیوں پوچھ ڈالو پھول سے منہ پر نقاب کا

آتے ہی سبز باغ دکھا کر ہوا ہوا
جھونکا تھا اک صبا کا زمانہ شباب کا

تصویر ان کی سارے مرقع کی جان ہے
گویا چمن میں پھول کھلا ہے گلاب کا

اُس برق وش کو تو کہیں دم بھر نہیں قرار
کس پر پڑے گا صبر مرے اضطراب کا

بچپن کہاں تک اُن کی اُمنگوں کو روکتا
آخر کو رنگ پھوٹ ہی نکلا شباب کا

دل نے کیا ہے فتنۂ محشر سے مشورہ
تُو خاکِ راہِ دوست ہوئیں خاکِ پائے دوست

اللہ اللہ کوئے جاناں کی زمیں ہے وہ زمیں
سیکڑوں بیٹھے ہیں گھر چھوڑے جہاں میری طرح

پرتوِ رخ کا تماشا جلوہ گہ میں دیکھئے
لوٹتی پھرتی ہیں ہر سو بجلیاں میری طرح

ستم ہے مبتلائے عشق ہو جانا جواں ہو کر
ہمارے باغِ ہستی میں بہار آئی خزاں ہو کر

ستم ڈھاتے ہیں تیرِ ناز دل میں میہماں ہو کر
رہے تو دردِ دل ہو کر جو نکلے تو فغاں ہو کر

یہی عالم ہے گر جوشِ جنوں میں خاک اُڑانے کا
زمیں بھی سر پہ اک دن آ رہیگی آسماں ہو کر

حسیں ہیں اُنکو ہر صورت سے اپنا کام کرنا
بگڑ کر مسکرا کر گرم ہو کر مہرباں ہو کر

ہستی و عدم دونوں ہمارے ہی تو گھر ہیں
اُس گھر میں چلے جائینگے اِس گھر سے نکلکر

کھلے جاتے ہیں قاتل کی ادا پر
کہیں مُنہ پھر نہ زخموں کے سیئے جائیں

ہماری ہے خطا یا پیارے مُنہ کی
جو کہتا ہے مرے بوسے لیئے جائیں

تو سلامت ترے انداز پہ مرنیوالے
موت کا بھی کہیں احسان لیا کرتے ہیں

موت ہے مفت میں بدنام حقیقت یہ ہے
دل جو لیتے ہیں وہی جان لیا کرتے ہیں

آج سُنتے ہیں وہ اپنا مدعا کہنے کو ہیں
کون جانے دل میں کیا ہے مُنہ پہ کیا کہتے ہیں

وہ زبانِ تیغ سے کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
ہم لبِ زخمِ جگر سے مرحبا کہنے کو ہیں

پا کے اُن کو بڑھ گئی ہے اور بھی کچھ آرزو
کل تھے کیا کہنے کو ہم اور آج کیا کہنے کو ہیں

ساری دُنیا جانتی ہے جیسے ہیں حضرت جلیل
جان دیتے ہیں بتوں پر پارسا کہنے کو ہیں

بہار ہے ترے کُشتوں کی سادہ رنگی پر
کوئی چراغ کوئی گل سرِ مزار نہیں

دہائی ضبط کی آنسو پئے نہیں جاتے
بھرے ہوئے مرے دو جام چھلکے جاتے ہیں

بالائے آسماں ہیں نہ زیرِ زمیں ہیں
راحت ہے جس کا نام وہ اے دل کہیں نہیں

کعبہ ہو یا کہ دیر ہو گلشن ہو یا بہشت
جو بات کوئے یار میں ہے وہ کہیں نہیں

شوخی کا وصل میں جو ارادہ ہوا کچھ اور
کس ناز سے حیا نے پکارا نہیں نہیں

لو جوانی آ گئی اب خیر جانوں کی نہیں
وہ اٹھا فتنہ جسے تم بھی دبا سکتے نہیں

نصیب سے کہیں مرنا کسی پہ ہوتا ہے
مزہ جو اس میں ہے وہ عمر جاوداں میں نہیں

اسے بھی آپ کے ہونٹوں کا پڑ گیا چسکا
ہزار چھوڑیئے چھٹنے کی اب شراب نہیں

یہ پاک صاف ہمیں ہیں کہ ہے تو دامن تر
نچوڑیئے تو کہیں بوند بھر شراب نہیں

گُن گُن نہ رہا اتنی بادہ نوشی کی
اب ایک شغل ہے کچھ لذتِ شراب نہیں

ہجوم چار طرف سے ہے اب نگاہوں کا
نقاب اٹھ گئی پھر بھی وہ بے نقاب نہیں

کیا خوب ہوا حشر گنہگاروں کا واعظ!
سب آگ میں ڈالے گئے رند آتش تر میں

گل و بلبل ہنسیں بولیں صبا سے بھی ہو سرگوشی
ہمیں سے سب کھٹکتے ہیں ہمیں ہیں خار گلشن میں

ادھر وہ پیار سے مدفن پہ میرے ہاتھ رکھتے ہیں
ادھر میں بار احساں سے دبا جاتا ہوں مدفن میں

خدا آباد رکھے دور قاتل میں ہے امن ایسا
ہزاروں پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں مدفن میں

تمھیں جانو کہاں چھپ چھپ کے تم راتوں کو جاتے ہو
تمھارے نقش پا کچھ کہہ رہے ہیں کوئے دشمن میں

خوشی یا رشک تو جب ہو کہ مجھکو ہوش ہو اس کا
مرے پہلو میں وہ بیٹھے ہیں یا آغوش دشمن میں

ادھر دیکھا جو وقت گریہ فوراً تھم گئے آنسو
کسی نے سی دیا تار نظر سے چشم گریاں کو

بہار آئی ہے نکھرے ہیں عروسانِ چمن کیا کیا
جلیل اسوقت چلنا چاہئے سیر گلستاں کو

ہمیں الزام دیتے ہو کہ ہم پر کیوں فدا تم ہو
ہماری آنکھ سے دیکھو تو ہو معلوم کیا تم ہو

بجا ہے تم نے تڑپایا ہمیں یوں ہی تڑپتا ہوں
تمھارے تیر ہیں کچھ بے خطا کچھ بیخطا تم ہو

بگڑ کر جان کیوں لیتے ہو صاحب یوں بھی جاتی ہے
خفا ہونے کو میرا دم ہے کیا کم جو خفا تم ہو

آنچل وہ منہ پہ ڈالے چلنا حیا کے ساتھ
سایہ کو دیکھ کر وہ جھجکنا حیا کے ساتھ

اب وار تم کرو نہ کرو اختیار ہے
تلوار کھینچنا ہی غضب تھا ادا کے ساتھ

رنگِ حنا میں ایسی تڑپ ہوتی ہے کہاں
غمزے ہزار ہا ہیں وہاں ایک دو نہیں
شوخی نے کر دیا ہے بہت دن سے بے حجاب
ہم دکھا دیں تجھے زاہد کہ یہ بت کیسے ہیں
رہنِ مے شیخ کی پگڑی کو کیا رندوں نے
کہوں کیونکر کہ الفت میں کوئی حسرت نہیں نکلی
جنوں کی جب ہوئی آمد بڑھے سب پیشوائی کو
نہ پوچھو رات میری کیسی گزری بس یہ عالم تھا
فلک کو دیکھتے ہم رہ گئے نکلے جو وہ گھر سے
ہائے کیا کوچہ ہے کیا دلکش فضا ہے کیا ہوا
اتنی جلدی اٹھ گئے کیوں میں بھی تو تیار تھا
پانی آنکھوں میں بھر لیے آگ ہے دل میں بھری

پیسا ہے تم نے دل بھی کسی کا حنا کے ساتھ
کچھ شوخیوں کے ساتھ ہیں کچھ ہیں حیا کے ساتھ
اب وہ فقط نباہ رہے ہیں حیا کے ساتھ
تو دکھائے ہمیں حوروں کی ہے صورت کیسی
اب جو وہ مانگتے ہیں کہتے ہیں حسرت کیسی
مرے پہلو سے دل نکلا مری جانِ حزیں نکلی
چلا دامن ادھر سے اس طرف سے آستیں نکلی
کہ اب آیا کلیجہ منہ کو اب جانِ حزیں نکلی
یہ عالم تھا کہ اب پاؤں کے نیچے سے زمیں نکلی
بیقراری بیٹھنے دیتی تو دم بھر بیٹھتے
دیکھ لیتے دم نکلتا اور دم بھر بیٹھتے
سچ وہ کہتے ہیں کہ ہم آتے تو کیونکر بیٹھتے

بگاڑ اس آنکھ کا ہے جس قدر ہے
نہ تھی تلوار الفت کی نظر تھی

یہی پہلے پہل ان سے لڑی ہے
کہ جی اٹھتا ہوں جب مجھ پر پڑی ہے

میں ڈر رہا ہوں تمھاری نشیلی آنکھوں سے
نقاب کہتی ہے میں پردۂ قیامت ہوں
بتوں کو پوجتے گذری ہے شرم آئیگی

کہ لوٹ لیں نہ کسی روز کچھ پلا کے مجھے
اگر یقین نہ ہو دیکھ لو اٹھا کے مجھے
جلیل لے نہ چلو سامنے خدا کے مجھے

ہنسی ہوگی جو کوئی دیکھ لے گا

جلیل آنسو تو پونچھو چشمِ تر سے

ایک دن بھی تو نہ اپنی رات نورانی ہوئی
رات کو چھپکر نکل جاتی ہے میری آنکھ سے
شانے پر بکھری ہوئی زلف اک خوشی کی موج ہے

ہمکو کیا اے مہ جبیں گر چاند پیشانی ہوئی
سیر دیکھو! نیند بھی کم بخت سیلانی ہوئی
ہاں کسی کے دل پہ چھائی اور پریشانی ہوئی

وہ خود ہی لوٹ ہے صورت کچھ ایسی بھولی بھالی ہے
جب اُسنے آرسی دیکھی ہے آنکھوں سے لگالی ہے

لطافت سے مرا محبوب تصویرِ خیالی ہے
وہ پہلو میں ہے اور پہلو مرا خالی کا خالی ہے

دیکھو تو میکدے پہ ذرا اس کا جھومنا
رندوں سے بھی بڑھی ہوئی مستی گھٹا کی ہے

کیا خوبصورت آنکھ ہے قربان جایئے
شوخی بھی لاڈلی ہے تو پیاری حیا کی ہے

مار ڈالا مسکرا کر ناز سے
ہاں مری جاں پھر اُسی انداز سے

لاکھوں فتنوں کا ہے گویا جاگنا
ایک اُٹھنا اُن کا خوابِ ناز سے

دردِ دل پہلے تو وہ سُنتے نہ تھے
اَب یہ کہتے ہیں ذرا آواز سے

پھر وہی وہ تھے وہاں اور کچھ نہ تھا
جس طرف دیکھا نگاہِ ناز سے

مٹ گئے شکوے جب اُسنے اے جلیل
ڈال دیں باہیں گلے میں ناز سے

ترے آنسوؤں میں جو ہوتا اثر
یہ دن کیوں ہم اے چشمِ تر دیکھتے

رات دل سے مرے اس درد کے نالے نکلے
گھر سے اپنے وہ کلیجے کو سنبھالے نکلے

پھر سرِ چرخ دھواں دھار گھٹائیں آئیں
پھر ہوا کھانے حسیں گیسوؤں والے نکلے

نازو انداز نے تنہا اُنھیں چلنے نہ دیا
ساتھ سب گوشۂ دامن کو سنبھالے نکلے

جو نہ مشتاق تھے وہ بھی ہوئے مشتاقِ جمال
منہ پہ آنچل وہ اس انداز سے ڈالے نکلے

ہائے رخصت کی وہ ساعت وہ اُداسی گھر کی
ہم سنبھالے اُنھیں وہ ہمکو سنبھالے نکلے

نگاہ پھیر لی محوِ جمال کر کے مجھے
ستم ہے چھوڑ گئے وہ حلال کر کے مجھے

نہ تھا خیال کہ دیتا ہے بے طلب وہ کریم
ہوئی ہے کیسی خجالت سوال کر کے مجھے

جلیل شفقتِ استاد ہائے کیا کہیے
گئے تو شاعرِ نازک خیال کر کے مجھے

اُسنے دیدارِ قیامت پہ اُٹھا رکھا ہے
ہائے نالوں سے قیامت بھی اُٹھائی نہ گئی

سامنے تیغ کے مقتل میں نہ ٹھیرے اغیار
منہ کی کھایا کیئے منہ پر کبھی کھائی نہ گئی

تیغ اُٹھتی جو نہ تھی تیر ہی مارا ہوتا
جانِ من تم سے نظر بھی تو اُٹھائی نہ گئی

مجنوں ذرا نظر تو جما دیکھے سامنے
ناقہ چلا ہے نجد کو لیلیٰ کی ہے دعا
لایا نصیب ناوکِ قاتل کے سامنے
کیا بات ہے شگفتہ دلی ہو جسے نصیب
کہتا ہے نور چہرے کا چھنکر نقاب سے

محمل میں جو نہیں وہ ہی محمل کے سامنے
پردہ اُٹھے تو قیس ہو محمل کے سامنے
آیا ہمارے دل کا کیا دل کے سامنے
جنت کی کچھ بساط نہیں دل کے سامنے
ہلکا سا ابر ہے مہِ کامل کے سامنے

آیئے دل بیچئے ہیں کب چُراتا ہوں نظر
آپ بھی آنکھوں پہ میری آپ کا ارشاد بھی
چپ نہ رہتے تو کیا کرتے تمھارے داد خواہ
لب پہ ہر دم آتے آتے تھک گئی فریاد بھی
آفریں باد اے تصور سیرِ گلشن ہو رہی
ہم کفِ صیاد میں ہیں قید بھی آزاد بھی
آب ترس کھانا نہ کھانا اُنکا ہے قسمت کے ہاتھ
دیکھی صورت ہماری مٹ چکے فریاد بھی
ہائے کیا حسرت کدہ تھا دل ہمارا اے جلیل
ہو گیا دو روز میں آباد بھی برباد بھی
خوشی دل میں نہیں ہے تو سرور آنکھوں میں خاک آئے
پیالی کیا بھریں جب خیر سے شیشہ ہی خالی ہے

تجلی تری سیر دکھلا گئی
سرِ طور موسیٰ کو تڑپا گئی
میسر نہ جب شام ہی نہ ہوا
اُداسی میری گور پر چھا گئی
شبِ غم جو کی خواب کی آرزو
مرے بدلے قسمت کو نیند آ گئی

شبیہ غیر لیکر دیکھنا تو دیکھ سکتا ہوں
قیامت ہے یہ سننا پیار کرلینے کے قابل ہے
کیا انکار دل دینے میں تو وہ جھینپ کر بولے
فقط یہ دیکھتے تھے ہم کہ کتنا آپ کا دل ہے
اے شمع مری طرح تجھے چاہیئے جلنا
اُٹھے جو دھواں دل سے تو اونچا ہو سر سے
آنکھوں میں کون آ کے الٰہی نکل گیا
کسکی تلاش میں مرے اشکِ رواں چلے
کتنی ہی دیر رہ کے وہ جانے کا نام لیں
کہتا ہے دل یہی کہ ابھی سے کہاں چلے
رگ رگ میں ہیں بھرے ہوئے نشتر بجائے خوں
پوچھو مزے جلیل سے ترچھی نگاہ کے
جلوہ ترا تھا یا کوئے دار وئے بیہوشی
سے کتنے نقاب اُٹھتے ہی بیہوش ہو گئے

اتنے سے دل کو دی ہے وہ اللہ نے تڑپ
چاہے تو مجکو عرش پہ رکھ دے اُچھال کے

عبث یہ فکر ہمیں ہے کہ کون ساتھ چلے
اُٹھو گے تم تو قیامت نہ اُٹھ کھڑی ہوگی

محبت سے جو پیش آؤ تو دل پر کیوں نہ ہو قبضہ
یہ وہ جادو ہے جس سے غیر اپنا ہو ہی جاتا ہے

چُن چُن کے غیر قتل ہوئے مٹ گئی خلش
کانٹے ہٹائے تم نے محبت کی راہ سے

مُنہ کے مزے کو ہے یہ فقط اپنی میکشی
دل میں ہزار بار ہے توبہ گناہ سے

ہم کیا کہیں کسی سے کہ دیکھا ہے کیا وہاں
نکلے ہیں ہوش کھو کے تری جلوہ گاہ سے

بھیدی نے گھر کے دل کا پتا دے دیا تجھے
میری نگاہ مل گئی تیری نگاہ سے

جان جاتی ہے کسی کی تو بلا سے جائے
اُنکو اس بات کی ضد ہے کہ مری بات رہے

نامہ ابھی لکھا نہیں قاصد گیا نہیں
لیکن اُمید و یاس میں جھگڑا ابھی سے ہے

پامال جنکی ہے وہی چلکر اُٹھائیں گے
خود اُٹھ کھڑی ہو اتنی قیامت نہیں رہی

آنچل جو ڈھلا شانے سے وہ ہنستے نہ سنبھلا
مچلے ہوئے دل کو کوئی کس طرح سنبھالے

یہاں تو خواب کا آنا خیال میں بھی نہیں
ہمارے خواب میں آنیکی تم نے خوب کہی

فیضِ صبا یہ ہے کہ جو گذری قریب سے
کچھ پھول جھڑ گئے دہنِ عندلیب سے

کیا دیکھ لیا قیس نے کہتا ہے جو سب سے
لیلی مری آنکھوں میں ہے محمل میں نہیں ہے

فتوی دیا ہے مفتی ابر بہار نے
توبہ کا خون بادہ کشوں کو حلال ہے

رُکی رُکی جو چھری دست نازنیں میں رہی
عجیب لطف سے کٹتی ہے تیغ قاتل کی

تڑپ تڑپ کے تمنا دلِ حزیں میں رہی
کبھی کمر میں کبھی دستِ نازنیں میں رہی

یہ تعظیم اللہ اللہ اُس صنم کی
اُنھیں عادت نہیں لذت ستم کی

جھکی پڑتی ہیں محرابیں حرم کی
اُدھر شمشیر اُدھر تقدیر جھکی

جمال ۔ سید علی شمس جمال قادری عرف شاہ مرشد علی بغدادی شاگرد جلال لکھنوی شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں اور موزوں طبع شاعر ہیں۔ زبان۔ بندش۔ ترکیب بیاں سب چیز بحیثیت

مجموعی اچھی ہیں۔ یہ کلام کا انتخاب ہے۔

دوا سے دردِ محبت یہاں دوچند ہوا
مسیح خود مرے پاس آکے دردمند ہوا

کسی صنم کی نہ پروا رہی خدا کی قسم
یہ بے نیاز تمھارا نیازمند ہوا

حُسن اے خدا بتوں کو جو تو نے دیا دیا
ایسے بُروں کا عشق مجھے کیوں بھلا دیا

الٰہی ہم تو نکلے بوستاں سے
نکالا جائے گلچیں بھی وہاں سے

خون سے میرے نکھرنا ہوا ثابت اُن کا
جھوٹی مہندی نے یہ دی سچّی گواہی کیسی

دل لُبھاتی ہے اُن آنکھوں کی سیاہی کیسی
موہنی رکھتی ہے وہ سحر نگاہی کیسی

جمیل

جمیل - نواب علی نقی خان صاحب مرحوم عرف ننھے آغا صاحب خلف الرشید آغا برہان الدین حیدر موسوی نیشاپوری رئیس اعظم فیض آباد نصیر الدین حیدر اور محمد علیشاہ کے عہد میں لکھنؤ میں امیرانہ بسر کرتے اور بیش قرار وظیفہ پاتے تھے۔ خاندان شاہی سے قرابتِ قریبہ رکھتے تھے تفنّن طبع کے طور پر شعر بھی کہہ لیتے تھے ایک قدیم بیاض سے یہ چند شعر منتخب ہوسکے۔

وہ نزع میں آئے ہیں کہہ لینے دے کچھ اُن سے
للّہ ذرا تھم جا اے دردِ جگر اتنا

ضعیفی میں تو ایسے ظلم کرتا ہے جوانوں پر
اگر اے پیر گردوں تو جواں ہوتا تو کیا ہوتا

جان لے گا کہ کرے گا دلِ جاناں میں اثر
کیا کرے گا یہ مرا دردِ جگر آج کی رات

جنوں تیری بدولت اسقدر صحرا نوردی کی
کہ دامن رہ گیا کانٹوں میں آخر دھجیاں ہوکر

جمیل اس کا سبب کیا ہے کہ آزردہ پھرے وہاں سے
گئے تھے کوچۂ قاتل کو تم تو شاداں ہوکر

نحیف فرقتِ جاناں نے کر دیا ایسا
قضا بھی پھر گئی سو بار آکے بستر پر

اے نالۂ شبگیر دکھا حُسنِ اثر آج
وہ چاند سا منہ خواب ہی میں آئے نظر آج

اندوہِ شبِ غم سے کبھی جان نہ بچتی
لیتی نہ اگر بیخبری میری خبر آج

کیوں خاک اُڑاتے ہوئے پھرتے ہیں بگولے
کس بے سروساماں کا ہے دنیا سے سفر آج

جب طلب کرتا ہوں بوسہ رخِ روشن کا جمیل
نیچی کر لیتا ہے شرما کے وہ دلدار آنکھیں

جمیل

جمیل - جمیل الدین نام۔ شیخ پور انواح فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ خوش کلام اور اچھا کہنے والوں میں تھے میر احسان الدین مغروں کے شاگرد تھے اور بعض تذکرہ نویسوں کے قول کے بموجب میر نظام الدین ممنون سے بھی اصلاح لی تھی۔ جوان قابل۔ وجیہہ۔ عاشق مزاج اور خوش اخلاق رند مشرب تھے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں ان کا کلام نظر سے گزرا اس میں سے چند شعر انتخاب ہوکر درج تذکرہ کیئے جاتے ہیں بعض غزلوں میں تمنا تخلص بھی کرتے تھے۔

جبہہ سا دیکھ مجھے نقش قدم پر اپنے
سرگراں ہو کے کہا خاک پہ سر مار پڑا

رونا آتا ہے ہمیں دیکھ کے احوال جمیل
حالت نزع میں ہے کل سے وہ بیمار پڑا

نہ اُٹھا گو چوا یا منہ میں پانی اسکے شبنم نے
ہوا بیہوش یہانتک دیکھ کر غنچہ دہن تیرا

آنکھوں کا اس پری کے بھڑکنا نجائیگا
وحشی ہیں یہ غزال بھڑکنا نجائیگا

بارش کو چشم تر کی کروں ضبط گو جمیل
بجلی کا آہ کی یہ کڑکنا نہ جائیگا

ہے یوں نظریں چُرانا غیر سے ہو چار چشم
آپسے ہمکو بھی ہے ای بت عیار چشم

مجھ صید مرغ دل از بس وہ صید انداز ہے
پنجۂ مژگان جس کا چنگل شہباز ہے

پا بگل حیرت سے ہی سرو گلستاں رہت کہہ
کس قیامت قد کا یاں قمری خرام ناز ہے

اُسکی فوج غمزہ سے ہر روز ہے یہ دو بدو
کچھ جمیل خستہ جاں بھی زورہی جانباز ہے

شرمندہ اس مژہ سے فقط اب نہ تیر ہے
ابرو کے دور میں بھی کماں گوشہ گیر ہے

دامن سے لگ گیا ہے اگر اسکی اے نسیم
مشت غبار اپنا جو رشک عبیر ہے

ق

کاہیدہ اسقدر ہے یہ بیمار ہجر میں
آتا جو دیکھنے کو صغیر و کبیر ہے

بستر پہ جسم زار کو اُسکے فتادہ دیکھ
لیجائے ہے گمان کہ تار حریر ہے

جمیل

جمیل - جمیل الدین ابن جمیل ابن شیخ حفیظ الدین باشندۂ تھانیسر۔ یہ اشعار ایام نابالغی کے ہیں۔ حداثت سن کے سبب مضامین متسخر خیز ہیں۔ غدر سے پیشتر شہر دہلی میں تعلیم پاتے تھے بعد کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا۔ چند شعر حاضر ہیں۔

چڑھا ہی لیتا اڑ نگے پہ اس ستمگر کو	جو آج کو ہیں زبردست پہلوان ہوتا
تو نے دیکھی ہیں غیر کی آنکھیں	تیری نظروں میں کب سمائینگے ہم
کہا میں نے کہ اک دن تو ذرا چہرہ دکھا دیجے تو ہنس ہنسکر لگا کہنے کہ یوسف تو نہیں کچھ میں	ق اسی کیواسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں کہ ہر اک کو دکھاتا جلوۂ دیدار پھرتا ہوں
لب لال اس کا ہے مسی آلود لال تو ہے پہ ہے یہ صم و بکم	اور کچھ پان کی سی لالی ہے چٹکی سرمہ کی اسنے کھالی ہے

جمیل

جمیل منشی سید جمیل احمد جمیل ابن منشی سید امتیاز علی سہسوان ان کا وطن اور ۱۲۷۶ھ ہجری سال ولادت ہے۔ آپنے صبا و تسلیم اور منیر شکوہ آبادی سے اردو میں اور زبان فارسی میں افتخار الشعرا خان محمد خان شہیر تلمیذ غالب مرحوم سے مشق بہم پہنچائی بسبب ملازمت بھوپال آپکی عمر کا زیادہ تر حصہ روسا نامدار و والیہ ریاست کی ثنا گستری میں بسر ہوا۔ چنانچہ بیشمار قصائد و قطعات اور مسدسات و ترکیب بند وغیرہ آپکی تصنیف سے ہیں اشعار میں زبان اور محاورہ کی صفائی کا زیادہ خیال رکھتے ہیں بندش اور اسلوب بیان کا سلیقہ بھی برا نہیں۔ یہ انکے اشعار ہیں ؎

بار عصیاں نہ گنہ گار اٹھا کر لیجائیں	اے خدا راہ میں لٹ جاے یہ ساماں ان کا
کچھ بلبلوں کو یاد ہیں کچھ قمریوں کو حفظ	عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں
کہتے ہیں وہ نگاہ کی زد پر جگر نہ ہو	کیا خوب واں تو تیغ ہو اور یاں سپر نہ ہو
یہ کاوشیں نہیں مژۂ سینہ دوز کی	دیکھو تو میرے دل میں کہیں نشتر نہ ہو
اے جذب عشق بات بجائے شب فراق	ایسا نہ ہو ہم آہ کریں اور اثر نہ ہو
محشر میں کیوں یہ شور تظلم ہے ہر طرف	دیکھو کہیں یہاں بھی وہ بیداد گر نہ ہو
مجکو دکھا کے غیر کو بوسہ نہ دیجیے	بیداد ہو۔ ستم ہو۔ مگر اسقدر نہ ہو
تیغ نگہ کا وار ہے کچھ دل لگی نہیں	کہدو کوئی جمیل سے سینہ سپر نہ ہو

بہت اس گل کے بلبل ہیں اُلجھتے کیوں نہیں اُس سے
مجھی پر خار کھائے بیٹھے ہیں کانٹے بیاباں کے

دہشت عبث ہے خلق کو روزِ شمار کی
ہو گی سحر نہ میری شبِ انتظار کی

کیوں ناگوار ہمکو جفائیں ہوں یار کی
ہمدم یہی تو یار کی باتیں ہیں پیار کی

اچھی کہی کہ آپ نہ چاہا کریں ہمیں
گویا کہ ہے یہ بات مرے اختیار کی

آخر چلے نہ آئے چلی شوخیوں کی کیا
دیکھی کشش ہمارے دلِ بیقرار کی

آنکھیں ہیں اور نظارۂ صیادِ گلعذار
حاصل ہے ہمکو سیر قفس میں بہار کی

شہرت پہ وصلِ غیر کی مجھپر عتاب ہے
لیتے نہیں خبر نگہِ شرمسار کی

مجھسا گناہ گار بھی بخشا گیا جمیل
کیا شانِ عفو ہے مرے آمرزگار کی

میری ہمدردی کا مزہ دیکھئے پائینگے کیا
بے اثر تدبیر ہو گی تو نہ شرمائیں گے کیا

ہوں میں ناکام ازل وہ میرے کام آئینگے کیا
دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا

زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا

ہاتھ باندھے اور جھکائے ہم رہیں سر کب تلک
بات ڈر ڈر کر کریں با دیدۂ تر کب تلک

تاک میں ہر دم سنو گے کان دھر کر کب تلک
بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک

ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا؟

خیر سے سمجھے ہوئے ہیں وہ محبت کو گناہ
سیدھے سادے ہیں حقیقت پر نہیں انکی نگاہ

اسکو میں بھی مانتا ہوں ہیں وہ میرے خیر خواہ
حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ

پر کوئی اتنا تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

انکی ابرو دیکھی ہے شمشیر سے بھاگینگے کیوں
کھائی ہیں چوٹیں نظر کی تیر سے بھاگینگے کیوں

عاشقِ بدنام ہیں تشہیر سے بھاگینگے کیوں
خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگینگے کیوں

ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

جمیل - ان کا نام اور حال معلوم نہیں ہوا اتنا معلوم ہے ایک مولوی صاحب سندیلے کے رہنے والے

اور جناب اسیر کے شاگردوں میں تھے ۱۳۰۳ھ ہجری میں موجود تھے یہ انکے اشعار ہیں +

گیسوئے یار سے دیکھے نہیں بڑھکر گیسو	سنبلِ باغِ جناں سے بھی ہیں بہتر گیسو
اُسنے لٹکائے گئے خوب ہوا خوب ہوا	بل کی عاشق سے لیا کرتے تھے اکثر گیسو
کون سا حُسن خدا نے نہ دیا اُس بُت کو	خالِ مشکیں خطِ شبرنگ معنبر گیسو

جمیل

جمیل - میر محمد سجاد صاحب لکھنوی - باوجود کوشش آپکے حالات دستیاب نہیں ہوئے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ دور موجودہ کے شاعر ہیں۔

یہ نزاکت دیکھا کرتا ہوں جب بوسہ کا قصد	سُرخ ہو جاتا ہے رنگ اُس شوخ کے رخسار کا
کروٹیں لاکھوں بدلتا ہوں پہ نیند آتی نہیں	رات بھر مجکو ستاتا ہے تصور یار کا
دیکھیں تو آپ آکے کہیں لالہ زار دل	دکھلا رہی ہے رنگِ گلستاں بہارِ دل
سُن کے نامِ وصل آخر اتنا شرماتے ہو کیوں	جانِ جاں شکلِ عروس تو جھکے جاتے ہو کیوں
یہ بھی کہتے ہو کہ میرے کام کا بالکل نہیں	پھر مرا دل اپنی مٹھی میں لیے جاتے ہو کیوں
جنوں کا جوش کم ہوتا ہے صحت ہوتی جاتی ہے	یہ خارِ دشت کارِ نشترِ فصّاد کرتے ہیں
جلوہ جو دیکھا طور پہ غش کھا کے گر پڑے	کہئے کچھ آپ تو حضرتِ موسیٰ ہوس نہیں
مطمئن رہنا نہ اے غافل سرائے دہر میں	قبر ہے تیرا مکاں دنیا مسافر خانہ ہے

جمیل

جمیل - منشی محمد حسین صاحب جمیل مرحوم - آپ ضلع میرٹھ کے باشندے تھے۔ مگر بسبب ملازمت عرصۂ دراز تک ملتان میں سکونت پذیر رہے آپ وہاں کی کسی عدالت میں نقل نویس اور مثل خواں تھے۔ کئی برس ہوئے چالیس بیالیس برس کے سن میں انتقال کیا حضرت داغ دہلوی سے آپ کو فنِ سخن میں تلمذ تھا نعت کہنے کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ عاشقانہ اور نعتیہ دونوں دیوان آپکے شائع ہو چکے ہیں۔

اُٹھانا بارِ محبت مُحال کیسا ہے؟	نہ سوچے پہلے سے اسکا مآل کیسا ہے
تقدیر دیکھئے ابھی دکھلائے کیا مجھے	خود بیوفا ہیں کہتے ہیں وہ بیوفا مجھے

کبھی سر پہ کبھی کاندھے پہ کبھی سینے پر	اک طلسمات کا عالم ہے ڈوپٹہ کیا ہے

جمیل

جمیل۔ جناب میر تراب علی صاحب خلفِ میر ریاست علی مرحوم سابق مہتمم باورچیخانہ نیازات سرکارعالی نظام۔ زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں۔ خلاصۂ کلام ملاحظہ ہو

ترا جمال میں دیکھوں یہ مجھ میں تاب نہیں	حسین لاکھوں ہیں لیکن ترا جواب نہیں
بھروسہ کرکے کرمی پہ تیری اے مولا	گناہ اتنے کیئے ہیں کہ کچھ حساب نہیں
ہمارے خط کو جو دیکھا تو بولے قاصد سے	جواب یہ ہے کہ اسکا کوئی جواب نہیں
بعد مردن بھی تمھاری جستجو درکار ہے	مٹ گئے پھر بھی تمھاری آرزو درکار ہے
جب یہ دنیا لوٹ ہی حسین کہ ہے حسن ملیح	اُس پہ مرتا ہوں اُسی کی آرزو درکار ہے

جنگ

جنگ۔ منشی جنگ بہادر صاحب جنگ شہر میرٹھ کے رہنے والے خاندانی شخص تھے۔ عدالت کلکٹری و محکمۂ بندوبست میں عرصہ تک ناظر رہے سرکاری ملازمت سے قطع تعلق کرنے کے بعد مشہور اخبار انیس ہند کی اڈیٹری کا کام قابلیت سے انجام دیا۔ کیسکی شاگردی نہیں کی۔ آپ کو انگریزی و فارسی میں بھی کچھ دسترس تھی سخن سنجی۔ حاضر جوابی ان کا خاص حصہ تھا۔ ۶۔ اپریل ۱۹۰۸ء کو پورے پچاس سال کی عمر میں بمقام لاہور دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ آپکی تصنیف و تالیف سے کئی کتب مثل چمنستانِ دلچسپ۔ چمنستانِ معرفت و چمنستانِ صحت وغیرہ شائع ہو چکی ہیں آپ کے دو صاحبزادے شاد و رنگ موجود ہیں۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہیں۔

سُن کے آمد کی خبر یاں بیخودی طاری ہوئی	اُنکے آنے نے مرے جانکا ساماں کر دیا
دل میں حسرت کا ہے خوں ڈھیر ہی ارمانوں کا	کیا بُرا حال ہوا ہے مرے مہمانوں کا
خونِ ارماں کا شبِ وصل بھی کیا کیا نہ ہوا	دل مرا غنچۂ تصویر تھا۔ گویا نہ ہوا
پاسِ الفت رہا مجنوں کو بیاباں میں بھی	آہوئے چشم کوئی آہوئے صحرا نہ ہوا
جگر میں گیا دل سے پیکاں نکل کر	اُٹھا درد بھی ساتھ پہلو بدل کر

مرے ساتھ ہے انقلابِ زمانہ	بدل دو نگاہ دنیا کو کروٹ بدل کر
پڑی ہے اوس نالوں سے مرے بلبل کے شیون پر	گرا دو مسکرا کر برق تم پھولوں کے خرمن پر

جنوں

جنون۔ شاہ غلام مرتضیٰ متخلص بہ جنوں متوطن عظیم آباد پٹنہ ہمعصر مرزا رفیع السودا مہذب صورت پاکیزہ سیرت نہایت خوش مذاق۔ اکثر فنوں میں قابل اور کامل۔ بڑھاپے میں نابینا ہوگئے تھے مگر مشق سخن میں وہی انہماک تھا۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ لکھتے ہیں کہ ان کا وطن آلہ آباد تھا اور زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ دیوان ریختہ بھی مرتب کیا تھا انتخاب درج کیا جاتا ہے

کب ماہ اس نمک میں ہمسنگ ہے تمھارا	حقا کہ حسن یوسف پاسنگ ہے تمھارا
آنکھیں بھی چڑھ رہی ہیں منہ بھی اتر رہا ہے	کچھ رنگ ان دنوں میں بیرنگ ہے تمھارا
مجھ گریباں چاک کو تو اس کا دامن گیر کر	اس طرح نقشہ اتار اسکی مری تصویر کا
مرشدِ کامل ہے دردِ عشق ہر مذہب کے بیچ	میں تو کافر ہوں اگر قائل نہوں اس پیر کا
وہ آنکھ ہے کہ جس سے دیکھیں جمال تیرا	یارب جنوں کے منہ پر اس در کو باز کرنا
پہنچا کوئی کعبے سے کوئی دیر سے پہنچا	تھی جس پہ تری مہر وہی خیر سے پہنچا
طوف باصدق و صفا کیجے دلِ آگاہ کا	میرے مذہب میں یہی ہے حج بیت اللہ کا
مرتا ہوں غمگساری جواب نہیں تو پھر کب	اے یار مجھسے یاری جواب نہیں تو پھر کب
اے جنوں مصرع تر اسودا کے ہے زنجیر پا	قید سے تیری نہیں ہونیکے اب آزاد ہم
دشمن جاں ہوگئی آخر یہ بینائی مجھے	جو بلا کہتے سو ان آنکھوں نے دکھلائی مجھے
تری چشم مست سے ساقیا یہ سیاہ مست جنوں ہوا	کہ مئے دو آتشہ طاق پر جو دھری تھی وہیں دھری رہی

جنوں

جنون۔ فخر الاسلام نام دہلی کے مشائخ میں سے تھے اور میر ممنون دہلوی کی شاگردی سے بہرہ یاب تھے۔ ایک شعر ان کا ملا اور قابلِ درج تذکرہ معلوم ہوا۔

اٹھی جو شرم تو دونوں ہی دل سے مل نکلے	بجز حجاب یہاں کچھ نہ فاصلے نکلے

جنوں

جنون۔ نواب سراج الدولہ علی محمد خاں بہادر سردار جنگ مرحوم رئیس اعظم فیض آباد خلف

نواب محتشم الدولہ مدبر الملک مرزا باقر علی خان بہادر فتح جنگ مرحوم۔ نواب فتح جنگ مرحوم کے والد ماجد نواب حسین علیخاں بہادر بانس بریلی اور روہیل کھنڈ کے صوبہ دار تھے۔ اور یہ خود نصیر الدین حیدر کے وزیر نواب روشن الدولہ کے داماد تھے۔ نواب سراج الدولہ نے اوائل مشق سخن میں خواجہ آتش سے اصلاح لی۔ انکی وفات کے بعد حضرت اسیر لکھنوی کو اپنا کلام دکھایا۔ آپکی تصانیف سے دو دیوان چھپے ہوئے موجود ہیں۔ شعر خاصہ کہتے تھے تشبیہ اور استعارہ بندی (جس کا اُس زمانے میں زیادہ رواج تھا) کی پابندی آپکے کلام سے مترشح ہے۔ رعایات لفظی کے اسیر تھے۔ نازکخیالی اور زبان کی طرف توجہ کم تھی۔ تاہم کلام میں صفائی اور پختگی پائی جاتی ہے۔ اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

حاجیو جاؤ مبارک تم کو کعبے کا سفر
خود مرے پہلو میں گھر موجود ہے اللہ کا

میں مسلماں تھا وہ شاید مجھے کافر سمجھا
مصحفِ رُخ کو کبھی ہاتھ لگانے نہ دیا

راحت کی طلب گر دلِ ناشاد کرے گا
کیا جانے فلک کیا ستم ایجاد کرے گا

بوسے کے وعدے پر مرا دل یار لے گیا
یوسف کو مفت مول خریدار لے گیا

مر کر میں شوقِ ابروئے خمدار لے گیا
راہِ عدم میں خوف تھا تلوار لے گیا

کیا کیا خیالِ یار نے دھوکے نہیں دیئے
کس روز اُس پہ حور و پری کا نہ شک گیا

زندگی ہجر میں تھی موت سے بدتر تیری
اپنے جینے کی خدا سے میں دعا کیا کرتا

اگر اے آسمان کچھ بھی سرِ انصاف تو ہوتا
قبائے گل میں تارِ اشکِ بلبل سے رفو ہوتا

اِسی مُنہ پر مسیحائی کا دعویٰ آپ کرتے ہیں
کہ بیمارِ غمِ ہجراں کا درماں ہو نہیں سکتا

زلفِ شب رنگ کو دکھلا کے وہ یہ کہتے ہیں
شب یہ بھاری ہے مرے ہجر کے بیماروں پہ

تکلیف دست و بازوے نازک کو تا نہ ہو
ابروئے خدا نے اُسکو دیئے ہیں بجائے تیغ

کیا کہوں وصل میں ہوتی ہی جو عاشق کو خوشی
حق بجانب ہے جو پروانہ ہوا شادی مرگ

آمد پیکِ اجل بھی ہوئی قاصد نہ پھرا
لب پہ جاں آئی وہ لایا ابھی پیغام نہیں

ظلم سے یار نے چھینا نہ دغا سے پہلے ۔ دل مرا لے لیا دیدے کے دلاسے پہلے

ہاتھ کب آتا تھا مضمون دہن ۔ یہ معمہ حل ہوا ادراک سے

شجر نکلا نہ کشت عشق میں تخم تمنا سے ۔ خدا جانے کہ زیر خاک اس دانے پہ کیا گزری

شراب عید کے دن شوق سے پئیں زاہد ۔ حرام تیسرے فاقہ حلال ہوتا ہے

گالیاں دیکر سخی داتا نہ بنیئے مہرباں ۔ دیجئے گا مجکو وہ جو کچھ کہوں درکار ہے

حق تو یہ ہے کہ بہائم سے بھی وہ بدتر ہے ۔ جس بشر کو کہ تمیز حق و باطل نہ رہے

نالے وہ پر اثر ہیں دل بیقرار کے ۔ گلشن میں ہوش اڑتے ہیں سنکر ہزار کے

غلغلہ ہے فیض ساقی کا چلو لے میکشو ۔ میکدے سنتے ہیں ان روزوں دھرم سالے ہوئے

بے سبب ہیں وہ اگر روٹھ کے جانیوالے ۔ گر کے قدموں پہ منالیں گے منانے والے

نہ ہوگی حور کے زانو سے بھی مومن کو یہ راحت ۔ ملی راحت ہمارے سر کو جو خشت سر خم ہے

خاموش ترے سامنے غنچہ کا دہاں ہے ۔ حسرت سے تیری آنکھوں کو نرگس نگراں ہے

جائے حیرت جلوۂ معبود ہے ۔ چشم سے پنہاں ہے پھر موجود ہے

(انتخاب از جلد دوم)

نکرتا گر فلک مجبور اسکو ۔ خدا جانے یہ بندہ کیا نہ کرتا

میں اسکی خودنمائی کا ہوں کشتہ میری تربت پر ۔ لگاؤ جائے سنگ قبر آئینہ سکندر کا

گو ضبط سے میں کچھ نہ کہوں چہرے سے مرے ۔ جو اس پہ قلق ہے وہ نہاں ہو نہ سکیگا

کیا عالم کے چشموں میں تجکو ڈھونڈھ کر پیدا ۔ نہ تیری سی ہوئیں آنکھیں میری سی نظر پیدا

عشق لب جاں بخش میں ہونٹوں پہ رہا دم ۔ اعجاز مسیحا مرے کچھ کام نہ آیا

کیوں نہ ہو اسکی اداؤں سے مرا کام تمام ۔ نہ لیا شرم سے عاشق کا کبھی نام تمام

بظاہر گو کہ ہجو صورت میخوار رہتے ہیں ۔ بکار خویش دیوانے ترے ہشیار رہتے ہیں

کس لئے حشر بپا ہے قیامت کیوں ہے ۔ قم باذنی وہ کہیں ہوش میں ہم آتے ہیں

کیا یا جنوں پہ تیر نگہ کس کا راہ میں | جو دل پکڑ کے بیٹھ گئے ایک آہ میں

خط دیکھے نامہ بر سے بھی پہلے رَوانہ ہو | کچھ شوقِ دل کا سب سے جدا کارخانہ ہے
کیا خوف ہمکو گرمیِ خورشیدِ حشر سے | سر پر ترا سحابِ کرم شامیانہ ہے
شکوہ تیرا کروں معاذ اللہ | میری جانب سے یہ گماں نہ رہے
وطن کی سمت گئے چھٹ کے قافلے والے | میں پا شکستہ تڑپتا ہوں کارواں کے لیے
جو کہ تقدیر میں تھے رنج و محن دیکھ چکے | کیسے کیسے ستم چرخ کہن دیکھ چکے
باغباں سیر کو آئے تھے بس اب جاتے ہیں | جلوہ حسن عروسانِ چمن دیکھ چکے

جنون (حاشیہ)

جنون۔ میر فضل علی دہلوی شاگرد میر امانی اسد و شیخ ولی اللہ محب۔ پہلے مست تخلص کرتے تھے۔ محرم الحرام میں کتاب خوانی کیا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

دیکھا سرائے سینہ کو لے کر چراغ دل | دل سوز ایک بھی نہ ملا غیر داغ دل
باندھ کر تلوار جب آیا نظر میرے تئیں | ہو گئی معلوم قاتل کی کمر میرے تئیں
ہوں میں وہ شہباز جسکی سیر گہ تھا لامکاں | عشق نے تیرے کیا بے بال و پر میرے تئیں
یار سے کہیو یہ قاصد کہ جو آنا ہے تو آ | ہم تو جائیں چلے دنیا سے یہ ارمان رہے

جنون (حاشیہ)

جنوں۔ میر مہدی خلفِ میر عباس عرف میر مغل فیض آبادی مقیم لکھنو میر رضی رہا کے چھوٹے بھائی اور رشک لکھنوی کے شاگرد تھے یہ اُنکے اشعار ہیں۔

گویا کہ گھڑی نور کی رکھی ہے کمر میں | ایسی ہے منور تری اے رشکِ قمر ناف
کسی سے تارے نہیں دیکھے چاند میں اب تک | تمہارا چاند سا چہرہ ہے اور ستارے گال
رخسار دونوں مہر ہیں ابرو ہلال ہیں | گر مانگ کہکشاں ہے تو ماہِ مبیں جبیں
گو وصلِ یار تھا پہ لڑائی نہیں گئی | میری اور اُسکی خوب لڑی رات بھر زبان

جنون (حاشیہ)

جنوں۔ سید رحمت علی صاحب جنون بریلوی شاگرد حکیم نیاز احمد خان صاحب ہوش آپ شیعہ مذہب تھے اور [illegible] میں بریلی میں موجود تھے شعر خوب کہتے تھے اور وہاں کے مشاعروں

میں شریک ہوا کرتے تھے۔ چند غزلیں نظر سے گذریں اُن کا انتخاب حاضر ہے۔

جبتک نہ ہاتھ شربتِ دیدار آئیگا
تجکو بخار اے دلِ بیمار آئیگا

ابرو کے پاس خواب میں دیکھی ہے چشمِ مست
تعبیر یہ ہے کعبہ میں میخوار آئے گا

تیر نگاہِ یار کا چھیڑوں گا ذکر میں
لپٹا ہوا جو نوک کی سوفار آئیگا

دہانِ زخم کو بوسہ تو خنجر کا میسر ہو
خدا کیواسطے قاتل لگا اک اور بھی چرکا

ہو کے بسمل بھی محبت تیغِ قاتل کی رہی
ہر دہانِ زخم نے بوسہ لیا تلوار کا

دیکھ سکتے قابل ہے رحم ان کا وقتِ نزع وہ
پانی ٹپکاتے ہیں میرے حلق میں تلوار کا

مرگ کے بعد ہوا خانۂ تربت پر نور
شمع کا کام کیا داغ نے روشن ہوکر

جان دی مر مر کے میں نے حسرتِ دیدار میں
خاک سرمہ بن کے پہنچی کیوں نہ چشمِ یار میں

کیوں نہیں لیتی مریضِ ہجر کی آکر خبر
موت کو بھی موت آئی کیا فراقِ یار میں

عشق نے برباد کردی حسن کی دولت جنون
کوڑیوں کے مول یوسف بک گیا بازار میں

اے صنم یہ نہ سمجھنا کہ ہیں ہم خانہ بدوش
اب خدا چاہے تو دل میں ترے گھر کرتے ہیں

بدلے دینار کے ملتے ہیں ہمیں درہمِ داغ
آسماں سے جو کبھی خواہشِ زر کرتے ہیں

ذبح کرنے میں اگر قاتل سے کچھ تاخیر ہو
ہر رگِ گردن ہماری قتل کو شمشیر ہو

بعدِ مردن بھی اگر آوارگی یوں ہی رہی
خاک اپنی دیکھئے کس کس کے دامنگیر ہو

کوئی تو زلفوں کو چھیڑے گالیاں ہم پر پڑیں
ہم گنہگاروں میں ٹھیریں غیر سے تقصیر ہو

نامہ بر دیتا ہے دھوکا میں نہ مانونگا کبھی
سر قلم کردوں جو اسکے ہاتھ کی تحریر ہو

تمہارے کوچے میں پاتے ہیں ہم پتا دلکا
اگر ہنسی میں لیا ہو تو اب عطا ہو جائے

فنا کے بعد پریشانیاں نہ اپنی گئیں
ہوا چمن میں رہے دشت میں غبار رہے

وہ چشمِ مست سے دیکھے کبھی جو ایک نظر
تو میں تو کیا ہوں کہ زاہد کو بھی خمار رہے

کیا ہے بولنا موقوف بوسۂ رخ پر
غضب ہے چوم کے مصحف گناہگار رہے

جنون

جنوں - شیخ محسن علی صاحب عرف کلن متخلص بہ جنوں متوطن بنارس شاگرد مرزا صاحب بہ گورگانی ہیں۔ ان کا صرف اسقدر حال معلوم ہوا ہے کہ سنہ ۱۲۷۴ھ میں زندہ تھے۔ فن شعر میں اپنے استاد کی روش کے پیرو تھے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

تجھ سے وہ مہر ہے جس میں سب ہیں آپ بے پیر
عقل ہو۔ تدبیر ہو۔ تقریر ہو تحریر ہو

جرم پر بوسہ کے حکم قتل ہے بے منصفی
جسکی ہو جیسی خطا ویسی اُسے تعزیر ہو

ہوتی ہے اُلفت سے الفت کسطرح نکلے کوئی
دشت وحشت میں جو اک خار دامنگیر ہو

کچھ تو ہوگی دل کو تسکین ہجر میں یہ ہی سہی
بھیجدو اپنی تمھارے پاس گر تصویر ہو

ق

مجھے ہو قسمت قسام عشق دل سے پسند
کہ تا کسی کی کسی سے نہ کم بہا رہتے

برنگِ لالہ دل و سینہ و جگر پہ مرے
مدام داغ جُدائی کے چپ چار رہتے

دیدیا کیا یہ مسیحا نے دوا سے پہلے
کہ شفا کیسی گئی جان قضا سے پہلے

زلف کو چھونے نہ پائے تھے کہ پہنی زنجیر
خوب تعزیر ملی ہمکو خطا سے پہلے

کبھی عیسیٰ کا میں طالب ہوں کبھی قاتل کا
دیکھوں کون آئے مرے پاس قضا سے پہلے

نزع کے دم ملک الموت سے جھگڑا ہو بڑا
آپ آئیں جو مرے پاس قضا سے پہلے

کیا ترے ابروے پُرخم سے مقابل ہوگا
ماہِ نو بحث تو لے ناخن پا سے پہلے

پر لگیں پاؤں کے بدلے جو بلائے وہ یار
اے جنوں اُڑ کے ابھی جاؤں ہوا سے پہلے

مجھے نفع کرتی محبت مگر
تری بے نیازی ضرر دے گئی

جنون

جنون - عالیجناب خان بہادر قاضی عبد الجلیل صاحب جنوں تلمیذ جناب مرزا اسد اللہ خان غالب رئیس اعظم بریلی انکے بزرگ شاہانِ مغلیہ کے عروج سلطنت کے زمانہ میں مصر سے دہلی میں آئے بادشاہِ وقت نے بہت قدر و منزلت کی اور ہمیشہ مناصب جلیلہ پر ممتاز رہے کبھی مختلف شہروں کے صوبہ رہے کبھی سفارت کا معتمد اور نازک کام انجام دیا پھر بالش بریلی کے قاضی رہے۔ شاہانِ دہلی و صوبہ اودھ میں جو اہم ہوا۔

اور نزاعات ہوجاتے وہ سب اِنکے توسّط سے طے ہوتے تھے جسکے صلے میں خطابات وجاگیریں وخلعتِ فاخرہ سے سرفراز ہوتے رہے۔ جب رہیل کھنڈ فتح ہوا تو نوّاب شجاع الدولہ وزیرالممالک نے اپنے تنخواہ میں ایک بیش بہا سند عطا فرمائی۔ اوائلِ دورِ انگلشیہ میں بھی آپ نہایت باوقرو بارسوخ رہے +

قاضی صاحب ممدوح ۱۲۵۱؁ ہجری میں پیدا ہوئے ۱۸ برس کی عمر میں فارسی وعربی کی تکمیل کی۔ مختلف علوم عربیہ میں مہارت بدرجۂ کمال تھی۔ آپ کو مرزا نوشہ غالب مرحوم سے تلمذ تھا۔ مرزا کو اپنے لائق شاگرد سے مہر مفرط تھی اُنکے ہر ہر خط کے ایک ایک فقرہ سے محبت ٹپکتی تھی۔ کہیں لکھتے ہیں "آپ کی ارادت میرا ذریعہ فخر وسعادت ہے" کسی جگہ ارقام ہے "اگر قوتِ ناطقہ پر کچھ بھی تصرّف باقی ہوتا تو آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ۔ اور آپکے کلام کی تعریف میں ایک رباعی کہتا" تاریخ گوئی میں بھی ملکہ تھا افسوس کہ اپنا کلام سب تلف کردیا اُنکے احباب کی زبانوں پر یا مرزا نوشہ کے خطوط میں جو کچھ مِل سکا وہ جمع فرما کر شفیقی ومکرمی قاضی محمد خلیل صاحب نے عنایت کیا۔ درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جو حسیں ہمکو ملا کافر و بیدیں ہی ملا
نہ ہوا حشر دو بیوجہ گوارا گُل کا

کہاں یہ تاب کہ آنکھیں ملا سکوں تجھ سے
دیکھکر اُس بُت کو کیا کہیے کہ کیا یاد آگیا

میں جو رخصت ہوکے اُن سے پھر گیا تو یوں کہا
ہے سرِ شام ہی سے بھاری رات

سرسری تھا نگہ جور و تغافل ایجان
کیجئے شکوہ دمِ تیغِ نگہ کا کیونکر

سامنے سے یوں نکل جاتے ہیں وہ
جسکو دیکھا اُسے غارتگرِ ایماں دیکھا

ہم نہ کہتے تھے نکر سیرِ گلستاں دیکھا
کہ اک نگہ میں دگرگوں ہے حال محفل کا

ہمکو اُسکی بے نیازی سے خدا یاد آگیا
کیوں گئے کیوں آئے کیا بھولے تھے کیا یاد آگیا

ہائے کیسی کٹے گی ساری رات
تم پشیماں نکرو مجکو پشیماں ہوکر

کہ مرے تن پہ کوئی زخم نمودار نہیں
اُن سے گویا کچھ شناسائی نہیں

اُنھوں نے آئینہ دیکھا تو میں نے مُنہ اُن کا — حواس و ہوش بجا واں نہیں تو یاں بھی نہیں

بیمارِ عشق کو نہ لگا ہاتھ اے طبیب — کچھ دردِ سر نہیں ہو کہ اچھا وا سے ہو

نہیں لطف و عنایت ستم و جور ہی ہو — غم تو ہے کہ نہیں حال کا پرساں کوئی

گرم کیوں ہوتے ہو اغیار کے آگے مجھپر — آگ میں ڈالیے پہ یوں نہ جلایا کیجیے

تاب و طاقت نے دیا فرقتِ جاناں میں جواب — بارِ غم ناز نہیں ہے کہ اٹھایا کیجیے

گالیاں کھا کے رہوں چُپ یہی بات اچھی ہو — گر بگڑتا ہوں تو وہ اور بناتا ہے مجھے

آیا نہ اُن کو تفرقۂ جان و دل پسند — دل لیچکے تھے جان بھی اب آکے لیچلے

ہو نہ موقوف جنبشِ مژگاں — ابھی خواہش ہے زخمِ کاری کی

ہجر میں کون تھا مرا ہمدرد — کچھ ترے غم نے غمگساری کی

بلکہ بے شوخی اُس نگاہِ ناز کی — ایک برچھی سی جگر میں لگ گئی

جنون

جنوں۔ مولوی محمد عمر جنوں ابن مولانا حاجی محمود میاں صاحب ساکن ریاست مانگرول صوبۂ کاٹھیاواڑ۔ آپ کی عمر اب پچاس برس کے قریب ہے شیخ محمد حسین میاں اور اُنکے بھائی جہانگیر میاں کے عہدِ ریاست میں اِنھوں نے اور انکی شاعری نے تربیت۔ اور پرورش پائی۔ یہ خود نواب صاحب مذکور سے استاذزادگی کی خصوصیت رکھتے ہیں۔ نواب مرحوم کی ریاست اگرچہ مختصر تھی مگر نہایت بامروّت اور سیرچشم رئیس تھے اہلِ علم اور باکمال آدمیوں کے قدردان اور اُردو شاعری کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ چنانچہ اُنکی فیاضیوں کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ، حکیم ضامن علی جلال، منشی امیر اللہ تسلیم اور جناب شمشاد لکھنوی سے استادوں نے مانگرول جیسے دُور اُفتادہ مقام کو گاہ گاہ اپنے قدومِ میمنت لزوم سے رشکِ گلزار کیا اور وہاں اُردو شاعری کا چمن لگایا۔ نواب کے شوق اور مصاحبت کیوجہ سے جناب جنوں کو بھی اس فن کی طرف توجہ ہوئی آپنے حضرت جلال لکھنوی سے استفادہ کیا۔ حضرت تسلیم نے جب ان کا مختصر دیوان ملاحظہ

کیا تو تاریخ کہی ؎ زہے رفعتِ فکرِ استادِ فن ٭ جنون زباں دان و شیریں سخن ٭
میلانِ خاطر صیغہ جوڈیشل کیطرف رہا اور ریاست میں موافق قانون برٹش عدالتوں میں وکالت کرتے
رہے۔ علاوہ اسکے میرمنشی گری اور دیگر معزز عہدوں پر مامور رہے۔ بالفعل ریاستِ
مذکور میں دیوانی جج و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ درجسٹرار کے معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔ مگر اس
سال اُن کے ممدوح گرامیقدر کا اچانک انتقال ہونیسے دل خستہ اور جگر فگار ہیں اور
خود اُنھوں نے مصنّفِ تذکرہ کو لکھا کہ "رئیس کیا رحلت کر گئے ہمکو بے موت مار گئے۔
لطفِ زندگی جاتا رہا۔ ابتو شاد یا بذریستن ناشاد یا بذریستن کا نقشہ ہو گیا۔" اُنکا یہ کلام ہے

بُتِ ترسا سمائے دلمیں ایسا ہو نہیں سکتا	خدا کا گھر جو ہوتا ہے کلیسا ہو نہیں سکتا
یہ دم دھاگے ہی انساں کو پھنسا لیتے ہیں ہم بھر میں	کسی معشوق کا اقرار سچّا ہو نہیں سکتا
چلا لو اپنے کشتہ کو خرامِ ناز سے اُٹھو	مسیحائی کا دعویٰ اور اتنا ہو نہیں سکتا
ذرا سینے پہ اپنا دستِ نازک رکھ کے پھر دیکھو	غلط ہے عشق کا بیمار اچّھا ہو نہیں سکتا
اُتارو شرم کا برقع جو آئے ہو ہنسو بولو	بھری ہے تم میں وہ شوخی کہ پردا ہو نہیں سکتا
نگاہِ ناز کا دل پر کچھ ایسا چل گیا جادو	کہ اب تو وہ کسی پہلو سے میرا ہو نہیں سکتا
جنوں دیوانے ہو اُسکو جو تم اپنا سمجھتے ہو	کسی کی اصل کیا ہی وہ کسیکا ہو نہیں سکتا
سینے میں جاکے دل ہی کو تاکا غضب کیا	قرباں نگاہِ یار تری دیکھ بھال کے
چلنا وہ جھوم جھوم کے سینہ اُبھار کر	انداز ہائے رے تری مستانہ چال کے
کسی کا نیچی نگاہوں سے مسکرا دینا	سمجھنے والا سمجھتا ہی خیر کیا سمجھے
خفا نہ ہو جو لیا بوسہ چشمِ میگوں کا	مجھیں نے مست کیا ہی پلا پلا کے مجھے
ستاؤ جتنا جی چاہے مگر یہ بھی تو سن رکھو	وہی طرزِ جفا اچھی ہی جس میں کچھ ادا نکلے
ہماری وضعداری ہمکو اُف کرنے نہیں دیتی	گلا گھونٹے وفا آکر جو منہ سے کچھ گلا نکلے
فلک وہ چاند کا ٹکڑا تو آئے پھر ستا لینا	کہ تیرے دل کا بھی اچھی طرح سے حوصلا نکلے

خاک جا بیٹھی کس کے دامن سے	کون گزرا یہ میرے مدفن سے
اک اشارے میں دل کو لے لینا	کوئی سیکھے تمھاری چتون سے
اُٹھے پہلو سے وہ جو وصل کی رات	جسم سے جی نکل گیا سن سے
مجھکو رونا اُسی کا ہے ہمدم	میرے ہوتے ہیں وہ دشمن سے

جوّاد

جوّاد۔ سیّد جواد علی صاحب شاگرد تہوّر و لقا غازیپوری۔ دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ جو کلام نظر سے گزرا اُس کا خلاصہ حاضر ہے۔

عیاں ہے سینے سے نورِ آفتابِ داغِ ہجراں کا	کرن خورشید کی ہر تار ہے میرے گریباں کا
میسّر ہو نہ جبتک شربتِ دیدارِ جاناں کا	دوا بیکار ہے بچتا نہیں بیمارِ ہجراں کا
جو یاقوتِ لبِ رنگیں کبھی اُس شوخ کے دیکھے	لہو ہو ہو کے بہ جائے جگر لعلِ بدخشاں کا
نہ شوقِ سیرِ گلشن ہے نہ ذوقِ دشت پیمائی	ترے وحشی کو خوش آیا ہے رہنا اب تو زنداں کا

لے ستمگار ہو اب تو کلیجہ ٹھنڈا	لے تڑپ کر ہوا بسمل ترا قاتل خاموش
طے نہ جبتک ہو رہِ عشق رہے نالہ کشی	جرسِ دل ہو پہنچکر سرِ منزل خاموش

جوان

جوان۔ مرزا نعیم بیگ تخلص بہ جوان شاہجہاں آبادی باشندۂ کوچۂ چیلاں دہلی ملازم خاص مرزا سلیمان شکوہ فن سخن میں حضرت مصحفی کے شاگرد تھے۔ آپ خوش رو وجیہ جوان تھے۔ طبع موزوں اور اس فن کے مناسب پائی تھی۔ جوانی میں لکھنؤ جاکر صاحبعالم کے ملازم ہوئے اور مصحفی اور انشا کے مطارحات میں شریک رہے۔

پہلو میں دل اپنے کو بھی غمخوار نپایا	یہ خوبیٔ قسمت کہ کوئی یار نپایا
ازبسکہ ہوئی گرمیٔ خورشیدِ قیامت	کوچے میں ترے سایۂ دیوار نپایا
ظلم و ستم و جور سبھی ہمنے اُٹھائے	جب اور کوئی تجھسا طرحدار نپایا
ہم بیچتے آئینۂ دل تیرے ہی ہاتھوں	پر ہمنے تجھے اِس کا خریدار نپایا

یہ ان دنوں جو ہمسے اتنی رکھائیاں ہیں	شاید کسی نے کچھ کچھ باتیں سکھائیاں ہیں

اے عندلیب سچ کہہ کیا فصلِ گل پھر آئی	فوجِ جنوں کی ہم پر کیسی چڑھائیاں ہیں
کس بے ادبی تم سے گل بازی آج کی ہے	آنکھیں تمھاری پیارے کیا سخت آئیاں ہیں
کسیکو اپنی سفارش کیواسطے اس پاس	جو لیکے جاؤں تو اس کا وہ آشنا نکلے

جوان

جوان - محب اللہ نام - دہلی کے رہنے والے میر عزت اللہ عشق کے شاگرد تھے معلم گری کیا کرتے تھے اور فنِ طب سے بھی لگاؤ تھا - یہ انکے اشعار ہیں -

تو بہت ہوگا پشیماں ہاتھ اس کا گر لگا	نکر ہیں تیرے دلا پھرتا ہے بازی گر لگا
حامی ہیں بدعتوں کے امیر و غریب سب	یارو یہ رہ گئے ہیں مسلمان آج کل
چشم و ابرو کا گرفتار نہ رکھا صد شکر	عشق نے اپنی طرف راہ بتائی مجکو

جوان

جوان - بابو ہزاری لال صاحب جوان شاگرد منشی غلام حسین صاحب قدرؔ ۱۲۸۱ھ میں لکھنؤ میں موجود تھے اسکے سوا زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا - یہ کلام ہے -

ہم تم سے تھے کوئی روزِ ازل رخنہ گر نہ تھا	انسان تو چیز کیا ہے ملک کا گزر نہ تھا
کیا کیا عذابِ ہجر مری جان پر نہ تھا	تیرے بغیر گور سے کم مجکو گھر نہ تھا
پتھر کا تیرا دل ہے تو فولاد کا جگر	اسپر بھی میرا نام کوئی بے اثر نہ تھا
ہم چھپ کے پیتے کیوں رمضاں میں بھلا شراب	واعظ کا خوف کیا جو خدا ہی کا ڈر نہ تھا

جودت

جودت - صاحبعالم مرزا سکندر شاہ - آپ حضرت بہادر شاہ ثانی کے فرزند دوئی مرزا شاہرخ بہادر کے (جو تمام مرشد زادوں میں لائق ترین اور جوہر قابل تھے) صاحبزادے ہیں - محکمہ میونسپل کمیٹی دہلی میں بعہدہ انسپکٹری گشت مامور تھے - پھر علی گڑھ محمڈن کالج میں بورڈنگ کے منتظم رہے - اب ۶۵ سال کے قریب عمر ہے - مرزا قادر بخش صابر مرحوم کے تلامذہ میں ہیں - زبان ٹکسالی اور اسی چار دیواری کے اندر کی ہے جہاں سے نکل کر اردوئے معلی نے فروغ پایا - مذاقِ سخن بھی اچھا ہے - بندش چست اور سب طرح درست ہے مگر کم گو بہت ہیں - کبھی کبھی دوستوں کے اصرار سے طبع آزمائی کر لیتے ہیں

آپ اپنے شوق سے کچھ نہیں کہتے - یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے ؂

جوشِ وحشت میں مرا پھر دلِ ناشاد آیا	کونسا دشت ہے باقی جو اِسے یاد آیا
میرے گریہ کا طوفاں ہے کہ ہے یہ جوش میں دریا	حباب چشم ہے میرا کہ ہے سرپوش میں دریا
میری باتوں سے عدو محفل میں سب کٹ کٹ گئے	شکر ہے رنگِ بیاں غیروں کو خنجر ہوگیا
رکھتے ہیں اپنی نظر میں آپ عاشق کا قصور	جُرم اے جودت مرا مجھ سے بھی بڑھکر ہوگیا
یہ تو ہم پہلے ہی بس جان پچکے تھے جی میں	عشق جب دل میں ہی پھر جان کا بچنا کیسا
دل لگی سمجھے ہوئے ہیں ابھی الفت کو رقیب	دیکھنا ہوتا ہے دشوار نبھانا کیسا
عشق کی مجھ سے حقیقت کوئی پوچھے جودت	جان کھو بیٹھنا ہے دل کا لگانا کیسا
رواں آنکھوں سے اشکِ خوں مرے دن رات رہتے ہیں	لہو کا اک ہی دیکھا ہے اپنے ہوش میں دریا

سب نے چھوڑا نہ چھوڑا پر غم نے	اس رفاقت کو دیکھتے ہیں ہم
جان تک کی نہیں ہے کچھ پروا	دل کی ہمت کو دیکھتے ہیں ہم

جان و دل آپ پہ قرباں کیے بیٹھے ہیں	آپ ہم موت کا ساماں کیے بیٹھے ہیں
ہزار دشمنِ جاں اپنا آسماں بنجائے	سمجھ لوں اُس سے اگر کوئی مہرباں بنجائے
جو سُن لے نام نہ لے پھر وہ عشق کا یارب	مرا فسانہ یہ عبرت کی داستاں بنجائے

دل میں مرے ٹھن گئی فغاں کی		اب خیر نہیں ہے آسماں کی
بھولے نہ کبھی حقیقت اپنی		یہاں رہ کے خبر رکھی وہاں کی
نکلے جو خودی کے جال سے ہم	ق	اور چھوڑ دی راہ ایں و آں کی
ہر وصف میں ذات ہی کو پایا		سب اُٹھ گئی دوئی درمیاں کی

وصل میں کیونکہ شکایت ہو ستم کی اُن سے	کل شبِ ہجر میں ہم اُسکے بھی خواہاں ہونگے
دیکھکر حسنِ صنم رام نہوں سلے جودت	ایسے پکے تو بہت کم ہی مسلماں ہونگے
بل جبیں پر بھی ہیں زلفوں میں بھی معلوم نہیں	وہ ہیں بگڑے ہوئے یا زلف پریشاں ہے

افسوس ہے کہ ہمکو ملاقات بھی نصیب	صابر سے وقتِ واپسیں جودت نہیں ہوئی
اس تجاہل کے ہیں قربان کہ وہ رشکِ مسیح	آکے خود پوچھتا ہے درد کا درماں ہمسے
کسکو نقاب اُسلٹتے ہی حیرت نہیں ہوئی	لو حشر میں بھی اُنکو ندامت نہیں ہوئی

جودت - محمد شیث جودت ساکن میرٹھ شاگرد مولانا شوکت - ۳۴ - ۳۵ برس کی عمر ہے اور علمی استعداد معقول حاصل ہے - کچھ کلام نظر سے گزرا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے

ازل سے جو کہ مجبور ہیں کبھی سیدھے نہیں ہوتے	کنگھی شانہ میں لیکن نہ نکلا زلفِ پیچاں کا
خود سیہ بختی پہ اپنی کھاتے ہیں ہم پیچ و تاب	کیوں بلا بن کر لپٹتے ہیں ترے گیسو ہمیں
ہر رنگ میں زاہدوں کے مکاری ہے	صورت میں خضاب سے سیہ کاری ہے
ہو کعبہ میں چوم کر نہ پتھر کو شباب	تو حیار کو یہ بات بہت بھاری ہے

جودت - جناب سید فضل حسین عرف میر منشی صاحب - یہ آجکل کی شاعری اور انجمن معیار کے ایک رکن ہیں - کلام میں شوخی اور طبیعت میں رنگینی ہے - چند غزلیں ملیں اُن کا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے -

دفن کے وقت اقربا میں ذکر مایوسانہ تھا	گور میں میں تھا - دہانِ گور پر افسانہ تھا
آپکی جب تک عنایت تھی عدو بھی دوست تھے	آپ جب برہم ہوئے ہر آشنا بیگانہ تھا
آج ہے ساقیٔ محفل کل سی کیفیت نہ تھی	گو وہی شیشہ وہی مے تھی وہی پیمانہ تھا
پیاپے دورِ جام ہے سرِ محفل پسند آیا	ترا لطف و کرم ساقیٔ دریا دل پسند آیا
نہ تھی اُمید جسکی تم سے وہ الفاظ سنوا ئے	ہمیں بھی آج اپنا اضطرابِ دل پسند آیا
طلب ہی مجھ سراپا داغ کی اس بزمِ عشرت میں	یہ گلدستہ پئے آرایش محفل پسند آیا
خدا جانے وہ کیا سوچے ہیں کیا انجام ہوتا ہے	ابھی اس دل سے نفرت تھی ابھی دل پسند آیا
اللہ رے جذبِ شوقِ شہادت کہ وقتِ ذبح	خنجر لپٹ کے شہ رگِ بسمل میں رہ گیا
پھیلا ہوا ہے ہاتھ عبث طمع مال میں	جو کچھ ملا وہ کب کفِ سائل میں رہ گیا

جودت

جودت منشی جادو بیر سہائے متخلص بہ جودت ولد منشی ہزاری لال صوفی ذات کایستھ آپ کا اصلی مسکن موضع مان پور شہر گیا سے ایک میل پورب ہے مگر اب چند سال سے گیا میں بود و باش اختیار کی ہے آپ عرصہ تک گورنمنٹ پلیڈر گیا کے سرکاری محرر رہے آپکی عمر اسوقت یعنی ۱۹۰۸ء تک قریباً پچاون برس کے ہوگی سید فصیح الدین حشر اور حکیم عابد علی کوثر کے شاگرد ہیں۔ آپکی چند غزلیں جو دستیاب ہوئیں اُن کا انتخاب حاضر ہے

اُنکی آنکھوں پر چڑھے کیا دل کسی بیتاب کا	پنجۂ مژگاں سے قطرہ کب اُٹھا سیماب کا
آنکھ بھر آتی ہے جودت یاد میں اُس مست کی	دیکھتا ہوں جب بھرا ساغر شراب ناب کا
طور پر برق جو چمکی ہوئے موسیٰ بے ہوش	جلوۂ رخ کے سوا اس میں کوئی راز بھی تھا
کج ادائی نے تمھاری یہ اثر دکھلایا	پڑ گئے زلفِ سیہ فام میں خم آپ سے آپ
اب وہی قاتل وہی سفاک ہیں خونریز ہیں	کانپ اُٹھتے تھے جو خونِ مرغ بسمل دیکھ کر
بحر ہستی میں نکرا ایام پیری کا ملال	لوگ خوش ہوتے ہیں کشتی قرب ساحل دیکھ کر
نشانِ نقش پائے رفتگاں پایا نہ عالم میں	اُڑائی منزلوں کی خاک گرد کارواں ہوکر
دمِ آخر بھی کیوں حیرت کی صورت چشم بسمل میں	نظر آتا تھا کیا آئینۂ شمشیر قاتل میں
نظر آیا جو نہ مقتل میں وہ قاتل مجکو	کر دیا شوقِ شہادت ہی نے بسمل مجکو
تمنا ہے قدمبوسی مبارک خاکساروں کو	کہ اب وہ روندتے ہیں مٹنے والوں کے مزاروں کو
عدو کو بھی ہے دعویٰ سر فروشی کا تو بہتر ہے	اُنھیں کو آزما لو پہلے پھر ہم جاں نثاروں کو

دیدۂ تر سے ہو گیا ویراں دل بیتاب کا ❊ اضطراب آئینہ سے ظاہر ہے سیماب کا

جودت

جودت منشی عبداللہ چاؤش حیدرآبادی۔ شاگرد منشی نادر علی برتر زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ کلام حاضر ہے۔

کہنا کسیکا وصل میں یہ چھیڑ چھیڑ کر	ہوگا نصیب پھر نہ یہ دن دیکھنا کبھی
واعظ نصیحتوں سے تری فائدہ ہے کیا	یہ رند بھی ہوئے ہیں کہیں پارسا کبھی
دکھاوینگے تمھیں اک روز ہم فرق حق و باطل	یہ دعویٰ جسقدر ہے مدعی کا امتحاں تک ہے
پئے وصلِ صنم اب ہر چہ بادا باد دل میں ہے	کرونگا کوششیں میں کوششوں کی جہاں تک ہے

جوش

جوشؔ۔ رحیم اللہ دہلوی عرف رحمو۔ بے پڑھے لکھے آدمی تھے مگر مبدءِ فیاض سے طبیعت موزوں عطا ہوئی تھی اسی کی بدولت شعر و سخن میں اپنی فکر رسا کے جوہر دکھاتے تھے پہلے مرزا فدوی کے شاگرد ہوئے انکی وفات کے بعد مصحفی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آزاد منش یارباش بے تکلف آدمی تھے اکثر ہولی کے زمانے میں دوسرے آزادوں کی تقلید میں جابجا گلی گلی کوچے کوچے غزل خوانی کرتے پھرتے تھے سنہ ۱۷۹۳ء میں بمقام دہلی موجود تھے یہ انکے اشعار ہیں

ظرف پر اپنے نظر کر تو ابھی لڑکا ہے[1]　　منہ صراحی سے نہ او دلبر میخوار لگا

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا　　بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گزرا

دریا مری آنکھوں سے نت جاری لہو کا ہے　　بے درد تو کیا جانے کیا حال کسو کا ہے

جوش

جوشؔ۔ میر وارث علی مرحوم جوش شاگرد شیخ امام بخش ناسخ۔ اوائل انیسویں صدی میں لکھنؤ میں زندہ سلامت موجود تھے۔ تذکرۂ سراپا سخن سے کلام تحت نقل ہوا +

کاکلِ شبگوں نہیں لے جانِ جاں بالائے سر　　ہے چراغ روئے روشن کا دھواں بالائے سر

ہم فقیروں کے ہو لے سلطنت سر میں نہ آئے　　گر ہما آکر لگائے آشیاں بالائے سر

تیر جو تیرا لگا ہے سر پہ او ناوک فگن　　ہے دہانِ زخم میں گویا زباں بالائے سر

کیا خفا ہوتے ہیں کہتے ہیں نکل جاؤں کہاں　　تو نے نالوں سے اٹھایا ہے مکاں بالائے سر

جوش وحشت میں ہوا ای جوش یہ سودا ہمیں　　پھاڑ کر دستار باندھیں دھجیاں بالائے سر

جوش

جوشؔ۔ شیخ نیاز احمد معروف بہ اللہ دیا جوش۔ خواص مرزا فخرو ولیعہد حضرت ذوق کے عزیز ترین اور رشید شاگردوں میں تھے۔ کرانہ ضلع مظفر نگر اصلی وطن تھا مگر دہلی میں اقامت اختیار کی تھی۔ طباعی۔ ذہانت سخن فہمی اور نکتہ سنجی میں یگانۂ آفاق تھے ۱۲۷۱ھ میں بعمر ۲۵ سال انتقال کیا۔ شعر بہت خوب کہتے تھے اور از سرتا پا استاد کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہی زبان۔ وہی بندش۔ وہی لطف محاورہ غرض سارے اسلوب وہی تھے۔ موت سے چند روز پہلے شاعری سے توبہ کی اور اپنا دیوان جلا دیا استاد

[1] بعض لوگ اس شعر کو صاحب میر الم خلف میر درد کا بتاتے ہیں +

ذوق نے جب یہ سُنا تو بیحد رنج کیا۔ کیونکہ تمام تلامذہ میں انھیں کو قابل ترین طباع سمجھتے تھے۔

کیوں غل ہے مری نعش پہ نوحے کی صدا کا		رونے کا نہیں وقت یہ ہے وقت دُعا کا
پُوچھے کوئی کیا میں نے بگاڑا تھا صبا کا		اُس کوچے میں اُسنے جو اُڑایا میرا خاکا
غش آگیا ہے سُنتے ہی ذکر اُسکی جفا کا		در پردہ مزا چکھتے ہیں ہم روز فنا کا
آنسو کا کوئی تار نظر آئے تو آئے		وحشت میں مرے تن پہ کہاں تار قبا کا
حاصل نہ ہوا وصل میں مقصود کہ مجکو		پاس اُن کا رہا اور اُنھیں پاس حیا کا
کہتے ہیں کہ یاروں نے طبیبوں کو بُلا کر	قطعہ	کل حال دکھایا ترے بیمارِ جفا کا
بیطاقتی و ضعف سے یہ حال تھا اُس کا		سر پر نہ اُٹھا سکتا تھا احسان دوا کا
چلاتے ہے پھر جوش خدا جانے کمانذار		کیا حال ہے آج اُس ہدفِ تیر قضا کا
کیونکر وہ ہاتھ آئے کہ یاں زور و زر نہیں		لے دے کے ہے اک آہ سو اُس میں اثر نہیں
ہے ڈر یہی کہ تو نہ پشیماں ہو بعد قتل		ورنہ ہمیں تو مرنے کا کچھ اپنے ڈر نہیں
قسمت سے درد بھی تو ہوا ہمکو وہ نصیب		جس درد کا کہ چارہ نہیں چارہ گر نہیں
کیا کرتے ہم کہ دل ترا نازک ہے تا نہیں		اچھا ہوا کہ نالے میں اپنے اثر نہیں
قسمت ہی میں نہیں ہے شہادت وگرنہ یہاں		وہ زخم کونسا ہے کہ جو کارگر نہیں
سجدے میں کیوں پڑا ہے ارے اُٹھ شراب پی		اے جوش میکدہ ہے خدا کا یہ گھر نہیں

جوش۔ منشی نظام الدین خلف وجیہ الدین پنجابی شگفتہ طبیعت پائی تھی۔ آپ علیگڈھ میں رہا کرتے تھے یہ اُنکے اشعار ہیں:۔

بار اُتارا ہے دوش سے سر کا		ہے یہ احساں تمھارے خنجر کا
ہے پرستش سنگ کی عشقِ بتاں میں بندگی		جاویں گر کعبہ تو پہلے سنگِ اسود چوم لیں
سر کو تو تیغ رکھے کے میرے		ثابت قدمی کا امتحاں لو

جوش۔ شاہ خلیل الدین احمد جوش محرر رجسٹری ضلع مونگیر شاگرد نساخ خلف مولوی

شاہ محمد اصغر مرحوم باشندہ منگیر ضلع پٹنہ اور حضرت مخدوم شرف الدین احمد کی اولاد میں تھے ۱۲۷۵ھ میں موجود تھے یہ اُن کا کلام ہے ؎

لنترانی کی نہیں جوش سے کچھ یاد بھی ہے	اُسنے دیکھا نہیں پردے میں حضور آپکو کیا
ساری دنیا سے بے خبر پایا	جسکو عالم میں باخبر دیکھا
مرا خط لاکے دے قاصد عدو کو	یہی تقدیر کا میرے لکھا ہے

جوشؔ - نواب احمد حسن خان جوش معروف بہ اچھے صاحب خلف نواب محمد مقیم خان بہادر مقیم ابن نواب محبت خان محبت خلف حافظ الملک نواب رحمت خان والی روہیلکھنڈ۔ نواب ظفریاب خاں راسخ مرحوم اور نواب عاشور علیخاں عاشور سے اصلاح لی تھی ان کے دو دیوان مسمیٰ بہ گلدستۂ سخن معروف بہ بہارستان جوش اور چمنستان جوش اور ایک قصہ فسانۂ جوش نامی شائع ہو چکے ہیں اوائل عمر سے شاعری کا شوق اور ارباب کمال کی صحبت کا ذوق تھا طبیعت رسا تھی۔ عاشقانہ مضامین خوب باندھتے تھے گاہ گاہ فارسی میں بھی غزل کہہ لیتے تھے - اخیر عمر میں حضرت اسیر کے تلامذہ میں داخل ہوئے - کٹرہ نواب محبت خان لکھنؤ میں رہتے تھے ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے ۶۰ برس دنیا کی ہوا کھا کر لکھنؤ میں انتقال کیا - آپکے مطبوعہ کلام کا مکمل انتخاب درج ذیل ہے ملاحظہ ہو ؎

نازاں نہ ہو اس شکل پہ لو آئینہ دیکھو	کیا کہتے ہو تم میر امقابل نہیں ملتا
بلبل نے شاخ گل پہ نشیمن بنا لیا	ہم نے بھی کوئے یار میں مسکن بنا لیا
سچ کہتے ہیں کہ نام محبت کا ہے بُرا	اُلفت جتا کے دوست کو دشمن بنا لیا
زباں دی مُنہ میں ہر اک چیز کا اسکو مزہ بخشا	کہاں تک شکر ہو مجھسے ادا خالق کے احساں کا
دامن حضرت یوسف کے اُڑا لیے پُرزے	پارس عصمت تجھے اس وقت زلیخا ہوا
میکدے میں کل تو میرے ساتھ تھا شغل شراب	آج یہ شیخ مزوّر پارسا کیونکر ہوا

حسرتیں مُردہ دلوں کی کبھی زندہ ہوئیں　　نام رکھا ہے عبث تم نے مسیحا اپنا

غیر ممکن ہے جو سو قوت ہو رونا ای جوش　　کس نے دیکھا ہے کہ بہتا ہوا دریا ٹھہرا

لن ترانی کیوں سنائی تو نے مجکو اے صنم　　عاشقوں میں تھا ترے موسیٰ عمراں نہیں تھا

تیغِ قاتل کو اے دلِ مجروح　　دہنِ زخم سے دعا دینا

تشنۂ آبِ تیغ ہیں او ترک　　تھوڑا پانی ہمیں پلا دینا

بیٹھنا تم نہ میری تربت پر　　فاتحہ کو تو ہاتھ اُٹھا دینا

خضر گم کردہ راہ ہیں اے جوش　　چاہیے راستہ بتا دینا

لبِ میگوں کو ترے بادۂ احمر سمجھا　　گردشِ چشم کو میں گردشِ ساغر سمجھا

ترک کر اے دل یہ ہر دم سوئے جاناں دیکھنا　　مفت میں جاتی رہیگی ایک دن جاں دیکھنا

اُسکی آنکھیں لے گئیں دل سے مرے صبر و قرار　　ہو گیا کیا خانۂ آباد ویراں دیکھنا

تم نے کیں مجھپہ جفائیں لاکھوں　　میں نے پر ایک کا شکوہ نکیا

کیوں نہ یکتا اُسے کہتے سب جسنے　　اپنا ثانی کوئی پیدا نہ کیا

دیکھکر قد کو ترے شمشاد ہوا ہے پا بگل　　روئے روشن کو ترے دیکھے تو ہو جائے گل آب

ہجر ساقی میں وہ دریا میری آنکھوں سے بہا　　آسماں جس میں نظر آیا مجھے مثلِ حباب

دل خوں ہے اِس غم سے عقیق یمنی کا　　دیکھا جو لبوں کو ترے اے غنچہ دہن سرخ

جاگا یہ دمِ ذبح مقدر تہِ خنجر　　تھا پیشِ نظر عارضِ دلبر تہِ خنجر

آئینہ زانو میں جو ابرو کا پڑا عکس　　قاتل نظر آیا مجھے خنجر تہِ خنجر

کہہ رہا ہے یہ دہانِ زخم سے نخچیر پھر　　کیا مزا ہے او کماں کش پھینک ادھر اک تیر پھر

جز غمِ عشق بتاں کوئی نہ غمخوار اپنا　　جز اجل کوئی عیادت کو نہ آیا سر پر

آج میخانے میں یہ غل کر رہے ہیں میفروش　　بادۂ رنگیں بیا شامید تا دارید ہوش

بندے ہیں تیرے ہی اچھے یا برے ہیں جیسے ہیں　　شرم رکھ لے ہم گنہگاروں کی تو ہی پردہ پوش

کبھی کی یہ تو نکل جاتی تن سے فرقت میں
فقط تمھارے ہی آنے کی ہے یہ جان مشتاق

دورِ فلک نے ہمکو گو خاک میں ملایا
ہے قدرداں کے آگے وہی وقار اپنا

مجھ جاں بلب کے پاس سے جاتے ہو گھر کہاں
پھر تم کہاں یہ عاشقِ خستہ جگر کہاں

کہتے ہیں کیا حضور کہ آئیں گے وقتِ صبح
اس شب کو خاتمہ ہے ہمارا سحر کہاں

کس سے کہیں گے دل پہ جو آئینگی آفتیں
پہلو سے اُٹھ کے جاتے ہو ای سیمبر کہاں

اُس بت کے پاس دیر میں پہنچا دے گر مجھے
آنکھوں سے میں لگاؤں ابھی برہمن کے پاؤں

ہمیں خدا نے بنایا ہے بت پرستی کو
بتا تو شیخ ترا کیا گناہ کرتے ہیں

قضا ٹھہر جا مکان کے باہر نہ قصد آنیکا تو یہاں کر
شفا ہیں جنکی زباں کے اندر قریب اب وہ آچکے ہیں

دلا نہ مایوس اسقدر ہو تڑپ تڑپ کر نہ جان تو کھو
ضرور آئیں گے آج شبکو قسم خدا کی وہ کھا چکے ہیں

نہ مرنے سے ڈرے ہم عشق کامل اسکو کہتے ہیں
تصدق تم پہ کر دی جان تک دل اسکو کہتے ہیں

پھر کس طرح یقین ہو کہ ہے دل سے دلکو راہ
مرتے ہیں جس پہ ہم اُسے مطلق خبر نہیں

ابر میں چاند گر نہ دیکھا ہو
رُخ پہ زلفوں کو ڈال کر دیکھو

بعد مرنے کے وصل ہوتا ہے
جوش تم بھی کسی پہ مر دیکھو

دل و دنیا و دیں تو دیچکے اک جان باقی ہے
خدا کے واسطے ہاں ای بتو راضی ہیں ہم لیلو

پائیں گے مراد اپنی حسرت بدار کبھی تو
نکلے گا وہ یوسف سرِ بازار کبھی تو

کام آئیں ہولے نفسِ سرد کے جھونکے
اُڑ جائے نقابِ رخِ دلدار کبھی تو

مرمر کے اگر شام تو رو رو کے سحر کی
یوں زندگی ہمنے تری دوری میں بسر کی

دل مائل زلف و رخ جانانہ ہوا ہے
سودائی ہے۔ نادان ہے۔ دیوانہ ہوا ہے

تیغ ابروئے ہلالی سے جگر بسمل ہے
ناوک و عشوہ و انداز کا زخمی دل ہے

بندوں کے حرفِ عجز ہیں اللہ کو پسند
مجرم جو منفعل ہو خطا کچھ نہ پوچھئے

رہو خوشی سے بتو اس کو اپنا گھر جانو
بنا ہے کعبۂ دل سا مکان تمھارے لیے

تمھاری زلف کا بوسہ اگر لیتے تو ہم لیتے
یہ سودا سر کو اپنے بیچکر لیتے تو ہم لیتے

دو ہاتھ لگا دے کہ شہیدوں میں ہوں شامل
عاشق ہیں ترے آبِ دمِ تیغ کے پیاسے

صنعت رنگِ حنا پر مجھے رشک آتا ہے
رنگ اپنا ترے ہاتھوں پہ جما رکھا ہے

مریضانِ رخِ گیسو کو تیرے دیکھکر ای بت
کوئی کہتا ہے سایہ ہے کوئی کہتا ہے سکتا ہے

قیس سے کہدو کہ ہٹ جائے لیلیٰ کا ہے حکم
آنے پائے نہیں پردۂ محمل کوئی

لختِ جگر طعام ہے پانی ہے خونِ دل
اپنے مریضِ غم کی غذا کچھ نہ پوچھیے

اگر چشمِ حقیقت بین سے نظارہ کرے کوئی
نظر نورِ خدا حسنِ رخِ اصنام میں کرے

چشمِ دل کھولکے نظارۂ لیلیٰ کرلے
قیس سے کہدو کہ سب پردۂ محمل اُٹھے

لو شمع کی جس رونقِ محفل سے لگی ہے
پروانہ ہو جاں اُس پہ یہی دل سے لگی ہے

کسکی طاقت ہے کہ تیرا مدح خواں ہو ای کریم
آپ ہی حامد ہے تو اور آپ ہی محمود ہے

ان آنکھوں کی بدولت دل پہ آفت آہی جاتی ہے
نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آہی جاتی ہے

اگر حرص و ہوا سے باغِ عالم سے جدا ہوتے
تو پھر کیا فرق تھا اے مشرکو بندے خدا ہوتے

قبر پر میری گلِ تازہ چڑھانے آئے
اور یہ کام بجز بادِ سحر کس کا ہے

مرنے کے بعد چین سے سوتے لحد میں ہم
جبتک کہ زندگی رہی اندوہگیں رہے

شکل وہ نور کی اے زہرہ جبیں پائی ہے
چشمِ انجمن سے فلک تیرا تماشائی ہے

حسن کہتے ہیں اسے عشق اسے کہتے ہیں
آپ اپنا وہ صنم محوِ خود آرائی ہے

جوش

جوش - جناب منشی محمد عبد الکریم صاحب مقیم بمبئی شاگرد حضرت سہیل سورتی - دورِ موجودہ کے شاعر اور اس طرح سخن طرازی کرتے ہیں -

آنکھ وہ ہے جسکو تیری جستجو درکار ہے
دل وہی ہے جسکو تیری آرزو درکار ہے

ہے محب درکار تجکو یا عدو درکار ہے
میرا تو کہنا یہی ہے مجکو تُو درکار ہے

لیجیے میخانے میں ہی آگیا وقتِ نماز
حضرت واعظ کو اب ظرفِ وضو درکار ہے

جسکے نیچے خار ہوں وہ گل مرے کس کام کے	تیری سی خو مجکو تو تیری سی بو درکار ہے
ناز ہو انداز ہو شوخی ہو یکتائی بھی ہو	چار چیزیں جس میں ہوں وہ خوبرو درکار ہے

جوش

جوش منشی محمد جان کلرک دفتر اکونٹنٹ جنرل شاگرد نواب عبداللہ خان مطلب مرحوم۔

عاشق و معشوق کا شکوہ ہی کیا جھگڑا ہی گیا	تم گلے سے لگ گئے سارا گلہ جاتا رہا
اک نگاہ شوخ صبر و ہوش و طاقت لیگئی	لٹ گئے جو کچھ ہمارے پاس تھا جاتا رہا
دل کا بھید اے جوش ہمپر کچھ پتہ آخر تک کھلا	عمر بھر یہ تو یونہیں آتا رہا جاتا رہا

جوش

جوش۔ محمد اسمعیل خان نام متوطن باپورہ علاقہ چپھرہ۔ آپ مولانا مولوی منشی خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی کے شاگرد ہیں آپکے والد کا نام محمد ولیداد خان صاحب ہے آپ کا آبائی پیشہ زمینداری ہے۔ خوش فکر اور تیز طبیعت ہیں علاوہ ازیں حافظ قرآن بھی ہیں اور فارسی اور علوم عربی میں کامل دستگاہ حاصل ہے عمر ۲۲ سال ہے فی الحال لکھنؤ میں قیام پذیر ہیں چند اشعار جو آپکے دستیاب ہوئے ہدیہ ناظرین ہیں

نفس سرد سے الفت کا مداوا نہ ہوا	داغ دل مرہم کافور سے اچھا نہ ہوا
یہ سن کے کہ شیدا ہوں میں اک ماہ جبیں پر	اترا کے وہ بولے کہ یہ مرتا ہے ہمیں پہ
وصل کی رات بھی دھڑکن میں بسر ہوتی ہے	شام سے ان کو یہ ضد ہے کہ سحر ہوتی ہے
یہ جنہیں آنیکو کس منہ سے کہیں وصل کی شب	نہ دہن ہوتا ہے اُنکے نہ کمر ہوتی ہے

جوش

جوش۔ نواب محی الدین علیخانصاحب ابن حکیم منصور علیخان صاحب جاگیردار آپکے دادا صاحب حکیم حاذق حکیم رضا علی خان دہلی کے باشندے تھے بعد غدر یہاں تشریف لائے۔ بعہد حکومت نواب ناصر الدولہ بہادر والی دکن مورد الطاف سلطانی و خطاب و منصب و جاگیرات سے سرفراز ہوئے سلسلہ بسلسلہ یہ جاگیر بحال ہے۔ فقیر منش با اخلاق شخص ہیں علم عربی و فارسی میں لایق اور فن شاعری سے زیادہ مذاق رکھتے ہیں اس وقت ۲۸ سال کی عمر ہے اصلاح سخن نواب فصیح الملک داغ دہلوی سے لیتے تھے انکے

انتقال کے بعد حضرت ظہیر دہلوی کو کلام دکھاتے ہیں۔ کلام ملاحظہ ہو*

پیش حق جب حشر میں ہونا پڑا	اشکِ غم سے منہ ہمیں دھونا پڑا
ساقی نے یوں تو سب کو دی اقسام کی شراب	میرے لیئے تھی گردشِ ایام کی شراب
جب میکدے میں بیٹھکے واعظ پئیں گے جام	ڈالیں گے ہم زمین پہ ترے نام کی شراب
کچھ ہم بھی جذبِ اُلفت کا اثر پہچان جاتے ہیں	نظر ملتے ہی اندازِ نظر پہچان جاتے ہیں
لحد میں داغِ دل اپنے منور ہوتے جاتے ہیں	عیاں اخبار کے پردے سے اختر ہوتے جاتے ہیں
زباں پر بلبلوں کی شور ہے اب کسکی آمد کا	چمن میں پھول کیوں جامہ سے باہر ہوتے جاتے ہیں
بیساختہ دہن سے جو نالے نکل گئے	گھر سے وہ اپنے دل کو سنبھالے نکل گئے
شوخیاں آنکھوں میں ہیں اُنکی قیامت دل میں ہے	اک قیامت ظاہر اک قیامت دل میں ہے
تیرے کوچے میں ایسے ضعف سے شوریدہ سر بیٹھے	جگر کو تھام کر اٹھے تو دل کو تھام کر بیٹھے
خبر کچھ بھی نہیں اے جوشش تمکو اپنے عقبیٰ کی	عجب حالت تمھاری ہے جدھر بیٹھے اُدھر بیٹھے

جوشش۔ جوشش تخلص۔ شیخ محمد روشن نام۔ آپ جسونت رائے ناگر کی اولاد پٹنہ کے باشندے اور طبقۂ دوم کے آخر شعرا میں تھے۔ خوش لیاقتی آپ کی افزوں از تحریر ہے نظمِ ریختہ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور معنی بیگانہ سے طبیعت کو بیحد لگاؤ تھا چاشنی درد کی آپکے کلام سے ظاہر اور علم عروض سے بخوبی ماہر تھے آپنے حضرت میر درد کے کلام کا اتباع کیا اور اُس کو بخوبی نباہا۔ طرز سخن نہایت پسندیدہ و مرغوب اختیار کیا تھا۔ اسلوب بیان دلکش اور مؤثر ہے بندش نہایت صاف اور مضمون خوب نکالتے تھے انتخاب اُنکے دیوان کا یہ ہے*

کس طرح سے اوصاف ہو خلاق جہاں کا	قدرت نہ قلم کی ہے نہ مقدور زباں کا
عاشق کو ہے کب جلوۂ معشوق کی طاقت	مہتاب کو دیکھے۔ نہیں مقدور کتاں کا
عنقا کی طرح گو کہ نشاں وہ نہیں رکھتا	ملتا ہے پتہ نام ہی سے اُسکے نشاں کا

پیتا ہے گر تو بادۂ عشرت سمجھ و لے
جوشش بڑا ہے دردسر اُسکے خمار کا

دیکھکر رنگِ صنم تیری جفا کاری کا
کوہکن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا

چشم پرُ آب ہے۔ لب خشک دماغ آشفتہ
روز عالم ہے غرض دلکی گرفتاری کا

جی سیر ہیں گلزار کی تن کنجِ قفس ہیں
یہ صیدِ گرفتار ادھر کا نہ ادھر کا

سر اُسکی تیغ سے جب تک جدا نہ ہوویگا
کسی طرح سے حق اُس کا ادا نہ ہوویگا

دل و جگر ہی پہ آفت نہیں فقط جوشش
جو ہے یہی ترا رونا تو کیا نہ ہوویگا

ہم سا ہی وہ ہوگا سادگی ہیں
یا ور جو تیری قسم کرے گا

جوشش مت رو دل و جگر کو
کس کا کس کا تو غم کرے گا

اُسکی آنکھوں کو دیکھیں سے جوشش
مستی تو دیکھو شراب خواروں کا

اِس ادا کا تری ہوں دیوانہ
دیکھنا مجھکو اور چھپ جانا

اُسکی رنجش کا تجھے خوف عبث ہی جوشش
ہو چکا ہے وہ اسی طرح سے سوبار خفا

نہ پھوٹتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ہیں
چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا

جیسا کہ دلپہ زخم ہے اُسکے خدنگ کا
گلشن میں ایک گل نہیں اِس آب و رنگ کا

کل جو اُسے دیکھکر ہو گئے ہم بے خبر
ہنس کے وہ کہنے لگا پھر بھی ادھر دیکھنا

مزا دکھاؤں تجھے تیری بیوفائی کا
اگر ہووے مجھے پاس آشنائی کا

قیس پھرتا جو رہا دشت میں دیوانہ تھا
اُسکو لیلی ہی کے دروازے پہ مرجانا تھا

گر یوں نہیں یہ دل درپئے آزار رہے گا
اک روز نہ اک روز مجھے مار رہے گا

کل بزم میں سب پر نگہِ لطف و کرم تھی
اک میری طرف تو نے ستمگار نہ دیکھا

جز چشم بتاں میکدۂ دہر میں جوشش
ہمنے تو کسی مست کو ہشیار نہ دیکھا

اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے
اپنی ہی عیب جوئی یہ ہے ہنر ہمارا

نگاہِ لطف سے دیکھا یہی غنیمت ہے
سلام اُسنے ہمارا لیا۔ لیا نہ لیا

کس سے ہوئی ہے دوستی ایسی کہ ان دنوں
آنا ہمارا دل پہ ترے شاق ہوگیا

لگا دی دل میں آگ ای آہِ سوزاں کیا کیا تونے
جلا دیتا ہے اپنے ہاتھ سے بھی کوئی گھر اپنا

شب فرقت ہی بیتابیِ دل ہے درد پہلو میں
نظر آتا نہیں ہمکو تو پھنا تا سحر اپنا

غش آگیا وہ سامنے میرے جہاں ہوا
مجھکو تو وصلِ یار میسّر کہاں ہوا

ہزار پیار کرے گا ہزار چاہے گا
میری طرح نہ کوئی تجھکو یار چاہے گا

کوئی اس غمکدے میں اپنی غمخواری نہیں کرتا
دیا ہے ایک کو دل وہ بھی دلداری نہیں کرتا

نہ شکلِ شیشہ آتی ہے نظر نے جام کی صورت
رہی زیرِ فلک پھر کون سی آرام کی صورت

دیکھتے ہم ہیں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے
خون کے پیاسی ہیں وہ اور تشنۂ دیدار ہم

کرے ہیں جور کا شکوہ ترے ہی یار آپس میں
جہاں مل بیٹھتے ہیں آشنا دو چار آپس میں

ہجومِ عاشقاں دیکھوں ہیں اپنے یار کے در پر
مجھے چلتی نظر آتی ہے اب تلوار آپس میں

آج ہے عزمِ شکار اُس کا یہ معلوم نہیں
خوف سے مرگئے یا صید حرم جیتے ہیں

بیکسی سے یہی گلہ ہے مجھے
تھام لیتی ہے دستِ قاتل کو

جی میں جس وقت کہ مضمونِ کمر آتا ہے
بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

رباعی

کچھ کام نہیں ہمیں وفا سے
تو ہاتھ نہ کھینچیو جفا سے

کل سب سے گلے تگلے ملے تم
تھے ہم بھی تو صورت آشنا سے

قطعہ

نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی میرا دشمن ہے
ایک یہ دل ہے غرض دوست ہی یا دشمن ہے

ایک دن کا ماجرا ہے میں گیا تھا سیر کو
دیکھتا کیا ہوں کہ جھگڑا بر سرِ بازار ہے

برہمن کہتا ہے بتخانے میں ہے ذاتِ خدا
شیخ کہتا ہے غلط کعبہ ہی میں وہ یار ہے

اس میں جوشش بول اٹھا سنتے ہو شیخ و برہمن
جانے دو اپنی طرف دیکھو یہ کیا تکرار ہے

ممکن نہیں کہ دیکھئے روئے شگفتگی
جبتک برنگِ غنچہ گریباں نہ پھاڑیئے

جاہ و حشم کی خواہش دولت کی آرزو ہے
دو دن کی زندگانی تس پر یہ جستجو ہے

صورت پرست ہوں میں مانند آئینے کے
کہتا ہوں دردِ دل تو وہ کہتا ہے کیا مجھے
کشورِ عشق میں رسوا سرِ بازار ہوئے
دیکھا ہے جب سے زلف کو شانے کے ہاتھ میں
اے عشق مجھے خوار کیا۔ کیا کیا تو نے
اُس رخِ صاف کے آگے جو کوئی آتا ہے
گر جان دے کوئی پر نہ اُس کے ہونگے
جوشش نہ رکھ ان بتوں سے اُمیدِ وفا
دن میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے

جو کچھ ہے میرے دل میں سو میرے روبرو ہے
چپ رہیئے بس زیادہ نہ باتیں بنایئے
اُسکے ہاتھ آپ بکے جسکے خریدار ہوئے
جوشش ہمارے دل کو عجب پیچ و تاب ہے
رسوا سرِ بازار کیا۔ کیا کیا تو نے
آئینہ اپنا ہی مُنہ دیکھنے لگ جاتا ہے
جی شوق سے لینگے اُس کا جسکے ہونگے
یہ کس کے ہوئے ہیں اور کسکے ہونگے
اس میں سودائی کہے کوئی کہ دیوانہ مجھے

رباعی

جوشش۔ میر شجاعت علی جوشش مرحوم۔ میرزا حاتم علی بیگ مہر مرحوم کے دوستوں میں سے تھے۔ ایک تذکرہ میں ان کا نام دوست علی درج کیا گیا ہے یہ اُنکے شعر ہیں۔

اے چرخ بیکسی پہ ہماری نظر نکر
پہنچا دے اُس گلی میں اگر تجھسے ہو سکے
اُس حسن صندلی کی ثنا اور تیرا مُنہ
جوشش یہ بستی رہنے کے قابل نہیں رہی

جو کچھ کہ تجھسے ہو سکے تو در گزر نکر
اِس خاک کو نسیم سحر در بدر نہ کر
دیوانہ کیوں ہوا ہے تو یہ دردِ سر نکر
چکا ہی چل یہاں سے کسیکو خبر نکر

جوگی۔ بابو اللہ یار خان کے والد صوبہ دار میجر خان محمد صاحب۔ فوجی ملازمت کی وجہ سے اطراف دکن میں عرصہ تک مامور رہے۔ جوگی صاحب ۱۸۸۶ء میں بمقام پونا پیدا ہوئے مگر اُنھوں نے لاہور آکر ہوش سنبھالا اور لاہور کے اسلامیہ سکول میں انٹرنس تک تعلیم پائی بعض شعرا و زباں داں اصحاب کی ہم بزمی سے شعرگوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اِس فن میں حضرت آغا شاعر دہلوی کے شاگرد ہیں۔ اگرچہ ابھی مبتدی اور نومشق ہیں مگر ذہنِ سلیم اور طبیعت رسا پائی ہے کچھ عرصے سے گانے کی حفاظت

وحمایت میں ایک رسالہ گنونا تا کے نام سے جاری کیا ہے۔ فی الجملہ ایک خوش فکر اور آزاد خیال جوان ہیں۔ مندرجۂ ذیل اشعار اُنکی طبع رسا کا خاص انداز ظاہر کرتے ہیں۔

ساقی مہوش بپا محفل جما برسات کی — جام بھر بھر کر پلا آئی گھٹا برسات کی
مُردے جی اُٹھتے ہیں جس سے ہے وہ فضا برسات کی — روح کی تاثیر رکھتی ہے ہوا برسات کی
زاہدوں کو قدر کیا ہوگی گھٹا برسات کی — پی کے تھوڑی سی کبھی دیکھیں فضا برسات کی
ہو گیا وحشت کا اُسنے یار سے رکھا الگ — اب کے جوگی جی نے بھی جنگل بسا برسات کی

ہنسی ہنسی میں نہ یہ پاٹ دیوے کوئی — عدو سے کہدو زباں کو سنبھال کر بیٹھے
گزرتے بچ کے ہیں جوگی سے یہ خیال اُنکیں — گدائے حسن ہے شاید سوال کر بیٹھے
اے فلک دیکھ مری آہ رسا آئی ہے — جان پر تیری زمیں سے یہ بلا آئی ہے
آسماں کیا ہے مری آہ رسا کے سامنے — بلبلے کی کیا حقیقت ہے ہوا کے سامنے

کہتے ہیں مجھے اسیر زلف کوئی — کہ یہ جوگی نہیں سپیرا ہے

جولان

جولان- بہادر علی شاہ جولاں- ساکن شاہجہاں آباد- دنیا داری کی حالت میں آپکا نام رمضانی تھا- فن تیراندازی میں یگانۂ روزگار تھے یہ ایک شعر آپکا ملا کہ درج کیا جاتا ہے

کُنج قفس میں دیکھ کے بے بال و پر مجھے — اے ہمصفیرو چھوڑ گئے تم کدھر مجھے

جولان

جولان- میر حسن علیخان نام ملک دکن کے رہنے والے اور طبقۂ دوم کے آخر شعرا میں تھے- ہر ایک شخص سے بادب اخلاق اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے یہ اُنکا کلام ہے

اب ایسی جام میں ساقی شراب ارغوانی بھر — کہ جسکو دیکھکر زاہد کے منہ میں آوے پانی بھر
تری صورت ہی کیا کھینچے جو تو اُس شوخ کی صورت — ہمارے رُوبرو ہرگز تو ایسا دم نہ مانی بھر
ہوا ہے ابر ہے ہر سو گل و گلزار خنداں ہے — صراحی میں تو اب ساقی شراب ارغوانی بھر

ایک قصیدے کی تمہید میں یہ چند اشعار ہیں۔

صبحدم گزرا مری خاطر میں ناگہ یہ خیال — سیر گلشن کیجئے تا دُور ہو دل سے ملال

جا کے ہیں سیرِ چمن میں یک بیک دیکھوں تو کیا	عارضِ گل پر ہیں بکھرے زلف سے سنبل کے بال
نرگسِ شہلا تھی اپنی چشمِ مخموری پہ پست	لالۂ حمرا دکھاتا تھا اُسے اپنا جمال
اور لباسِ زعفرانی بر میں تھا صابر کے	اُودے جوڑے پر تھا نافرماں کے حسنِ کمال

جولان

جولان۔ درویش وارستہ مزاج آزاد منش الف شاہ وطن بدایوں تھا لیکن بریلی اکثر رہتے تھے۔ جب عالم فقر اختیار کیا۔ سیاحی میں مشغول رہنے لگے اور پھر پھرا کر آگرہ ضرور آتے تھے۔ فنِ سخن میں خواجہ آتش لکھنوی سے مستفیض تھی ۱۲۶۴ھ میں ۷۰ سال سے زیادہ عمر تھی آگرہ میں راہی ملکِ بقا ہوئے یہ اُن کا کلام ہے۔

ہم وہ ہیں صیدِ وفا کیش کہ خوں روتے ہیں	ٹوٹ جاتا ہے تڑپنے سے اگر دام اپنا
کیا بتائیں کہ ہے کہاں مسکن	کوئے قاتل میں رہا کرتے ہیں
اُٹھایا ہے گلی سے اُس پری رو کی اگر مجکو	تو لیچل وحشتِ دل اب جدھر چاہے اُدھر مجکو
بزنگِ گل جو کشتوں کا ترے ہر زخم خنداں ہے	ترا کوچہ ہے سفاکِ عالم یا گلستاں ہے
معشوق پر بھی ہوتی ہے تاثیر چاہ کی	چٹکی کلی جو بلبلِ بیدل نے آہ کی
ترکِ الفت میں بھی مُنہ تجھ سے نہ موڑا میں نے	آنا جانا تیرے کوچے کا نہ چھوڑا میں نے
آپنے عہدِ وفا باندھکے توڑے سو بار	اسپہ بھی رشتۂ الفت کو نہ توڑا میں نے
خاک سے واں کی ہوا چشمۂ زمزم پیدا	جس جگہ دامنِ تر اپنا نچوڑا میں نے
توسنِ عمرِ رواں کا مری حافظ ہے خدا	لجۂ عشق میں ڈالا ہے یہ گھوڑا میں نے
سینکڑوں رنج اُٹھائے ہیں تبھی کے جولاں	عشق کے نام سے اب کان مروڑا میں نے

جوہر

جوہر۔ کوئی بزرگ بریلی کے باشندے اور اوائل اُنیسویں صدی میں حیات تھے ایک قدیم تذکرے میں آپ کا کچھ کلام نظر سے گزرا اُس میں سے یہ دو شعر پسند آئے درج تذکرہ کیے گئے

ہے دستِ شانہ زلفِ بت خود پسند پر	با یہ چڑھا ہے چور لپٹ کر کمند پر
تجھ بن ہے خراب زندگانی	دل پر ہے عذاب زندگانی

جوہر

جوہر- امیر خوشحال لالہ مادھورام کوٹھی وال خلف الرشید لالہ جواہر مل ساہوکار رئیس فرخ آباد
آپ کا خاندان شمالی ہند کے ساہوکاروں میں ایک نہایت برگزیدہ و باوقر گھرانہ سمجھا جاتا ہے آبائی تمول و فضیلت
علمی کیساتھ شعر بھی خوب کہتے- دن رات یہی ذکر و اذکار رہتے- عروض و قافیہ سے بخوبی ماہر- اور عیب
و ثواب شعر سے باخبر- منشی اسمٰعیل حسین منیر کے تلامذہ ہیں جوہر فرد اور خود استادانہ
قابلیت رکھتے تھے- کبھی کبھی بطور سیر و سیاحت دہلی و لکھنو و اکبر آباد وغیرہ گئے
اور وہاں مہینوں قیام کیا- ۱۸۷۷ء کے دربار قیصری دہلی میں شامل ہوئے تھے- انکی
ذات والا صفات سے اکثر اہل ہنر کو فیض پہنچتا تھا- اشعار عجیب کیفیت آمیز ہوتے ہیں
جن کے پڑھنے سے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں کو لطف حاصل ہوتا ہے-
اور دونوں کے دلوں پر برابر اثر پڑتا ہے- شعراء کے بڑے قدردان اور محسن تھے-
چنانچہ منشی منیر مرحوم بھی انھیں کیوجہ سے اکثر فرخ آباد میں رہے- بہادر شاہ کے آخر
زمانہ سلطنت میں مختار شاہی کا عہدہ بھی ان کے لیئے تجویز ہوا تھا- انکے کلام میں دلچسپی
و دلکشی ہونے کے علاوہ ہر شعر ناخن بدل ہے- انکی طرز خاص معاملہ گوئی ہے- اور
جدت سے خالی نہیں- زبان بہت صاف اور شستہ بے تکلف لکھتے ہیں- بہر حال انکے
مستند اور قادر الکلام شاعر ہونے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا- اوائل چودھویں صدی ہجری
میں انتقال کیا- آپ کا دیوان شائع ہو چکا ہے- اب آپکے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

جن نگاہوں سے لیا ہے دلِ شیدا میرا
ڈھونڈتا ہے انھیں تیروں کو کلیجا میرا

رات جاتی ہے مان لو کہنا!
دیر سے دل ہے بے قرار اپنا

مہ نو ابروئے پُرخم نگہ برگشتہ
ہم نے ٹیڑھا جسے دیکھا اسے خنجر جانا

آتی ہے اُس کے کوچہ سے آواز دردناک
ہم ہوں کہ دل ہو کوئی تو دونوں میں مرگیا

تجھے تو دیکھ کے ہوتا ہے رنج اے جوہر
بتا تو عشق میں کس کے ترا یہ حال ہوا

کس کے دلِ شکستہ کے ماتم میں اے کریم
ابتک سیاہ پوش ہے کعبہ خلیل کا

بس چلو جاؤ - لگاوٹ نکرو - دیکھ لیا!

وصف لکھا ہے جو ابروئے بُتِ دلخواہ کا
وصفِ حسنِ پاک کی تحریر سے اے شمعِ طور

اخترِ اقبال جب چمکا کیا سجدہ تجھے
تُو جو کاہیدوں کو غالب اہلِ رفعت پر کرے

ہیں تری درگاہ میں ہمدوش فقر و سلطنت
روز کہتے تھے "کبھی غیر کے گھر دیکھ لیا؟"

آہوں سے آگ لگا دینگے دلِ دشمن میں
ہمسے پردہ ہے کہیں چاندنی کی سیر میں ہیں

کون سوتا ہے کسی ہجر میں نیند آتی ہے
آنکھیں سِلوا دیں مگر ذوقِ تصوّر نہ گیا

بچگیا نقدِ دل اسبحے تو نظر سے اُسکی
ق جب کہا میں نے نہیں کوئی چلو میرے گھر

بولے چلنے میں نہیں عذر مجھے کچھ لیکن
زلفیں اُلجھی ہوئیں نیند آنکھوں میں بگڑی ہوئی صبح

اتنی سی بات پر آنکھیں نہ نکالو صاحب
کیا یاد کرکے روؤں کہ کیسا شباب تھا

اَب عطر بھی ملو تو تکلف کی بُو کہاں
محمل نشیں جب آپ تھے لیلی کے روپ میں

پیری میں ایک ہی سے ہمیشہ رہینگے دن
تیرا قصور وار خدا کا گناہ گار

کوئی بیدرو زمانے میں نہ تُمسا ہوگا
میرے مطلع پر ہے وُ صوکا سبکو بسم اللہ کا

صفحۂ دیواں میں ہے عالم تجلّی گاہ کا
عرش کا تارا ہے ہر ذرّہ تری درگاہ کا

ہیں دے کوہِ گراں کو بوجھ برگِ کاہ کا
مرتبہ یکساں نظر آیا گدا و شاہ کا

آج تو آنکھوں سے اے رشکِ قمر دیکھ لیا
چُھپکے رہتے ہیں جہاں آپ وہ گھر دیکھ لیا

کُھل گیا حال بس اے رشکِ قمر دیکھ لیا
خواب میں کس نے تمھیں ایک نظر دیکھ لیا

گو نظر بند ہوئی تو بھی اُدھر دیکھ لیا
آئیگا پھر بھی اگر چور نے گھر دیکھ لیا

خُوب رہتے ہیں اِدھر اور اُدھر دیکھ لیا
خوف یہ ہے کسی مفسد نے اگر دیکھ لیا

باسی جوبن بھی لڑا وقتِ سحر دیکھ لیا
کیا خطا کی تمھیں جوہر نے اگر دیکھ لیا

کُچھ بھی نہ تھا۔ ہوا تھی۔ کہانی تھی۔ خواب تھا
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

مجنوں کے بھیس میں کوئی خانہ خراب تھا
وہ اور تھا زمانہ جسے انقلاب تھا

جو کچھ کہ تھا یہی دلِ خانہ خراب تھا

ذرّہ سمجھ کے یوں نہ مِلا مجکو خاک میں
اے آسمان میں بھی کبھی آفتاب تھا

آرمان سب نِکال لے دنیا ہے چار دن
باقی جو رہ گیا وہ پھر سے یار رہ گیا

کیا پُوچھتا ہے ہجر کی شب کی مُصیبتیں
اکثر نکل نکل کے دم لے یار رہ گیا

کیا پُوچھتا ہے حال رہی دل کی دل ہی میں
کچھ کہتے کہتے نزع میں بیمار رہ گیا

مستوں نے بس میں رحمتِ حق کو بھی کرلیا
رندوں میں گھر کے ابرِ گہربار رہ گیا

کیوں مضطرب ہیں شام سے ای جوہر آج آپ
کھچتے تو کس گلی میں دلِ زار رہ گیا

ٹھیری جو وصل کی تو ہوئی صبح شام سے
بُت مہرباں ہوئے تو خدا مہرباں نہ تھا

چنگ و رباب و مطرب و ساقی و جام مے
سب عیش ہیچ تھا جو تو ایجانِ جاں نہ تھا

کیا جانے کسکے دھوکے سے لپٹا لیا مجھے
کہدوں میں تیرے جی کی تو اسدم یہاں نہ تھا

کیونکر قسم پہ آج مجھے اعتبار آئے
کسدن خدا تمھارے مرے درمیاں نہ تھا

توڑا جو پھول بلبلِ شیدا کے سامنے
کیا تیرے دل میں درد کچھ ای باغباں نہ تھا

یاد آتے ہیں جوانی کے مزے پیری میں
قدرت اللہ کی تھا وہ بھی زمانہ کیسا؟

پھینکیئے دل کی طرف تیرِ نظر بسم اللہ
دیکھیں تو آپ اُٹھاتے ہیں نشانہ کیسا؟

غیر ممکن ہے جو ٹھنڈا ہو کلیجہ اُن سے
اور وہ آگ لگائیں گے بجھانا کیسا؟

آخر اک روز تو پیوندِ زمیں ہونا ہے
جامۂ زیست نیا اور پرانا کیسا؟

دُھوپ میں جلتے ہیں خمخانوں کے سونیوالے
آگیا اسے مرے اللہ زمانا کیسا؟

غیر کے دل کو مئے عشق سمجھ کر دینا
جام کم ظرف ہے مُنہ تک نہ کہیں بھر دینا

بیوفا ذات حسینوں کی ہے ای حضرتِ عشق
دل کو دینا تو ذرا سوچ سمجھکر دینا

مینہ برستا ہے ہوا چلتی ہے خوب اے ساقی
لے اُڑے پیتے ہی ایسا کوئی ساغر دینا

کہتے پھرتے ہیں یہ کوچے میں پری زادوں کے
خانہ برباد ہیں رہنے کو کوئی گھر دینا

دردِ سر کا نہ شبِ وصل چلے گا فقرہ
دم دلاسے یہ کسی اور کو جا کر دینا

یار بنارسے ہیں محبت کے فقط اے ساقی
شیشۂ جس دل سے اُسی آنکھ سے ساغر دیتا

یہ بھی ہے ڈھنگ کوئی بادہ کشی کا کیا خوب
یہ کسی اَور کو مُنہ پھیر کے ساغر دیتا

فریاد کرے کس سے گنہگار تمہارا
اللہ بھی حاکم بھی طرفدار تمہارا

پریوں کی تو کیا اصل جو حوریں نظر آئیں
وہ دیکھے نہ اُدھر طالبِ دیدار تمہارا

خورشید جو دن کو ہو تو مہتاب ہو شب کو
دنیا میں اُجالا ہے سب اے یار تمہارا

حوروں کو تو تمنا ہی پری زادوں کو حسرت
ملتا ہے کسے سایۂ دیوار تمہارا

کعبہ کی تو کیا اصل ہے اس کوچے کے آگے
جنّت ہو تو جائے نہ گنہگار تمہارا

دردِ دلِ عاشق کی دوا کون کرے گا
سُنتے ہیں مسیحا بھی ہے بیمار تمہارا

جوہر تمہیں نفرت ہی بہت بادہ کشی سے
برسات میں دیکھیں گے ہم انکار تمہارا

اُسنے پھر کر بھی نہ دیکھا میں اسے دیکھا کیا
دیدۂ دل راہ چلتے کو یہ میں نے کیا کیا

دیر و مسجد پر نہیں موقوف کچھ اے غافلو
یار کو سجدے سے مطلب ہے کہیں سجدا کیا

گُل تو کیا خارِ وطن بھیجے نہ تحفے میں کبھی
دوستوں نے مجھ سے غربت میں سلوک اچھا کیا

کل خدا آگاہ ہے جیسا تمہارے واسطے
منتظر آنکھیں رہیں دل رات بھر تڑپا کیا

اے دلِ ناداں تجھے سمجھائے کوئی کس طرح
تُو جو چاہے گا کرے گا اور جو چاہا کیا

رازِ اُلفت اب نہیں چھپتا چھپائے سے مرے
بس چلا جب تک مرا مُنہ ڈھانپ کر رویا کیا

یار پر الزام کیسا اے دلِ خانہ خراب
جو کیا تجھ سے تری قسمت نے اُسنے کیا کیا

دیوانہ و آوارہ و سرگشتہ و مجنون
القاب مجھے خط میں لکھے جاتے ہیں کیا کیا

اِک رات کبھی چین سے سوئے نہ لپٹ کر
ہم نام ہی سُنتے ہیں دلارام کسیکا

دیکھتے رہتے ہیں دن رات وہ اپنا جوبن
لوٹتا ہے مزے آئینہ مقابل ہو کر

حُسن وہ شے ہے کہ گاہک ہے زمانہ جس کا
آنکھ ہر ایک کی پڑتی ہے طرحداروں پر

آتشِ گل سے مناسب ہے حذر اے بلبل
ہاتھ رکھتا ہے کوئی جان کے انگاروں پر

تیرے خطِ سبز و لب جاں بخش کی کیا بات
وہ خضر کے ہمسر یہ مسیحا کے برابر

تا صبح تیرے ہجر میں ہم کروٹیں بدلا کیئے
رکھا ہے تکیہ رات بھر گاہے اِدھر گاہے اُدھر

چار آنکھیں ہوتے ہی برچھی جگر پر چل گئی
بات کچھ منہ سے نہ نکلی رہ گئے ہم دیکھ کر

ہم سے چھپا کے آنکھ لڑاؤ گے تم کہاں
سب حال پوچھ لینگے تمھاری نظر سے ہم

دیکھو ہماری آنکھ بھی اپنی نگاہ سے
تم کس نظر سے دیکھتے ہو کس نظر سے ہم

معاذ اللہ اس آزردگی کا کیا ٹھکانا ہے
جو پوچھا یار سے کب تک نہ بولو گے کہا برسوں

اُسی پر جان جاتی ہے جو پتلا ہے تلوّن کا
ہمیشوں دشمنِ جاں۔ مہرباں دو دن، خفا برسوں

وہی خونِ شہیدِ ناز اب پامال ہوتا ہے
رہا بن کر جو تیرے ہاتھ میں رنگِ حنا برسوں

کیوں نہ گھبرائیے گھر میں تنہا
رات دن جو رہا ہو یاروں میں

وقت پر چپ رہیں معاذ اللہ
کہنے والے کہیں ہزاروں میں

تم جو آ جاؤ ایک دم کے لیئے
جان پڑ جائے بے قراروں میں

وہی دن ہیں تو تو بیگانوں سے بدتر ہو گیا
اب میں تیرا اے دلِ نا آشنا کوئی نہیں

اپنے مطلب کی محبت رہ گئی ہے آج کل
کیا زمانہ ہے کسی کا اے خدا کوئی نہیں

بوئے گل سونگھ کر بگڑتے ہیں
یہ پری رو ہوا سے لڑتے ہیں

دل نہ بیچے شہرِ حسن میں کیونکر
لوٹ ہوتی ہے ڈاکے پڑتے ہیں

یوں نہیں ملتے وہ غیر کے گھر
چور کو گھات سے پکڑتے ہیں

نامہ بر نا امید آتا ہے
ہائے کیا سست پاؤں پڑتے ہیں

کون جیتے تمھاری آنکھوں سے
سادہ سے بھی یہ چور لڑتے ہیں

یہ واعظ کیسی بہکی بہکی باتیں ہم سے کرتے ہیں
کہیں چڑھ کر شراب عشق کے نشے اترتے ہیں

محبت کیجئے ظاہر نہ مجھ سے بندہ در گزرا
بڑے میرے نصیب اللہ مجھ پر آپ مرتے ہیں

نہ آجایا کرو اغیار کی اُلفت جتاتے ہیں
وہ تم پر کیوں بھلا مرنے لگے فاقوں سے مرتے ہیں

ہر اک موسم میں کشتِ آرزو سرسبز رہتی ہے
یہ چوڑا کھولنا بھی بیج سے خالی نہیں نکلا
تکلف کے یہ معنی ہیں سمجھ لو بے کہے دل کی
اپنی اپنی فصل میں ہر راگ دیتا ہے بہار
مینہ برستا ہے۔ گھٹا چھائی ہے چلتی ہے ہوا
دیکھ کر کیسی ہے کیا ساقی پلا بھی دے شراب

تردد غیر کو ہوگا یہاں تو چین کرتے ہیں
الجھ جاتا ہے دل جب بال شانوں پر بکھرتے ہیں
مزا کیا جب ہمیں نے یہ کہا تم سے کہ مرتے ہیں
ہولی کا ہولی میں ساون کا مزا برسات میں
ہائے کیا اندھیر ہے تم ہو جُدا برسات میں
کیسی ہے چھائی ہوئی اُودی گھٹا برسات میں

جھومتے آتے ہیں کیا ابرِ سیاہ
ناتوانی کے سبب لے وحشت
اس طرح جھوم کے چلئے نہ حضور
شبِ وصال جو مطلب کی میں نے بات کہی

نشہ میں چور یہ متوالے ہیں
خار بھی میرے لئے بھالے ہیں
سب کہینگے کہ یہ متوالے ہیں
کہا کہ ہوش میں آ۔ کر شعور کی باتیں

دوشالہ ڈال کے لاشے پہ آتے ہیں منعم
یہ نہ کہیے عشق میں تجھ سا کوئی کامل نہیں
ڈھونڈ لینگے جب کوئی تم سا بھی چین آئیگا
تھی محبت یا نہ تھی اگلی نہ باتیں کیجیے
روز کی ایذا گئی۔ جھگڑا اچھا قصہ مٹا
بندہ پرور ان کچی باتوں سے کچھ حاصل نہیں
وہ بھی دن ہیں یہ صنم ہوش ربا ہوتے ہیں
شوق سے پیجیے ہمراہ رقیبوں کے شراب
دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے
جوہر الفت بھی ہے کیا چیز کہ سن سن کے حسین
ہنس کے جو یہ کہا تمہیں الفت مری نہیں

ابھی نہیں گئیں اُن کی غرور کی باتیں
مہربانی آپ کی بندہ تو اس قابل نہیں
ہم بھی اپنی فکر میں رہتے ہیں کچھ غافل نہیں
رنج ہوگا مفت میں اب اس سے کچھ حاصل نہیں
وہ تمہارا دل نہیں اب وہ ہمارا دل نہیں
یہ تو ہم بھی جانتے ہیں آپ کا وہ دل نہیں
کل کے تراشے ہوئے بُت آج خدا ہوتے ہیں
ہم چلے بزم سے کیوں آپ خفا ہوتے ہیں
یہ وہ کعبہ ہے کہ بُت جس میں خدا ہوتے ہیں
دل میں خوش ہوتے ہیں ظاہر میں خفا ہوتے ہیں
گردن جھکا کے ناز سے بولے کہ جی نہیں

تو جسکو چاہے خاک سے مسند نشیں کرے
ہے بیحساب فیض ترا کچھ کمی نہیں

چھوٹی سی عمر میں تمھیں بوسہ عزیز ہے
و پڑا اسلئے بھی بات کچھ ایسی بڑی نہیں

لِلّٰہ اور بھی مے گلگوں کے جام دے
ساقی ابھی تو پیاس ہماری بجھی نہیں

ہیں صفائی میں برابر ترے زانو دونوں
نظر آتے ہیں ہمیں ایک سے پہلو دونوں

ضعف میں مجکو اُٹھاتے ہیں وہ اپنے در سے
اے غم و یاس پکڑ لو میرے بازو دونوں

یہ جانتا ہوں مگر کیا کروں طبیعت کو
کہ مے حرام ہے اے واعظو حلال نہیں

پھانس کر دل کو دیا کرتی ہو جھٹکے لاکھوں
زلفِ پیچاں کو تری یاد ہیں لٹکے لاکھوں

کفر و دیں میں ہی خلش برہمن و شیخ سے بیچ
اس دور سے ہیں مسافر کو ہیں کھٹکے لاکھوں

وصل بھی شعلہ رخوں کا نہیں جینے دیتا
جلتے ہیں شمع سے پروانے پٹکے لاکھوں

شوقِ مے رندوں سے کچھ پوچھ نہ اے پیر مغان
دل میں آتا ہی چڑھا جاتے ہیں مٹکے لاکھوں

زہر بھی کھاتے ہیں سر بھی کاٹتے ہیں عشق میں
اے محبت بے بسی ہیں لوگ کیا کرتے نہیں

ہوگئے ہیں مضمحل پر اب بھی غم کھاتے ہیں روز
آپکے بیمار پرہیز غذا کرتے نہیں

بھانپ ہی لینگے اشارہ سرِ محفل جو کیا
تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

کبھی آئے نہ عیادت کو مسیحا ہو کر
آپ ایسی ہی مریضوں کی خبر رکھتے ہیں

تجھسا کوئی جہان میں نازک بدن کہاں
یہ پنکھڑی سے ہونٹ یہ گل سا بدن کہاں

جوش و خروش ساتھ جوانی کے چل بسے
وہ موسم بہار وہ دیوانہ پن کہاں

اپنا دوپٹہ اُسنے دیا مجکو بعد مرگ
ملتا ہے بے نصیب کے ایسا کفن کہاں

معشوقِ بے نمک کو کوئی پوچھتا نہیں
حسنِ ملیح کے ہیں نمک خوار سینکڑوں

بوسہ ملا کسے لب جان بخشِ یار کا
اس آرزو میں مر گئے بیمار سینکڑوں

جسکو ہوا یہ عارضہ وہ جان سے گیا
دیکھے ہیں ہمنے عشق کے بیمار سینکڑوں

تمسا تو ہم کو ایک بھی ملنا محال ہے
ہمسے تمھیں جہاں میں ہیں اے یار سینکڑوں

جب موافق کبھی ہوتا ہے زمانہ اے دل — سنگریزے بھی نصیبوں سے درم ہوتے ہیں

یوں محبت سے جو چاہے کوئی اپنا کر لے — جو ہمارا نہ ہو آسکے کہیں ہم ہوتے ہیں

دوست دو چار نکلتے ہیں کہیں لاکھوں میں — جانے ہوتے ہیں سوا اُتنے ہی کم ہوتے ہیں

اس میں کیا حرج ہے کہہ دیجیے آنے کے لیے — جھوٹے وعدوں سے بھی خوش آپکے ہم ہوتے ہیں

آج اے مرگ کھلی ہستیٔ موہوم کی اصل — کچھ سمجھتے تھے ہم اس شے کو مگر کچھ بھی نہیں

واہ اے ابر کرم واہ مرے دریا دل — ہر طرف آپ برستے ہیں ادھر کچھ بھی نہیں

وہ بھی کیا لوگ ہیں دنیا میں خدا کے بندے — جنکو دل توڑنے میں خوف و خطر کچھ بھی نہیں

کچھ نہیں ہے تو دوپٹے میں چھپاتے کیا ہو — پھر یہ کسواسطے پردہ ہے اگر کچھ بھی نہیں

تصور زلف کا ہے اور میں ہوں — بلا کا سامنا ہے اور میں ہوں

بتوں کو کیوں دیا یہ قد و قامت — قیامت میں خدا ہے اور میں ہوں

قرآن رخ کے چھونے کی جو آرزو کریں — پہلے وہ آب دیدۂ تر سے وضو کریں

غافل نہ پاؤں توڑ کے بیٹھیں ترے فقیر — ملجائیگا کہیں نہ کہیں جستجو کریں

اپنی کہیں کہ اس دل خانہ خراب کی — تم کو جو ہو پسند وہی گفتگو کریں

منہ تک بھری ہے شیشۂ دل میں شراب عشق — رنگت چھپائیں اسکی کہ پوشیدہ بو کریں

اپنی خودی مٹائیں تو پائیں رہ وصال — کھوئیں جو آپ کو وہ تری جستجو کریں

پیر مغاں تو مست ہے آپ اپنے حال میں — کس سے سوال شیشہ و جام و سبو کریں

ملجائے زاہدوں کو اگر مفت کی شراب — انکے بڑے ہیں پیٹ یہ خالی سبو کریں

دامن جدا ہے چاک گریباں جدا ہے چاک — کسکو سئیں بتائیے کسکو رفو کریں

دیکھنا کیا سحر ہے چشم فسوں پرداز میں — جسکو دیکھا ہیں ڈالا اک نگاہ ناز میں

لائیگی رنگ اپنی محبت کبھی ضرور — ایسی بھی بات ہے کہ ترے دل میں گھر نہ ہو

چبھتے ہیں خار دشت تو کہتی ہے بیکسی — حضرت کدھر ہے دھیان تمہارا یہ گھر نہ ہو

ہو گی ضرور صبح تری اے شب فراق		ہمکو نصیب دیکھئے ہو یا سحر نہ ہو
تیوری میں بل نہ ڈال چھری سے حلال کر		جوہر ترے نثار خفا اس سے تو نہ ہو
اِس شان سے وصل کی ہے خواہش	ق	ایسا موقع بھی اے خدا ہو
بوسہ جو لیا جھجک کے بولے		دیکھو نہ کوئی دیکھتا ہو
دو دو ساغر ہوں دو دو شیشے		دُہرا دُہرا ہر ایک مزا ہو
بہکی بہکی ہوں اسکی باتیں		ساقی ساقی پکارتا ہو
بوسہ بوسہ میں مانگتا ہوں		اچھا اچھا وہ کہہ رہا ہو
سینہ سینے سے گال سے گال		زانو زانو تلے دبا ہو
نکھری نکھری ہو ساری محفل		ٹھنڈی ٹھنڈی وہاں ہوا ہو
مسکی مسکی ہو اُس کی انگیا		شرما شرما کے ڈھانکتا ہو
اُجلی اُجلی سی چاندنی ہیں		گورا گورا بدن کھلا ہو
لپٹا لپٹا لوں اُسکو جوہر		بس بس دیکھو وہ کہہ رہا ہو
نیند آنکھوں میں بھری ہی کہاں رات بھر رہے		کسکے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے
شب جیسی گزری دن بھی گزر جائیگا میرا		جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے
جوہر ابھی سے توبہ سے خیر ہے تمھیں		صحبت پریرخوں کی ہے دن ہیں شباب کے
کیا بتائیں مزاج کیسا ہے		ہم کہاں دل کہاں خدا جانے
یوں تو مُنہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سبکو		جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے
جسکے پامال ہیں کھائینگے اُسی کی ٹھوکر		کہدیا ہٹ کے چلو فتنۂ محشر ہے
گلے لگا کے شب وصل کس ادا سے کہا		نہ ہوتی تجھ سے محبت تو پیار کیا کرتے
کیا بتاؤں کس طرح دل آگیا		کیا کہوں کیونکر محبت ہو گئی
کیا پوچھتے ہو حسرت دیدار بعد مرگ		تا چند منتظر مری آنکھوں میں دم رہے

میرے ہوتے نگہِ قہر رقیبوں کی طرف
دیکھئے دیکھئے یہ تیر خطا ہوتا ہے

بھولے پن میں بھی کبھی کیسے نہیں ہوتے حسیں
چھوٹے سے سن میں گھمنڈ انکو بڑا ہوتا ہے

جان لیکر پھر چلا یا تھا تو لازم تھا وصال
کیا خبر تھی مجکو دم دے کر خفا ہو جائیگے

غیروں سے تو فرصت تمھیں دن رات نہیں ہے
ہاں میرے لیئے وقت ملاقات نہیں ہے

عاشق کے لیئے موت سے بہتر نہیں تدبیر
وہ شوق سے کوسیں یہ بری بات نہیں ہے

خط لکھا یار نے رقیبوں کو
زندگی نے دیا جواب مجھے

ناوک ہیں راستی ہو کجی ہو کمان ہیں
ٹیڑھی اگر بھوں ہوں تو سیدھی نظر ہے

کیا پوچھتے ہو غیر سے جانی مرے دلکی
معلوم مجھی کو ہے کہانی مرے دلکی

دریافت نکر اے بت مینوش مرا حال
ہے شیشۂ صد پارہ نشانی مرے دلکی

تڑپ رہا ہے دل اک ناوک جفا کے لیئے
اسی نگاہ سے پھر دیکھئے خدا کے لیئے

فرماتے ہیں کہ ہم ترے فقروں میں آچکے
جو لوگ منہ سے کہتے ہیں وہ زہر کھا چکے

کیوں مزا دیکھ لیا دل کی کشش کا تم نے
پھر کہو گے کہ ترے گھر مری پیزار چلے

اتنا کوئی پوچھے مرے قاتل سے خدارا
باقی کوئی اب اور تو ارمان نہیں ہے

جوہر

جوہر - منشی سیّد کاظم حسین صاحب جوہر لکھنوی سنہ ۱۲۸۲ھ میں زیر سایہ عاطفت سلطان عالم واجد علیشاہ مٹیا برج کلکتہ میں رہتے اور ماہتاب الدولہ سیّد علیجان خان درخشاں مصاحب شاہی سے فن شعر میں استفادہ کرتے تھے - یہ کلام کا خلاصہ ہے *

شوخیاں مجنوں سے ایسی ناقۂ لیلی انکر
ڈھونڈتا پھرتا ہے بیچارہ کہ محمل کیا ہوا

اس مرتبہ ہے فقر کی دولت سے دل غنی
قاروں کے گنج کو بھی سمجھتا ہوں مال کب

صبح فرقت کا وہ دھڑکا ہی کہ دم پر ہے بنی
تیرے عاشق کا ہے دنیا سے سفر وصل کی رات

ہیں لب جان بخش کے بوسے نصیب
زندگانی کا مزا پاتی ہے روح

کیوں نہ تکلیف ہو کاجل سے تری آنکھوں کو | واقعی رات گراں ہوتی ہے بیماروں پر
اُس قمر نے اپنے رُخ پر تل بنایا تل سے پاس | دو ستارے یک بیک چمکے مہِ کامل کے پاس
عاشقِ ابرو ہوں کوئی تیغ چلکر نذر دوں | ہاتھ خالی جاؤں میں کیونکر دِلا قاتل کے پاس
دیکھ تو پردہ اُٹھا کر لیلیٰ ناقہ سوار | قیس خود رفتہ کھڑا ہی دیر سے محمل کے پاس
کھائی آخر کو درِ قاتل پہ تیغِ آبدار | کشتیٔ عمرِ رواں ڈوبی مری ساحل کے پاس
زندگانی کا مزا تجھسے ہے مہ رُو میرے | فقر و فاقہ ہو تو ہو پاس ہو پر تُو میرے

جوہر

جوہر۔ جناب مرزا احمد شاہ بیگ صاحب مُراد آبادی قانونگو تحصیل ٹھاکردوارہ ضلع مُراد آباد۔ آپ کو منشی انوار حسین صاحب تسلیم سے تلمذ رہا ہے۔ عمر اس وقت ۴۵ سال کے قریب ہے۔ تاریخ گوئی میں آپ کو ایک خاص ملکہ حاصل ہے۔ غزل کہنے کا کم اتفاق ہوتا ہے۔ باوجود تلاش زیادہ کلام بہم نہ پہنچا۔ ناچار اسی قدر کلام پر اکتفا کیا گیا ✣

جما ہُوا ایسا ہے مژگاں کا چشمِ دلبر پر | کہ ٹوٹے پڑتے ہوں جس طرح رند ساغر پر
بنا کر آئینہ خود بیں کیا حسینوں کو | ہزاروں خون ہوئے گردنِ سکندر پر
خدا کی شان ہے کوئی تو چین سے سوئے | کوئی تڑپتا رہے ساری رات بستر پر
نہ چھوڑ دزدِ غمِ جاں فراغ بال مجھے | رِلا ہے تُو ہی اَلم میں شفیق حال مجھے
چہِ ذقن کی ترے چاہ ہے مرے یوسف | غلام ہوں سرِ بازار بیچ ڈال مجھے
تمام کام کیا یاس و نا اُمیدی نے | اُمیدِ وصل ذرا آن کر سنبھال مجھے
بس مغبچہ پہ فدا ہوں وہ دخترِ رز پہ نثار | ملے ہیں حضرتِ ناصح شریکِ حال مجھے
وہ ساتھ غیر کو اپنے لگا کے لائے ہیں | ہوئی ہے ہجر سے بدتر شبِ وصال مجھے

جوہر

جوہر۔ منشی محمد سیف اللہ خان۔ آپ اسلام آباد کے باشندے اور اُستادِ وقت منشی امیر اللہ تسلیم کے دامنِ فیض سے وابستہ ہیں۔ چند غزلیں نظر سے گزریں

اُن کا انتخاب حاضر ہے ٭

چارہ گر قہر کیا تو نے لگا کر مرہم
ہائے زخموں کو ذرا اور ابھرنے نہ دیا

رکھتا نہیں ہے پاؤں زمیں پر غرور سے
اُس رشکِ حور کا ہے دماغ آسمان پر

حضرتِ عشق جو سچ پوچھئے ہیں قہر کی چیز
رنگ ہر رنگ میں اپنا یہ جما لیتے ہیں

خوش نگاہوں کا نگاہوں میں سمانا ہے غضب
دیکھتے دیکھتے دل صاف چرا لیتے ہیں

ہاں سُن کے مضطرب کہیں وہ فتنہ گر نہ ہو
فریاد بھی وہ کیجیے جس میں اثر نہ ہو

دامِ اُلفت سے رہائی عمر بھر دشوار ہے
گو رہائی دے مجھے صیاد اپنے ہاتھ سے

قتل کرنے کے لیے کیا کم ہے یہ تیرِ نظر
رکھدے قاتل خنجرِ فولاد اپنے ہاتھ سے

جوہر شفیقی و مکرمی حکیم معشوق علی صاحب شاہجہانپوری۔ وکیل درجۂ اول ریاست بھوپال آپ شاہجہان پور روہیلکھنڈ کے ایک معزز خاندان کے رُکن ہیں اور ایک عرصہ سے ریاست بھوپال میں سکونت پذیر ہیں۔ اور اپنی عالمانہ قابلیت و استعداد کے خیال سے جوہر قابل مانے جاتے ہیں معلوماتِ علمی نہایت اچھی اور وسیع ہیں۔ اور فنِ سخن سے تو گویا عشق ہے۔ بھوپال میں شعر شاعری کا چرچا ان کے دم سے ہے۔ اکثر مشاعرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ عنفوانِ شباب میں دہلی آکر نواب اسداللہ خان غالب کے فیضِ صحبت سے بہرہ ور ہوئے تھے اور فخرِ تلمذ بھی حاصل کیا تھا۔ کئی ماہ تک اُن کی خدمت میں حاضر رہ کر اصلاح لی۔ نظم و نثر دونوں میں دستگاہِ کامل حاصل ہے۔ جدت پسند و معنی خیز طبیعت اِس فن کے مناسب پائی ہے۔ کلام نہایت پاکیزہ اور لطافت کا پہلو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ سِن شریف اب ۶۰ سال کے قریب ہے۔ سُنا ہے کہ اب حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں ملازم ہوگئے ہیں۔ راقمِ تذکرہ نے عرصہ سے رسل و رسائل کا سلسلہ جاری ہے مگر افسوس کہ باوجود متعدد اقراروں کے کلام اِرسال نہیں کیا۔ ناچار جو کلام متفرق رسالوں میں نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درجِ تذکرہ کیا گیا ٭

دیکھی کبھی خزاں۔ کبھی موسم بہار کا
بوئے وفا نہ رنگ محبت گلوں میں ہے
یارب یہ سچ ہے بات کہ محشر کی صبح سے
ساقی نہیں ہے ساغر و پیمانہ تو نہو
جاں نکلی نہ فرقت کی اذیت سے شبِ ہجر
کیا تجھ پہ تصدق کرے اے بادشہِ حسن
ان ترچھی نگاہوں سے بچیگا کوئی کیونکر
ٹھیری ہے بس اب لختِ جگر پر بسر اپنی
حیراں نکیوں دیکھنے والے ہوں سرِراہ
کیا اور جفا کا کوئی ارماں ہے باقی
گردن پہ دھر رکھ کے اٹھا بیٹھتے ہیں خنجر
بربادیٔ گلشن پہ ہیں گل چاک گریباں
بارِ ستم و جور فقط دو نے اٹھایا
آئی جو جوانی تو سکھاتی ہوئی آئی
ہمیں دے ساغر ہم سے لے دعا ساقی
پڑینگے لینے کے دینے نہ مانگ قیمتِ مے
میکدے میں ساغر و مینا سے مہمانی ہوئی
کیا لطافت ہے نہیں پڑتا ہے آئینہ میں عکس
کر گیا ہنگامِ آرایش اثر جادوئے حسن
جو لہو پی پی کے ہنستے تھے وہ اب پیتے ہیں پھول
پھر بلا میں اس دلِ بیتاب نے ڈالا مجھے

کیا اعتبار ہو چمن روزگار کا
بگڑا ہے نیل کیا چمن روزگار کا
دامن سلا ہوا ہے شبِ انتظار کا
چُلّو ہی بھر دے آج تو مجھ بادہ خوار کا
مر مر گئے ہم تا سحر ارمانِ قضا میں
جز نامِ خدا کچھ نہیں کجکولِ گدا میں
ہے تیغِ قضا قبضۂ انداز و ادا میں
ٹکڑے ہی دو چار ہیں کجکولِ گدا میں
آئینے کی تمنا ہے ترے نقشِ کفِ پا میں
کیوں آئے ہیں وہ بزمِ عزائے شہدا میں
کچھ کچھ ہے محبت کی جھلک طرزِ جفا میں
پیدا اثرِ درد ہے غنچوں کی صدا میں
اک میں ترے پامالوں میں ہوں ایک حنا ہے
یہ ناز۔ یہ انداز۔ یہ شوخی۔ یہ حیا ہے
کہ کام آئے گا تیرے لیا دیا ساقی
جو کوئی مستی میں تجھ سے اُلجھ پڑا ساقی
شیخ کی رندوں میں آکر آبرو پانی ہوئی
سچ تو یہ ہے خلقت اس مہوش کی لاثانی ہوئی
آنکھ سکتہ اور آئینہ کو حیرانی ہوئی
فصلِ گل میں یہ مئے گلگوں کی ارزانی ہوئی
پھر کسی زلفِ شبگوں کا ہوا سودا مجھے

استخواں کیا خاک تک باقی نہیں ہے دہر میں
دیکھنے والا ہوں میں بھی تو کسی خوش چشم کا
خود بخود جوہر سے ملنے کو چلا آئے وہ شوخ
مزا دیوانہ پن کا وادیِ وحشت میں جب آئے

آسیائے چرخ نے اِس طرح سے پیسا مجھے
یوں نہ تو آنکھیں دکھا ای نرگس شہلا مجھے
اے فسونگر ایسا کچھ بتلا دے اک لٹکا مجھے
نہ دامن خار سے چھوٹے نہ چھوٹے خار دامن سے

جوہر شیخ محمد عبد العزیز ولد شیخ محمد عبد الرحمن۔ رئیس غازی پور ۱۲۸۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے دس برس کی عمر تھی کہ داغ یتیمی نصیب ہوا یعنی شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ موروثی قرضہ کی ادائگی میں جائداد نیلام ہو گئی۔ ۱۲ برس کی عمر تک غازی پور ہی میں تعلیم و تربیت پائی۔ پھر ۱۳۰۱ھ ہجری میں جون پور جاکر مولوی محمد محسن جون پوری اور مولوی ہادی حسن سے عربی و فارسی پڑھی۔ ورنیکلر اسکول سے مڈل کا امتحان بھی پاس کیا ہے۔ ہندی۔ ناگری۔ بنگلہ۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ اسی زمانے میں شاعری کا شوق ہوا۔ پہلے پہل غبار جون پوری سے مشورۂ سخن کیا۔ پھر ۱۳۰۴ھ ہجری میں حضرت امیر مینائی مغفور سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ فن عروض سے بھی واقف ہیں۔ ایک ضخیم غیر مطبوعہ دیوان آپ کا تیار ہے۔ اپنے قرب و جوار میں اچھے شاعر خیال کیے جاتے ہیں۔ اکثر جوان شائق سخن آپ کے شاگرد بھی ہیں۔ حافظہ اس بلا کا ہے کہ اساتذہ کے ہزارہا شعر ازبر ہیں۔ عاشق مزاج اور حسن پرست طبیعت پائی ہے مجموعۃً ان خاص جذبات کا اثر آپ کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ عاشقانہ اور پر درد مضامین کے علاوہ زبان بھی صاف ہے اور طرز بیان بھی عمدہ ہے۔ وسیع الاخلاق ہر دلعزیز۔ بامذاق۔ منکسر المزاج۔ ذہین۔ حلیم۔ ملنسار۔ آزادی پسند۔ برجستہ گو اور گانے کے شائق ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے نہایت پابند اور معزز سوسائٹی کے بیٹھنے والوں میں ہیں۔ آپ کا خاندان غازی پور کے اعلیٰ طبقہ کے رؤسا میں شمار کیا جاتا ہے۔ انتخاب کلام درج کیا جاتا ہے ٭

پریوں کا شیفتہ ہے جوہر نہ حورِ عین کا　　دیوانہ ہے ازل سے اک شوخ مہ جبین کا

رہتی ہے یادِ جاناں اُجڑا ہے دل ہمارا　　بے رنگ ہے مکان کا وہ رنگ ہے مکین کا

آرزوؤں کا لگا رہتا ہے میلا دل میں　　دیکھ لو آ کے کسی دن یہ تماشا دل میں

کر دیا چھید مژہ نے ترے رخنہ دل میں　　آرزو دل میں ہے غم دل میں تمنا دل میں

اے خوشی تو ہی بتا تجکو جگہ دوں کیونکر　　چھاؤنی چھائے پڑا ہے غمِ دنیا دل میں

پوچھو نہ حالِ منزلِ گیسوئے یار کا　　رہزن تو سینکڑوں ہیں کوئی رہنما نہیں

کچھ دیر آپ اور رہیں جلوہ گاہ میں　　کہتی ہے چشمِ شوق ابھی جی بھرا نہیں

واہ رے قاتل کی شان اللہ رے ترچھی نظر　　ایک خنجر آنکھ میں ہے ایک خنجر ہاتھ میں

حشر میں بھی جھومتے پھرتے ہیں متوالے ترے　　شیشۂ مے ہے بغل میں اور ساغر ہاتھ میں

ڈھونڈتے ہیں وہ کہیں ملتا نہیں میرا مزار　　خشک ہوتی جاتی ہے پھولوں کی چادر ہاتھ میں

پوشیدہ محبت کے کھلے راز ہمیں سے　　دنیا میں ہوا عشق کا آغاز ہمیں سے

وہ شوخ نظر دیکھ کے نرگس کو یہ بولا　　ہاری ہے تو لڑ کر یہ نظر باز ہمیں سے

بجلی کی تڑپ قابلِ تعریف ہے لیکن　　سیکھے ہیں تڑپنے کے یہ انداز ہمیں سے

رگ رگ کے دمِ ذبح پھڑکتی ہے گلے پہ　　تلوار بھی کرتی ہے تری ناز ہمیں سے

چمکا کبھی وہ رخ کبھی زلفوں میں چھپ گیا　　دن ہو گیا کبھی تو کبھی رات ہو گئی

اب ہم ہیں اور ساقی و پیمانہ و شراب　　توبہ تو نذرِ پیرِ خرابات ہو گئی

نیرنگیاں ہیں جلوۂ قدرت کی ہر طرف　　دُنیا مری نظر میں طلسمات ہو گئی

جور و جفا کے بعد پشیماں ہوئے جو تم　　اچھا کیا تلافیٔ ما فات ہو گئی

جوہر بتوں کے عشق میں سب کچھ ہوا مگر　　ایمان بچ گیا یہ بڑی بات ہو گئی

کہہ رہا ہے سرِ محفل یہ کسیکا جلوہ　　دل ہو پیارا تو مرے پاس نہ آئے کوئی

ناز جس پر ہے اُسی پر ستم و جور بھی ہوں　　میں نہیں کوئی تو مجکو نہ ستائے کوئی

ہے یاس بھری آنکھوں میں چلتا ہوا جادو	جو بات ہے بسمل میں وہ قاتل میں نہیں ہے
آراستگی بزم ہے عشاق کے دم سے	جب ہم نہیں کچھ بھی تری محفل میں نہیں ہے

جوہر — **جوہر** منشی جواہر سنگھ مقیم ریاست ریوان بندیل کھنڈ۔ آپ بریلی کے باشندے ہیں اور منشی موسیٰ حسین اختر سے تلمذ رکھتے ہیں۔

اللہ اللہ کس بلا کی ہے تری برقِ جمال	تابِ نظارہ نہ لایا طور جل کر رہ گیا
خم بہ خم گیسوئے پیچاں کو دیئے جاتے ہیں کیوں	آپ کچھ فرمائیں تو یہ جال پھیلاتے ہیں کیوں
دل کے لیتے وقت تو اللہ ری بے باکیاں	اب سوالِ وصل سنکر آپ شرماتے ہیں کیوں

جوہر — **جوہر** منشی جواہر سنگھ جوہر خلف منشی بختاور سنگھ راقم ذی استعداد اور باکمال سخنور تھے۔ فارسی کی استعداد عالمانہ تھی اور شعر بھی اس زبان میں خوب کہتے تھے مولانا گل محمد خان ناطق سے تلمذ تھا۔ اردو میں خواجہ وزیر کے ارشد تلامذہ میں انھیں سمجھنا چاہیئے۔ آپ قوم کے کایستھ اور راجہ لالجی بہادر کے (جو سرکار امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ میں سلطنتِ اودھ کے بخشی فوج تھے) حقیقی خواہرزادہ تھے۔ انتزاعِ سلطنتِ اودھ کے بعد جب وہ سلسلہ درہم و برہم ہوا تو مہاراجہ سر درگبیجے سنگھ والیٔ بلرامپور نے ازراہِ قدردانی اپنے پاس بلا کر رکھا۔ اور رفقائے خاص میں داخل کیا۔ اور مدۃ العمر اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دیا۔ تصوف اور وحدانیت کی طرف طبیعت کا خاص رجحان تھا۔ نہایت پرگو اور خوش کلام سخنور تھے۔ آپ کی طبیعت کی آمد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پانچ دیوان آپ کی تصنیف سے شائع ہوئے جن میں سے دو مطبع نولکشور میں اور تین مطبع رفاہ عام سیالکوٹ میں چھپے ہیں۔ ایامِ ضعیفی میں بس بارہ برس ہوئے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

اصل مطلب ایک ہے آگاہ و نا آگاہ کا	ہے الکھ کا ترجمہ عربی میں لفظ اللہ کا
دیکھئے جو بیٹھا ہوا انسان صنعت رب ہے جیتا	طاقِ ابروئے بتاں کعبہ ہے بسم اللہ کا

اسکو ہے اسکے فروغِ شمع وحدت کی نظر
ایک موسیٰ ہی تھا پروانہ تجلی گاہ کا

پسند عاشقان نغمہ ہے یہ رو مصیبت کا
کہ بزم عیش ہیں گاتے ہیں مضموں سوز فرقت کا

پری و حور ہیں نا جنس کیا لطف آدمیت کا
بشر ہیں ہم بشر سے ہے مزہ اپنی طبیعت کا

خدا نے لذتیں دنیا میں دیں تم بد سمجھتے ہو
نتیجہ زاہد و اچھا نہیں کفرانِ نعمت کا

خدا کا بیٹا یا معشوق کہنا کفرِ مطلق ہے
منزہ سب سے ہے رتبہ خداوند حقیقت کا

الوہیت - فنا تخلیق - شانیں خاص اسکی ہیں
پرستش کرتے ہیں ہم نام رکھکر اسکی قدرت کا

صنم بھی اسکے مظہر ہیں کروں سجدہ نکیوں جوہر
نظر آتا ہے جو کچھ ہے نمونہ اسکی قدرت کا

ترے ہنسنے نے کر دی عشرتِ صبح وطن پیدا
دکھایا لطف مستی نے تری شام غریبان کا

نکالے جانے پر جنت سے گر ہی نسل آدم کی
گذر ممکن نہیں اے شیخ پھر جنت میں انسان کا

منجم کوئی ایسی رات ہو گی
کہ آئے وہ مہِ کامل ہمارا

قصور اے شیخ دیں ثابت نہیں منصور و سرمد کا
انا الحق حسن سنت ہی انا بے میم احمد کا

جس جلوے نے تھا طور شرارت سے جلایا
دیکھا جو تجھے مجکو دوبارہ نظر آیا

دیکھا جو بڑھ کے شوق سے اک راہبر نہ تھا
پہنچا وہاں میں خضر کا جس جا گذر نہ تھا

گردش سے آسمان کی کسی جا مفر نہ تھا
کس سرزمیں پہ یہ فلکِ فتنہ گر نہ تھا

میں عشق سے وہ حسن سے بیہوش دونوں تھے
جو کچھ ہوا معاف کوئی باخبر نہ تھا

کیوں طاقِ کعبہ رخنۂ دیوار کعبہ ہے
زاہد جو اس کا تیر نظر کارگر نہ تھا

کچھ اور ہی مزہ ہے نئے شوق و ذوق کا
جو لطف پہلے دن تھا وہ روزِ دگر نہ تھا

ٹھہرا وصال وعدۂ فردائے حشر پر
دل کو یہاں تحمّلِ روزِ دگر نہ تھا

سوتے فتنہ کو جگانے کو ہوا تو پیدا
کی تری آنکھوں نے کیفیتِ جادو پیدا

آفتِ جاں ہوا عالم کے لیئے تو پیدا
کس بلا کے ہوئے چشم و رخ و گیسو پیدا

وہ جوانی کے مزے دلبر کم سن میں کہاں
غنچہ جبتک کہ نہو گل نہ ہو خوشبو پیدا

مست عاشق کو تری بوئے دہن کرتی ہے
ایک غنچے سے نہ ایسی ہوئی خوشبو پیدا

دونوں ہاتھوں سے بلائیں تری لیتا ہے حُسن
چہرے پر تیرے لیے یہ بُت ہیں ابرو پیدا

دل ابھی آپکے کوچے میں تڑپ کر پہنچے
ہو جو پہلو سے نکل جانے کا پہلو پیدا

فیضِ انوارِ ازل جھپے ہیں ہے اوّل سے
جُملہ مخلوق سے پہلے ہوئے ہندو پیدا

شکل آئینہ گزر خلوتِ اصنام میں ہے
شکرِ خالق ہے کہ جوہر ہوئے ہندو پیدا

دل مے عشق سے مسرور ہوا خوب ہوا
جام خالی تھا یہ معمور ہوا خوب ہوا

خواب میں وصل سے مسرور ہوا خوب ہوا
کچھ تو بارے غمِ دل دُور ہوا خوب ہوا

مجکو مارا تو نے اے بیدادگر اچھا کیا
قصۂ طولِ محبت مختصر اچھا کیا

یہ حسن و ناز نہ پریوں میں ہے نہ حوروں میں
خدا کی شان ہے پیدا کیے بشر کیا کیا

شراب و صحبتِ احباب و باغ و رقص و سرود
مدام عیش میں جوہر ہوئی گزر کیا کیا

جلد لا ساغرِ الماس میں ساقی مئے لعل
موتی برساتا ہوا ابر گہربار آیا

تیرا عاشق یہ رندِ مست ہوا
شیخ ملحد لحد پرست ہوا

تپ فراق میں تن ہے یہ دردمند اپنا
جُدا جُدا ہوا جاتا ہے بند بند اپنا

یکتائی پہ ہے ناز تو اتنا بھی رہے یاد
تمسا مجھے تو تمکو بھی مجھ سا نہ ملے گا

جوہر سا کہیں ڈھونڈ نکالو تو بتا دیں
عاشق بھی ہو۔ شاعر بھی ہو ایسا نہ ملیگا

بھولے ہیں ہمصفیر بھی مجکو کہ تا قفس
مژدہ بھی کوئی لیکے نہ آیا بہار کا

خار کی طرح ملی باغِ جہاں میں تقدیر
جس سے لپٹوں وہ چھُڑا لیتا ہے دامن اپنا

اللہ نے نکالا ضلالت سے شیخ کو
کعبہ سے عزم جانبِ کوئے بتاں کیا

جگانے صبح وہ بالیں پہ بے نقاب آیا
اُٹھو بھی صبح ہوئی سر پر آفتاب آیا

ہے بار جو شبنم کا بھی ہو پیرہن ان کا
نازک ہے چنبیلی سے بھی زیادہ بدن ان کا

ایک بوسہ لیکے عاشق شادماں ہو جائیگا
او بتِ گلفام کیا تیرا زیاں ہو جائیگا

ہر شیخ و شاب شکل کا دیوانہ ہو گیا
کعبہ تمھارے جانے سے بتخانہ ہو گیا

مجھے اِن جھوٹے وعدوں پر یقین آئیگا کب آیا
ملیگا وہ قیامت میں تو سمجھونگا کہ اب آیا

ہم آئے عشقبازی کو تم آئے دلنوازی کو
کوئی اس عالم اسباب میں کب بے سبب آیا

کیا آئے کیا چلے ہیں نظر بھر کے دیکھ لوں
ٹھیرو کہ حوصلہ دلِ بسمل میں رہ گیا

نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا
فقط ایک حرفِ نکوئی رہے گا

خیالِ زلف سے ہے دیدۂ پُرآب میں سانپ
ترے دکھانے کو یہ بند ہیں حباب میں سانپ

یہ عشقِ افعی گیسو کی دیکھئے تاثیر
کہ رات بھر نظر آتے ہیں مجکو خواب میں سانپ

ارغوانی شراب کا ہو دَور
آئی رندانِ بادہ خوار بسنت

ہوکے آیا ہے زرد پوش وہ گل
سر سے ہے پاؤں تک نثار بسنت

جوہر بچے گا کوئی نہ دنیا میں جان لو
موت از برائے عالم و عالم برائے موت

میرے مرض کا کچھ نہیں غیر از فنا علاج
دم لیکے غم یہ جائیگا ہے اِس کا کیا علاج

کثرت سے اختلاف کی سچ کس کو جانئے
مصنوعی سب ہیں قصۂ دین و کتاب شرع

سب کھینچتے ہیں نالۂ گرم اسکے واسطے
اِک شمع نے لگائی ہے یہ انجمن میں آگ

مانندِ شمع ہوگا مرا شعلہ پیرہن
مرنے پہ سوزِ دل سے لگیگی کفن میں آگ

کب کسی گلبن میں پھولے اسقدر یکبار گل
چشم گل۔ لب گل جبین گل۔ گوش گل رخسار گل

صبر آہی جائیگا اے ناصحو!
تھک کے خود ہو جائیگا ناچار دل

دیکھنے کو دو ہیں آنکھیں درحقیقت اک ہے نور
ایک ہی جلوہ ہے اُس کا کافر و دیندار میں

غضب ہے مے سے کیفیت لبِ جاں بخش جاناں میں
خضر! دوڑو بجھا لے۔ لگ گئی آگ آبحیواں میں

داد اس ظلمتکدے سے کوئی کیا پائیگا خاک
دن کو شمع جلتی ہے اندھیر ہے درگاہ میں

بعید عقل ہے احترام دیر و حرم
مکان ساختۂ خود کو کیا سلام کریں

نالوں کا میرے رنگ اُڑ آیا ہے فغاں میں
بلبل کہیں کانٹے نہ پڑیں تیری زباں میں

بھڑکی گلوں سے آتشِ دل ہجر یار میں
پھک جائے باغ آگ لگے اس بہار میں
کچھ نہیں ماتم زدوں کو لطف سامانِ بہار
گُل ہیں خنداں باغ میں شبنم ہے گریاں باغ میں
طوف در تیرا جو ہو گبر و مسلماں کو نصیب
بت پرستی چھوڑ دیں تربت پرستی چھوڑ دیں

حبذا شہر و دیار لکھنؤ
دیکھئے باغ و بہار لکھنؤ

پوچھتے ہیں مجکو یوں قاصد سے وہ
جوہر تحصیلدار لکھنؤ

جس کا عاشق ہوں سوا اسکے نہ دیکھوں غیر کو
باغ جنت میں بھی ہیں تنہا نجاؤں سیر کو
قید آب و گل سے جوہر کہدو وہ آزاد ہے
چھوڑ دو سجدہ کرنا اے خانہ پرستوں طاق کو
دیکھتا ہے صبحدم وہ مہر انور آئینہ
بن گیا ہے مطلع خورشید خاور آئینہ
گردشیں ہیں نام روزی سے زمانے کے لیئے
ہے امام سبحہ تک گردش میں دانے کے لیئے
سبحہ صد دانہ میں اعداد حق پیدا نہیں
حق کو بھولا شیخ ناحق آٹھ دانے کے لیئے
غیب سے جوہر مدد ہوتی ہے ہمت چاہیئے
مستعد رہیئے مقدر آزمانے کے لیئے
جو ہے جری بحکم خدا لازوال ہے
شہباز ہے حرام کبوتر حلال ہے
جائز ہیں از دو صوم مئے پرتگال ہے
زاہد حرام تیسرے فاقے حلال ہے
گر نہو حاصل کسی سے مدعا بے دل نہو
آدمی کو رب اعلیٰ پر توکل چاہیئے
بوئے فرحت بھی تو پہنچے روشنی سے روح کو
قبر بلبل پر چراغ روغن گل چاہیئے
وہ بادہ خوار ہوں پہنچوں گا جب لب کوثر
تو دینگے ساقیٔ کوثر بھی بھر کے جام مجھے
ہوں دونوں مست بادہ تو دونا سرور ہو
تم بھی پیو جو خاطر مہمان عزیز ہے
کہیں کیا جو فراق یار میں دم پر گزرتی ہے
ہمارا دل ہی واقف ہے جو کچھ ہم پر گزرتی ہے
الٰہی موت بہتر ہے جہاں میں نامرادی سے
مراد دل نہ حاصل ہو تو پھر کیا خاک جینا ہے
زیارت کو حسین آتے ہیں جوہر میرے مرقد پر
یہ مشہد ہے نجف ہے کربلا ہے یا مدینا ہے
دل ناشگفتہ رہ گیا کوشش ہزار کی
اس باغ میں ہوا ہی نہ آئی بہار کی

کیفیت اور ہے لب میگوں سے آب کی	ہے تیرے جھوٹے پانی میں مستی شراب کی

جوہر

جوہر۔ سید محمد جان جوہر خلف الرشید سید لال محمد صاحب خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ کے درگاہ شریف کے خدام میں شامل ہیں۔ اصلی وطن اجمیر ہے۔ حضرت اختر سہارنپوری تلمیذ مولانا ظہیر دہلوی کے خوشہ چین ہیں۔ اردو کے سوا علوم فارسی وعربی کی بھی تحصیل کی ہے ۲۷-۲۸ برس کی عمر ہے۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

عیادت کو مری تم آئے تو احسان ہی کیا ہو	مصیبت میں خبر انسان کی انسان لیتے ہیں
اللہ رے حجاب کہ کہتے ہیں وصل میں	دیکھو ذرا کہ شمع کہیں دیکھتی نہ ہو
نہ رکھیئے حشر پر جھگڑا اٹھا رکھیئے	ہمارا فیصلہ جوہر یہیں ہو
جس سے فتنے ہوں عیاں ایسی روش ہی کس کی	جس سے محشر ہو بپا ایسا چلن کس کا ہے

جوہر

جوہر۔ جناب سید محمد حسین صاحب زید پوری۔ آپ زمانۂ حال کے شعرا میں سے ہیں اور آپ کا کلام رسالۂ معیار میں شائع ہوتا ہے۔ باوجود تلاش زیادہ حالات ہمیں معلوم نہ ہو سکے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:۔

ہم بقائے ابدی اپنی فنا کو سمجھیں	ہو میسر جو غبارِ درِ جاناں ہونا
جبکہ اخفا ہے مری چشمِ تصور سے محال	پھر ہے بیکار ترا پردے میں پنہاں ہونا
ہے کئی دن سے یہی شغلِ مریضِ غم کا	آپ ہی سوچنا کچھ آپ ہی گریاں ہونا
جذبۂ عشقِ زلیخا میں جو ہوتی تاثیر	سہل تھا دامنِ یوسف کا گریباں ہونا
لے چلی بادِ صبا ساتھ مرا مشتِ غبار	کس گلستاں کی ہے قسمت میں بیاباں ہونا
لوگ حیرت میں ہیں بیجاں ہے یا بیہوش ہے	آج نالہ کش ترا کچھ اس طرح خاموش ہے
سر ہے وہ سر جس میں سودائے وفا کا ہے وجود	دل ہے وہ دل جس میں الفت کا کسی کی جوش ہے
ہو بھلا تیرا لگا دے آج منہ سے خم کا خم	تشنہ لب مدت سے اے ساقی ترا مینوش ہے
بحرِ حسنِ یار میں پیدا ہے طوفانِ شباب	اک قیامت کا تلاطم ہے غضب کا جوش ہے

ہے کچھ ایسا ہم اسیرانِ چمن کا اشتیاق	ایک مدت سے قفس کھولے ہوئے آغوش ہے
ہم سمجھتے تھے یہیں ہوئیں گے جوہر جاں نثار	کوچۂ قاتل میں اک عالم کفن بردوش ہے

جوہری - لالہ نکت لال صاحب المتخلص بہ جوہری ساکن قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ (اودھ) آپ عرصۂ دراز سے حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں نائب مددگار ہیں - مذاقِ طبیعت اچھا ہے زبان شستہ ہے - مشق بھی خاصی ہے - تلمذ کا حال معلوم نہیں کہ کس سے ہے - مگر صاحبِ دیوان ہیں - غزل کے علاوہ مصرع لگانے کا سلیقہ بھی خوب ہے - دیوانِ مطبوعہ نظر سے گزرا - اس کا انتخاب ملاحظہ ہو +

ہوش و خرد و تاب و تواں عشق سے بھاگے	ثابت قدم اس راہ میں اِک دل نظر آیا
دل میں دفتر ہیں شکایت کے بھرے	منہ مِرا آپ نہ کھلوائیے گا
رہے آباد میخانہ ہماری تو دعا یہ ہے	بسائیں دیر و کعبہ جا کے شیخ و برہمن اپنا
گلشنِ رضواں ہے ہمکو کوئے دوست	نخل طوبیٰ ہے قدِ دل جوئے دوست
سمجھتا ہے جسے اسے جوہری دوست	عدوئے جاں ہے اُس سے رل سمجھکر
کرنے لگے باتوں میں وہ اعجازِ مسیحی	لعلِ لبِ جاں بخش پہ مرجانے کے دن ہیں
بیوجہ زلزلہ نہیں اِس سطحِ خاک کو	ہے دفن مضطرب کوئی زیرِ زمیں کہیں
نہ روح کا ہے بھروسہ نہ اعتبارِ بدن	ہوا حباب میں ہے یا حباب شیشے میں
دل تو جلتا ہے مگر آہ و فغاں کچھ بھی نہیں	آگ یہ کیسی لگی ہے کہ دھواں کچھ بھی نہیں
لگا کے وار وہ حیرت میں مجکو سکتا ہے	ہیں اُنکی تیغ وہ میرے جگر کو دیکھتے ہیں
نہ آنکھیں چار کرو اک نظر اِدھر دیکھو	اِدھر نگاہ کرو ہم اُدھر کو دیکھتے ہیں
مال و زر کیا نقدِ جاں نذرِ رہِ عقبیٰ کروں	یہاں مجھے رہنا نہیں کیوں خواہشِ دنیا کروں
آپکے امروز فردا میں ہوا فردائے حشر	آج کیا میں اعتبارِ وعدۂ فردا کروں
ہیں بات بات پہ ناز اُنکے دم بدم سو سو	ہر ایک ناز میں کرتے ہیں وہ ستم نئو نئو

حالِ قیس و وامق و فرہاد پہ کیا منحصر
درد کا قصہ الم کی داستاں ہو کوئی ہو

مجھے تو صحبتِ مے سے ہے بیخودی مقصود
سرور ہو کہ نہ ہو کچھ خمار ہو کہ نہ ہو

تمہارے ہاتھوں سے برباد ہو جو خاک مری
تو اوج پر مرا مشتِ غبار ہو کہ نہ ہو

یہ دل آئینہ حالِ جہاں ہے تمکو دیتے ہیں
ہمیں اِک جام مے دو اُسکے بدلے جامِ جم لیلو

میرے سوالِ وصل کا اُلٹا جواب ہے
غصہ ہے جھڑکیاں ہیں غضب ہے عتاب ہے

پُرخوں ہے دل تو چشم پُر از آبِ ناب ہے
وہ شیشۂ شراب یہ جامِ شراب ہے

ربط ایسا ہو تو کس طرح نہ آرام سے ملے
گور کو سمجھوں میں تن گور مجھے جان سمجھے

جسم کو دل کو جگر کو نہ ہو کیوں روح عزیز
مالکِ خانہ بھی ہے سمجھو تو مہمان بھی ہے

وعدۂ یار گزر جائے گا مر جائیں گے
ملک الموت سے کہدو کہ تقاضا کیا ہے

جگر سے دل سے بدن سے تو ہو چکی رخصت
لبوں پہ جاں ہے ترا انتظار باقی ہے

ہم نہ سرکش سے جھکیں وہ نہ جھکے گر پہلے
خم ہو تیغ تو یاں جھکتا ہے کب سر پہلے

جوہری

جوہری- لالہ شیو پرشاد صاحب رئیس فرخ آباد- آپ فرخ آباد کے ایک قدیم اور نامور گھرانے کے رکن ہیں- آپکے والد لالہ مادھورام جوہر کو فنِ سخن میں خاص ملکہ حاصل تھا- منشی منیر شکوہ آبادی کے شاگرد رشید تھے- لالہ صاحب کو فنِ سخن اس طرح میراث میں مِلا ہے- کچھ کلام نظر سے گزرا اُس میں سے چند شعر درج ذیل ہیں +

ہم کہیں کے نہ رہے ہائے دل آجانے سے
تھے جو اپنے نظر آنے لگے بیگانے سے

ہوش اُنکے بھی اُڑائے ہیں پریزادوں نے
آج ناصح بھی نظر آتے ہیں دیوانے سے

واعظو! ہمسے نہ کچھ اسکی حقیقت پوچھو
آئے ہیں نورِ خدا دیکھ کے بتخانے سے

تمھیں اللہ نکالو کوئی صورت اِسکی
دلِ بیتاب سمجھتا نہیں سمجھانے سے

جویا

جویا- حسین علیخان ملیح آبادی- چکلا دار- گویا کے ہمعصر تھے صاحب دیوان اور خاصہ کہتے تھے- تین شعر آپ کے نمونتًا درج ذیل کیے جاتے ہیں +

کس طرح جا کے کوئی یار کے در پر بیٹھے / یار تو ایک طرف دیتے ہیں دربان اٹھا

صفائی قلب کی چاہے تو ہے ترکِ ہوس بہتر / ہتھیلی پر اگر ہو شمع تو ضبطِ نفس بہتر

بے گنہ سینکڑوں دل زلف نے پابند کیے / یہ تو اندھیر بہت آپ کی سرکار میں ہے

جویا۔ نواب مہدی علیخان عرف چھمن صاحب۔ رئیس لکھنؤ۔ آپ نواب بندہ علیخان زیبا مرحوم کے نامور شاگردوں میں ہیں۔ شعر گوئی کی اچھی مہارت حاصل ہے زبان۔ بندش ترکیب بیان سب اچھے ہیں۔ مضمون شگفتہ اور اسلوب بیان دل آویز ہے۔ یہ اشعار اُن کے ہیں ؏

نحیف و زار گو ہو مثلِ مجنوں نام کر جانا / رہِ الفت سے مانندِ نگہ جویا گزر جانا

حدودِ عشق تک دشوار تھی اپنی نظر جانا / پسند آتا نہ کیوں آغاز ہی میں ہمکو مر جانا

کسی کی تیغِ غم نے خوں کیا ہے جن کا مدت تک / بتا دے چارہ گر ممکن ہے اُن زخموں کا بھر جانا

ہر اک تارِ نفس سے رشتۂ الفت ہی وابستہ / دمِ آخر سرِ بالیں ذرا دم بھر ٹھہر جانا

پریشاں ہوگی کاکل غیظ آئینے پر آئے گا / دمِ زینت بری ہے میرے مرنے کی خبر جانا

سوائے کم سنی کے اور لے قاتل سبب کیا ہے / کہ خود ہی ذبح کرنا خود ہی میرے خوں سے ڈر جانا

ابھی کم سن ہو موئے زلف جس طرح ہیں رہنے دو / جوانی خود بتا دیگی انھیں آکر سنور جانا

حیا پرور ہے قاتل کیوں نہ رکھوں ہاتھ سینے پر / نہیں اچھا کسی کے دل کے زخموں پر نظر جانا

سختیاں کیا کیا اٹھائی ہیں بتوں کے عشق میں / لیکن ایسے سخت جاں ہیں ہم قضا آتی نہیں

کرینگے جبہ سائی آستانِ یار پر جا کر / ضرور اک دن مٹا دینگے لکھے کو ہم مقدر کے

ہے دمِ نزع نہ بالیں سے سرک او ظالم / اب گوارا نہیں دم بھر کی بھی فرقت تیری

زندگی میں بھلا نجات کہاں ؟ / مر کے چھوٹینگے ہجر کے غم سے

سمجھتے تھے کہ نیند آجاتی ہے ٹھنڈی ہواؤں میں / کسی کے ہجر میں دی جان آہِ سرد بھر بھر کے

لطافت سے دکھلا رہا ہے نشۂ حسنِ شباب / سرخ ہیں آنکھیں بھی اُنکی چال بھی مستانہ ہے

مے پرستی کر رہا ہوں کفر و ایماں چھوڑ کر	الفت اک ساقی سے ہے مذہب مرا رندانہ ہے

جہاندار - صاحب عالم و عالمیان میرزا جہاندار شاہ عرف میرزا جواں بخت ولی عہد حضرت شاہ عالم ثانی۔ بڑے سخی۔ خلیق۔ اور با مروت شاہزادے تھے۔ جملہ علوم و فنون کے سرپرست اور قدر دان تھے۔ دلیری اور جوانمردی کا یہ عالم تھا کہ ایک روز شکار گاہ میں ہاتھی بگڑ گیا۔ چاہا کہ سونڈ سے پکڑ کر وار کرے۔ مگر شاہزادے نے مہلت نہ دی اور ایک ہی ضرب شمشیر خار اشگاف سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ علو العزمی بھی حد سے زیادہ تھی۔ دہلی سے نکلے تو چند ہی روز میں بیس تیس ہزار آدمیوں کی جمعیت لکھنؤ پہنچتے پہنچتے فراہم کر لی۔ جن دنوں میں کہ حضرت شاہ عالم صوبۂ بہار میں تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے آپ کو دلّی میں تخت نشین کر دیا۔ آٹھ دس سال تک کاروبار سلطنت کو نہایت فراست اور دانائی سے انجام دیتے رہے۔ بعد مراجعت حضرت شاہ عالم مرہٹوں کا تسلط ہوا اور اُنکے نائب شاہ جی کے ظلموں سے تنگ آ کر یہ دہلی چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور لکھنؤ پہنچے۔ نواب آصف الدولہ نے آداب و خدمت گذاری کے تمام مراتب ادا کیے۔ خواصے میں بیٹھنا۔ گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہنا۔ اور ایک اک الائچی یا گلوری کی بخشش پر دس دس مرتبہ مجرہ گاہ سے آداب بجا لانا۔ برس روز قیام لکھنؤ کے بعد آپنے بنارس میں سکونت اختیار کی اور سرکار اودھ سے پچیس ہزار روپیہ ماہوار بطور نذرانہ مقرر ہوگئے جسکے عوض میں انجام کار صوبۂ اودھ نے علاقہ سرکار انگریزی کے تفویض کر دیا۔ چنانچہ وارن ہیسٹنگز کے انتظام کے بموجب آپ کو خزانۂ انگریزی سے برابر پنشن ملتی رہی۔

فن شعر پر طبیعت اس قدر مائل تھی کہ ہر ماہ میں دو مرتبہ اپنے دولتخانے پر بزم مشاعرہ منعقد فرماتے تھے اور شعرائے باکمال دبا وخار کو اپنے چوبدار بھیج بھیج کر مشاعرے میں بلواتے تھے۔ پھر آنے والے مہمانوں کے ساتھ نہایت لطف اور گرمجوشی سے پیش آتے تھے۔

سنہ ۱۲۰۲ھ ہجری میں آپنے انتقال فرمایا۔ انڈیا آفس لندن میں آپ کا وہ دیوان مسمّٰی بہ

"بیاضِ عنایت مرشد زادہ" جو وارن ہیسنگز کو آپ نے مرحمت فرمایا تھا موجود ہے۔ ایک تذکرہ بھی تصنیف کیا تھا۔ آپ کی اولاد کا سلسلہ بنارس میں اب تک موجود ہے۔ تین صاحبزادے۔ میرزا خرم بخت۔ میرزا شگفتہ بخت اور میرزا عالیقدر۔ آپکی یادگار رہے۔ انتخاب آپکے کلام کا یہ ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

مر کس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا / آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا
رعنائی تیری دیکھ کے لے سرو باغ حسن / جوں لالہ دل پہ کھاتے ہیں سب گلعذار داغ
آتش پہ پھیرے دل کی جہاندار جوں سپند / چاہوں جو پھیرے کر نہیں سکتا قرار داغ

رہے اک شب جو اس ماتم کدے میں / بسان شمع رو رو کر چلے ہم
اکیلے بیٹھے ہم اب اک فوج غم ہے / ترے در سے مع لشکر چلے ہم
رہے در پر بتاں کے ہم جہاندار / خدا حافظ تمھارا گھر چلے ہم

ٹھان لیتے ہیں وہ پہلے ہی سر اپنا دینا / تیرے کوچے میں جو اے شوخ قدم رکھتے ہیں
ترے عشق کے سبب سے پالے پڑے ہیں / ہمیں اپنے جینے کے لالے پڑے ہیں
آخر گل اپنی صرفِ درِ میکدہ ہوئی / پہنچے وہاں ہی خاک جہاں کا خمیر ہو
کونسی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی / پر جفا جو تری ناحق کی لڑائی نہ گئی
قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے / وضع نالے کی مرے اس سے اڑائی نہ گئی
چھوڑا ملاپ یار کا اغیار کے لیئے / ترک شمیم گل میں کیا خار کے لیئے
میرا دلِ فگار بھی کچھ گل سے کم نہیں / منظور ہو جو گوشۂ دستار کے لیئے
اس زلفِ عقدہ گیر کا اک تار اے صنم / بس ہے جہاں کے سبحہ و زنار کے لیئے
اس بت کا وصل غیروں کی قسمت میں تھا نصیب / تھا ہجر ایک آہ جہاندار کے لیئے
میں اور تری نصیحت مانوں یہ دخل کیا ہے / ناصح تو مجکو ناحق اب کیوں خفا کرے ہے
بیمارِ عشق جانبر اب تک کوئی ہوا ہے / تو اے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے

پچتائے گا تو اکدن سنتا ہے ای جہاندار	دیتا تو ہے دل اُسکو لیکن بُرا کرے ہے

جہانگیر

جہانگیر - میر جہانگیر لکھنوی - اصل وطن ان کا دہلی تھا مگر اپنی عمر کا بڑا حصہ لکھنؤ میں گزارا اسی لیئے لکھنوی کہے جاتے ہیں - مرد شجاع اور دلیر تھے - فارسی اُردو دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے تھے - آرام و آسایش سے اپنی زندگی بسر کی - آخر عمر میں وطن چلے اور مرض مالیخولیا میں مبتلا ہو گئے - ایک روز مولانا شاہ عبد العزیزؒ کے وعظ میں میر شاہ علی کو جن کا تخلص درویش تھا زخمی کرنے کے باعث قید کیئے گئے اور مجلس ہی میں انتقال کر گئے ۱۲۳۸ھ ہجری میں موجود تھے - یہ اُن کا کلام ہے -

وہ کافر مرا درد کیا جانتا ہے	جو گزرے ہے مجھپر خدا جانتا ہے
محبت جسے کہتے ہیں وہ ہے مشکل	سو وہ ایسی باتوں کو کیا جانتا ہے
غم و درد و ہجراں سے واقف نہیں کچھ	یہ ناصح فقط مغز کھا جانتا ہے
یہانتک ہوا اُس پر دل زار مفتوں	جو گالی بھی دے تو دعا جانتا ہے
ہنساتا ہے ہر اک کو وہ شوخ ظالم	جہانگیر کو ہی رُلا جانتا ہے

جہانگیر

جہانگیر - صاحب عالم و عالمیان مرزا جہانگیر شاہ پسر دوئمی اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی - انکی والدہ نواب ممتاز محل ملکۂ دوران اور بادشاہ کی چہیتی بیگم تھیں اسی لیئے اکبر شاہ انکو بہت چاہتے تھے - اِنکی ولیعہدی کے لیئے بھی بہت کوشش کی گئی مگر ناکامیاب رہے یہ مرشد زادے بہت آوارہ مزاج اور خودسر تھے جب اپنی حرکات ناشائستہ کی پاداش میں نظربند ہو کر الہ آباد بھیجے گئے تھے تو انکی والدہ نواب ممتاز محل نے یہ منت مانی تھی - کہ میرزا جہانگیر چھٹ کر آئیں گے تو خواجہ بختیار کاکی کے مزار پر پھولوں کا چھپر کھٹ اور غلاف چڑھاؤنگی - جب مرزا جہانگیر چھٹ کر آے تو انکی والدہ نے اپنی منت پوری کی بڑی دھوم سے چھپر کھٹ اور چھپر کھٹ میں پھول والوں نے اپنی ایجاد سے ایک پھول کا پنکھا بھی لٹکا دیا تھا - حضرت خواجہ صاحب کے مزار پر چڑھایا - بادشاہ کی خوشی کے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور
صدمہ یہ شاق عالمِ پیری میں ہے ضرور
مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
لیکن نہ دل سے کیجیے صبر و قرار دور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل یہ فریب یہ سازش یہ شور و شر
اسباب ظاہری ہیں نہ ان پر کرو نظر
ہونا جو ہے یہ اس کے بہانے ہیں سر بسر
کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگِ روزگار
واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکرِ کردگار
ماتم کدہ ہیں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں کہ اٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب
سوزِ دروں سے قلب جگر ہو گئے خراب
جن سے کہ بے گناہوں کی عمریں ہوئیں خراب
پیری مٹی کسی کی کسی کا مٹا شباب
کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اجڑ گئے

ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی
دامن پہ جن کے گرد بھی اڑ کر نہیں پڑی
قائم تھیں جن کے دم سے امیدیں بڑی بڑی
ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی
محروم جب وہ گل ہوئے رنگِ حیات سے
ان کو جلا کے خاک کیا اپنے ہات سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال
ہے کبریا کی شان گزرتے ہی ماہ و سال
ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
خود دل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال
ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ رہے اور کیا کیا

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہگار
کرتا ہے اس کو صبر عطا آپ کردگار
یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار
انسان اس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا پر جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام

بعدِ سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
قائم اُمید سے ہی ہے دنیا ہی جس کا نام

اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسیکو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں
لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہاں

ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انھیں گراں
وہ گل ہزار پردوں میں جلتے ہیں رائیگاں

رکھتے ہیں جو عزیز انھیں اپنی جان کیطرح
ملتے ہیں دستِ یاس وہ برگِ خزاں کیطرح

لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بیشمار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار

موقوف کچھ ریاض پہ انکی نہیں بہار
وہ ابر و برف و باد میں رہتے ہیں برقرار

ہوتا ہے اُن پہ فضل جو ربّ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر

صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بیخبر

اُس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

برسات

یاد دلواتی ہے میخوشی فضا برسات کی
بندھ گئی ہے رحمتِ حق سے ہوا برسات کی

دل بڑھا جاتی ہے آ کر گھٹا برسات کی
نام کھلنے کا نہیں لیتی گھٹا برسات کی

اُگ رہا ہے ہر طرف سبزہ در و دیوار پر
دیکھنا سوکھی ہوئی شاخوں میں بھی جان آگئی

انتہا گرمی کی ہے اور ابتدا برسات کی
حق میں پودوں کے مسیحا ہے ہوا برسات کی

ہوں شریکِ بزم مے زاہد بھی توبہ توڑ کر
اصل تو یوں ہے کسی معشوق کا جب لطف ہے

جھومتی قبلہ سے اُٹھی ہے گھٹا برسات کی
چاندنی ہو رات کو دن کو گھٹا برسات کی

وہ پپیہوں کی صدائیں اور وہ موروں کا رقص
پار اُتر جائینگے بحرِ غم سے رند بادہ نوش

وہ ہوائے سرد اور کالی گھٹا برسات کی
لے اُڑیگی کشتیٔ مے کو ہوا برسات کی

خود بخود تازہ اُمنگیں جوش پر آنے لگیں
دل کو گرمانے لگی ٹھنڈی ہوا برسات کی

وہ دُعائیں میکشوں کی اور وہ لطفِ انتظار
ہائے کن نازوں سے چلتی ہے ہوا برسات کی

میں یہ سمجھا ابر کے رنگین ٹکڑے دیکھ کر
تخت پریوں کے اُڑا لائی ہوا برسات کی

ناز ہو جسکو بہارِ مصر و شام و روم پر
سرزمینِ ہند میں دیکھے فضا برسات کی

چمن

چمن منشی رنجیت سنگھ خلف منشی سردار سنگھ قوم کے ماتھر کایستھ دلّی محلہ چیرہ خانہ کے باشندے کوئی ۳۰ یا ۳۱ سالہ نوجوان ہیں۔ مولانا راسخ دہلوی سے آپ کو تلمذ ہے اور بسلسلۂ معاش دلّی کی میونسپل کمیٹی میں جمعداری پر معمور ہیں۔ تھوڑا بہت شعر گوئی کا شوق بھی ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے ؎

حُسن پردے میں چھپے کیا کہ نکلجاتی ہے
روشنی مہر کی بادل سے برابر باہر

عاشق رخ صبیح نہ چاہِ ذقن کے ہیں
ہم تو فریفتہ ترے اِک بانکپن کے ہیں

بعدِ فنا بھی جوشِ جنوں کا اثر یہ ہے
ٹکڑے تمام اُڑے ہوئے اپنے کفن کے ہیں

تمھارا کون ہے شیدا کہ حسن والوں کا
کوئی تو چاہنے والا ضرور ہوتا ہے

بلبل کو روئے یار پہ گل کا خیال ہے
پروانے کی نگاہ میں شمع جمال ہے

عشقِ مژہ میں سانس بھی لینا محال ہے
تنکا بھی ہو ادھر سے اُدھر کیا مجال ہے

ذکرِ وصالِ غیر سے چڑتے ہو کس لیے
سچ ہو کہ جھوٹ ہو یہ ہمارا خیال ہے

حورانِ خلد کھیلینگی جنّت میں ہولیاں
تیرے شہیدِ ناز کی مٹّی گلال ہے

یہ چھیڑ ہی نئی ہے کہ سینے پہ دھر کے ہاتھ
کہتے ہیں اِس میں اَور کسی کا خیال ہے

حورانِ خلد پہ جو مٹیں کیا غرض ہمیں
دلّی میں اے چمن کیا حسینوں کا کال ہے

یہ کہکر توڑ ڈالا اُس بت خود سر نے آئینہ
ہمارے رُخ سے ملتا ہے تمھارے دل سے ملتا ہے

سمجھکر سوچکر دل کو مٹانا یا در کھیئے گا
وہ دل جو دل سے ملجائے بڑی مشکل سے ملتا ہے

آپنے ایک قطعۂ تاریخ بھی حضور قیصرۂ ہند کی وفات حسرت آیات کے متعلق کہا ہے

جو نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے ؎

قطعہ

سچ تو یوں ہے ملکۂ وکٹوریہ بھی اے چمن
غیرتِ جمشید و صدر رشکِ سکندر ہو گئی

آ گئے حور و ملک بھی مرحبا کہتے ہوئے
بھیڑ سی دروازۂ خلدِ بریں پر ہو گئی

چوم کر وکٹوریہ کے پاؤں ہاتف نے کہا
قیصرِ ہندوستاں جنت کی قیصر ہو گئی

۱۹۰۱ء

چمن - منشی شادی لال صاحب سنہ ۱۸۸۸ء میں ایک رسالہ مسمیٰ بہ گلدستۂ شعراشائع ہوتا تھا۔ اس میں انکا کلام نظر سے گزرا۔ دیگر حالات ولدیت اور وطن مالوف کا پتہ باوجود تلاش ظاہر نہیں ہوا۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے

مدت کے بعد مجھ پہ جو فضلِ خدا ہوا
پھر آشنا ہی بت نا آشنا ہوا

جو دل کہ دامِ زلفِ صنم سے رہا ہوا
شادا ہی مخلصی سے نہ وہ غمزدا ہوا

گویا لحد پہ یار یہ بعد فنا ہوا
گھبرا کے جان عشق میں دیدی تو کیا ہوا

ابھرا نہ بحرِ عشق کا ڈوبا کبھی چمن
یہ امتحاں نوشتۂ و یار ہا ہوا

چنان - شیخ مزاح الدولہ خاں صاحب لکھنوی۔ آپکے حالات باوجود کوشش کے کچھ معلوم نہیں ہوئے مگر کلام سے ظاہر ہے کہ ظرافت آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی صاحب دیوان ہیں آپکے دیوان کا انتخاب جو سنہ ۱۳۱۷ ہجری میں مطبع اعجاز محمدی لکھنؤ میں چھپا ہے ہماری نظر سے گزرا۔ اسی انتخاب سے چند شعر اخذ کر کے بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

اخر اٹھا بارِ غمِ ہجرِ یارِ پُرفن کا
مرے پلنگ کا کھٹمل تلا کئی من کا

گلے میں ڈالا ہے میرے بھی عشق کا پٹہ
کہیں سے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا

دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے
نہ کیوں گماں ہو دلِ سوختہ پہ انجن کا

وہ آج قبر کو کھدوا کے لے گیا تختے
نشاں مٹا گیا بے رحم میرے مدفن کا

ہوا لیلیٰ! یہ ناداری سے عالم تیرے عریاں کا
کہ آخر اسنے باندھا پھاڑ کر دامن بیاباں کا

ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی
کھٹمل ہوں باغِ جنت کا دھتورا باغِ رضواں کا

دیکھا پھر تو بکنے لگی دھیلے دھیلے عندلیب
اور انڈے چھوڑ نج ہیں دو روز سیلے عندلیب

پہلے تھے آپ نہایت لاغر
مجکو رکھ لیجیے دربانوں میں
دیجیے ہاتھ سے اپنے نہ شراب
خاک سنتے نہیں فریاد میری
چھیدا کیا ہے ناخن غم سے دل و جگر

اینٹو مجھ سے کہیں طیار ہیں آپ
حضرت عشق کی سرکار ہیں آپ
نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ
آجکل صورت دیوار ہیں آپ
بجتی رہی وہاں پہ ستاری تمام رات

منڈتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغ اصیل
اس سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمبل قائل
تھا زمانہ کہ کبھی تیغ بکف رہتا تھا
ہاتھ میں اینٹو لیے پھرتا ہے موسل قائل

تھک گئے ہیں بیٹھتے ہیں یارا ہم
قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا
یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے
بڑھا یہ خوف رعب جانجاں سے

کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم
کل چرا لائے تری تلوار ہم
میاں یہ اونٹ لائے تم کہاں سے
مریض عشق تک آہستہ کھاتے

اے چناں وہ ابھی سن لیں تو نکالیں آنکھیں
گر کہوں آپکے بکرے سے غزال اچھا ہے
قتل کرکے بال نوچے اُسنے یہ کہکر مرے
وہ سزائے عاشقی تھی اور یہ جرمانہ ہے
یہ قول قیس تھا گر ہوگا حسن و عشق میں جھگڑا
اُسی جانب کو میں ہونگا مری لیلی جدھر ہوگی

ح

حاتم

حاتم - شیخ ظہور الدین خلف فتح الدین ۱۱۱۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے - لفظ ظہور ہی تاریخ ولادت ہے - خاص دہلی کے رہنے والے سپاہی پیشہ آدمی تھے - نواب عمدۃ الملک امیر خان صوبۂ الہ آباد کی رفاقت میں چند سال گزارے - آخر عمر میں تعلقات ظاہری سے کنارہ کشی کر لی تھی - نہایت متین اور مہذب بزرگ اور شعرائے طبقۂ دوم میں سرآور د تھے - مرزا رفیع سودا ان کے شاگرد تھے اور ایسے شاگرد تھے جن پر اُستاد کو فخر تھا - اور اکثر اُنکے ذکر پر یہ مصرع پڑھا کرتے تھے ع رتبۂ شاگردی من نیست اُستادِ مرا سعادت یار خان رنگین - محمد امان نثار - تابان - مکند رائے فارغ بھی اِنکے شاگردوں میں تھے - شاہ صاحب کے مزاج میں ظرافت بہت تھی - قلعۂ دہلی کے نیچے شاہ تسلیم ایک آزاد منش فقیر کا تکیہ تھا - وہاں اکثر نشست رہتی تھی - شاہ حاتم اپنے آخر زمانے میں اُردو زبان کی درستی کی طرف بھی متوجہ ہوئے تھے - اور بہت سے غیر مانوس اور غیر فصیح الفاظ ترک کر دیئے تھے - مگر افسوس ہے کہ اُنکے معاصرین نے اِس طرف کافی توجہ نہیں کی ورنہ اُسی زمانے میں اُردو کی موجودہ فصاحت کی بنیاد قائم ہو جاتی - اگرچہ شاہ حاتم نے بہت سے الفاظ ترک کیئے - مگر دوسرے شعرا نے اُنکو نہ چھوڑا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شخص کا محدود مگر مفید خیال زیادہ پھیلنے نہ پایا اور دوسرے لوگوں کی بے پروائی نے پرانے اور نئے محاوروں کی تفریق نہ کی - اور الفاظ کو یہ آزادی اور وسعت دی کہ اُن کا اثر دوسری پشت تک قائم رہا - شاہ حاتم اپنے ترک کردہ الفاظ کی نسبت خود لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے "خوشہ چینِ خرمن سخنورانِ عالم - بصورت محتاج و بمعنی حاتم - کہ از سنہ ۱۱۲۹ھ تا سنہ ۱۱۶۹ھ کہ چہل سال باشد - عمر دریں فن صرف کردہ - در شعر فارسی پیرو مرزا صائب و در ریختہ ولی را استاد میداند - اول کسیکہ دریں فن دیوان ترتیب نمودہ او بود

فقیر دیوان پیش از نادرشاہی در بلاد ہند مشہور دارد۔ بعد ترتیب آن تا امروز کہ ۱۱۶۹ھ سنہ عزیز الدین عالمگیر ثانی باشد ہر رطب و یابس کہ از زبان این بے زبان بر آمدہ داخل دیوان قدیم نمودہ کلیات مرتب ساختہ۔ از ہر ردیف دو سہ غزلے و از ہر غزل دو سہ بیتے ورائے مناقب و مرثیہ۔ و چند مخمس و مثنوی از دیوان قدیم نیز داخل نمودہ بہ "دیوان زادہ" مخاطب ساختہ۔ و سرخی غزلیات بسہ قسم منقسم ساختہ۔ یکے طرحی۔ دوم فرمایشی۔ سوم جوابی۔ تا تفریق آن معلوم گردد۔ و معاصرین فقیر۔ شاہ مبارک آبرو۔ و شرف الدین مضمون۔ و میرزا جانجانان مظہر۔ و شیخ احسن اللہ احسن۔ و میرزا شاکر ناجی۔ و غلام مصطفی یکرنگ ست و لفظ در و بر و از و الفاظ و افعال دیگر کہ در دیوانِ قدیم خود تقیید دارد۔ درین ولا از دہ دوازدہ سال اکثر الفاظ را از نظر انداختہ و الفاظ عربی و فارسی کہ قریب الفہم و کثیر الاستعمال باشند و روزمرّہ دہلی کہ مرزایانِ ہند و فصیحانِ رند در محاورہ آرند منظور دارد۔ زبانِ ہندی بھاکا را موقوف کردہ محض روزمرّہ کہ عام فہم و خاص پسند باشد اختیار نمود۔ و شمّہ از ان الفاظ کہ تقیید دار دبیان می آرد چنانچہ عربی و فارسی مثلاً تسبیح را تسبی و صحیح را صحی و بیگانہ را بگانہ و دیوانہ را دوانہ و مانند آن۔ یا متحرک را ساکن و ساکن را متحرک۔ مَرَض را مَرْض۔ و نیز الفاظ ہندی مثل نین و جگ و نت وغیرہ یا اُدھر را اُودھر و کدھر را کیدھر کہ زیادتی حرف باشد۔ یا بجائے پر یہ یا یہاں را یاں و وہاں را واں کہ در مخرج تنگ بود یا قافیہ را باڑا ہندی مثل گھوڑا و بورا و دھڑ و سرو مانند آن۔ مگر ہائے ہوز را بدل کردن بالف کہ از عام تا خاص در محاورہ دارند بندہ درین امر بتابعت جمہور مجبور است۔ چنانچہ بندہ را بندا و پردہ را پردا و آنچہ ازین قبیل باشد۔ و این قاعدہ را تا کسے شرح دہد مختصر کہ لفظے غیر فصیح انشاء اللہ نخواہد بود"۔ اس عبارت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خیال ناسخ و آتش یا ذوق و مومن کے وقت میں پیدا ہوا تھا اس کی ابتدا ایک صدی پیشتر ہو چکی تھی۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ آخر خیال قائم ہونے کے بعد عام و خاص

سب میں اُسکی پابندی اور لحاظ کیا گیا - اور بے چارے شاہ حاتم کی بات اُن کے مُنہ اور زبانِ قلم سے نکل کر دیوان زادہ تک محدود رہی - بہرحال اصلاح زبان کے خیال کرنے والوں میں پہلا نمبر شاہ حاتم کا ہے - دو تین اردو کے اور ایک فارسی دیوان ان سے یادگار ہے مضمون ان کے صاف عاشقانہ عارفانہ ہیں شعر آپس کی باتیں - زبان شستہ و رفتہ - البتہ زبان کی ابتدائی حالت ہونے کے سبب زائد الفاظ مثل اب اور یہاں کے اکثر آجاتے ہیں - شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے میں اپنے شاگردوں کی فہرست لکھی ہے ۴۵ ناموں میں سب کے سرتاج مرزا رفیع السودا ہیں - ۹۶ برس دنیا کی ہوا کھا کر ماہ رمضان ۱۲۰۷ ہجری کو دہلی میں انتقال کیا اور وہیں دلّی دروازے کے باہر دفن ہوئے - مگر مصحفی کا قول ہے کہ ۸۳ برس کی عمر پاکر ۱۱۹۶ ہجری میں فوت ہوئے - بہرحال اب اُن کے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے ؎

مثالِ بحر موجیں مارتا ہے	کیا ہے جسنے اِس جگ سے کنارا
تُو نہیں تو کنجِ تنہائی میں ہے	بوریہ کا نقش ہم پہلو مرا

شورِ دریا تک ملاحت کا تری پہنچا ہے شور	سیر تک آ کے ترے لب کے نمکداں ہو گیا
فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند میں	طفلِ مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہو گیا
کعبہ و دیر میں حاتم تجھ اغیر خدا	کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا
فقیروں سے سُنا ہے ہم نے حاتم	مزا جینے کا مر جانے میں دیکھا
ہجر کی زندگی سے موت بھلی	کہ جسے سب کہیں وصال ہوا
مسافر اُٹھ تجھے چلنا ہے منزل	تجھے ہے کوچ کا ہر دم نقارا
آبِ حیات جا کے کسی نے پیا تو کیا	مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا
نے حسرتِ گلگشت نہ پرواز کی طاقت	صیدِ قفس میں ترے کیا مجھے آزاد کریگا
جسکو دیکھا سو یہاں دشمنِ جاں ہے اپنا	دل کو جانے تھے ہم اپنا سو کہاں ہے اپنا

حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے؟ قاصد کی زباں سے اسکے آگے	کون ہوئے جو نہوئے تُو مرا پیغام وسلام کچھ نہ نکلا
اُسکے قدموں سے لگی رہتی ہو دن رات حنا حاتم عجیب رسم ہے اقلیم عشق کی ہاتھ مت کھینچ جنوں تجکو مرے سر کی قسم زلف وچشم وخال وخط چاروں ہیں دشمن جان کے ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو حاتم جہاں کو جان کے فانی خدا کو چاہ کسیکو آپ سے گر آشنا کرے معشوق ہم سے ہو زر و سیم کی تدبیر سو کیا خاک اتنی بھی آسماں نے فرصت کبھی ندی ہائے	خوب دنیا میں بسر کرتی ہے اوقات حنا پاؤں کے ہاتھ لگتے گنہگار ہوگیا ایک جب تک بھی رہے تار گریبان کے بیچ حق رکھے ایمان سلامت ایسے کفرستان کے بیچ ابتلک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس تو پہلے اُسکو سبھوں سے جدا کرے معشوق دنیا میں بڑی چیز ہے اکسیر سو کیا خاک جو بیٹھ کر نکالیں دل کا غبار ہم تم
ان سیمبروں کے ساتھ سونا معلوم؟ حاتم افسوس ابدے وامروز گزشت	رباعی قسمت میں لکھی ہے خاک سونا معلوم؟ فردا کی رہی امید سونا معلوم؟
تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں تمھارے غنچۂ لب کے شوق میں گلشن کی سب کلیاں زلفوں کے بل بتانا آنکھیں چرا کے چلنا	دُور ہو پہلو سے صحبت کے مری قابل نہیں چمن میں سُن خبر آنے کی استقبال کو چلیاں کیا کج ادائیاں ہیں کیا کم نگاہیاں ہیں
تم تو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو مفلسی اور مزاج اے حاتم آتا ہے اب نشے کیطرف جی کبھو کبھو	اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو کیا قیامت کرے جو دولت ہو ساقی نگاہ مست ادھر بھی کبھو کبھو
کعبہ و دیر میں سے اے شیخ تفاوت کیا ہے حسن اور عشق ترے فیضِ قدم کے صدقے	دونوں ان گھر کا وہی ایک ہے صاحبخانہ دونوں آباد ہیں ہم گلشن و ہم ویرانہ

دو چار اب تجھسے کیونکر ہو فی ہم تنہی کو عو سے
کہتے ہیں سبھی مہرِ بتاں خوب نہیں ہے
کہ نرگس کی چمن میں دیکھا گردن ڈھلکتی ہے
سنتا ہی نہیں یہ دلِ گمراہ کسیکی

بیخود اس دور میں ہیں سب حاتم
کیوں سب سے تجھے چھپا نہ رکھوں
ان دونوں کیا شراب مستی ہے
جان ہے۔ دل ہے۔ دل کا انتر ہے

کاملوں کا یہ سخن مدت سوں مجکو یاد ہے
بے مدد زلفوں کی اُسکے حسن نے قیدی کیا
جگ موں بے محبوب جینا زندگی برباد ہے
صیدِ دل بے دام کرنا صنعتِ اُستاد ہے

ملکِ دل آباد کیوں کرتا ہے حاتم کا خراب
ہر صبح اُٹھ بتوں سے مجھے رام رام ہے
اے مری بستی خوش آتی ہے تجھے ویرانگی
زاہد تری نماز کو میرا اسلام ہے

اُس آئینہ طلعت کی اب ہم سے یہ صورت ہے
لام نستعلیق کا ہے اُس بتِ کافر کی زلف
ظاہر میں صفائی ہے باطن میں کدورت ہے
ہم تو کافر ہوں اگر تابع نہوں اسلام کے

ہیں نا تواں ہوا اسقدر کہ مدت سے
زبانِ خلق بھی حاتم عجب تماشا ہے
نہ لب سے نالہ۔ نہ سینے سے آہ نکلے ہے
جدھر وہ نکلے اُدھر واہ واہ نکلے ہے

کروں قربان جی کو اس گھڑی اُسوقت اُس پل کے
کہ جسدن۔ جس گھڑی تو آوے اور آوے میرے گھر چلکے

حاتم **حاتم**۔ نواب محمد حاتم علیخان انعام دار موضع آمیر دکن۔ فن سخن میں آپ کو مولنا نادر علی برتر سے تلمذ ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے *

بزم عدو میں مجھ سے ملاتے نہیں نظر
انجاں یوں ہیں جیسے نہ تھا آشنا کبھی
کچھ بھی علاج وحشتِ خاطر نہ ہو سکا
آئی شمیم زلف نہ بادِ صبا کبھی

حاتم سے آج ہو گئے نا آشنا تو کیا
وہ بھی تمھارے چاہنے والوں میں تھا کبھی

حاذق **حاذق**۔ استاد الخاقان مقرب السلطان عالیجناب نواب آغا مرزا بیگ خان دہلوی الملقب بہ نواب سرور جنگ سرور الملک بہادر۔ آپ کو نواب اسد اللہ خان غالب مرحوم سے قرابت قریبہ حاصل ہے۔ صغر سنی میں آپ حضرت غالب کے بھانجے ڈپٹی

مرزا عباس بیگ کے پاس لکھنؤ چلے گئے اور اُنھیں کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نواب سر سالار جنگ بہادر اول کے عہد میں دکن پہنچے اور حضور نظام حال کے اُردو اتالیق مقرر ہوئے اور اس تعلق سے آیندہ مدارج اعلیٰ اور کامیابی کی بنیا دپڑی۔ ۱۸۸۴ء میں جب بندگان عالی بااختیار ہوئے آپ کو خطاب و مناصب سے سرفراز فرمایا اور عہدۂ پیشی (سکریٹری) یعنی مقرب ذاتی اعلیحضرت پر ممتاز ہوئے۔ چنانچہ تیرہ سال کامل خلوت و جلوت میں حضرت کے ہمراز و دمساز رہے۔ ۱۸۹۷ء میں مسٹر پلاؤڈن رزیڈنٹ سے ناچاقی کے سبب مستعفی ہونا پڑا۔ کچھ دن دہلی، علیگڑھ اور شملہ میں رہے اب چند سال سے اجمیر میں بود و باش رکھتے ہیں۔ اِنکے صاحبزادے نواب ذوالقدر جنگ بیرسٹر حیدرآباد میں ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہیں۔ اس وقت آپکی عمر ۶۰ برس کے قریب ہے اُردو شعر گوئی کا بھی شوق ہے کبھی کبھی تفنناً اس طرف بھی توجہ ہو جاتی ہے۔ بایں ہمہ طبیعت میں روانی اِس بلا کی ہے کہ دقیق مضامین پر بے تکلف عبور کرتے چلے جاتے ہیں۔ بندش نشست الفاظ۔ مصرعوں کی چسپیدگی۔ ردیف کا اچھے پہلو کے ساتھ چسپاں جانا۔ یہ ساری باتیں اسکے کلام میں موجود ہیں۔ راقم تذکرہ کو آپ کی خدمت میں ۱۸۹۷ء کو بمقام شملہ نیاز حاصل ہوا تھا۔ آپکی بھتیجی راجہ صاحب نانپارہ مرحوم کی اہلیہ ہیں اور صاحبزادی نواب سربلند جنگ جج ہائیکورٹ نظام سے منسوب ہیں۔ نواب سرور جنگ کو اب بھی مع لواحقین ۳ ہزار روپیہ ماہوار کے قریب ریاست و صیغۂ صرف خاص سے ملتا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف مقامات میں بیش قیمت جائداد آپکی پیدا کردہ ہے ؞

رہا ہے رشکِ کعبہ یہ دلِ اندوہگیں برسوں
یہ اپنے نام کی تاثیر ہے نمسے شکایت کیا
لگی جب آگ سینے میں تو ہم سمجھے خطا اپنی
ہوئیں مشہور اب شہباز اور آشوب عالم ہیں

رہی ہے صورتِ زیبا کسی کی دلنشیں برسوں
چڑھی ہے جب سے غصے میں تری آستیں برسوں
کہ نکلا مہروش سمجھے تھے جسکو مہ جبیں برسوں
وہ آنکھیں جو رہیں مو سوم چشمِ سرمگیں برسوں

بہت ہے قدر دان شاہِ دکن حاذق چلو جلدی
عبث بیٹھے رہے تم گھر میں مغموم و حزیں برسوں

نہیں حیدرآباد دہلی سے کچھ کم
یہاں بھی ہیں جادو بیان کیسے کیسے

ہمیں ملا کر ہمیں لب پہ بنائینگے
غیروں سے مت ملو وہ ستمگر بنائینگے

سُرمے سے وہ بھووں کو ملاتے ہیں تو غضب
دو نیمچوں کا ایک وہ خنجر بنائینگے

وسلکے پھپھولے پھوڑینگے یوں ڈھیڈ کر آگ
تصویر ہم رقیب کی بے سر بنائینگے

چڑھ چکا ہے زاہدا یاں نشۂ جامِ الست
چھیڑ مت ظالم ہمیں مستانہ خواب آنیکو ہے

اکتسابِ بیخودی از چشمِ مستِ نازنیں
محفلِ رنداں میں ساقی بیحجاب آنیکو ہے

پھر کیا ہے میرے ساقی نے درِ میخانہ باز
لو میاں گردش میں پھر جامِ شراب آنیکو ہے

پھر سُلگ اُٹھا جگر آہوں کی پھر چھائی گھٹا
بر سرِ طوفان پھر چشمِ پُر آب آنیکو ہے

یہ ستم ہے پا گیا تیری نگاہِ شوق سے
حاذقِ ہشیار پھر اُنکو حجاب آنیکو ہے

قطعہ

مگر تو نے بھی اے بُت سامری فن
خدا کی قسم کیا ہی دھوکا دیا ہے

وہ دل جسپہ تھے مجکو سو ناز ظالم
اسے تو نے کیسا نکما کیا ہے

یہ دل ہے وہ دل لاڈلا اک جہان کا
یہ دل ناز و نعمت کا پالا ہوا ہے

یہ دل نورِ چشمِ حسینانِ عالم
یہ دل جلوہ گاہِ بتِ خود نما ہے

یہ دل کاشفِ رازِ مطلوب طالب
مرا مدّعی ہے ترا مدّعا ہے

یہ دل مایۂ فخرِ صاحبدلاں تھا
جسے تُو نے وقفِ کلیسا کیا ہے

کھلونا نہیں ہے جو کھیلو گے اس سے
مری جان یہ دل ہے جو تم نے لیا ہے

تجھے ہم تو سمجھے تھے ہشیار حاذق
ترے دل کا جانا اچنبھا ہوا ہے

حاذق

حاذق ۔ غلام حضرت خانصاحب خلف الصدق جناب غلام حسین خانصاحب از اولاد اخوند بیاض خان افغان حنفی المذہب عمر تقریبًا چالیس ۴۰ سال کی ہے۔ الموڑے کے رامزے کالج میں عربی و فارسی زبان کے پروفیسر ہیں۔ حاذق صاحب کی عمر تقریبًا ۲۵ سال کی

تھی جب آپکے والد ماجد کا انتقال ہوا۔کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا اور بار علائق بہت تھا تحصیل وتکمیل علوم وفنون ضروریہ ریاست رامپور میں اپنے والد کی حیات میں کر چکے تھے۔ چونکہ فطرۃً علم دوست واقعہ ہوئے تھے شوق برابر افزونی پر تھا۔ فکر تحصیل معاش سے جو وقت بچ رہتا تھا اُس میں ہمیشہ باکمالوں کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ سن طفلی سے موزوں طبع تھے اوائل میں مختلف اُستادوں کو اپنا کلام دکھایا۔ لیکن طبیعت کسی باکمال اُستاد کی جویا تھی۔ بالآخر عالیجناب منشی امیر اللہ صاحب تسلیم لکھنوی مدظلہ مقیم رامپور سے استفادہ سخن کرنے لگے۔ کلام نہایت پاکیزہ اور عیوب شاعری سے مبرّا ہے۔ فارسی اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ فارسی نثر میں ایک رسالہ موسوم بہ سحرِ حلال بصنعتِ غیر منقوطہ آپکی تصنیف سے شائع ہو چکا ہے۔ ایک مسدّس مسمّٰی بہ "لمعات الصواعق" مسلمانوں کے تنزل پر لکھ کر شائع کر چکے ہیں۔ کلام کا نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے

درد کرتا تھا مرے پہلو میں رہ رہ کے خلش
ہاتھ رکھنے سے کسی کے آج کچھ کم ہو گیا

خامشی اُس کلمِ سخن کی ذکرِ اعدا سے گئی
غیر کا شکوہ مجھے اکسیرِ اعظم ہو گیا

تذکرہ وصلِ عدو کا میرے آگے ہائے ہائے
اور بھی دردِ رقابت کے لیئے سم ہو گیا

تیری کیفیت ہے کیا۔ کیسا ہے دل کیا حال ہے
پوچھنا یہ اُن کا زخمِ دل کو مرہم ہو گیا

کس طرح ٹوٹیں۔ نہیں بلبل کے بس کی تیلیاں
آہنی صیّاد نے کی ہیں قفس کی تیلیاں

قیدِ ہستی میں کڑی سہتا ہوں اس اُمید پر
مرگ کھولیگی کبھی میرے قفس کی تیلیاں

اہلِ دانش جھیلتے ہیں دہر میں قیدِ شدید
آہنی ہوتی ہیں طوطی کے قفس کی تیلیاں

دیکھیے کب ہو رہا تن کے قفس سے مرغِ روح
ٹوٹیں کس دن دیکھیے تارِ نفس کی تیلیاں

نہا دھو کے بنانِ خوش ادا جب دم نکھرتے ہیں
بشر کیا حور و غلمان بانکپن پر انکے مرتے ہیں

غضب کے شوخ فقرے ہیں کہ نقشہ کھینچ دیتے ہیں
دمِ تقریر مقراضِ زباں سے گل کترتے ہیں

اُٹھا کر ہاتھ وہ میری طرف غیروں سے کہتے ہیں
خدا کی شان یہ بھی دم مری اُلفت کا بھرتے ہیں

وہ کمسن ہیں انھیں مشقِ جفا کو چاہیئے مدت	ابھی تو نام سنکر خنجر و پیکاں کا ڈرتے ہیں
کیا زندگی ہے عشق کا جب سلسلا نہو	عاشق نہ ہو کسی پہ فدا نہ ہو
دریا کی موج شرم سے کیوں آب آب ہے	ساحل پہ اس نے آبی ڈوپٹہ چنا نہو
رک رک کے دیکھتے ہیں وہ اپنا خرامِ ناز	پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہو
وہ تخلیہ ہو جسمیں نہ آئے خیالِ غیر	اِک تم ہو ایک میں ہوں کوئی دوسرا نہو
حاذق سخن کا لطف ہے پیشِ سخن شناس	اسکو سنائیں کیا جو اسے جانتا نہو
قدح لیجو کہ چشمِ دلستاں سے	پیا ہو دیکھئے محشر کہاں سے
تمھاری پیاری باتوں کا ہوں مشتاق	کہو کچھ تو لبِ معجز بیاں سے
دلِ مضطر کی بیتابی کا عالم	کہوں کس طرح میں اور کس زباں سے
خیالِ عارضِ گلرنگِ ساقی	نہیں کچھ کم شرابِ ارغواں سے
عدو کے سامنے کہتے ہیں مجھ سے	بس اب تشریف لیجاؤ یہاں سے

حاذق

حاذق - جناب منشی محمد فخر الدین برہانپوری تلمیذ حضرت بقا غازی پوری - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں اور اس طرح طبع آزمائی کرتے ہیں -

زاہد و تم کو ہے جب باغِ جناں کی خواہش	ہمکو دنیا میں بلا کوچۂ جاناں ہو کر
دیکھ پائیں جو ترے مصحفِ رخ کو کافر	سب لگیں پڑھنے ترا کلمہ مسلماں ہو کر
ابر اٹھا ہے بہار آئی ہے میخانوں میں	مئے گلرنگ بھری جاتی ہے پیمانوں میں
شیخ! تسبیح نہیں ہاتھ سے چھوٹی دم بھر	کیا خدا تیرا ہے نادان انھیں دانوں میں
اے خدا تیرا ہی جلوہ ہے بتوں سے ظاہر	تیری ہی شان نظر آتی ہے بتخانوں میں
جان دینے کے لیئے لوٹتے ہیں ایک پہ ایک	شمع وہ آگ لگا دیتی ہے پروانوں میں
شیخ و واعظ کا جدا حشر ہو اے داورِ حشر	کہیں چھپ چھپ کے نہ ملجائیں یہ میخواروں میں
پلاؤ حضرت حاذق کو لے رندو تو ہم جانیں	خدا والے ہیں میخانے سے بچ بچ کر نکلتے ہیں

حافظ

حافظ- کریم الدین صدیقی از نبیرۂ شاہ محمد اعظم قدس سرہ متوطن قصبۂ پچھراؤں۔

ہے صحبت ناقص سے زیاں اہل صفا کو	موتی کا سدا رشتے سے سوراخ جگر ہے
کیا پوچھو ہو احوال کو حافظ کے کہ یارو!	اُس کا تو کچھ احوال ہر اک لحظہ بتر ہے

حافظ

حافظ- منشی سید ممتاز علی صاحب خلفِ میر اعجاز علی ۱۲۷۶ھ سالِ پیدائش ہے ذہن رسا کی اعانت سے اپنا سلسلۂ نسب مادری و پدری حضرت آدم تک نکالا ہے۔ پچیس روپیہ مشاہرہ پر عہدۂ روبکاری نائب دوم بھوپال پر مامور ہیں۔ منشی فدا علی فارغ و گرم تخلص کے شاگرد ہیں۔ تذکرۂ آثار الشعرا و تاریخ بھوپال انکی تصنیف سے ہیں۔ اِس تذکرہ میں اپنے اشعار کا انتخاب پچپن صفحوں پر درج کیا ہے۔ طبیعت کا رنگ اِن چند شعروں سے ظاہر ہے۔

چشم سرشار میں کیا سحر بھرا ہے تیری	قطعہ	لینا اے ساقی گِرو مجھے چکر آیا
تصور اس میں رہتا ہے شب و روز		ہمارا قلب ہے مسکن کسیکا
کیوں ڈراتے ہو مجھے یارو کہ کرتی ہے ضرر		آبجواں سے سمجھتا ہوں میں ادنیٰ تر شراب
کیونکہ ہے اس کا نتیجہ رنج و فکر دائمی		اور ہے عیش و سرورِ تازہ کا جوہر شراب

اشکوں نے نکل کر کیا ابراز محبت	لڑکے تھے چھپایا نہ گیا رازِ محبت

الماس کی نہ دُر کی۔ نہ گوہر کی احتیاج	ہے خاکِ آستانۂ دلبر کی احتیاج
پہنچے ہم کوئے یار تک لیکن	کیا بتائیں کہاں کہاں ہو کر

حافظ

حافظ- حافظ خلیل الدین حسن ساکن پہلی بھیت خواہرزادہ حضرت قاضی محمد ممتاز حسن صاحب ممتاز۔ آپ کو تلمذ بھی غالباً اُنھیں سے رہا ہے۔ حال باوجود تلاش صرف اسقدر معلوم ہوا کہ ۱۸۷۲ء میں حیات تھے *

وہ بیں۔ وہ ننگے پاؤں وہ چھالے وہ بن کہاں؟	چُبھتا ہوا وہ دل میں ہر اک خار کیا ہوا!
حافظ ہے یاد کچھ تجھے روزِ الست کی	مَرد خدا وہ عہد وہ اقرار کیا ہوا؟
مے سے خالی جو کبھی سامنے ساغر آیا	دل مرا شیشۂ صہبا کی طرح بھر آیا

دفن ہونے دے نہیں میرا جنازہ واللہ ! تیرے کوچے تلک اے یار میں مرکر آیا
جان دینے میں وہ آرام سے اللہ اللہ خواب اِک بات میں مجکو تہِ خنجر آیا
پردہ پوشی کی صفت سے یار کی تلوار میں جسمِ عُریاں چھپ گیا سب زخمِ دامن دار میں
نام پر دولت کے مرتے ہیں بخیلاں جہاں شیرۂ جاں ڈالتے ہیں شربتِ دینار میں
ملتے ہی تارِ نظر کے عمر کا رشتہ کٹا سچ تو یوں ہے تیغ کا ڈورا ہے چشمِ یار میں

حافظ۔ تاجرِ نامور حافظ شیخ بخش الٰہی صاحب رئیس دہلی و تاجر کلکتہ۔ آپ شیخ احسان اللہ دہلوی تاجرِ کلکتہ و مالکِ "اخبار دار السلطنت" کے فرزند رشید ہیں۔ اپنی اولو العزمی اور تاجرانہ قابلیت کیوجہ سے اپنے ہمعصر تاجروں میں ممتاز ہیں۔ یونتو ہر قسم کی سوداگری آپکے کارخانے میں ہوتی ہے مگر سگرٹ کی فروخت کا بہت اعلیٰ پیمانہ پر انتظام ہے۔ دہلی اور کلکتہ میں آپکا بڑا رسوخ اور اچھی شہرت حاصل ہے۔ کلکتہ میں آپنے اہلِ اسلام کی رہایش کے لیئے ایک عالیشان مسافر خانہ تعمیر کیا ہے۔ اب ۵۵ برس کے قریب عمر ہے۔ کچھ کلام نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے۔

میں نمانونگا کبھی تیری نصیحت ایسی زاہدا کرتا ہے تو مجھ سے یہ تقریر عبث
دیکھ تصویر۔ مصوّر سے یہ بولا وہ شوخ نہ ملے جو مری صورت سے وہ تصویر عبث
ازرہِ فخر یہ کہتے ہیں تجارت پیشہ کیمیا بھی ہے عبث اور ہے اکسیر عبث
قتلِ عاشق کو فقط ترچھی نظر ہے کافی تیر و پیکاں ہیں عبث خنجر و شمشیر عبث

حافظ۔ حافظ عبد الصمد صاحب شاگرد خواجہ میر تقی خانصاحب بہادر بقا لکھنوی۔

خانۂ دل میں تصورِ غیر کا آنے نہ دے پاسباں کس واسطے ہے دیدۂ بیدار کا
کام کس دن آئیگی معجز نمائی بس۔ تری اے مسیحا دم ہے آنکھوں نہیں ترے بیمار کا

حافظ۔ شیخ حافظ عبد الرزاق دہلوی۔ نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب دہلوی کے شاگرد رشید ہیں۔ تاریخ گوئی میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل ہے اور اس فن سے اچھے

ماہر ہیں۔ زبان اور نشستِ الفاظ خوب ہے۔ ابتدائے مشق کا کلام نظر سے گزرا اُسکا انتخاب حاضر ہے +

ضبطِ اسرارِ نہانِ عشق اور ظرفِ بشر	بحرِ طوفان خیز اور کوزہ کے اندر رکھدیا
ہمنے کی لختِ جگر سے میہانی عشق کی	آگے حضرت کے جو تھا ہمکو میسّر رکھدیا
سجدہ گاہِ سرکشانِ دہر ہے یہ آستان	تیرے در پر آکے ہر مغرور نے سر رکھدیا
اُنکے آنے کی خبر تھی کہ اجل آ پہنچی	شوقِ نظارہ کا ارمان نکلنے نہ دیا
بخت برگشتہ گرہ ہو جائے	یاریوں بے خبر نہ ہو جائے

حافظ۔ حافظ میاں خورسند محمد خانصاحب از خوانین بھوپال۔ آپ میاں ارجمند محمد خان سلیم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اِس فن میں منشی عبدالعزیز اعجاز رقم کے شاگرد ہیں ۲۷،۲۸ برس کی عمر ہے اور یہ کلام کا رنگ ہے۔

دلا بے راہ ہم سے ہو نہ جانا	کہیں غیروں کی باتوں میں نہ آنا
نگاہِ ناز اُنکی کہہ رہی ہے	مرا خالی نہیں جاتا نشانا
گم گشتہ زخود دل ہے مرا روزِ ازل سے	اے بیخبری مجکو ہوئی ہائے خبر آج

حافظ۔ حافظ فدا احمد مجدّدی۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی۔ آپ رامپور کے رہنے والے اور موزوں طبع لوگوں میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ اُنکے اشعار ہیں +

وہ جھلک دور سے اپنی جو دکھا دیتے ہیں	ایک پُتلا مجھے حیرت کا بنا دیتے ہیں
کم نہو عشق ہمارا کبھی تیرے دل سے	کبھی دیتے ہیں تو یہ مجکو دعا دیتے ہیں
کیا اور کوئی روزِ جزا ہوگا اسکے بعد	کہتے ہو تم جو حشر میں شکوا یہاں نہیں
طوف کرتے ہیں سینکڑوں عاشق	کعبہ اُس بت کا گھر نہ ہو جائے

حافظ۔ منشی ظہور احمد نام۔ سنر اول ضلع میرٹھ کے رہنے والے ہیں اور نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے شاگرد۔ شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ چند شعر حاضر کیے جاتے ہیں +

تمھاری باتیں تو بیشک ہیں پیار کے قابل | تمھارے قول نہیں اعتبار کے قابل
بچایا کثرتِ عصیاں نے مجکو دوزخ سے | مرے گناہ نہ ٹھیرے شمار کے قابل
نہ پھول اے دلِ ناداں تو اُنکی باتوں پر | جنوں کی چاہ نہیں اعتبار کے قابل
اب جستجو ہے چرخ کو مٹ جائے نام تک | ہم مٹ گئے تو کیا ہوا جھگڑا مٹا نہیں
ہیں بیحساب جرم الٰہی تو کیا ہوا | اندازۂ کرم سے تو تیرے سوا نہیں
چاہیئے فرق نہ آجائے مسیحائی میں | آپکے سامنے دم میرا نکلجانے سے

حافظ - محمد محب اللہ معروف بہ منشی حافظ عبدالرحمن باشندۂ مرادآباد - اوائل سنِ شعور سے مزاج میں آزادی زیادہ رہی اور اکثر سیر و سیاحت کا اتفاق رہا - شدہ شدہ قصبۂ راسین متعلق ریاستِ بھوپال میں حافظ محمد اسحاق خاں فرخ آبادی ناظم ضلع مشرقی کے پاس پہنچ گئے اور کچھ یوم اُنکے پاس رہے - اور اطمینانِ خاطر بہم پہنچا کر اپنا کلام مرتب کرکے ۷ جزو میں سنہ ۱۳۱۵ھ میں شائع کردیا - اب دیوان کا لب لباب ملاحظہ ہو - کچھ قصائد بھی اپنے ممدوح کی تعریف میں لکھے ہیں - بظاہر کوئی بات قابلِ ذکر آپکے کلام میں نہیں پائی جاتی -

دلِ اہلِ دل کا کعبہ سے رتبہ میں کم نہیں | یہ خاص گھر خدا کا ہے وہ گھر خلیل کا
دنیا ہے روز رنج نئے گردشیں نئی | اے چرخ کج شعار ترا ہمنے کیا کیا
ہے جلوہ دیر و کعبہ میں اُسی محبوب کا حافظ | نزاعِ باہمی ناحق ہے یہ شیخ و برہمن میں
چرچے تمھارے حسن کے نزدیک دور ہیں | شیدا ترے جمال کے انسان و حور ہیں
نہیں خوفِ محشر کی سختی کا ہمکو | محبت کے صدمے اُٹھائے ہوئے ہیں
آمد ہے گل کی ہووینگے دیوانے پھر اسیر | حدّاد دُور دور سے بُلوائے جاتے ہیں
خونِ دل ہے شراب سینہ کباب | حضرتِ غم کی میہمانی ہے
اے جاں یہی ہے شرطِ مروّت کہ تجھپہ ہم | جانِ حزیں فدا کریں اور تو جفا کرے

حالی - اعجاز بیان سعدیِ ہندوستان - سخن سنج و سخن فہم - بےعدیل و نظیر - شمس العلماء

خواجہ الطاف حسین صاحب حالی سلمہ اللہ القدیر۔ آپکے والد خواجہ ایزد بخش پانی پت ضلع
کرنال کے باشندے تھے۔ چنانچہ وہیں ۱۸۳۷ء کے قریب آپ کی ولادت ہوئی۔ مگر نوعمری
کے زمانے سے اکثر دہلی میں رہے۔ اور عنفوانِ شباب ہی میں نواب مصطفےٰ خان شیفتہ
رئیس جہانگیر آباد کے صاحبزادوں کی تعلیم آپکے سپرد ہوئی۔ اُس زمانے میں جو کچھ کہا
اُس میں نواب صاحب مذکور الصدر سے اصلاح لی۔ اِسی تعلق سے آپ کو مفتی صدر الدین خاں
آزردہ۔ نواب ضیاء الدین خاں نیّر ورخشاں اور حضرت غالب مرحوم کی خدمت میں باریابی کے
اکثر موقعے ملتے رہے۔ آپ دہلی کے اُن معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک ہوئے
ہیں۔ جنکے دیکھنے والے بھی اب مفقود ہوئے جاتے ہیں۔ آپنے مرزا غالب کو دیوان عام
دہلی کے شاہی مشاعروں میں فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں غزل پڑھتے سُنا ہے
کچھ عرصہ حضرت شیفتہ سے اصلاح لینے کے بعد آپ حضرت غالب کے حلقۂ تلمّذ میں
داخل ہوئے۔ مہینوں نہیں بلکہ برسوں مرزائے مرحوم کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے
ہیں۔ آپکی عالی دماغی اور سخن فہمی اُس زمانے میں بھی اپنے جوہر دکھاتی تھی۔ طبیعت میں شعر
کا جیسا صحیح مذاق اب ہے اُس وقت بھی موجود تھا۔ شاہجہاں آباد میں اُس زمانے میں کیسے
کیسے جیّد عالم اور مقابل سخنور اور سخن گو موجود تھے مگر وہ سب مولانا کی قدر و منزلت کرتے تھے
آپکی عربی استعداد عالمانہ ہے۔ فارسی تو عربی کے تابع ہی ہے اُس کا تو ذکر ہی کیا۔ عربی
اور فارسی دونوں زبانوں میں آپنے فکر سخن کیا ہے۔ آپ مرزا غالب کی آخری علالت اور
وفات کے موقعے پر دہلی میں موجود بلکہ اُنکی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ اُنکی وفات پر
آپنے اور مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم۔ اور میر مہدی حسین مجروح مرحوم تینوں رشید
شاگردوں نے ایک ساتھ مرثیے لکھے ہیں اور وفات کی تاریخیں کہی ہیں۔ مگر انصاف
یہ ہے کہ جو رتبہ و مقبولیت مولانا حالی کے اِس مرثیے کو حاصل ہوئی ہے وہ کسیکو نصیب
نہیں ہوئی۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ وہ مرثیہ ہر حیثیت سے آپکے تمام کلام میں ایک

عجب امتیازی فرق رکھتا ہے۔ ہر مصرع مؤثر۔ ہر شعر پُر درد۔ ہر بند لاجواب ہے۔ اسی طرح جو مرثیہ آپنے سلطان الحکما حکیم محمود خانصاحب مرحوم کی وفات پر لکھا آپکے تمام کلام میں ایک بلند و عالی رتبہ رکھتا ہے۔ یہ مرثیہ درد۔ اثر۔ اور واقعات زندگی کے خوش اسلوب بیان اور قدیم دہلی کی طرز معاشرت کا ایک دلکش پہلو اس صفائی اور خوشنمائی سے دکھاتا ہے کہ اسکی توصیف حدِ بیان سے باہر ہے۔ مرزا غالب مرحوم علاوہ شاگردانہ خصوصیت اور عزیز رکھنے کے اِنکی سخن فہمی و سخن سنجی اور مدارج علمی کیوجہ سے کسی قدر ان کا لحاظ و ادب بھی کیا کرتے تھے۔ اور انکو بھی مرزا سے کمال عقیدت و محبت تھی۔ اور یہ دونوں باتیں مرزا اور اُنکے اُن فارسی قطعوں سے بخوبی ظاہر و ہویدا ہوتی ہیں جو ایک خاص موقعے پر مرزا کی آزردگی کی وجہ سے لکھے گئے تھے جو یادگار غالب میں چھپ گئے ہیں۔ اور اِنھیں کے بعد صفائی ہوگئی تھی۔ مرزا کے بعد مولٰنا حالی کا پھر دلّی میں جی نہ لگا۔ رہنے کو اُنکے بعد عرصہ تک رہے مگر ہمیشہ دل برداشتہ اور برخاستہ خاطر۔

عرصے کے بعد لاہور میں بسبب تعلقاتِ ملازمت آگئے اور یہاں مدت تک باحسن الوجوہ اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ عاشقانہ شعرگوئی کے ترک کرنے اور مسدّس مدّوجزر کے لکھنے کی بنیاد لاہور ہی آکر پڑی ہے۔ اِنکے آنیسے پیشتر نیچرل شاعری کی داغ بیل پنجاب کی سرزمین میں پڑ چکی تھی۔ اُس پر مولانا حالی کاربند ہوئے۔ چنانچہ اسکے بعد کا جو کلام ہے وہ نیچرل اور دوسرے رنگ میں ہے۔ گویا شعر کی دنیا ہی بدل دی گئی ہے۔ لاہور سے چل کر پھر مولانا دلّی پہنچے اور عربی اسکول میں مدّتوں مدرس علوم مشرقی رہے۔ علاوہ مسدّس اور مناجاتِ بیوہ کے اور بھی متعدد مفید نظمیں لکھی ہیں علیگڈھ کالج کے سوا آپ اور بھی اسلامی انجمنوں میں شامل ہوکر اپنے نصائح و ہدایات سے پُر کلام سے ناظرین کو محظوظ فرمایا کرتے ہیں۔ نثر میں بھی تعلیم نسواں کے متعلق آپ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مجالس النسا رکھا ہے۔ اِس میں بالکل عورتوں کی زبان

عورتوں کے محاورات برتے ہیں۔ مجالس النسا عورتوں کی ضروری تعلیم و اصلاح کے لیئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی ہے۔ اور اس کے اثر سے اکثر خاندانوں میں عورتوں کی تعلیم کا سلسلہ عموماً ہندوستان میں اور بالخصوص دلّی میں شروع ہوا۔ آپ کو مسئلہ تعلیم ذکور و اناث کی طرف ہر وقت اور ہر زمانے میں خاص توجہ رہی اور اسی کوشش میں دلچسپی کے ساتھ مصروف رہے اور ہیں۔ حیات سعدی بھی آپ کی تالیف ہے جو عرصہ ہوا چھپ چکی ہے۔ اس میں شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کی سوانح عمری اور سیر و سیاحت کے واقعات مفصّل اور مشرح طور پر درج ہیں۔ اور اُنکے اقوال کا تعلیم یافتہ جماعت پر جو اثر اُنکی زندگی اور وفات کے بعد سے آج تک ہوا اس پر بحث کی ہے۔ اور اُنکی نظم و نثر کے وہ شعر اور فقرے بھی لکھے ہیں جو اُنھوں نے عربی زبان سے ترجمہ کیئے ہیں۔ اور اُنکے شاعرانہ تبحر کی خوبی اور نظم و نثر کی خوبی کی نہایت خوش اسلوبی اور لیاقت کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کی ہے ؛

اپنے مقدمہ دیوان میں جو شعر و شاعری پر بحث لکھی ہے اور اساتذۂ عرب و یورپ کا موقع موقع سے مقابلہ حال و خیالات اور شعر کے اثر کی کیفیت لکھی ہے وہ دیکھنے سے تعلق ہے۔ کمی ہے تو صرف یہ کہ آپ نے الا سنسکرت کے مشاہیر شعرا اور اُنکے یادگار کارنامہ کا ذکر نہیں کیا جس کا غالباً یہ سبب ہے کہ حضرت کو سنسکرت کی معلومات سے استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔

آپ سنہ ۱۸۸۵ء میں سر سیّد احمد خاں۔ مولنا شبلی نعمانی وغیرہ کے ساتھ حیدرآباد دکن بغرض فراہمی چندہ علی گڑھ کالج کی طرف سے گئے تھے اس وقت وہاں کے مدارالمہام نواب سر آسمان جاہ بہادر تھے۔ وہاں آپنے کئی نظمیں پڑھیں جو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اس کے تھوڑے عرصے بعد یا اُسی زمانے میں آپ کا ماہوار وظیفہ بھی ریاست دکن سے مقرر ہو گیا۔ جسکے بعد آپ بار ملازمت سے بالکل سبکدوش اور دست کش ہو گئے ؛

سوانحعمری یادگار غالب یعنی اپنے استاد نواب اسداللہ خان غالب مرحوم کی سوانح عمری بھی آپ نے لکھی ہے جس میں اُنکی لطیفہ گوئی بذلہ سنجی اور خصلت وطرز معاشرت وغیرہ کے علاوہ اُنکی اُردو و فارسی نظم و نثر کی خوبیاں اور نازکخیالیاں علیحدہ علیحدہ دکھائی ہیں اور ساتھ ہی اِس کے اُن کے کلام کا موازنہ اُساتذۂ ایران سے کیا ہے۔ اور اُنکے حل طلب اور دقیق اشعار کے معنے اور اُسکے ساتھ اُنکی ندرت وجدت بیان کرکے اُنکی فارسی قابلیت کا وہ بلند و بالا رتبہ جو عام نگاہوں سے پوشیدہ تھا اور جسکو اُس زمانے میں اُنکے ماننے والے بھی دیکھ اور سمجھ نہ سکتے تھے نہایت واضح معقول اور دلنشیں طور پر اُس کا منظر نظروں کے سامنے پیش کرنا۔ انصاف یہ ہے کہ یہ مولانا حالی جیسے قابل اور وسیع شخص کا کام تھا اور انھیں کو مبدء فیاض سے یہ دل و دماغ عطا ہوا ہے۔

سرسید احمد خاں مرحوم کی زندگی ہی سے اُنکی سوانح عمری لکھنی شروع کردی تھی۔ جو اُنکے انتقال کے بعد بڑی ضخامت میں شائع ہوئی۔ جس کا نام "حیاتِ جاوید" ہے۔ اور جس میں سرسید کے تمام حالات مشرح و مفصل تحریر کئے ہیں ۱۹۰۴ء میں گورنمنٹ عالیہ نے مولانا کو خطاب شمس العلماء سے سرفراز کیا۔ جو انکی تعلیمی خدمات کے اعتبار سے ہر طرح زیبا اور مناسب ہے۔ مولانا حالی کچھ عرصے سے نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے کلام کا انتخاب فرما رہے ہیں جسکے شائع ہونیکا ہر ایک مشتاق سخن کو نہایت اشتیاق سے انتظار ہے۔ دلی کا نام اب آپکے اور حضرت ظہیر کے دم سے روشن ہے۔ یہی دو کامل یادگار شعرائے سلف کہلانے کے اہل ہیں۔ کئی سال سے زیادہ تر وطن میں قیام پذیر رہتے ہیں گو دہلی بھی اکثر آتے رہتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو بچپن سے آپکی خدمت سراپا برکت میں نیاز حاصل ہے از بس خلوص و نوازش کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔ اب طرز کہن و جدید کے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

رخ جہانسوز تیرا دیکھا نظارہ افروز جس چمن میں	نہ بلبل گل میں وہ اں تعلق نہ سرو قمری میں پیار دیکھا

جو لاکھ ہیں ایک پر کہیں کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا　　پلا نہ کھوج اُس کا پھر کسیکو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پُرخطر سے　　گئے وہ کود آنکھ بند کرکے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے کیسا ہے کون ہے اور تو کہاں ہے　　یہ اپنے میں اور تجھ میں ہمنے علاقہ اک اُستوار دیکھا

سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر و ترسا ہوں یا مسلماں　　نہ اُن سے کچھ تیرا بیر پایا نہ اُنسے کچھ تیرا پیار دیکھا

اے عشق تونے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا　　جس گھر سے سر اُٹھایا اُسکو بٹھا کے چھوڑا

رایوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے　　گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونوں ہیں دلگداز تیرے　　پتھر کے دل تھے جنکے اُنکو رلا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگیں رُوداد تیری دلکش　　شعر و سخن کو تونے جادو بنا کے چھوڑا

دیکھا اسے اُمید ہمسے کبھو نہ توکل رد　　تیرا ہی رہگیا ہے نے دیکھے اک سہارا

توفیق نے ہمیشہ لی تنت پر خبر یاں　　جب ناؤ ڈگمگائی پاس آگیا کنارا

افسوس! اہلِ دیں بھی مانند اہلِ دنیا　　خودکام و خودنما ہیں خودبیں ہیں اور خودآرا

اُلفت میں دمبدم کچھ لذّت ہے بڑھتی جاتی　　چھوڑے گا کھا کے شاید عاشق کو غم تمہارا

دِلّی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر　　گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت　　فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجیے گا　　یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اسکا چرچا نہ کیجیے گا

اسی میں ہے خیر حضرتِ دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہمکو　　کرے وہ یاد اسکی بھول کر بھی کبھی تمنّا نہ کیجیے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ دردِ اُلفت کی آگ زاہد　　پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترکِ دنیا نہ کیجیے گا

اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دیں کا　　گھر ہی بگاڑ ڈالا تونے بنا بنایا

چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی　　چُپکے چُپکے نفسِ خائن کا کہا کرتا رہا

نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی　　اُسکو چیلے دِل سے گھڑ گھڑ کر روا کرتا رہا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی　　مگر اب مِری جان ہونا پڑے گا

دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ
ولکو سب باتوں کی ہے ناصح خبر

پھر کیے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا؟
تجھسے سمجھائے کو اب سمجھائیں کیا؟

راحت کا جہاں میں پوچھی اک نام ہے گویا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دل میں چبھ گئی
رونا یہ ہے کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں

راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا
مانا کہ اسکے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا
طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا

کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں
بزم دشمن میں نہ جی سے اترا

ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
ہو چکا کام توانائی کا
پوچھنا کیا تری زیبائی کا

اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا
تھی ہر نظر نہ محرم دیدار ورنہ یاں
روز وداع بھی شب ہجراں سے کم نہ تھا
دُردی کشان بزم مغاں کا نہ پوچھ حال
سنگ گراں ہے راہ میں تمکین یار کا
آؤ مٹا بھی دو خلش آرزوئے قتل

رو رو کے اور ہم کو رلانا ضرور تھا
ہر خار نخل ایمن و ہر سنگ طور تھا
کچھ صبح سے ہی شام بلا کا ظہور تھا
اک ایک رند نشۂ وحدت میں چور تھا
اب دیکھنا ہے زور دل بیقرار کا
کیا اعتبار زندگی مستعار کا

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
وہ امید کیا جسکی ہو انتہا
ہوا اُٹھتے رُکتے دم آخر فنا

دلاسا تمہارا بلا ہو گیا
وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا

دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائیگا
تجھکو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط
اے دل رضائے غیر ہے شرط رضائے دوست
مے تند و ظرف حوصلۂ اہل بزم تنگ

سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائیگا
الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا
زنہار بار عشق اٹھایا نہ جائیگا
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائیگا

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
پوچھیں گے ہم سبب تو بتایا نہ جائے گا

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں۔ جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہمکو منایا نہ جائے گا

مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اسقدر
یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں کہ پایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہلِ دین کے حالی پڑیں نہ آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

کچھ اپنی حقیقت کی گر تجھکو خبر ہوتی
میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا

یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سنا قاصد
آن پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا

گر صاحبِ دل ہوتے سن کر میری بیتابی
تمکو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا

جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجھکو خبر ناصح!
کچھ ہمسے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

جو جان سے در گزرے وہ چاہے سو کر گزرے
گر آج نہ تم آتے کیا جانئے کیا ہوتا

کاش اِک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
اِک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا

چُپ چپاتے اُسے سُنے آئے دل اک بات پہ ہم
حال منہ تک نظر آتا تو چکایا جاتا

شب کو زاہد سے نہ مُٹ بھیڑ ہوئی خوب ہوا
نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا

دل نہ طاعت میں لگا۔ تب تو لگایا غمِ عشق
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا

اُسنے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
بھڑک اُٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا

عشق سُنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی
کہتے پہلے سے تو لے دیکے ہٹایا جاتا

جنکے معبود حور و غلماں ہیں
اُن کو زاہد خدا سے کیا مطلب

جس دل کو قیدِ ہستیٔ دُنیا سے ننگ تھا
وہ دل اسیرِ حلقۂ زلفِ بتاں ہے آپ

اِک جرعۂ شراب نے سب کچھ بھلا دیا
ہم ہیں اور آستانۂ پیرِ مغاں ہے آپ

یہ ہیں واعظ! سب پہ مُنہ آتے ہیں آپ
ناصحِ قوم اِسپہ کہلاتے ہیں آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے
کیوں زباں رندوں کی کھلواتے ہیں آپ

گو جوانی میں تھی کجرائی بہت
پر جوانی ہمکو یاد آئی بہت

زیر برقع تو نے کیا دکھلا دیا
جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت

جاں نثاری پر وہ بول اٹھے مری
ہیں فدائی کم تماشائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

شوق میں اسکے مزا درد میں اسکے لذت
ناصحو! اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

انکو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہمان
دیکھنا آپ کی اور آپکے گھر کی صورت

یقیں ہے کہ ہم جسکو سمجھے ہیں مرنا
یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

گر دردِ دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا
آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد

کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم
ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد

آخر کو ماننا پڑا اے نفسِ خیرہ سر
تیرا بھی حکم کم نہیں حکمِ قضا کے بعد

درگزر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے
تو بڑا اور کوئی ہوگا خدا اے زاہد

ہم دکھا دینگے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور
کچھ بہت دور نہیں روزِ جزا اے زاہد

میں تو سو بار ملوں دل ہی نہیں ملتا تجھ سے
تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد

پیاس تیری بوئے ساغر سے لذیذ
بلکہ جامِ آبِ کوثر سے لذیذ

جسکا تو قاتل ہو پھر اسکے لیے
کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ

دوست ایک عالم کے پر مطلب کے دوست
ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

گو ہو شفا سے یاس پہ جبتک ہے دم میں دم
بن آئیگی نہ درد کا درماں کیئے بغیر

گو مے ہے تند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا
اے شیخ! بن پڑیگی نہ کچھ ہاں کیئے بغیر

دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے — گو شبستاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ

تم نے حالی کھول کر ناحق زباں — کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

یاں ہو چکی جواب امیدِ جوابِ خط — واں نامہ بر نے یار بھی پایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز — دوستو! دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز

کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدر شناس — قدر یاں رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز

تذکرہ دہلیٔ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ — نہ سنا جائیگا ہمسے یہ فسانا ہرگز

ڈھونڈتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب — دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئینگی — کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

لیکے داغ آئیگا سینہ پہ بہت اے سیاح — دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہرِ غلطاں تہِ خاک — دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانا ہرگز

مٹ گئے تیرے مٹانیکے نشاں بھی اب تو — اے فلک اِس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

جسکو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں — نظر آتا نہیں اک ایسا گھرانا ہرگز

ہمکو گر تو نے رُلایا تو رُلایا اے چرخ — ہمپہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز

یاں سے رخصت ہو سویرے تو کہیں عیش و نشاط — نہیں اس دور میں اب تیرا ٹھکانا ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمھارا دلی — ہمکو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز

شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی یارو! — یاد کر کر کے اُسے جی نہ کڑھانا ہرگز

غالب و شیفتہ و نیر و آزردہ و ذوق — اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز

مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد — شعر کا نام نہ لیگا کوئی دانا ہرگز

کر دیا مر کے یگانوں نے یگانا ہمکو — ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانا ہرگز

داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں — نہ سنیگا کوئی بلبل کا ترانا ہرگز

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر — اب نہ دیکھو گے کبھی لطفِ شبانا ہرگز

بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رلانا ہرگز

درد اور درد کی ہو سب کے دوا ایک ہی شخص
یاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

جگمگاتے دیکھے ہیں جن لوگوں کے ان آنکھوں نے
آج وہ ایسا کوئی دے ہمکو دکھا ایک ہی شخص

لینے دو چین کوئی دم اسے منکر و نکیر
آئے ہیں آج چھوٹ کے قید گراں سے ہم

کہتے ہیں جسکو جنت وہ اک جھلک ہے تیری
سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں

بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
الفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

ہیں دورِ جام اول شب میں خودی سے دور
ہوتی ہے آج دیکھیے ہمکو سحر کہاں

اک عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخم جگر کہاں

یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر
تھا اسکو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں

کون و مکاں سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر
اس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں

ہم جسپہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

بس ہو چکا بیاں کسل و رنجِ راہ کا
خط کا مرے جواب ہے ای نامہ بر کہاں

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

اگر چھوڑا کمندِ جذبۂ عشق زلیخا نے
نہ رہنے دیگا حسن خود نما یوسف کو کنعاں میں

تصور نے بھلایا تیرے حسن شادی و غم کو
نہ کچھ کلفت ہے زنداں میں نہ کچھ راحت شبستاں میں

زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز
نہ پوچھو ہمسے کیا دیکھا ہے ہمنے بزم رنداں میں

مجکو تم سے ہے اعتمادِ وفا
تمکو مجھ سے پہ التفات نہیں

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ
زندگی موت ہے حیات نہیں

یونہی گزرے تو سہل ہے لیکن
فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں

قیس ہو۔ کوہکن ہو۔ یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

یاں بھی ہے کون و مکاں سے دلِ وحشی آزاد
جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں ہی نہیں

آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نبھائے
اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں

میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

کل خرابات میں اک گوشے سے آتی تھی صدا
دل میں سب کچھ ہے مگر رخصتِ گفتار نہیں

دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کونسی راہ
کعبہ و دیر سے کچھ ہمکو سروکار نہیں

کچھ پتہ منزلِ مقصود کا پایا ہم نے
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں

بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

فصلِ خزاں کمیں میں ہے صیاد گھات میں
مرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں

میرے دل میں ہو گو مجھسے نہاں ہو
مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو

تقاضائے محبت ہے وگرنہ
مجھے اور جھوٹ کا تیرے گماں ہو!

مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں
بہت کیوں آج مجھپر مہرباں ہو

دل کو کس طرح سمجھئے کہ وہی ہے یہ دل
وہ امیدیں ہیں نہ ارماں۔ وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ

یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر
تو تو اچھا ہے مگر تیرے برے ہیں برتاؤ

دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسیکا نہیں دوست
سچ بتا تجھکو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ

اے شرافت تجھے بکنا ہو اگر مفت تو بک
آجکل کیجئے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ

ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چھڑواتے ہو
ناصحو! اسپہ تمہیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ

اُسکے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ
فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ

یہ طبلِ تہی ہیں جو بنکارتے ہیں
جنہیں کچھ خبر ہو وہ کہتے ہیں کب کچھ

یہ ہے میر مجلس کہ چینی کی مورت؟ ٹٹولو تو ہیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

حقیقت محرمِ اسرار سے پوچھ مزا انگور کا میخوار سے پوچھ

وفا اغیار کی - اغیار سے سن مری الفت در و دیوار سے پوچھ

دلوں میں ڈالنا ذوقِ اسیری کمندِ گیسوئے خمدار سے پوچھ

ہے اُنکی دوستی پر ہمکو تو بدگمانی وہ ہمکو دوست سمجھیں یہ اُنکی مہربانی

عاشق کے دلکو ٹھنڈک جو تیری آگ سے ہے دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی

اُمیدِ وصل سے ہے کچھ جی چھڑائے دیتا جو کچھ سُنا ہے ہمنے مشاطہ کی زبانی

ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں ہیں خوش کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی

صبر و سکوں سے ہمکو یہ بھی نبیڑنے دے تھوڑی سی رہگئی ہے اے کاہشِ نہانی

پھر یہ بناے ہستی ہے، تیرے بعد ویراں ہی تو بھی اب غنیمت ای ضعفِ ناتوانی

دیکھا جمالِ جاناں آنکھوں نے اور دل نے کیا جانے کس ادا سے کی اُسنے بدگمانی

اِک نکتہ کے بیاں سے سر بر نہو نگے حالی چلتا نہیں کسیکا یاں لافِ نکتہ دانی

کہہ دو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے گر مے نہیں دے زہر ہی کا جام بلا سے

درگزرے دوا سے تو بھروسے پہ دُعا کے درگزریں دُعا سے بھی دُعا ہے یہ خُدا سے

گلبانگ و قُمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے کل بتادیگی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

وصل کا اُسکے دلِ زار تمنائی ہے نہ مُلاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے

قطع اُمید نے دل کر دیا یکسو صد شُکر شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھلائی ہے

قوتِ دستِ خدائی ہے شکیبائی میں وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے

بات سچی کہی اور اُنگلیاں اُٹھیں سب کی بیچ میں حالی کوئی رسوائی سے رسوائی ہے

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تُف کیجیے نفس کہتا ہے ابھی چندے توقُف کیجیے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہمکو وہ صرفِ تمنا ہوا چاہتا ہے

وفا شرطِ اُلفت ہے لیکن کہاں تک
دل اپنا بھی تجھسا ہوا چاہتا ہے

جسکو غصّے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے
آج دل لے گا اگر کل نہ لیا یاد رہے

یاد آؤ گے بہت لُطف سمجھ کر کیجے
اس بھلائی کا ہے انجام بُرا یاد رہے

شیخ ایاں شرم گُنہ شوق بھلا دیتا ہے
توبہ اُنکی ہے جنھیں اپنی خطا یاد رہے

چارہ گر کار با اندازۂ تدبیر نہیں
کیجیو ہمّت اگر وقتِ دُعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اِس لُطف کا پائینگے مزا یاد رہے

کر دیا خوگرِ جفا تُو نے
خُوب ڈالی تھی ابتدا تُو نے

کرکے بیمار دی دوا تُو نے
جان سے پہلے دل لیا تُو نے

ابتدائے وفا ہے شرح بیتا
میری دیکھی نہ انتہا تُو نے

دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل
اور کھویا رہا سہا تُو نے

دُور ہو اے دلِ مآل اندیش
کھو دیا عُمر کا مزا تُو نے

ایک بیگانہ وار کرکے نگاہ
کیا کیا چشم آشنا تُو نے

دل وہیں کھو کے آئے تھے سو دیر
یاں بھی سب کچھ دیا خدا تُو نے

وصلِ جاناں محال ٹھیرایا
قتلِ عاشق روا کیا تُو نے

تھا نہ جُز غم بساطِ عاشق میں
غم کو راحت فزا کیا تُو نے

خُوش ہے اُمّیدِ خلد پر حالی
کوئی پُوچھے کہ کیا کیا تُو نے

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع ناداں
قیدِ ہستی میں میر یہاں فراغت کیسی

حقِ وفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مُسکرانے لگے

حشر تک یاں دلِ شکیبا چاہیئے
کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیئے

ہے تجلّی بھی نقابِ روئے یار
اُسکو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیئے

وہاں پُرسش نہ یاں تابِ سخن ہے
محبّت ہے کہ دل میں موجزن ہے

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی
وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

وُہ دھوم تھی اپنی پارسائی کی
کی بھی اور کس سے آشنائی کی

جمنہ کہانتک چھپاؤ گے ہم سے
تم کو عادت ہے خودنمائی کی

لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں
صُلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی

ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن
ہم سے باتیں کرو صفائی کی

نہ ملا کوئی غارتِ ایمان
رہ گئی شرم پارسائی کی

بختِ ہمداستانیٔ شیدا
تُو نے آخر کو نارسائی کی

صحبتِ گاہ گاہیٔ رشکی
تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی

موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے
ساعت آپہنچی اُس جدائی کی

جدید

نہ عیشِ کیخسروی رہیگا نہ صولتِ بہمنی رہیگی
رہیگی اے منعمو تو باقی دیئے کی کچھ روشنی رہیگی

رہیگی کس طرح راہِ ایمن کہ رہنما بن گئے ہیں رہزن
خدا نگہباں ہے قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہیگی

قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو مقبولِ عام ہونا
جو ڈول ڈالوگے حسنِ ظن کا تو تم سے یاں بدظنی رہیگی

بگاڑ مذہب نے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تا حشر مٹنے والے
یہ جنگ وہ ہے جو صلح میں بھی یونہی ٹھنی کی ٹھنی رہیگی

صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اُتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
اندھیرا چھا جائیگا جہاں میں اگر یہی روشنی رہیگی

جو چھوٹے سے میراث کچھ نہ حالی تو اس سے دل تنگ ہوں نہ وارث
رہینگے ہر حال میں غنی وہ جو نیت اُنکی غنی رہیگی

ایضاً

نفس کی فرماں روائی ہو چکی
خود پسندی خودنمائی ہو چکی

قطرہ آب دریا میں جا ملنے کو ہے
تیری میعاد اے جدائی ہو چکی

جلتے ہیں جبریل کے شہپر جہاں
بے پروں کی واں رسائی ہو چکی

دیکھنا ہے تجکو اب اے جذبِ عشق
عقل کی زور آزمائی ہو چکی

دیر میں بھی لیجیے قسمت آزما
مسجدوں میں جبہہ سائی ہو چکی

خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو
باپ دادا کی بڑائی ہو چکی

ق

ہے ضرورت زاہد اب تشہیر کی — شہرتِ زہد و ریائی ہو چکی
ہے چڑھائی علم کی مذہب پہ اب — شرک و بدعت کی چڑھائی ہو چکی
فلسفے سے اُسکی اب مُٹھ بھیڑ ہے — سفسطے سے ہاتھا پائی ہو چکی
رہگئی ہے مذہب و ملت کی جنگ — ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی
ہو نہ مذہب کی صفائی جب تلک — اہلِ مذہب کی صفائی ہو چکی
اب نہیں سُننے کا اے حالی دماغ — بس بہت ہذیاں سرائی ہو چکی

ایضاً — رباعیات

مستیٔ جہل میں غفلت کا نشا اَور سہی — شب تاریک میں گھنگھور گھٹا اَور سہی
دوستو! روگ بظاہر نہیں جانے والا — ہو چکیں ختم دوائیں تو دُعا اَور سہی
گر گنہ عفو کی اُمید پہ کرنا ہے خطا — ہیں جہاں لاکھ گنہ ایک خطا اَور سہی
شہ کو ہے خوفِ عدو خوفِ اجل خوفِ زوال — کہدو اے بے خبر اک خوفِ خدا اَور سہی
بے وفا کونسی خوبی ہے نہیں جو تجھ میں — وصف اتنے ہیں جہاں ایک وفا اَور سہی
ترک دُنیا کے علائق تو کیئے سب زاہد — گر مناسب ہو تو اک ترکِ ریا اَور سہی
مدرسے میں نہ ملا کچھ تو نہ توڑ آس اَدل — اِک درِ دولتِ ساقی پہ صدا اور سہی

غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہتے ہو کہ جیتے جی بھلے کہلاؤ — اپنوں کو سلوکِ نیک سے پرچاؤ
پر مدِ نظر ہو گر حیاتِ ابدی — بیگانوں کو آشنا بناؤ ! جاؤ!!

دامِ محبت

ہے جنکو کہ صیدِ دلِ انساں کا خیال — لازم ہے کہ پھیلائیں محبت کا جال
اُستاد کو یاد ہو اگر حُب کا عمل — تعطیل میں بھی نہ چھوڑیں مکتبِ اطفال

شکوک بقدر ترقی علم بڑھتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جبقدر علمِ بشر — کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گھر

ہوتی جاتی ہے دھندلی اتنی فضا
جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

زندہ اور مردہ قوموں میں فرق

اقوام میں زندگی کی ہے روح جہاں
چونک اٹھتے ہیں اک ہاں پہ ہاں پیر و جواں
کرتی نہیں وہی مردہ قومیں وہ کام
جو کام اک کارٹون کرتا ہے وہاں

غیروں کا سہارا تکنا

اترو دریا سے اپنے بل تیر کے پار
کبتک تیرو گے ہوکے تو نبوں پہ سوار
تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو ساماں
غیروں کا سہارا تکنے والو ہشیار!!

دولت مفید بھی ہے اور مضر بھی

دولت خرمن بھی برقِ خرمن بھی ہے
یہ تیر کی بھال بھی ہے جوشن بھی ہے
تھوڑا سا ہے اس میں شر تو ہی خیر بہت
گر سانپ ہے یہ تو سانپ کا من بھی ہے

قلتِ احتیاج

دولت کی ہوس۔اصل گدائی ہے یہ
سامان کی حرص بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے تو بادشاہی ہے یہ
اور کچھ نہیں حاجت تو خدائی ہے یہ

احسان بے منت

احسان کے ہے گر صلہ کی خواہش تمکو
تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احسان نہ کرو
کرتے ہو جو احسان تو کر دو اسے عام
اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

حامد

حامد۔مرزا آغا جان نام۔لکھنو کے رہنے والے اور صبا لکھنوی کے شاگرد تھے سنہ ۱۲۶۶ ہجری کے گلدستۂ شعرا میں انکی غزل چھپی تھی۔اسی سے یہ انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

لوٹے مزے وصال کے ہر دم تمام شب
سونے دیا نہ سوئے ذرا ہم تمام شب
فرقت میں کیا کہوں جو گذرتی ہے صبح تک
رہتا ہے دل کا اور ہی عالم تمام شب
بستر پہ منہ لپیٹ کے پڑتے ہیں ہجر میں
مردے کی طرح رہتے ہیں بیدم تمام شب

رہتا ہے کیا تصور مژگاں سحر تلک / سُولی پہ دل کو دیکھتے ہیں ہم تمام شب
مصروفِ سیرِ ماہ رکھا اُس نگار کو / دیکھا کیا ہیں حُسن کا عالم تمام شب
حامد کسی طرح نہیں آتا ہے دل کو چین / رہتی ہے اُنکی یاد وجہ ہر دم تمام شب

حامد - شیخ حامد حسن خانصاحب حامد کمبوہ بریلوی شاگرد حضرت ہوش ۱۸۷۰ء میں جو بریلی میں مشاعرے ہوا کرتے تھے اُن میں شریک تھے - زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا چند غزلیں ہاتھ آئیں اُنکا انتخاب پیش کش ہے -

ثابت ہے جذبِ دل سے کہ وہ یار آئیگا / کام آئیگا اگر تو دلِ زار آئے گا
بُلبُل کی قید کا اُسے اُس دم کھُلے کا حال / صیاد جب بلا میں گرفتار آئے گا
مرے چھکے نہ چھوٹیں ریچ میں گوٹیں بھلا کیونکر / وہ جائے غیر کے گھر سیکھنے جب کھیل چوسر کا
مُردے ہوجاتے ہیں زندہ سُنکے اے عیسیٰ نفس / نام کیا قُم ہے تری پازیب کی جھنکار کا
پار جو ہوتا ہے رہتا ہے وہ زندہ حشر تک / واہ کیا ہے گھاٹ اے قاتل تری تلوار کا
مرحبا دستِ جنوں اچھی دکھائیں تیزیاں / تار تک باقی نہ چھوڑا دامنِ کہسار کا
کس کماں ابرو نے مارا تیر بتلاؤ مجھے / زخمِ تن ہر دم جو دم بھرتا رہا سُوفار کا
فصلِ گل میں بھی یہ صیادوں کے بلبل پہ ہیں ظلم / جب رہا کرتے ہیں وہ کاٹ کے پر کرتے ہیں
لطف حاصل تب ہمیں اے قاتلِ بے پیر ہو / تیغ تو تو نے ہو سینہ میں ترازو تیر ہو
وقت لکھنے کے اگر اُس مصحفِ رُخ کی ہو یاد / پھر تو جو نامہ لکھوں قرآن کی تفسیر ہو
ہوا ہوں حسرتِ دیدار میں عجب کیا ہے / جو بعدِ مرگ بھی وا چشمِ انتظار رہے
جو اشک و آہ نے امداد کی تو چل نکلے / ہمیشہ نالے مرے ریل پر سوار رہے
پنجۂ مرگ میں صیاد نے پھنسکر یہ کہا / ہائے تائب نہ ہوا کیوں میں جفا سے پہلے

کسی طرح مٹتی نہیں دل سے یہ / محبت بھی داغِ جگر ہو گئی
عبادت کی اے شیخ یا پی شراب / یہ عُمرِ دو روزہ بسر ہو گئی

دہن سانپ کا موتیوں سے بھرا	پسینے ہیں کاکُل جو تر ہو گئی

حامدؔ۔ مولوی حامد علیخان حامد خلف حافظ غلام علیخاں باشندۂ شاہ آباد ضلع ہردوئی زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا کلام مُلاحظہ ہو ✦

ہنگام فزع بھی میری وحشت کا زور ہے	بڑھتے ہیں ہاتھ دامن جلّاد کے لیئے
وہ صبر دوست ہُوں کہ اسیری میں بھی کبھی	کی بد دُعا زباں سے نہ صیّاد کے لیئے
آزاد ہے دل وسوسۂ ہردو جہاں سے	ہے ہمکو تعلق نہ مکیں سے نہ مکاں سے
کہتے ہیں مجھے اہلِ جہاں آپ کا عاشق	اَے مشفقِ من آپ بھی کچھ کہیئے زباں سے
اِس میکدۂ دہر میں بیہوش ہُوں ایسا	معلوم نہیں کون ہوں آیا ہوں کہاں سے

حامدؔ۔ نوّاب حامد حسین خاں بہادُر رئیس لکھنؤ۔ آپ نوّاب امین الدولہ مغفور وزیر حضرت امجد علیشاہ کے پوتے اور نواب اشرف الدولہ احمد حسن خاں کے فرزند رشید تھے۔ بعد غدر کے سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی پاکر سب ججی کے عہدے پر مُمتاز ہوئے۔ دس گیارہ برس ہوئے انتقال فرمایا۔ ازل سے موزوں طبع لائے تھے۔ اور فنِ شعر میں تدبیر الدولہ منشی اسیر سے تلمذ تھا۔ معانی آفریں طبیعت پائی تھی۔ زبان۔ بندش۔ اور ترکیب سب وصف اِنکے کلام میں موجود ہیں۔ نتائج افکار سے چند شعر حاضر کیے جاتے ہیں ✦

چلّا رہی ہے رُوح یہ لیلیٰ کی نجد میں	یارب یہیں تو تھا مرا مجنوں کہاں گیا
چمن کو چھوڑ کے مقتل میں آرہے بلبل	جو دیکھ لے مرے گُلہائے زخمِ تن کی بہار
سلام آج سے بس ہمارا ہی صاحب	تمھارا اگر رنگِ محفل یہی ہے
وہ حسرت دلمیں پنہاں تھی جو جیتے جی نہیں نکلی	جو نکلی بھی تو مر مر کے بوقت واپسیں نکلی
چمک میں چاند سے وہ چند قاتل کی جبیں نکلی	ضیائے رُوئے انور غیرتِ ماہِ مبیں نکلی
کہیں ہم جستجو کرتے پھرے اور یہ کہیں نکلی	جو تھی آسایشِ دُنیا وہ سب زیرِ زمیں نکلی

یہ کسنے پاؤں رکھا ہو کہ چشمِ اہلِ عالم میں
بلندی میں فلک سے بھی کہیں بڑھکر زمیں نکلی

اسے کہتے ہیں دلجوئی لگا کر تیغ وہ بولے
ابھی نکلی تمنا تیرے دل کی یا نہیں نکلی

فشارِ قبر نے جب ہڈیاں پیسیں ہوا ثابت
فلک کی چکیوں سے بھی کہیں بڑھکر زمیں نکلی

نہ لائی سوزشِ فرقت کی جب دم تاب سینے میں
جلا کر دل جگر کو منہ سے آہِ آتشیں نکلی

سوالِ وصل میں کس دن بر آیا مدعا دل کا
عوض ہاں کے تمہارے منہ سے جب نکلی نہیں نکلی

حامد

حامد منشی حامد حسین قادری نام۔ حامد تخلص۔ والد کا نام مولوی احمد حسن صاحب وطن قصبۂ بچھراؤں ضلع مرادآباد۔ منشی امتیاز احمد خانصاحب راز رامپوری سے تلمذ ہے۔ اُن کے والد عدالتہائے ریاستِ رامپور میں وکیل ہیں۔ عرصۂ دراز سے یہیں قیام ہے۔ کلام میں مزا اور طرزِ ادائے مضمون میں اچھا سلیقہ ہے مذاقِ شعر شستہ اور زبان صاف ہے۔ آپکے کلام کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

ہوتی رہتی ہے خلش درد کی اکثر دل میں
رہ گیا ہو نہ کہیں ٹوٹ کے نشتر دل میں

جو مزا تیری جفا میں ہے کسی شے میں نہیں
گھر بنا لیتے ہیں یہ خنجر و نشتر دل میں

میرا ذمہ جو اُسے کچھ بھی خبر ہو اسکی
آپ آئیں تو سہی غیر سے چھپکر دل میں

کبھی ہنستا ہوں تیری دُھن میں کبھی روتا ہوں
یاس رہتی ہے تمنا کے برابر دل میں

یہ بڑا حسن ہے تصویر میں اسکی حامد
گھر بنا لیتی ہے آنکھوں سے اُتر کر دل میں

نکالا آج اسے تو کل اُسے شانِ تلون نے
بدلتے رہتے ہیں ہر روز نقشے اُنکی محفل کے

بہت بیزار ہوں جینے سے تو ہی مہربانی کر
کہ اُٹھ سکتے نہیں اے موت مجھ سے ناز قاتل کے

الٰہی کیا کروں راہِ محبت کس طرح طے ہو
کھڑے ہو جاتے ہیں آگے پہاڑ آ آ کے مشکل کے

ترے تیروں نے اے ناوک فگن کیا اُنکو چھیڑا ہی
یہ آخر پھوٹ کر رونے لگے کیوں آبلے دل کے

کہیں تو بھی نہ تڑپے او تماشا دیکھنے والے
ارے ظالم نہ کھا چرکے نگاہِ یاسِ بسمل کے

نہ برما اُسکو تیروں سے ستمگر میں نہ کہتا تھا۔
کہ ساتھ اشکوں کے اب آنے لگے ٹکڑے تیر و دل کے

تمھاری تیغ کا احساں نہ کیونکر میرے سر پر ہو
کہ حسرت قتل کی اُسنے نکالی ہے گلے مل کے

وہ تیری تیغ ہے آئیگا جس سے چین حامد کو
وہ تیر اتیر ہی نکلینگے جس سے حوصلے دل کے

مقدر کے بل سب نکل جائیں گے
وہ بدلے تو ہم بھی بدل جائیں گے

شب وصل ہوگی تو اے آسمان
یہ انداز تیرے بدل جائیں گے

یہی سوزِ غم ہے تو عاشق کہاں
غریب اک نہ اک روز جل جائیں گے

لحد سے اُٹھکے ظالم دیکھ لُوں مَیں تیری صورت بھی
جو آیا ہی تو کر دے چال سے برپا قیامت بھی

ترا غصہ بھی مجکو یاد ہے تیری عنایت بھی
مری آنکھوں میں پھرتی ہی یہ صورت بھی وہ صورت بھی

جب آئے ہجر کے دن گھر مرے تو ساتھ ہی اُنکے
چلی آئی سمٹ کر ساری دُنیا کی مصیبت بھی

اُٹھا ہی درد اُنکا جب کبھی نشتر لگانے کو
تو دل میں پھانس بنکر چُبھ گئی ہی اُنکی حسرت بھی

اب اُنسے سامنا ہوتا ہے تو مُنہ پھیر لیتے ہیں
کہاں کی رسم اُلفت چھوڑ دی صاحب سلامت بھی

تمھاری یاد جب چرکے لگاتی ہی مرے دلمیں
کھٹک کرتا ہے پیدا کس مزہ کی خارِ حسرت بھی

جناب شیخ کیا کچھ آڑ میں تقوے کی کرتے ہیں
کوئی کیا اُنکو جانے ایک ہی حضرت ہیں حضرت بھی

پشیمانی ذریعہ ہو گئی بخشش کا اے واعظ
بہے جب اشک تو بہنے لگا دریائے رحمت بھی

تری محشر خرامی نے لگائیں ٹھوکریں کیا کیا
بڑے مشکل سے سنبھلے آج فتنے بھی قیامت بھی

کہا قاصد سے کہنا عمر بھر یونہی بسر ہوگی"
کہاں کا خط۔ ہمارا پڑھ چکے وہ خطِ قسمت بھی

یہ کون آتا ہی؟ وہ آتے ہیں شاید سیرِ گلشن کو
خبر کے ساتھ ساتھ اُڑنے لگی پھولوں کی رنگت بھی

بسر ہوتی ہے اپنی زندگی کس لطف سے حامد
خدا رکھے مزے کی چیز ہے دردِ محبت بھی

نہ مانونگا تمھاری یاد ہی تڑپا گئی ہوگی
اِسی نے آکے چٹکی لی کلیجے میں یہی ہوگی

چلا یہ کون میرے پاس سے راہِ محبت میں
یہ کسنے ساتھ چھوڑا! بیمروت زندگی ہوگی؟

پھرا کرتا ہے یہ کیوں بتکدے کے گرد راتوں کو
کہیں زاہد نے جھلکی دخت رز کی دیکھ لی ہوگی

بتوں کو چھوڑ حامد نور ایماں دل میں پیدا کر
یہی وہ چیز ہے مرقد میں جس سے روشنی ہوگی

حامد

حامدؔ۔ محمد حامد علیخانصاحب نقلنویس عدالت سب ججی سلطانپور اودھ چند شعر درج ذیل ہیں

خود اپنے ظلم پہ ظالم تو منفعل ہوگا !	جو دیکھنے مرا حالِ خراب آئے گا
اثر کیا جو مرے جذبۂ محبت نے	اُسے جفاؤں سے خود اجتناب آئیگا
یہ دَور پھر بھی غنیمت ہے گو ہے پُرآشوب	اب آگے اور بھی اِس سے خراب آئیگا

حامد

حامد - مشفقی و محبّی مسٹر حامد علیخاں صاحب بیرسٹرایٹ لا خلف حکیم امجد علیخاں صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر - آپ کے بزرگ عہد سلطنتِ مغلیہ میں اعزاز و احترام کے ساتھ مناصب جلیلہ پر معزز و ممتاز رہے ہیں - آپکا خاندان عرصۂ دراز سے قصبۂ امروہہ میں سکونت پذیر ہے اور اِس خاندان میں طبابت کا سلسلہ کئی پشت سے نہایت نیکنامی اور شہرت کے ساتھ جاری ہے - آپکے مورثِ اعلیٰ مولٰنا شیخ سمار الدین سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں دہلی میں رونق افروز تھے - سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی کے عہد میں آپکے مورث نصیر الدین شیخ الاسلام کے جلیل القدر عہدے پر ممتاز تھے - اِسی طرح مفتی جمال خاں - مفتیٔ دولت اُستاد خواجہ میر درد مرحوم - نواب اعظم الدین خان - حکیم فیروز علیخاں منصبدار پانصدی آپکے اَجداد میں نامور ہوئے - حکیم قوام الدین خاں حکیم علویخاں کے شاگرد اور اُنکے بیٹے حکیم امام الدین خان عالمگیر ثانی کے عہد میں شاہی طبیب تھے اور حکیم الملک کے خطاب سے مُتفخر تھے - آپکے پردادا حکیم غلام علیخاں صاحب دلّی چھوڑ کر امروہے جا بسے اور معالجات کی بدولت اچھّی شہرت حاصل کی - اسیطرح آپکے دادا حکیم ابو علیخاں صاحب نے بھی خاندانی اعزاز کو قائم و برقرار رکھّا - آپکے والد ماجد حکیم امجد علیخاں صاحب جو ایام غدر میں شاہجہاں پور میں تحصیلدار تھے اور بعدہٗ ڈپٹی کلکٹر بھی رہے صاحب اخلاق حسنہ تھے - جون ۱۹۰۹ء میں رہگرائے عالم باقی ہوئے - آپ ۱۶ دسمبر ۱۸۶۱ء میں بمقام بریلی درو ہیلکھنڈ پیدا ہوئے - فارسی عربی اور انگریزی تحصیل کی - اپریل ۱۸۸۰ء میں لندن جاکر سند بیرسٹری حاصل کی - انگریزی زبان میں کمال لیاقت رکھتے ہیں - اور اُس زبان میں بھی صاحب تصانیف نظم و نثر ہیں - ۲ نومبر ۱۸۸۵ء میں ہندوستان واپس آئے اور بیرسٹری شروع کی - آپکے مفصل حالات مختلف انگریزی

اور اُردو رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ لکھنؤ میں میر نفیس۔ جیسے صاحب کمال سے آپکے مراسم تھے اور میر صاحب موصوف آپکے معترف رہتے تھے۔ شعر و سخن سے اُنکو ایسی وابستگی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ حامد علیخاں صاحب کو فنِ شعر میں شیخ علی حزیں صاحب لکھنوی شاگرد مظفر علیخاں صاحب اسیر سے تلمذ ہے۔ راقم تذکرہ کے مخلص بے ریا ہیں۔ ہمیشہ عنایت نامجات سے جنھیں خلوص و شرافت۔ مہر و محبت کے دفتر کہنا زیبا ہے۔ عزت افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ آپ لکھنؤ کی علمی جماعت کے سر برآوردہ ممبر ہیں۔ اور اپنی ہر دلعزیزی۔ خوش اخلاقی۔ زندہ دلی کی وجہ سے تعلیم یافتہ سوسائٹی کی رُوح رواں ہیں۔ شیعہ جماعت کے بارسوخ اور باوقار رکن سمجھے جاتے ہیں۔ کلام ہدیہ اصحاب ذوی الاحترام ہے ؁

پیری میں کُوچ حُسن جوانی کا کر گیا	آئی خزاں بہار کا موسم گزر گیا
اشکوں کے ساتھ بہنے لگا آرزو کا خوں	تیر نگاہِ یار جو دل سے گزر گیا
دُنیا مقام غم ہے خوشی نام کو نہیں	جو اس مکاں میں رہنے گیا نوحہ گر گیا
اُنکے مزاج میں بھی تلوّن غضب کا ہے	رنگِ زمانہ ہے اِدھر آیا اُدھر گیا
نہ کیئے نرم دلِ سخت بتوں کے تو نے	تجھسے کچھ کام نہ آہِ دلِ سوزاں نکلا

جب تک کہ تجھے یاد مرا نام نہ آیا	او بھولنے والے مجھے آرام نہ آیا
دولت کو نکر جمع کہ پچھتائیگا منعم	کس کام کا وہ زر جو ترے کام نہ آیا
جو دوست کی مرضی ہو وہ مرضی ہو ہماری	اچھا وہ نہ آیا جو لب بام نہ آیا
اے چرخ عوض ظلم کے گردش ہی تجھکو	مجکو جو ستایا تجھے آرام نہ آیا
ساقی کا یہ احسان نہ اُٹھتا کبھی ہمسے	اچھا ہوا ہم تک جو کوئی جام نہ آیا
اللہ ہی نگہبان ہو اُس دل کا کہ جسپر	تو نے بھی دھرا ہاتھ تو آرام نہ آیا
کیا خوب بسر عمر دوروزہ ہوئی حامد	صد شکر کسی کا کوئی الزام نہ آیا

حالت تھی نزع کی کہ یہ فرقت کا درد تھا	بیحس تھے ہاتھ پاؤں مرا جسم سرد تھا

بدلی ہزار شکل مگر شکل تھی وہی
صیاد بھی تڑپنے لگا تھا قفس کے پاس
تو بھی جگر کو تھام کے بیتاب ہو گیا
کیونکر نہ ہو یہ جذبِ محبت کا تھا اثر
تیری نگاہ میں کشش کس بلا کی تھی
کس کس جگہ بتاؤں تمھیں پوچھتے ہو کیا
رگ رگ میں اس کے بھر دیئے تھے عشق کے مزے

الٹا جو لفظِ درد کو تب بھی وہ درد تھا
اس درجہ نالۂ دلِ بلبل میں درد تھا
دل کا ہمارے درد ترے دل کا درد تھا
بے چین بھی تھے جو مرے پہلو میں درد تھا
ہمراہ دل کے جائے پہ بیتاب درد تھا
دل میں جگر میں سینے میں پہلو میں درد تھا
دل سے سوا عزیز مجھے دل کا درد تھا

یہ داغِ رنج و غم دلِ بسمل میں رہ گیا
جو ساتھ ساتھ آتے تھے وہ سب چلے گئے
آنکھوں کا حسن خون سے بسمل کے بڑھ گیا
آنکھیں لڑا کے آنکھوں میں سب کچھ وہ کہہ گئے
کھلتا ہے دل میں روز گلِ داغ اک نیا
فکرِ رسا سے بات نکلتی ہے بات میں
کرتا ہے قدسیوں کے بھی دل پر عجب اثر
کس منہ سے دوستوں کے بھلا راز داں ہوں ہم
ممکن نہ ہو گا شربتِ دیدارِ یار کیا؟
منت سے بھی نمانے تو میرا سکو کیا کروں
باغِ جہاں میں سیر کی فرصت کہاں ہمیں
دل کی شگفتگی سے عجب میرا حال ہے
کچھ نہ تھا ہمراہِ میت وہ فقط ہمراہ تھے
ابتدائے عشق ہی میں اُف مرا جوشِ جنوں

دھبہ لہو کا دامنِ قاتل میں رہ گیا
تنہا فقط میں گور کی منزل میں رہ گیا
کیا رنگ تھا کہ وہ تو قاتل میں رنگ گیا
جو دل کا مدعا تھا وہی دل میں رہ گیا
المختصر یہ ثمرہ ہے عمرِ دراز کا
کیونکر تمام وصف ہو زلفِ دراز کا
تیرا اداؤ ناز سے پڑھنا نماز کا
دشوار ہے چھپانا ہو اپنے ہی راز کا
پیغامِ مرگ ہے مرضِ انتظار کیا؟
اے دل کسی کے دل پہ مجھے اختیار کیا
آئے بہار کیا جو نہ آئے بہار کیا
کٹتی ہے اک طرح سے خزاں کیا بہار کیا
رو دیئے دشمن جنازے پر یہ ساماں دیکھ کر
بھاگتا ہوں سوئے صحرا شکلِ انساں دیکھ کر

کیا اجارہ اس میں حامدؔ وہ جسے جو چاہے دے
حرص دولتِ دنیا نہ اتنا ہو منعم

وہ یاد کرتے ہیں لیکن کبھی بلاتے نہیں
جواب دیتے ہیں وہ سیدھی بات کا ٹیڑھا

کچھ احتیاج نہیں خط کے لکھنے کی قاصد
جو میرے دل میں ہے اُنکی زبان پر ہے وہی

تناسب ہے ترے اعضا میں سر سے پاؤں تک ایسا
تری قدرت کا اے خالق یہ ادنی سا نمونہ ہے

پڑھا کرتے ہیں تربت پر مری وہ فاتحہ آکر
جوانی ہے ئے الفت کے دو سرشار بیٹھے ہیں

مری غم کی کہانی نے تغیر یہ کیا پیدا
تُو ہی واقف ہے بس یارب یہ مرتے دم ہے اسے

دم آخر تجھے دیکھا جہاں کے رنج سب بھولا
جنسِ اُلفت کی دُکاں کھولکے بیٹھے تو کوئی

یہی حالت تمھاری ہو جو دم بھر دیکھتے جاؤ
دفن ہیں کیا کیا شہیدِ داغِ اُلفت جا بہ جا

کسی نرگس کا متوالا کوئی مستانہ آتا ہے
کسی سے بُغض ہے رشک کدورت ہے نہ کینہ ہے

احبا کو سُنا دیتے ہیں جو دل پر گزرتی ہے
تمھارے حُسن کے چرچے ہمارے عشق کے قصے

یہ سرخی آگئی چہرہ پہ کیسی مرہنوا لے کے

رشک کرتا ہے عبث انساں کو انساں دیکھکر
غنی جو دل کے ہیں اُنکو گدا سمجھتے ہیں

ہمارے ذکر کو ہم سے سوا سمجھتے ہیں
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا سمجھتے ہیں

وہ خوب دل کا مرے مدعا سمجھتے ہیں
وہ بے کہے ہوئے مطلب مرا سمجھتے ہیں

نظر پڑتی ہے جن لوگوں کی اُن پر صاد کرتے ہیں
کہ ہم اس عالم ایجاد میں ایجاد کرتے ہیں

خدا آباد رکھے روح کو جو شاد کرتے ہیں
نہ وہ ہشیار بیٹھے ہیں نہ ہم ہشیار بیٹھے ہیں

یہی اغیار تھے پہلے جو اب غمخوار بیٹھے ہیں
ادائے حق سے ہیں تیرے بہت معذور جاناں ہو

وہیں چھوڑے جہاں کے غم تجھے اب مسرور جاناں ہو
جمع دم بھر میں خریدار ہوئے جاتے ہیں

ذرا تم ہاتھ رکھکر قلبِ مضطر دیکھتے جاؤ
کوہ و صحرا و چمن میں لالہ پیدا کیوں نہ ہو

دکھاتا سیرِ عالم دیکھئے دیوانہ آتا ہے
دل اپنا صاف ہے سب سے ہمیں یارانہ آتا ہے

ہمیں اپنی ہی بیتی کا فقط افسانہ آتا ہے
دو عالم کو جو آتا ہے یہی افسانہ آتا ہے

دم آخر لطف شاید رُخِ جانانہ آتا ہے

چمن کے پتے پتے پر عجب فرحت برستی ہے
ریاضت عمر بھر وہ کی کہ جب پینا رہے حامد
آتشِ غم کا پتہ دیتی ہیں آہیں اپنی
تیری ہی قدرت کا تماشا کوئی ہم سے پوچھے
تیرے دیدار کو مجموعۂ عالم کھینچے
جنکا تکیہ ہے توکّل پہ قناعت شیوہ
رازِ سربستہ رہا سب پہ طلسمِ عالم
اپنے سوتے کا سبب ہیں جو معبر لفظیں
بات کے ہونگے دھنی اور بھی دُنیا میں بہت
کسی کی دید کے طالب ہوئے عبث موسیٰ
ہمیں تو عشق و حیاتِ ابد برابر ہیں
آنکھیں فلک پہ جھپکی ہیں خورشید و ماہ کی
اِک حرف بھی رہے گا نہ لے کاتبِ عمل
شمشیرِ غم کا خلق میں ہے ہر طرف عمل
ہنگامِ ذبح صورتِ قاتل تو دیکھئے

دیگر

اُڑاتا خاک صحرا کی کوئی دیوانہ آتا ہے
ابھی کمبخت دلکا کچھ یہیں افسانہ آتا ہے
آگ دیکھی ہے جہاں ہم نے دھواں دیکھا ہے
ایک ذرّے میں وہ عالم کا سماں دیکھا ہے
تجکو دیکھا ہے تو سارا ہی جہاں دیکھا ہے
ایسے ہی لوگوں کو پیری میں جواں دیکھا ہے
یونتو کہنے کو کہیں سارا جہاں دیکھا ہے
انھیں زلفوں میں علاجِ خفقاں دیکھا ہے
ایک حامد کو مگر ہمنے بھی ہاں دیکھا ہے
جو آرزو کہ نکلتی وہ آرزو کرتے
نہ مرتے تم پہ تو جینے کی آرزو کرتے
اللہ رے چمک تری برقِ نگاہ کی
دھوتا ہوں آبِ اشک سے فردیں گناہ کی
ملتی نہیں خوشی کو کوئی جا پناہ کی
تصویر بن گئی مرے حالِ تباہ کی

حباب - جناب مولانا حافظ سید محمد صائم علی صاحب مُراد آبادی - آپ رامپور میں ملازم ہیں ساٹھ روپے ماہوار پاتے ہیں - ستر سالہ ضعیف العمر شخص ہیں - نمونۂ کلام درج ذیل ہے ؎

ایک وہ ہیں کہ بسر کرتے ہیں کاشانوں میں
نہ ملا تیر انشاں ہمکو کہیں بھی اے دوست
دیکھ کر ہجر میں افسوس نقاہت میری

ایک ہم خاک اڑاتے ہیں بیابانوں میں
ڈھونڈا جا جا کے بہت مسجد و بتخانوں میں
وہ خفا ہیں کہ اڑائی ہے نزاکت میری

حباب

حباب - ناظم باکمال ناثر عدیم المثال پنڈت امراؤ سنگھ صاحب حباب خوشہ چین خرمن کمال نواب اسد اللہ خان غالب مرحوم و مغفور - آپ رڑکی کالج میں بیس پچیس برس تک مدرس سیاقی رہے - ملازمت کے ساتھ ہمیشہ شوق شاعری و انشاپردازی کو بھی نباہتے رہے - کئی برس ہوئے آپنے ایک اخبار بھی جاری کیا تھا جس میں زیادہ تر آپ ہی کی نظم و نثر کے اعلیٰ نمونے درج ہوتے تھے - مگر زمانے کی ناقدردانی سے وہ اخبار چند ہی ماہ جاری رہ کر بند ہوگیا - غزل گوئی میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل ہے تصوف اخلاق اور وحدانیت کے اکثر مضامین آپکے کلام میں پائے جاتے ہیں - بلندیٔ مضمون اور نزاکتِ خیال کے ساتھ آپکی طبیعت میں شوخی اور جدت بھی بقدر مناسبت موجود ہے - آپ کا مذاق نہایت شستہ اور قابلِ تقلید ہے - اب کئی برس سے پنشن پاتے ہیں - ۶۵ برس کی عمر پاکر ۱۹۰۹ء میں بمقام لاہور انتقال کیا

بہائے بحر جو ہے گوہر خوش آب سے ہے	دُرِ سرشک سے ہے آنکھ بے بہا دریا
گلشن میں گدگدی سے نسیم سحر کی آج	گُل ہنس دیا تو غنچہ بھی کچھ مسکرا دیا
نسیم صبحِ بہاراں سے نرم تھی مری نیند	خروشِ بلبلِ نالاں سے اُڑ گئی مری نیند
نگاہِ دیدۂ بیہوش میں ہم	صدائے نالۂ خاموش میں ہم
جنوں تعلیم تھی کیا بزم شب جو صبح ہوتے ہی	گریباں پھاڑتے گھر سے تمہارے ہمنشیں نکلے
غُل کرتا ہوا مژدۂ آزادی کا	زنداں سے رہا ہو کے اسیر آتا ہے
ہے ساتھ جو توشۂ توکل بخدا	آزادِ غمِ جہاں فقیر آتا ہے
بیتابی و اضطراب کا نقش مٹا	اے موجِ حباب دستگیر آتا ہے

حبیب

حبیب - مولوی سید کاظم کنتوری نواح لکھنؤ کے رہنے والے ہیں - اور اپنے آپ کو یادگار خاندانِ ناسخ مرحوم لکھتے ہیں - آپکے مرسلہ حالات سے پایا جاتا ہے کہ آپکے بزرگ ساتویں صدی ہجری میں نیشاپور اور خراسان سے فیض آباد اودھ میں آکر مقیم ہوئے اور پھر شدہ شدہ کنتور میں جو لکھنؤ اور فیض آباد کی راہ میں واقع ہے اقامت اختیار کی - آپکے مورث سید جمال الدین کو

تغلق بادشاہ کے عہد میں برولی اودوضلع کا تعلقہ جاگیر میں ملا۔ حبیب صاحب کے دادا سید
حمایت حسین وزیر الممالک نواب سعادت علی خاں کے مصاحب رہے اور کرنل سیلی ریزیڈنٹ
کے استاد تھے۔ نانا میر لطف اللہ قادر کنتوری شیخ ناسخ کے شاگرد تھے۔ میر خدابخش جنکی
کربلا تال کٹورہ لکھنؤ میں اب تک موجود ہے آپکے نانا میر لطف اللہ کے حقیقی نانا تھے۔
الغرض آپ کا خاندان ہمیشہ علم وفضل کیوجہ سے ممتاز رہا ہے۔ آپ ۱۴ ذوالقعدہ ۱۲۶۷ھ میں
بمقام کنتور پیدا ہوئے ۱۵ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ اُس زمانے میں شعر گوئی
کا شوق ہوا۔ پہلے اپنے نانا قدر کنتوری سے اصلاح لی پھر ۲۱ برس کی عمر میں سید حسین صاحب
عشق شاگرد ناسخ مرحوم کو سات برس اپنا کلام دکھایا۔ اسکے بعد اُنھوں نے فرمایا کہ اب تم کو
اصلاح کی حاجت نہیں۔ آپ کی تصنیف سے دو دیوان مطبوعہ مخمس حبیب بر ترکیب بند
شکوۂ ہند حالی۔ مدح محبوب مدحیہ نظام۔ مکاتبات فارسی۔ ایمان حبیب۔ مجموعۂ مراثی مطائبات
حبیب غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ آپ دس برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ گئے۔ چونکہ
آپکے والد کی معاش کم تھی اس لیئے صغیر سنی ہی میں روزگار کی ضرورت محسوس ہوئی چودہویں
سال مولوی غلام حسین کنتوری کی صاحبزادی سے جو انکے خالو تھے نکاح ہوا۔ اُنھیں کے
ہمراہ آگرہ اور گوالیار کے سفر کا اتفاق ہوا۔ ۲۱ برس کی عمر میں بہ تلاشِ روزگار ریاست چرکھاری
اور وہاں سے اندور گئے مگر جلد ہی واپس آگئے۔ ۲۵ برس کی عمر میں بنارس اور کلکتہ کا سفر کیا
جب ہگلی پہنچے تو وزیر السلطان منشی امیر علیخاں کے صاحبزادے نواب اشرف الدین احمد خان
متولی امام باڑہ نے اپنا مہمان کیا اور اُنکے والد وزیر السلطان بھی بڑی مہربانی سے پیش آئے
اور راجہ امیر حسن خان رئیس محمود آباد سے سفارش کی۔ چنانچہ یہ وہاں تین سال ملازم رہے
پھر ۲۸ برس کی عمر ۱۲۹۶ھ میں بحالتِ بیماری اپنے بھائی سید محمد عسکری عادل کو ساتھ
لیکر حیدر آباد کے عازم ہوئے۔ کچھ دنوں ہاں کے اُمرا کے ہاں ملازمت کی۔ انجام کار ۱۲۹۹ھ
میں سردار عبدالحق دلیر جنگ نے قدردانی فرما کر ساٹھ روپیہ ماہوار پر مصاحب رکھ لیا اُنکے

ولایت چلے جانے پر اُنھیں کے بھائی نواب امیر یار جنگ سیّد سراج الحسن صاحب تعلقہ دار بیدر نے اپنے پاس بُلا لیا اور سررشتہ دار مقرر کر دیا۔ وہاں سے ترقی پا کر آپ ۱۳۱۰ھ میں سررشتہ دار معتمد مدار المہام سرکار عالی محکمہ کوتوالی پر مقرر ہوئے۔ وہاں سے دوسو روپیہ پر صوبہ داری بیدر کے سررشتہ دار مقرر ہوئے۔ آخر عمر میں ہوم سکرٹری سرکار نظام کے میر منشی بھی مقرر ہو گئے تھے۔ شعر و سخن سے طبیعت کو قدرتی لگاؤ تھا۔ معنی خیز طبیعت واقع ہوئی ہے اور اکثر استعارے و تشبیہ کی پابندی کرتے ہیں۔ علمی قابلیت خاصی ہے۔ علاوہ ورسی استعداد عام معلومات پر بھی حاوی ہیں جسکی انکے کلام میں جگہ بجگہ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں فکر رسا اور ذہن ذکی خدا داد ہاتھ آیا ہے۔ ان چیزوں کی امداد سے جسقدر بلند پایہ شعر کہیں تھوڑا ہے۔ کلام میں علاوہ عاشقانہ کے وہ رنگ خاص بھی بھرا ہوا ہے جس سے گزشتہ زمانے کے شعراء نے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا۔ اور صوفیہ کے کلام میں عموماً اور عوام الناس کے کلام میں بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے۔ یعنی تصوف کا رنگ۔ علاوہ ازیں تمام اصناف سخن پر قدرت حاصل ہے۔ بالخصوص قصائد خوب لکھے ہیں اور تغزل میں بھی مسائل دقیق اور نکات غریب اچھے پیرایہ میں باندھ جاتے ہیں۔ زبان سلیس۔ بندش چست ہے جس سے اُنکی کہنہ مشقی کا ثبوت ملتا ہے۔ بڑے خلیق ملنسار۔ نیک نہاد شخص تھے۔ حیدرآباد دکن میں اکثر لوگ انکے شاگرد تھے۔ اور وہاں کے شعراء میں نظر امتیاز سے دیکھے جاتے تھے۔ راقم تذکرہ سے اکثر خط و کتابت رہتی تھی۔ افسوس کہ تخمیناً پچاس برس کے سن ۱۹۰۹ء میں انتقال فرمایا۔ آپکے صاحبزادے جناب ضامن بھی شعر و سخن کا اچھا مذاق رکھتے ہیں۔ اب کلام مرسلہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ٭

حُسن جب صورت گر ذوقِ خود آرائی ہوا
ہر بُتِ بیباک گرمِ لافِ یکتائی ہوا

اِک جہاں شیدا ہے صورت آشنا کوئی نہیں
سب کو اپنا کر لیا کس کا وہ ہرجائی ہوا

دستِ قدرت نے دکھائیں ایسی شکلیں کھینچکر
کوئی از خود رفتہ اور کوئی تماشائی ہوا

بڑھا رتبہ یہاں تک خود فراموشی میں عرفاں کا
کہ محرابِ حرم ہے عکس میرے طاقِ نسیاں کا

حکایت کیا ہی پھیری کی اُس سے حبیبؔ دل آیا
کوئی اعزاز کرتا ہے بھلا ناخواندہ مہماں کا

نہیں جھکتا کوئی اُس سے جھکے جبتک نہ خود انساں
رکوع و سجدہ سکھلاتا ہے خمِ محرابِ طاعت کا

نہ پوچھو حال کچھ ناکامیوں سے ضعفِ ہمت کا
کرینگے امتحاں اکبار لیکن اور قسمت کا

دلِ پُر آرزو کا خوں نکر اے یاس تو ناحق
سمجھتا اتنا کہ سرمایہ ہے ہر اک بے بضاعت کا

ہے خبر کس کو تلوّن آپ کا
آگے چلکر رنگ کیا کیا لائے گا

محبت میں تری خونِ دلِ ناشاد ہونا تھا
تاسّف کیا؟ ہوا جو اے ستم ایجاد ہونا تھا

ہو جب تن پہ سر حدّاد آکر بیڑیاں کاٹے
اسیروں کو تمھارے اس طرح آزاد ہونا تھا

پیری میں جاں گُسل ہیں جوانی کی حسرتیں
وہ وقتِ کیف تھا یہ ہے عالم خمار کا

تم رہو گھر میں پھریں ڈھونڈتے ہم غیروں میں
بدگماں ہوگا نہ ہمسا کوئی غافل ہوگا

پھر تو عشق پڑا ہوگا مقدّر دیکھو!
داغ یاں سینہ پہ ہے چہرے پہ واں تل ہوگا

چلے رفتہ رفتہ ایسے کہ نہ خاک تھی نہ ہم تھے
کہ جو لوگ دفن کرتے کسی جا مزار ہوتا

کرے کیوں نہ بے چین وعدہ کسیکا
قیامت ہے امروز فردا کسیکا

کہتے ہیں سُن سُن کے ہاں پھر کیا ہوا
حال میرا اک فسانہ ہوگیا

میری توبہ کیا تھی توبہ اے غفور
تیری رحمت کو بہانہ ہوگیا

ایک منزل ہے عدم کی ایکدم کا راستہ
آگے جانیوالے ہمسے آگے بڑھ جائینگے کیا

پوچھو عاشق سے غمِ عشق میں لذّت کیا ہے
تلخ ہوتا تو نہ اس شوق سے کھایا جاتا

چلے آپ اللہ رے بے نیازی
نہ دیکھا کہ قدموں پہ ہے سر کسی کا

بھلا ہو جس کام میں کسی کا تو اُس میں وقفہ نکیجیئے گا
خیالِ زحمت نکیجیئے گا ملالِ ایذا نکیجیے گا

وہ مجھ سے فرماتے ہیں ہنسکر ہمیشہ ملنے کی آرزو پر
ملال ہوگا محال شے کی کبھی تمنا نکیجیے گا

آگے اُنکے جب کبھی ہمنے کیا اظہارِ عشق
ہنسکے بولے خیر اک دن امتحاں ہوجائیگا

دریا ہی میں رہنا تھا قطرہ کی طرح شامل
غافل نہ حباب آسا یاں تجکو اُبھرنا تھا

الفت میں کوئی دل کے سوا رازداں نہ تھا | رسوا کرے گا اس پہ مجھے یہ گماں نہ تھا

گھٹینگی خواہشیں اے دل تو حاصل مدعا ہوگا | ذرا یہ بکھیڑ چھٹ جائے تو پیدا راستہ ہوگا

خدا سے مانگ اے دل شرم کر بندوں کی ہمت سے | جو حاجتمند ہے ہر دم وہ کیا حاجت روا ہوگا

ہوس ہے رہتا ہر دم در ارباب دولت کی | قناعت کہتی ہے بیٹھو خدا ہے کارساز اپنا

تمام کاموں کا راستی پہ ہمیشہ دار و مدار دیکھا | فساد و نیت میں جسکی پایا ہر ایک صحبت میں خوار دیکھا

قدح کی صورت سے بیٹھے ہیں یاران قدح نوش | سب ننگے ہیں دور میں ساغر نہیں ملتا

دو جہاں ہوئے تو ٹھینگے فرشتوں کے دھو | ایک دن چاہ زنخداں چہ بابل ہوگا

درد و اندوہ و غم و غصہ و بدنامی و رنج | کشور عشق میں ہوتے ہیں محاصل کیا کیا

سامنے رندوں کے ناصح بے اثر ہے وعظ و پند | آپ سمجھنے کا جو حق تھا کہا کسنے سنا

راتوں دن بچتا نہیں سوز محبت سے مجھے | شمع ہوتا تو فقط شب کو جلا یا جاتا

نہ سر ہے کوئی تیرے سودے سے خالی | نہ دل تیرے قبضے سے باہر کسیکا

بادہ نوشی سے تو روشن گر دل ہے واعظ | اسکے پی لینے سے ایمان میں خلل کیا ہوگا

موسم گل دیکھکر ایسا خوشی کا جوش ہے | آپ نہیں پھولی سماتی پیرہن میں عندلیب

سہانے وقت ہیں اے دل دم طلوع و غروب | سماں دکھاتی ہے قدرت کا چھبی دیکھی دھوپ

تھا اشتیاق ابروئے دلبر تمام رات | دیکھا کیا میں خواب میں خنجر تمام رات

اپنے بندوں کو دیا ہے جسقدر اللہ نے | کچھ نہ کچھ اسکے سوا ہے ہر بشر کی احتیاج

ان مثالوں میں آسکے شانِ کبریائی ہے محال | ہو نہیں سکتا ہے ہرگز بند پر در جھوٹ سچ

سمجھ بنا رہا ہے خطا کار کو ولیم | راضی جو در گزر پہ ہوا انتہا کے بعد

وہ کوشش کیجئے رہجائے نام نیک محشر تک | مزا یہ ہے کہ موت آئے حیاتِ جاوداں ہوکر

اثرِ نغمۂ دلکش کی کہوں کیا حالت | ہوش کھو دیتا ہے انسان کے جادو ہوکر

دل کو ہے رنج فراقِ رفتگاں شام و سحر | میرے یوسف کو ہے یادِ کارواں شام و سحر

ہے یہ زورِ آمدِ فصلِ بہار اب کے برس
مست ہیں زاہد بھی مثلِ بادہ خوار اب کے برس

داغ بھی زخمِ جگر کا نہ رہا
تھی یہ قاتل کی نشانی افسوس

کون زخمِ خنجرِ ابرو کا شاہد تھا حبیب
ہار جاتے تم کلیجہ پر اگر ہوتا نہ داغ

کھل گیا ناکامیوں سے ہے مسبب دوسرا
کوششیں سب اک طرف ہیں اور مقدر اک طرف

بے سبب کوئی اٹھائیگا بھلا کیا تکلیف
دلکو ہوتی ہے محبت میں گوارا تکلیف

غیر حاکم ہو تو اسکی جوتیاں سیدھی کریں
ننگ ہے قومی حکومت کی اطاعت آجکل

لہو تھمتا نہیں زخمِ جگر کا
نہ اچھے ہونگے اب آئے چارہ ہم

اُٹھائے ہیں وہ صدمے ہمنے ملک ان حسینوں سے
چھڑ لیتا ہے کوئی نام محبت آنسو ڈھلتے ہیں

ہر اک سوال کا دیتے ہو تم جواب "نہیں"
یہ ظلم وہ ہے کہ جس کا کوئی حساب نہیں

شگفتگی مرے دل کی ہے تیرے لطف کے ساتھ
ہر ایک فصل میں پھولے یہ وہ گلاب نہیں

تنک ظرفوں کو دولت سے تمتع ہو نہیں سکتا
سراپا وسعت قرب بحر خاک اڑتی ہے ساحل میں

خفا بھی ہیں وہ اور دل سے مری الفت کے قائل بھی
جفائیں کرتے جاتے ہیں پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سازِ جمعیتِ دل کا سر و ساماں میں نہیں
ہے بے نیازی جو ہے درویش میں سلطاں میں نہیں

روشنی رہتی ہے کہتے ہیں دیئے کی تا حشر
ظلمتِ شب کا گزر خانۂ احساں میں نہیں

فطرت کو ناپسند ہے سختی بیان میں
پیدا ہوئی نہ اس لیے ہڈی زبان میں

تجلی گاہِ انوارِ حقیقت دیکھنے والے
فروغِ ظاہری کو بھی کہیں خاطر میں لاتے ہیں

وہ لطفِ صحبت وہ پیاری باتیں بھلا نہ کس طرح یاد آئیں
ہمیشہ ڈھونڈینگی تمکو آنکھیں ہوگے اگر نہاں نظر سے

تری یاد میں جب سے بیٹھے ہیں پیارے
دو عالم سے دل کو اٹھائے ہوئے ہیں

آپ نے جس بندے کو چاہے دے چمن آرائے دہر
کچھ اجارہ زاہدوں کا باغِ رضواں میں نہیں

نہ اٹھائے سختی ہجر گر تو وصال کا بھی مزا نہیں
نہ ہوا مرض میں جو مبتلا کبھی اسکو قدر دوا نہیں

وہ جفا زمانے نے ہم پہ کی کہ خیال جس کا تھا کبھی
یونہیں تھی مشیتِ ایزدی ہمیں کچھ کسی سے گلا نہیں

[illegible]

کھینچے گی خاک ہو گا ٹھکانا جہاں کہیں
دو گز زمین تو دیگا کبھی آسماں کہیں

دن رات ہے احباب کو کد بیخ کنی میں
بگڑی میں وہ بگڑے ہیں جو تھے ساتھ بنی میں

تقدیر میں جو تھا وہ ہوا رنج سے حاصل
عقلِ بشری رہتی ہے عاجز شدنی میں

نگاہِ قہر سے تم نے گرائی جب بجلی
دل و جگر یہ پکارے جلا دیا ہمکو

دل جگر لائے جانِ جان اہلِ وفا کے دیکھ لو
جتنا جی چاہے انھیں ہر دم ستا کے دیکھ لو

سچ کہو چاہنے والوں کا گلہ ہو کہ نہ ہو
وعدہ کر لیتے ہو تم سب سے وفا ہو کہ نہ ہو

نہ کی میری حاجت روائی بتوں نے
خدا سے بھی کی اِن کی طاعت زیادہ

انھیں خوں رُلاتا ہے اکثر زمانہ
جو ہیں خو گرِ عیش و عشرت زیادہ

ہزاروں صورتیں پیدا ہیں اک آشفتہ حالی سے
نئی دنیا بسی ہے دل میں اشکالِ خیالی سے

پڑے تھے نقشِ پا بن کے نہ سنگِ راہ تھے ظالم
تجھے کیا مل گیا آخر ہماری پائمالی سے

لیجئے چھوڑ کے مرقد میں چلے یار و عزیز
آج کہتا نہیں "اللہ نگہباں" کوئی

گناہ لائے ہیں مجرم بنا کے تیرے حضور
جو راہزن تھے ہمارے وہ راہبر نکلے

ہمیشہ خلق میں گذری ہے ایکساں کسکی
انھیں کا شکر ہے ارمان جسقدر نکلے

کہتی ہے اجل آ مری آغوش کے پالے
سب کر چکا دنیا سے بس اب دلکو اٹھا لے

گھر سے ہمیں یوں گردشِ قسمت نے نکالا
تلوے سے کوئی کانٹے کو جس طرح نکالے

رحم آئیگا اِن سے نہ مرض کو نہ قضا کو
بیسود ہیں آہیں مری بیکار ہیں نالے

سمجھے تھے ہم اک مشغلہ اُلفت کو بتوں کی
معلوم نہ تھا جان کے پڑ جائینگے لالے

عمر گزری کسکو رودادِ اسیری یاد ہے
اب قفس گھر ہے ہمارا ہمنشیں صیاد ہے

رات دن کی دل لگی وہ ہر گھڑی کی چھیڑ چھاڑ
خیر تم بھولے تو بھولے مجکو ابتک یاد ہے

جو ملیں سے گئے بے مہر آرزو تیری
ہے انکی خاک کے ذروں کو جستجو تیری

عدم کو گئے نوجوان کیسے کیسے
نہ پوچھو چھٹے مہرباں کیسے کیسے

[illegible]

[illegible]

کسی کا تو ایفا بھی کرنا تھا آخر سب کیے عہد اے جانِ جاں کیسے کیسے
نجانے دیا داغِ شیریں سخن کو دکن میں بھی ہیں قدرداں کیسے کیسے
مٹے لاکھ پھر لکھنؤ لکھنؤ ہے سخنداں ہیں اب بھی وہاں کیسے کیسے

غلط ہے گر کہوں کچھ غم نہ تھا آغازِ الفت میں کہ اک تشویشِ انجامِ محبت دل کو کیا کم تھی
نکلتی کیوں نہ بتخانے سے زاہد شکلِ آمرزش یہاں بھی ولمیں کیا تیری طرح یادِ خدا کم تھی
جانے میں جان آنے میں عاشق کا دل ہے دو تیغِ قضا کبھی ہیں طلسمِ ادا کبھی
ہر آرزوئے مردہ ہو راحت فزائے حال مل جائیں گر ترے لبِ معجز نما کبھی
یاں بندگی سے کام ہے اے شیخ و برہمن دیر و حرم سے ہے نہ تعلق۔ نہ تھا کبھی
آفتِ جان ہجر میں وحشت کی سرتابی رہی دلکو بیتابی رہی آنکھوں کو بے خوابی رہی
عمر بھر حالت دلِ مضطر کی سیمابی رہی چشمِ دریا بار گردش تیری دولابی رہی
برقِ کشتِ آرزو ہے گرمیِ بازارِ حسن جنسِ الفت کی ہمیشہ اس میں نایابی رہی
سالہا یادِ لبِ رنگیں میں رویا اشک خوں مدتوں رنگت میری آنکھوں کی عنابی رہی
کب چھٹا اشکِ ندامت سے سیہ کاری کا رنگ صاف ہو کر بھی مری فردِ عمل آبی رہی

دیوان دوم

ہر داغِ دل بنا حجرِ الاسودِ حرم جلنے سے مثلِ طور یہ گھر محترم ہوا
چینِ جبین دلیلِ کدورت ہی دیکھئے خطِ غبار جوہرِ تیغِ ستم ہوا
گہ وصل کی دعا تھی۔ کبھی شکرِ التفات اکثر خدا کے سامنے ذکرِ صنم ہوا
ابرو کا بوسہ لینے سے اخلاص بڑھ گیا یہ سورہ آج خنجرِ قاتل پہ دم ہوا

کر کے آئے تھے یہ ساماں مرے تڑپانے کا نام آتے ہی لیا آپنے گھر جانے کا
اے نقاہت وہ گئے بزم سے اب کیا ہے یہاں تو ہی کر دے کوئی ساماں مرے اٹھوانے کا
خوبیِ مہر و محبت کی عزیزوں میں حبیب دل نہ کیوں بندۂ احساں رہے بیگانے کا
عقل کہتی ہے نہ رکھ وادیِ الفت میں قدم وحشتِ دل کا تقاضا ہے کہ چل کیا ہوگا

ہمنے مانا کہ یہ وعدہ نہیں جھوٹا لیکن
ہوتی رہتی ہیں خطاؤں پہ خطائیں مالک
دوئی ہیں یکدلی کا رنگ پیدا ہو نہیں سکتا
قسم کھاکر نوشتہ مجکو دو یہ دلکا سودا ہی
یہ اَرمان خانہ زادِ دل ہیں تم گر محرمِ دل ہو
زمین و آسماں کا فرق ہے ادنیٰ و اعلیٰ ہیں
رہی کچھ دن یونہی گر اپنی اپنی فکر یاروں کو
شب غم ہوگی رُوئے شاہدِ مقصد سے نورانی
بیخودی سے اِنتشارِ دل بدلجاتا تو ہیں
شاہد آزاری تھی آئینِ محبت کے خلاف

تم سے پہلے اگر آجائے اجل کیا ہوگا
شکر میرا ترے احساں کا بدل کیا ہوگا
شناسا غیر کا تیرا اشناسا ہو نہیں سکتا
زبانی کہنے سُننے پر بھروسا ہو نہیں سکتا
چھپاؤں کس طرح مالک سے پڑا ہو نہیں سکتا
چمک سے ہمسرِ خورشید ذرہ ہو نہیں سکتا
تو کوئی تا قیامت پھر کسیکا ہو نہیں سکتا
قمر سے اِس اندھیرے میں اُجالا ہو نہیں سکتا
گو ہرِ مقصود ہر تارِ نفس میں کھینچتا
ورنہ بلبل گل کو بھی کُنجِ قفس میں کھینچتا

خزف کو لعل سے بہتر سمجھتے ہیں یہاں گاہک ۔ حبیب اُٹھو دُرِ معنی کا سودا ہو نہیں سکتا +

نچھے نہ آنکھ میں جو شے وہ دلپسند نہیں
بڑے شکوہ سے نکلے گا شوقِ دید ترا
بنائے ذرّہ کو خورشید چشمِ مہر تری
ہے محوِ صنعتِ صانع حبیبِ حسن پرست
کریگا طائرِ مضمون تو کہاں پرواز
حبیب صید ہے تیرِ الم سے طائرِ فکر

ہر ایک طرح مقدم ہے انتخابِ نظر
چلینگے مردمِ دیدہ بھی ہمرکابِ نظر
خوشا نصیب جو ہوجائے فیضیابِ نظر
ترے نصیب ہیں زاہد نہیں ثوابِ نظر
ہے شاہبازِ خیال اپنا آسماں پرواز
مگر دکھاتے ہیں بازوئے خونچکاں پرواز

عدم سے جانیوالے دردکی منزل سے نکلے ہیں
چھٹے گا لختِ دل کیا اب خیالِ یار کا دامن
اگر ہے عشق کامل مرکے بن خاکِ درِ جانان
نہ کیوں مژگانِ جاناں پر گماں ہو خونِ ناحق کا
ملی کچھ روز راحت ہمکو برسوں جھیل کر زحمت

رُکیں مژگاں پہ کیا گھبرا کے آنسو دل سے نکلے ہیں
یہی دو چار ٹکڑے تھے بڑی مشکل سے نکلے ہیں
طریقے منزلت کے سب اسی منزل سے نکلے ہیں
ہزاروں تیر ایسے سینۂ بسمل سے نکلے ہیں
بڑی کاہش میں قطرے شہد کے حنظل سے نکلے ہیں

چلے آتے ہیں وہ دیکھا بھی کچھ اے مردم دیدہ
یہ رونا ہے محبت کا یہ آنسو دل سے نکلے ہیں

نہیں کہتا ہوں کچھ کوئی کہے کیا کسنے کیا دیکھا
ہزاروں ہو کے بیخود یار کی محفل سے نکلے ہیں

الٰہی کون آتا ہے کہ استقبال کو جس کے
نظر آنکھوں سے نکلی اور ارماں دل سے نکلے ہیں

مرے مضموں خزف ریزے نہیں ہیں جوہر کانی
وہ نہیں گھر کر گئے یہ مقرر دل سے نکلے ہیں

نہیں معلوم ہیں الفت کے کوچے خضر کیا جانیں
یہ گلیاں دلکو آتی ہیں یہ رستے دلسے نکلے ہیں

نہ آئینگی کسیکو تا قیامت شوخیاں انکی
نظر سے آنکھ کے یہ دو نہیں چھپکر دلسے نکلے ہیں

حبیب اس درد کے پہلو کو اہل درد سمجھیں گے
نہیں اشعار پر کالے ہمارے دلسے نکلے ہیں

دیگر

غم فزا کیوں ہو نہ یاد رفتگاں میرے لیے
منزلوں روتا گیا ہے کارواں میرے لیے

چارہ گر اچھا ہے درد بے نشاں میرے لیے
گھر کا بھیدی چور ہے زخم نہاں میرے لیے

ہر ورق دیواں کا ہے سرچشمۂ آب حیات
جمع ہیں اسباب عمر جاوداں میرے لیے

سرمہ کا دنبالہ ابروئے کشیدہ سے ملا
میری خاطر ہیں یہ ناوک یہ کماں میرے لیے

دیکھنا شوخی اڑا کر کہتے ہیں وہ مشت خاک
اس طرح تم ہو سکوگے بے نشاں میرے لیے

خاک برسر مادر گیتی رہے گی حشر تک
اشک خوں روئیگا برسوں آسماں میرے لیے

لطف فکر نکتہ سنجان فرنگ آیا حبیب
خوب لایا میرا اعتنا من ارمغاں میرے لیے

حبیب - محمد حبیب الرحمٰن نام - ولد محمد نیاز حسین حضرت شیخ مجدد الف ثانی کی اولاد میں ہیں - اردو فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں اور مرزا احسین علیخاں شاداں سے مستفید ہیں - حسن طبیعت کی بدولت اپنے استاد کے شاگرد رشید ہیں - تذکرہ انتخاب یادگار کی ترتیب کیوقت انکی عمر چوبیس ۲۴ برس کی تھی اس حساب سے اس وقت ان کی عمر چھپن ستاون سال کی ہونی چاہیئے - یہ اُنکے اشعار ہیں ؂

حبیب

وصل کی شب کہتے ہیں مجھسے کہ دیکھا تمنے کچھ
شمع کے آغوش میں پروانہ جل کر رہ گیا

جوش وحشت سے وصال اپنے مقدر میں نہیں
کہ وہ مہماں ہو اگر گھر میں تو ہم گھر میں نہیں

بے حجابانہ چلے آؤ عیادت کو مری	کہ شبِ غم کے سوا کوئی مرے گھر میں نہیں
ہوگئے کیا جور سب ختم آسماں کے اے جنیب	آج کیوں سر پہ مرے کوئی بلا آئی نہیں

جنیب

جنیب - منشی حبیب الرحمٰن - ابھی آپ رامپور میں تحصیلِ علوم میں مصروف ہیں - فن سخن میں آپ کو حضرت امیر اللہ صاحب تسلیم سے تلمذ ہے - ۲۲ - ۲۳ سال کی عمر ہے اور یہ آپکا کلام ہے

کہتے ہیں تیر لگا کر دلِ پُرخوں سے یہی	ہمنے تو ایک بھی قطرہ نہ لہو کا دیکھا
کسکو چاہوں میں کلیجے سے لگاؤں کس کو	کہ ترے تیر کو بھی خوں کا پیاسا دیکھا
لطفِ دیدار کہاں پردۂ بیہوشی میں	تم نے دیکھا بھی تو کیا حضرتِ موسیٰ دیکھا

حجّام

حجّام - عنایۃ اللہ عرف کلو - اصل وطن تو سہارنپور تھا مگر ساری عمر دلّی میں ہی رہے - اور پیشۂ موتراشی سے بسرِ اوقات کرتے رہے شعر و سخن کا شوق تھا - اور اس فن میں میر ارفیع السودا کے شاگرد تھے - مولانا فخر الدین سے ارادتِ باطن رکھتے تھے مصحفی کا قول ہے کہ اچھا شعر کہتا تھا تو اُسکے خیالات بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے اور تمام دلّی کے شعرا اُسے پسند کرتے تھے اکثر اُسکے اشعار پر شاباش ہوا کرتی تھی - مقطع میں وہ اپنے پیشے کا فخر بطور ظرافت اِس طرح بیان کرتا تھا کہ سامعین کو فریفتگی پیدا ہوتی تھی - خاص و عام اُس کو پسند کرتے تھے - مولٰنا فخر الدین کی ڈاڑھی میں منگل اور جمعہ کو خضاب لگاتا تھا - مولٰنا نے جو اُس کے پیرو مرشد تھے اُسکو دستار اور پوشاک دی تھی وہی پہنتا تھا - اِس واسطے اُسکے ہم محلہ اُسکو شاہجی کہتے تھے " بہر حال تمام پُرانے تذکرہ نویسوں نے شیخ عنایت اللہ کی تعریف لکھی ہے اور حقیقت میں اپنے کلام کی حیثیت سے وہ اسی قابل تھے - بقول مسٹر ایف فیلن صاحب ۱۷۹۳ء میں اُنکی عمر پینتیس۳۵ برس کی تھی اور اُنکے تذکرے کی ترتیب سے بہت پہلے اُن کا انتقال ہوچکا تھا - یہ اشعار کا انتخاب ہے +

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوبوں کے	بہتر اس شغل سے حجّام ہنر کیا ہوگا
جینا نظر اپنا تو ستمگر نہیں آتا	بے وصل ترے سو یہ میسّر نہیں آتا

آجکل کے خوبرو دیکھئے تو ہیں یہ سکھ بچے
خط آ بیٹھے بھی اپنی رسائی نہیں ہے واں

ان تلک حجام ہی پہنچے نہ یہ حجام تک
حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں

دیکھ عاشق کی تر سے رسوائیاں
عشق کی لوگوں نے قسمیں کھائیاں

رقیبوں پر میاں پڑتا ہے تب سو سو گھڑے پانی
ہے جی میں کہ اک روز میں اُن آنکھوں سے پوچھوں
اُس کاوش مژگان کا گلہ مجھ سے عبث ہے
اُس شوخ کے کوچے میں نجایا کرو حجام
آنکھوں کو اُس کی شاعر صبا دم غزال باندھے
کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر

بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو
بچتے نہیں کس واسطے بیمار تمھارے
یہ آنکھوں پہ بوسے ہوئے ہیں خار تمھارے
چھن جائینگے اک روز یہ اوزار تمھارے
پھر ایسے وحشیوں کو کسکی مجال باندھے
آج اُس کوچے میں اُنکی بھی حجامت ہو گئی

حرق - میر حسن مرزا نام - میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسہ اور میر علی آشنا و غلام حیدر مجیب کے شاگرد تھے۔ ۱۲۸۱ھ میں نساخ کے "سخن شعرا" کی ترتیب کیوقت جوان تھے۔ یہ اُنکے اشعار کا انتخاب ہے ؛

بجز اثر کِ آرزو کے سوا
تمھیں صورت کا غرہ ہے تو یاں دلکی محبت ہے
ایک بندے کی بھی جاں بخشی نہ کی

دل میں گر کوئی آرزو بھی ہو
تمھارا حُسن مہنگا ہے تو کسکی جان سستی ہے
اے بتو تم سے خدائی ہو چکی

حرمان - محمد میاں برادر کلاں علی محمد خان فرحت مُرادآبادی - اِس سے زیادہ حالات آپکے معلوم نہیں ہوئے - نمونۂ کلام میں تین شعر درج ذیل ہیں ؛

داغ فرقت دل پہ میرے یارِ جانی دے گیا
دیکھ میری اُلفتوں کو دوست دشمن یہ کہیں
اے عزیزو حال پر اُسکے ہے ہر دم جائے رحم

حیف وہ دلسوز اپنی یہ نشانی دے گیا
نام اُلفت کا ش یارب اِس جہاں سے دور ہو
جو جُدا یاروں سے ہو اور دُور ہو دلدار سے

حریف - جناب سید محمد عبد اللہ صاحب حسینی چشتی وکیل درجۂ دوم تلمیذ حضرت داغ

دہلوی۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

قریں سمجھتے ہیں فردوس کی بہار سے ہم
کہیں نہ جائینگے زنہار کوئے یار سے ہم

خطا نہیں ہے اگر کچھ قصور ہو جائے
بغل میں تم ہو تو باہر ہیں اختیار سے ہم

بہار آتے ہی لطفِ خلش گیا گزرا
مزے خزاں ہی میں لیتے تھے نوکِ خار سے ہم

آئی ہے ابکے سال نئے رنگ سے بہار
ہے شوقِ میکشی دلِ پرہیزگار میں

حزیں۔ میر محمد باقر صاحب دہلوی۔ محمد شاہی عہد کے شاعر۔ میرزا جانجاناں مظہر کے مرید اور شاگرد تھے۔ چنانچہ اُنکے دیوان میں جہاں کہیں استاد کا ذکر آتا ہے اُس سے کمال اخلاص و عقیدت کا پتہ لگتا ہے۔ لطف اور شوق کے تذکروں میں ان کا بہت سا کلام نظر سے گزرا۔ طبیعت معنی یاب اور فکر رنگیں رکھتے تھے۔ مصائب روزگار سے تنگ آ کر بر بنائے افسردہ خاطری ترک وطن کر کے عظیم آباد جا رہے تھے۔ ایک دیوان معہ قصاید یادگار موجود ہے جس میں سے چند غزلوں کے منتخب شعر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں ؎

خوب سوجھا ہے مزا عشق میں رسوائی کا
معتقد دل سے ہوں اس دل کی میں دانائی کا

دلبروں میں سے لیا ڈھونڈ سجن تجھ سے کو
میں دوانا ہوں ان آنکھوں کی شناسائی کا

جس طرح جی چاہتا ہے ہو نہیں سکتی حزیں
حضرتِ استاد یعنی شاہ مظہرؒ کی ثنا

شیریں نے دی تھی دل میں کچھ اک کوہکن کو جا
اُسنے بھی جی کو دیکے حق اُس کا ادا کیا

نالاں نہیں ہے جور و جفا سے تری حزیں
جو تو نے اُسکے حق میں کیا سو بجا کیا

اے حزیں شکر کہ ہے مصحفِ ارباب جنوں
فیض سے حضرتِ استاد کے دیوان میرا

یہ کہہ کے باغ سے رخصت ہوئی بلبل یا قسمت
لکھا تھا یوں کہ فصلِ گل میں چھوٹے آشیاں اپنا

جو ہیں آنکھوں کے مخمور انکو میخانے سے کیا نسبت
نگہ کے ہیں جو تشنہ انکو پیمانے سے کیا نسبت

یہ آہو رام تھے مجنوں کے سب لیلیٰ کی خاطر سے
وگرنہ ان پری زادوں کو دیوانے سے کیا نسبت

خبر لے یا نہ لے صیاد انکو دام میں مرنا
گرفتاروں کو تیرے آب اور دانے سے کیا نسبت

ہُوا ہے تو حزیں دیوانہ اِن شہری غزالوں کا
تجھے صحرا سے اب کیا کام ویرانے سے کیا نسبت

ہم کمر یار کی سُنتے ہی رہے ہیں لیکن
ہرگز اس بات کا ہم پر نہیں ہوتا اثبات

حزیں اِن شعلہ رخساروں سے مت جی کو لگا ہرگز
ہوئی آخر کو پروانے کے جلنے کی لگن باعث

اُسپر نہیں ہوا ہے یہ دل مُبتلا عبث
ناصح تلک اُسکو دیکھ مجھے مت ستا عبث

وہ نگاہِ مست ہے اِس چشم گریاں کا علاج
مے سے ہوتا ہے خمارِ مے پریشاں کا علاج

دیکھنے میں اُسکے کب آتی ہیں ایسی صورتیں
دیکھ کر تجکو نہ ہو آئینہ حیراں کس طرح

نہیں رہنے کے خوباں تجھ سے آخر آشنا ہرگز
انھوں پر بھولکر اے دل نہو مجھسے جُدا ہرگز

نہوائے باغباں بلبل کو مانع گل کے ملنے سے
نہیں رہنے کی گلشن میں بہار آخر سدا ہرگز

سزا پائی نا آخر چاہنے کی ہم نہ کہتے تھے
کہ ان خُوباں سے اے دل جی کو اپنے مت لگا ہرگز

خوبرو شاید مزا پاتے ہیں اپنے جور سے
اسقدر جو انکو ہوتی ہے ستانے کی ہوس

بیخبر ہوتے ہیں جو کہ عشق کی لذت سیتی
وہ نہیں رکھتے مزے سے زندگی کے اِطلاع

کیونکہ مجکو ہو تسلّی جان! وعدے سے ترے
خوب رکھتا ہے مرا دل دل سے تیرے اطلاع

بجھ گیا تھا مرگ سے مجنوں کے اُلفت کا چراغ
داغ نے میرے کیا روشن محبت کا چراغ

خجل رکھتی ہے ہمکو ناتوانی جور کے منہ سے
یہ تھوڑا سا لہو اُس تیر مژگاں کے نہیں لائق

دل دیکر اپنا کیوں عبث افسوس اب کھاتا ہے دل
جاتا رہا جب ہاتھ سے پھر ہاتھ کب آتا ہے دل

آتے ہی نوبہار دھڑکتا ہے جی کہ ہائے
پھر شور و شر کرے گا یہ خانہ خراب دل

غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجکو جواب دل

ملنے کے دن جو اشک نکلتے ہیں کچھ نہ پوچھ
نکلے ہے دیکھنے کو ترے ہوکے آب دل

بتنے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجکو جواب دل

ہاتھ اُس کا بسکہ نازک ہے نہیں لاتا ہے تاب
توڑنے میں گل کے جاتا ہے لچک جوں شاخِ گل

فصلِ گل آخر ہوئی کیا دیکھ ہونگے شاد ہم
کچھ کر لے صیّاد اب ہونگے نہیں آزاد ہم

زندگانی تلخ ہو جاتی ہے ہم پر کیا کریں
کیوں نہ ہووے شادہم سے حضرت مجنوں کی روح
کچھ نہ آخر چل سکا بس اِن زبردستوں سے نتی
اُس بے وفا کے عشق سے کچھ مجکو حس نہیں
ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ اب
کچھ کہا شاید اُس نے قاصد سے
اِن بتوں کے دیکھنے کا جو کوئی مائل نہیں
لطف سے سرسبز کر اپنی محبت کا چمن
قرض لیویگی صبا تیرے شہیدوں سے لہو
لوگ کہتے ہیں ہمیں اس دل کے سمجھانے تئیں
بے طرح کرتا ہے دست اندازیاں زلفوں سے یہ
نام لے اوروں کا اُس سے حال دلکا جا کہوں
حساب ہم سے وفا کا ہمیشہ لیتے ہو
بے طرح دیوانگی پر عشق میں آیا ہے دل
بے طرح ہم مبتلا پاتے ہیں خوباں کا اسے
کچھ محبت میں نہیں عاشق بچاروں کا گناہ
میں چاہتا ہوں عشق چھپاؤں پہ کیا کروں
دامِ اُلفت کی رہائی خوش نہیں آتی مجھے
روز باراں کیوں نہ لے زاہد کہوں سے کہ حلال
راحت نہ دلکے ہاتھ میں پاؤں گا ایک دم
وفا میری اگر جور و جفا تجکو نہ سکھلاتی

حسرتوں کو اپنی جب کرتے ہیں جی میں یاد ہم
عشق کے صحرا کو رکھتے ہیں حزیں آباد ہم
لیگئے یہ دل کو اور کرتے رہے فریاد ہم
پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
جاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
دل پہ میرے وہ اضطراب نہیں
زندگانی سے اُسے واللہ کچھ حاصل نہیں
خشک رہتا ہے وفا بن جان اُلفت کا چمن
تب کریگی حشر میں رنگیں قیامت کا چمن
کیونکہ سمجھاویں کہو ہم ایسے دیوانے کے تئیں
اس طرح کیوں سر چڑھاتا ہی سجن شانے کے تئیں
اس طرح شاید سُنے وہ میرے افسانے کے تئیں
اور اپنے جور و تعدی کا کچھ شمار نہیں
دیکھئے اب زندگی کا کیا مری اسلوب ہو
دیکھئے اب اس دوانے دل کی کیا تدبیر ہو
دلکی گردن پر ہے سب اِن دلکے ماروں کا گناہ
رُسوا کرے ہے خلق میں یہ چشم تر مجھے
ایک دم اُس سے جدائی خوش نہیں آتی مجھے
اسقدر بھی پارسائی خوش نہیں آتی مجھے
جب تلک کہ میرے ساتھ یہ خانہ خراب ہے
تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی

مجھے کہتا ہے تیرا دل کہاں ہے؟	قیامت شوخ میرا بدگماں ہے
آئینہ خوباں کے منہ پر خودستائی کیا کرے	جب ضیا عارض کی دیکھے خودنمائی کیا کرے
بے طرح دل پر گراں آنے لگے ہیں جور و ظلم	دیکھئے مجھ سے تری یہ بیوفائی کیا کرے

حزیں

حزیں - فخر المتاخرین شیخ علی حزیں اصفہانی فارسی کے اُن اساتذہ میں سے تھے جن کو مرزا غالب جیسے نازک خیال بھی مانتے تھے۔ ناظرین کو حیرت ہوگی کہ ان بزرگ کا تذکرہ اُردو شعرا میں کیسا۔ مگر نہیں گزشتہ زمانے میں اہل فن و کمال کسی زاویہ میں بند نہ رہتے تھے۔ اور ہر قسم کا مذاق رکھتے تھے۔ آپکی ولادت اصفہان کے ایک صاحب ثروت وجاہ خاندان میں ۱۲۹۲ھ میں ہوئی آپنے آپنے والد کی وفات کے بعد زرِ خطیر جو بزرگوں کا اندوختہ تھا لہو و لعب میں ناعاقبت اندیشی سے برباد کر دیا۔ ذاکر شعرا اور نامی مرثیہ گویوں کو دُور دُور سے بلا کر ملازم رکھا اور ہر فن میں اُن سے استفادہ کیا۔ چونکہ خود جوہر قابل تھے کچھ عرصہ میں ملکہ راسخہ ہر فن میں حاصل کر لیا۔ جب تمام سرمایہ ختم ہوگیا تو فکر معاش سے تنگ آکر وطن کو خیر باد کہہ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ ایران اور افغانستان کے مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے اوّل سندھ آئے پھر وہاں سے ملتان اور لاہور کے راستے سے دہلی وارد ہوئے۔ نادر شاہ انھیں ایام میں دار الخلافہ کو لُوٹ کر گیا تھا۔ عام بدنظمی اور بے اطمینانی کیوجہ سے اُنکی لیاقت اور قدر و منزلت کے مطابق اُنکی مدارات نہ ہوئی تو میّت کیوجہ سے لوگ بدظن رہے تاہم اتنا ہوا کہ نواب عمدۃ الملک امیر خان نے بادشاہ کے حضور میں پیش کر کے کچھ جاگیر دلا دی یہ واقعہ [illegible]ھ کا ہے۔ دلّی میں ۱۴ سال قیام کے بعد آصف الدولہ کے وقت میں بنارس چلے گئے اور بقیہ عمر عیش و عشرت و کمال فارغ البالی سے بسر کی۔ مشہور ہے کہ وہ جن اُنکے تابع فرمان تھے اور جملہ ضروریات مہیا کر دیتے تھے۔ مزاج میں نفاست اور دماغ میں بوئے امارت حد درجے کی تھی۔ علمِ موسیقی کے بڑے قدردان تھے۔ شاعری میں اپنے وقت کے صائب سمجھے جاتے تھے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ سودا اور

خان آرزو وغیرہ اِنکے ہمعصر تھے۔ سودا سے جب ملاقات ہوئی اور شیخ نے مرزا سے شعر پڑھنے کی فرمایش کی اُس وقت مرزا نے اپنا یہ شعر سنایا تھا۔ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں		تڑپے ہے مُرغ قبلہ نُما آشیانے میں

یہ شعر سُن کر شیخ نے بہت تعریف کی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ فقرہ کہا تھا "در پوچ گویان ہند بد نیستی" شیخ نہایت بذلہ سنج اور ظریف تھے۔ اکثر ایک چھوٹی سی پلنگڑی پر بیٹھے رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ کوئی معمّر سفید ریش شخص اِنکے پاس آیا۔ شیخ نے بزرگ صورت دیکھکر اپنے پاؤں جو پلنگڑی پر پھیلے ہوئے تھے سمیٹ لیئے اور اُن بزرگ سے نام پُوچھا۔ وہ بیچارے اُمّی محض قوم کے جُلاہے تھے اپنے عامیانہ اور اُمیانہ لہجے میں بولے "ای سُف" (یُوسف) شیخ اِس لہجے میں نام سُنکر مسکرائے اور پاؤں پھیلاتے ہوئے یہ کہا "اگر تو ای سُف ہستی من پائے خود چرا کشیدم" شیخ کی تصانیف سے ایک ضخیم کلیات موجود ہے جس میں کئی دیوان اور مثنویاں وغیرہ مع اپنی سوانح عمری کے درج ہیں۔ ایک اِن کا لکھا ہوا فارسی تذکرہ انگریزی میں بھی ترجمہ ہوا ہے ۱۷۶۶ء میں انتقال کیا اور اپنے بنائے ہوئے حجرے محلّہ فاطمان میں دفن ہوئے جو آجتک زیارت گاہِ انام ہے۔ چند اشعار ریختہ درج کیئے جاتے ہیں ناظرین اِنکی زبان کا خیال نکریں کیونکہ وہ زمانہ نہ تھا یہ دیکھئے کہ خیالات کس قسم کے ہیں۔ وہو ہذا +

آوے نہ رشک کیونکہ مجھے برگ پاں ستی		لیتا ہے کیا مزے وہ سجن کی زباں ستی
یوں آ پڑے قفس میں نہ پہنچے گلوں تلک		نکلے تھے کس اُمید پہ ہم آشیاں ستی
جیتا ہوں کو عشق کی کیونکر کروں میں ضبط		ہوتا نہیں ہے صبر دلِ ناتواں ستی
ہم جانتے ہیں عشق کے درد و الم کی قید	دیگر	رہتے ہیں شاد اپنے ہم آہ و فغاں ستی
شب فرقت میں سچ ہے نیند عاشق کی اُچٹتی ہے		غضب کی رات ہوتی ہے بڑی مُشکل سے کٹتی ہے
ہمارا حال سُنکر اور بھی غصّہ میں وہ آئے		بنی باتیں بگڑ جاتی جب قسمت اُلٹتی ہے

لہو روتا ہوں پھروں تیغ ابرو کے تصور میں
نئی صورت سے اپنی آجکل اوقات کٹتی ہے

دکھاوے مجمع خوباں میں دلکو کیا کوئی عاشق
یہ وہ بازار ہے قیمت جہاں ہر شے کی گھٹتی ہے

فقیرانہ صدا سنکر مری درباں سے کہتے ہیں
یہ کیوں آتا ہے در پر کچھ یہاں خیرات بٹتی ہے

خدا کاٹے یہ دن فرقت کا ہے روز قیامت ہے
میں کب سے دیکھتا ہوں رات بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے

زمیں کو نقش پائے یار سے رتبہ ملا ایسا
تبرک کی طرح اب خاک اُس کوچہ کی بٹتی ہے

حزیں جب میں صفائی کو گیا اُن پاس یوں بولے
نہیں ملتے ہیں ہم برسوں طبیعت جس سے ہٹتی ہے

حزیں

حزیں دہلوی۔ میر بہادر علی حزیں خلف میر نجف علی نبیرہ مستقیم الدولہ میر علی بخش خاں خوشنویس شاہی ملازم سرکار میرزا فخرو و بعہد شاگرد نواب زین العابدین خان عارف۔ عالی خاندان اور عمائد شہر سے تھے۔ وادیٔ شاعری کے عمدہ شہسوار تھے۔ زبان میں روانی بیان میں سلاست فکر میں رسائی اور بندش میں چستی جیسی ہونی چاہیے موجود ہے۔ غدر کے بعد ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؂

میرا احوالِ زبوں اُن پہ کھُلے گا کیونکر
سامنے آئینگے جب وہ تو سنبھل جاؤں گا

سچ ہے یہی رونا تو خط کا ہے کو لکھا جائے گا
جو کہ لکھتے جائینگے اشکوں سے مٹتا جائیگا

اک تماشا جان کر قاتل اگر ٹھیرا رہا
ہم بھی تڑپے جائینگے جتنا کہ تڑپا جائیگا

نہ مرے ہجر میں تیرے تو مرینگے کس دن
سخت جاں دہر میں ہم سا کوئی کمتر ہوگا

سب ناز سہے میں نے بیجا و بجا اُن کے
بنتی نہ حزیں اُن سے گر میں بھی برا ہوتا

جل جل کے آخرش تپشِ غم کے ہاتھ سے
اک داغ رہگیا مرے پہلو میں جائے دل

دنیا کی حسرتیں ترے گوشہ میں آگئیں
اللہ رے وسعتیں تری اے تنگنائے دل

سبو منہ سے لگائینگے اب اتنا صبر ہے کسکو
کہ بھریے خم سے مئے شیشے میں اور شیشے سے ساغر میں

شعلہ و بسمل و سیماب کو ہم دیکھ چکے
تیرے دل سا تو حزیں ایک بھی بیتاب نہیں

رنج پہنچے جو حزیں اُن سے تو راحت سمجھو
ہے غنیمت کہ تمھیں یاد تو کر لیتے ہیں

یوں کیجے رخنہ ڈالیئے اُنکے حجاب میں	آ چھّے بُرے کا حال کُھلے کیا نقاب میں
حزیں کس سے توقع ہو وفا کی	نہو اُمید جب اپنی ہی جان کی
اے سوزِ عشق روز نیا داغ تا بکے	اِس سے تو آگ تن میں لگا ایکبار دے
بیخودی کھو کے لیئے سر پہ ہزاروں جھگڑے	توبۂ مئے سے ہوئے ہم تو پشیماں اُلٹے
مرتے مرتے جو اُنھیں دیکھ لیا ایک نظر	پھر جو دیکھا تو نہ دل میں کوئی حسرت پائی
اثر جو آہ میں پایا تو ہو گئی تسکیں	وہ بیقرار ہوئے آگیا قرار مجھے
بلا سے گر نگاہوں میں ہیں سبکے	شباب ہو کر تو ہم اُٹھے جہاں سے
دلِ گم گشتہ ہاں وقتِ مدد ہے	خجل کرنا نہ چشمِ خوں چکاں سے

حزیں　**حزیں**۔ صاحبِ عالم میرزا خجستہ بخت بہادر دہلوی سنہ ۱۲۴۸ھ میں موجود تھے۔ نہایت نرم دل شیریں گفتار اور ستودہ اطوار شخص تھے۔ کبھی کبھی فکرِ سخن بھی کیا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں

کروں کیا وصف میں اُس شعلہ رو کے قد و قامت کا	بھبھوکا ہے دُھواں ہے اور ٹکڑا ہے قیامت کا
چُھپا مکھڑے کو میری شوق کی آتش کو بھڑکایا	کروں میں کیا بیاں اُس شوخ کی اپنی شرارت کا
ہر اک بال اُسکی زلفوں کا ترا دشمن ہوا ہے اب	سزا ہے اے دلِ محزوں مزا ہے یہ محبت کا
حزیں کو قتل کر تو شوق سے قاتل یہ راضی ہے	نہ لے پر اپنے منہ سے ہر گھڑی تو نام رخصت کا

حزیں　**حزیں** لکھنوی۔ نواب محمد علیخاں بہادر حزیں ابن آغا زین العابدین خان رئیس لکھنؤ شاگرد آتش مرحوم ✤ یہ چند شعر حاضر ہیں۔

کوئی اُس بُت کی خبر لاتا نہیں	لے خدا دم بھی نکل جاتا نہیں
کسقدر دلچسپ ہے ملکِ عدم	جو وہاں جاتا ہے پھر آتا نہیں
پھر لبوں پر آرہی ہے جانِ زار	جذبۂ دل پھر اُنھیں لاتا نہیں
اُف رے ضعف و صدمۂ دردِ جگر	طائرِ جاں سے اُڑا جاتا نہیں

حزیں　**حزیں**۔ میر علی حسین لکھنوی۔ صرف اتنا حال معلوم ہے کہ آتش کے شاگرد تھے اور سنہ ۱۲۸۴ھ

میں لکھنؤ میں زندہ وسلامت موجود تھے۔ اُس زمانے کی مطروحہ غزلوں کا انتخاب درج ذیل ہے

جو بن ڈھلا غرور وہ اے مہربان گیا
خود منفعل ہوئے تو مرا امتحاں گیا۔

گردش میں جائے امن نہ ممکن ہوئی مجھے
سر پہ یہ آسمان رہا میں جہاں گیا

پہنچا ہا کھینچ کھانچ کے یاروں نے گور تک
منزل پہ کس عذاب سے میں ناتواں گیا

آتش مرے تو بولے گل اندام اے حزیںؔ
اب بوستاں سے بلبلِ ہندوستاں گیا

یہ بوالہوس کا کام ہے سونا فراق میں
جھپکے نہ آنکھ اور دلِ پُرغم تمام شب

منزلِ گور کا کچھ دھیان نہ تھا اے منعم
آکے دنیا میں مکاں تونے جو بنوائے بہت

ملتا ہے روز اُسپہ بھی کہتا ہے آدمی
کل کا بھی رزق دے مجھے پروردگار آج

دستِ وحشت سے جو اُلجھا دامنِ صحرا کوئی
دھجیاں اُڑ جائینگی میرے گریباں کیطرح

رخِ مہتاب نہ ہے مہر کی تنویر پسند
دل کے آئینے کو ہے یار کی تصویر پسند

اللہ رے لاغری کہ میں بیٹھا ہوں سامنے
مقتل میں ہو رہی ہے گنہگار کی تلاش

دل کو ہمارے ظلم اُٹھانے کا ہے مزہ
رہتی ہے اک نہ ایک ستمگار کی تلاش

حزین

حزیںؔ۔ صاحبزادہ غلام محی الدین خان حزیںؔ خلف نواب احمد یار خان ممتر۔ نواب رامپور کے عزیزوں میں تھے۔ حضرت امیر مینائی لکھنوی نے تذکرۂ انتخاب یادگار میں جو ان کا حال وکلام لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔ شاعر خوش مذاق ہیں مضامین عاشقانہ پیدا کرنے میں طاق ہیں۔ پینسٹھ برس کی عمر ہے۔ اخوندزادے احمد خان مرحوم غفلت کے شاگرد نامور۔ کلام انکا مقبول اہل ہنر۔ یہ چند شعر اُنکے درج تذکرہ ہوتے ہیں۔ جب کہ سنہ ۱۲۹ ہجری میں انکی عمر ۶۵ برس کی تھی تو اس وقت انکی زندگی کی کیا اُمید کی جا سکتی ہے۔ تحقیق کرنے پر بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔ یہ اُن کا کلام ہے۔

دیا جو یار نے بوسہ تو اشتیاق بڑھا
دوا سے اور بھی بیمار دردمند ہوا

اک عالم کو میسر ہے شب روز وصال
میرا جس دن سے شب ہجر نے گھر دیکھ لیا

شبنم کے اشک دیکھ کے رقت ہوئی ہمیں	چٹکا جو کوئی غنچہ کہا ہم نے ہائے دل
بہار آئی چمن میں نہ آپ آئے یہاں	پھرا زمانہ۔ نہ لیکن پھرے ہمارے دن
گنگ بہتر ہے زباں اس نالہ شبگیر سے	ناک میں دم آگیا ہے آہ بے تاثیر سے

حزین

حزین - مولوی صفدر علی بیگ صاحب حزین باشندۂ الور۔ شاگرد میرزا قادر بخش صابر گورگانی۔ آپ ریاست الور میں مہاراجہ شیو دان سنگھ کے وقت میں مدرس فارسی تھے شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ یہ آپ کا کلام ہے ؎

کہا جو میں نے کہ تم شمع بزم خوبی ہو	تو میرے حال پہ شب بھر وہ اشکبار رہے
نہ دی ادب نے ہمیں رخصت پیام وصال	ہزار بار گئے وہ ہزار بار رہے
گلہ کی جائے نہیں اپنی اپنی قسمت ہے	کہ ہم تو تم سے رنج رہے اور عدو سے پیار رہے
حزین خاک سر کوہکن سے اسکو بنائیں	شکستہ اپنا چراغ سر مزار رہے

گئی نقد بوسے کے بدلے میں جان	ہوس فائدے کی ضرر ہو گئی
خراماں ہوئے تم جدھر ناز سے	قیامت بپا اک ادھر ہو گئی
ہوا دل سا مونس جو غم میں حزیں	شکستہ ہماری کمر ہو گئی

حزین

حزین - شیخ علی حزیں لکھنوی۔ شاگرد جناب اسیر لکھنوی۔ آپکے اس مشہور و معروف نام سے نامزد ہونے کی جو وجہ آپ ہی کی نگارش سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ آپ کی ولادت سے پیشتر بعض وجوہ سے آپکے والدین چند سال کے لئے بنارس میں رہنے پر مجبور ہوئے شیخ علی حزین اصفہانی کا مزار بھی وہیں فاطمان بنارس میں واقع ہے۔ جب آپکی والدہ حاملہ ہوئیں تو عالم رویا میں کسی بزرگ نے انھیں ہدایت فرمائی کہ جو بچہ تیرے شکم میں ہے اُس کا وہی نام رکھیو جو فاطمان میں دفن ہے۔ چنانچہ بعد پیدایش آپ کا وہی نام رکھا گیا۔ آپکے والد مرحوم و مغفور کا نام دراصل شیخ حیدر تھا۔ لیکن نواب روشن آرا بیگم نے جو خاندان شاہی شاہی سے تھیں بوجہ اپنا داماد ہونے کے آپکے والد صاحب کو بجائے شیخ کے نواب کے خطاب

سے مفتخر کیا تھا۔ آپکے بزرگوں نے دلّی سے نکل کر فیض آباد میں سکونت اختیار کی اور اٹھارہ سال وہاں رہکر پھر لکھنؤ چلے گئے۔ اُس وقت سے تا حال وہیں بود و باش ہے۔ آپکی علم عربی کی تحصیل سدرہ تک ہے۔ جب آپ فیض آباد میں تھے تو پندرہ سال کی عمر تک آپنے میزان اور فصولِ اکبری جناب مولانا قاری سیدی امیر علیخاں صاحب اور مولانا حکیم محمد مرزا صاحب سے پڑھیں اسکے بعد جب لکھنؤ پہنچے تو علم نحو عربی کتب درسی شرح جامی تک جناب مرحمت الدولہ سیّد غضنفر علیخاں صاحب حکیم سے پڑھیں۔ اور فارسی حضرت تدبیر الدولہ مدبّر الملک سیّد مظفر علیخاں صاحب اسیر سے پڑھی۔ اور فنّ شعر بھی اُنہیں سے حاصل کیا۔ اُستاد موصوف کی خدمت میں آپ ۲۵ سال تک رہے بلکہ تا زیست جُدا نہ ہوئے۔ منجملہ کلام ایک دیوان غزلوں کا اور ایک سلاموں کا مرتب ہے جو ابھی تک طبع نہیں ہوئے ہیں۔ سفر بھی آپنے ہندوستان کے اضلاع مشرقی و مغربی میں بہت کچھ کیا ہے۔ ملک کے عجائبات اچھی طرح دیکھے بھالے ہیں۔ اِس وقت آپکی عمر تقریباً ساٹھ سال کی ہے شعر گوئی میں اچھی مہارت حاصل ہے کلام میں متانت اور صفائی دونوں چیزیں موجود ہیں۔ جو دو تین غزلیں ہمیں شفیقی مسٹر حامد علیخاں بیرسٹر کی معرفت ملیں اُن کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے ؂

تمھارے بام پہ چڑھ جاتے ناتوانی میں
ہماری آہ اگر ہوتی نردباں کی طرح

اُس تیغ سے بچے کوئی کیا قتل گاہ میں
رکھتے ہیں سب کو دیدۂ جوہر نگاہ میں

کیونکر نظر پڑے تنِ خاکی میں شکل روح
صورت سوار کی ہے نہاں گردِ راہ میں

آنکھوں سے دیکھو آئینے میں خطِ سبز کو
چھوڑو کبھی تو آہوؤں کو اِس گیاہ میں

رہیں پردے میں بھی نیچی نگاہیں
حیا کہتی ہے چشمِ سُرمگیں سے

نگاہِ یار سے بچنے کی راہ مشکل ہے
یہ تیغ وہ ہے کہ جس سے پناہ مشکل ہے

ہجومِ غم ہے یہاں تک کہ آہ مشکل ہے
یہ بھیڑ چار طرف ہے کہ راہ مشکل ہے

حیا نے اُن کو بٹھایا ہے ایسے پردے میں
کہ دیکھنا ہمیں اب اک نگاہ مشکل ہے

یہ حال اب تو ہے شوخی و بدمزاجی کا
کہ چار دن بھی اب اُن سے نباہ مشکل ہے

نجائیگا مرے دل سے خیالِ خط اُن کا
کہ کہربا سے چھُٹے دل کے کاہ مشکل ہے

یہی ہے نالۂ ناقوس کا جہاں میں شور
فروغِ اشہد ان لا الٰہ مشکل ہے

دکھاؤ غیر کو دنداں نہ تم ہنسی کل کر
اُسے تمیزِ سفید و سیاہ مشکل ہے

صراطِ حشر سے باریک تر ہے کوچۂ عشق
سمجھ سمجھ کے قدم رکھ یہ راہ مشکل ہے

ملا سکے کوئی کیا آفتاب سے آنکھیں
تمھارے چہرے پہ ٹھیرے نگاہ مشکل ہے

کہاں اُمید کہ وہ خود مجھے سلام کریں
جھکے گدا سے سرِ بادشاہ مشکل ہے

سرِ مزار یہ مصرع ہو اے حزیں کندہ
کسی سے اُس سے ہے آساں نباہ مشکل ہے

دیگر

نہیں معلوم یہ کیسی ہنسی تھی زخمِ بسمل کی
لہو ہر دیدۂ جوہر سے روئی تیغ قاتل کی

سفر میں راہ کٹ جاتی ہے آسانی سے مشکل کی
مسافر کو جو راحت یاد آجاتی ہے منزل کی

ترے در پہ چراغِ داغِ دل کتنے جلایا ہے
ہوئی ہے روشنی پروانہ اُس پر راہِ کامل کی

خیالِ یار جانے پر جو ہو جاتا ہے آمادہ
لپٹ کر روک لیتی ہیں تمنائیں مری دل کی

زمیں پر ذکر کیا ہے آسماں پر ہر جگہ پھیلی
ترے آنے سے رونق بڑھ گئی اس درجہ محفل کی

سمجھتا ہے وہ رشکِ عیدگہ میدانِ مقتل کو
گلے جُھک جُھک کے جس سے ملتی ہو شمشیر قاتل کی

ہوا ہے نور خط سے حسنِ رخ شامِ جوانی میں
سحر ہونے نپائی ہوگئی گُل شمعِ محفل کی

اُٹھے دنیا سے رفتہ رفتہ کیا کیا ہمنشیں میرے
پریشانی بڑھی گھٹنے سے جمعیت کے محفل کی

ٹپکے گا جس گھڑی ہوگی قیامت کیا قیامت پر
بھری ہے صُور میں آواز میرے نالۂ دل کی

نظیر اُس کا نہیں ہے بعد احمد کے خدائی میں
کہ جس نے ہر بشر کی اے حزیں آسان مشکل کی

دیگر

مری زباں سے بھی پھول جھڑتے ہیں شمع محفل بھی گلفشاں ہے
روش روش پر جو پھول ہنستے ہیں انہیں کیا شاخِ زعفراں ہے

تمام ذرّے بنے ہیں انجم جو جادہ ہے رشکِ کہکشاں ہے
زمیں پہ رکھا ہی پاؤں کسنے کہ سربلندی سے آسماں ہے

صفِ نعال اپنی جا ہے لیکن ذلیل بھی ہیں جلیل بھی ہیں
اُدھر سے دیکھو تو صدر سمجھو اِدھر سے دیکھو تو آستاں ہے

جو کہیں تصور میں بند آنکھیں تو سیر ساتوں فلک کی دیکھی	اگرچہ زانو پہ سر ہے لیکن نظر ہماری کہاں کہاں ہے
ہی بزمِ کثرت کی ایک صورت نہیں ہے تجکو نگاہِ وحدت	کہاں نہیں ہے وہ ماہ طلعت نہ پوچھ مجھسے کہ وہ کہاں ہے
حزیں ہے تائیدِ ربِّ قادر کہ ہو نہیں شاہِ نجف کا زائر	ہوا یہ پیری میں مجکو ظاہر کہ بخت میرا ابھی جواں ہے

حسام

حسام۔ چودھری حسام الدین ولد چودھری سعادت علی باشندۂ سلیم پور پرگنہ گوسائیں گنج توابع لکھنؤ۔ کرامت علیخاں فسرخ کے شاگرد اور صاحبِ دیوان فارسی و ریختہ تھے ۱۲۷۵ھ سے قبل کربلا جاتے ہوئے راہی عالمِ بقا ہوئے یہ چند اشعار اُنکے ہیں +

وہ لال لال ہیں عُنّاب لب ترے اے گل	کہ جنکو دیکھ کے کھٹّے ہوئے ہمارے دانت
بشکلِ آئینہ دیکھے تو مُنہ اُسمیں نظر آئے	صفا رکھتا ہے وہ یہ غیرتِ مہتاب ناخن پر
شب کو دریا میں جو عکس اُسکے کفِ پا کا پڑے	ہوں حباب بحر جوں فانوس روشن آب میں

حسام

حسام۔ نواب حسام الدولہ حافظ الملک محمد تقی علیخان بہادر شمشیر جنگ مرحوم ملقب بہ نواب مہدی علیخان متخلص بہ حسام شاگرد شیخ امان علی سحر۔ آپ حضرت محمد علیشاہ بادشاہ اودھ کے خویش اور حضرت واجد علیشاہ کے خاص مقرب و معتمد تھے۔ بعد انتزاعِ سلطنت جب واجد علیشاہ کلکتے جانے لگے تو محلات شاہی جواہر خانہ اور دیگر کارخانجات سلطانی کا آپ ہی کو منتظم کر گئے تھے۔ موزونیٔ طبع سے کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی متوجہ ہو جاتے تھے۔ کلام یہ ہے۔

رات بھر تارے گنے چاند بھی عاشق ہو کر	تم دکھا دو جو ترے زلفِ پریشان عارض
عارضی حسن پر اتنا نہیں لازم ہے غرور	ہوں اگر چاند سے اے ماہ دو چنداں عارض
بیحجابی میں بھی پردہ ہی رہا عاشق سے	رقص میں بھی نظر آئے تہِ داماں عارض
رنگِ عذارِ یار کبھی ہے کبھی نہیں	دو دن کی ہے بہار کبھی ہے کبھی نہیں
دنیا دو رنگ ہے کبھی غم ہے کبھی خوشی	اس باغ کی بہار کبھی ہے کبھی نہیں
اتنا گھمنڈ دولتِ حسن دو روزہ پہ	کیا زر کا اعتبار کبھی ہے کبھی نہیں
ہر دم نہ آزمایا کرو تیغِ ناز کو	محفل میں جان نثار کبھی ہے کبھی نہیں

شب کو ہمیشہ وصل ہے دن کو سدا فراق	پہلو میں اپنے یار کبھی ہے کبھی نہیں

حسام

حسام- خواجہ حسام الدین حسام لکھنوی کاتب اخبار دار السلطنت کلکتہ فضل احمد کیف اور سید محمد سجاد کے شاگرد ہیں۔ کلام اُن کا یہ ہے۔

اللہ رے اضطراب کہ کوسوں پتا نہیں	ہوش و حواس و صبر و شکیب و قرار کا
اے حسام اب آپکا وہ زہد و تقوی کیا ہُوا	ایک کلمے میں وہ بُت بندہ بنا کر لے چلا
تم لاکھ چاہو دل سے بُھلا دو مجھے مگر	جاتا ہے میرے دل سے تمہارا خیال کب
تو بھی کسی معشوق کی صحبت میں رہا ہے	اسے چرخ جو یہ ظلم کی عادت نہیں جاتی
بعد مُردن بھی نہ کی ترکِ رفاقت میری	میری تربت سے لگی بیٹھی ہے حسرت میری

حسام

حسام- منشی حسام الدین باشندۂ کاکوری۔ صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب امیر مینائی سے تلمذ تھا۔ یہ چند شعر انکے ہیں ٭

کچھ کچھ تو کمی درد جگر میں ہے دم نزع	آتا ہے نظر دستِ شفا دستِ قضا میں
کسی شمع تجلی کے اثر سے	لگی ہے آگ اِک دل تک جگر سے
مرے دلکو بیٹے جاتا ہے کوئی	بچالے درد ہی اُٹھ کر جگر سے
الٰہی خیر ہو یہ درد کم بخت	بڑھا اب دل کی جانب بھی جگر سے
دم آخر حسام اُن کا یہ کہنا	کہو پلٹو گے کبتک اِس سفر سے

حسامی- مرزا حسام الدین حیدر دہلوی خلفِ مرزا خانی۔ اِنکے بزرگ کسی زمانے میں صاحب اقتدار تھے مگر یہ خود گردش زمانہ کے باعث بے علم رہے۔ بچپن سے فکر معیشت نے سر اُٹھانے نہ دیا داستان گوئی اور چلا کاری کو وسیلۂ معاش ٹھیرایا تھا۔ موزونی طبع کے باعث کبھی کبھی شعر گوئی کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ خدا بخش خان تنویر سے اصلاح لیتے تھے۔ علم موسیقی میں بھی کچھ دخل تھا چونکہ اکثر اپنا ہی کلام گایا کرتے تھے اکثر غزلیں اُنکی زبان زدِ خاص و عام ہو گئیں۔ سنہ ۱۳۰۳ھ ہجری میں حیات تھے اور اُسوقت ۵۲ برس کی عمر تھی یہ اُنکا کلام ہے ٭

یارب ہمارے کام توسارے سنوار دے | تیرے سوا ہے کون جو دلکو قرار دے
ظالم نے ایسے۔ تخت کو برباد کردیا | یاں موسم خزاں ہے توجلدی بہار دے
لوٹی گئی ہے اِس طرح مخلوق ہند کی | دھمکا کے تیغ سے کہا سب تار تار دے

دیگر

کیا تم سے کہوں لطف ہے جو عشقِ یار میں | پر اتنی بُرائی ہے کہ آرام نہیں ہے
مرجائینگے گھٹ گھٹ کے یونہیں ہجر میں تیرے | رُسوائے جہاں کرنا مرا کام نہیں ہے

دیگر

کر ذبح مجھے شوق سے اے کافر بدکیش | تڑپوں تہِ خنجر یہ مرا کام نہیں ہے
اک لحظہ چین دل کو نہ اک دم قرار ہے | کیا جانے تیغ کسکی لگی کس کا وار ہے

نکل جائے کہیں یہ جان تن سے | چھٹوں فرقت کے ہیں رنج ومحن سے

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دلکو اپنے قرار ہے | کروں غم ستم کا میں کیا بیاں مرا غم سے سینہ فگار ہے
دے شہرِ دہلی یہ تھا چمن کہ تھا سب طرح کا یہاں اَمن | وہ خطاب اِسکا تو مٹ گیا فقط اتنو اُجڑا دیار ہے
یہ رعایا ہند تباہ ہوئی کہوں کیا کیا اُنپہ جفا ہوئی | جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ تو قابلِ دار ہے
شب و روز پھولوں میں جو تُلیں وہ یوں خارِ غم سے فگار ہوں | ملے طوق قید میں جب اُنھیں کہیں بد گل کے یہ ہار ہے
جو سلوک اَوروں سے کرتے تھے وہی اب ہیں کتنے ذلیل و خوار | وہ ہیں تنگ چرخ کے جور سے رہا تن پہ اُنکے نہ تار ہے
یہ زمانہ ہی وہ بُرا فلک چلو بچ کے سب سے الگ الگ | نہ رفیق کوئی کسی کا یاں کسی کا کوئی بھی یار ہے
کیا حسامی ڈر تجھے حشر کا جو خدا رکھے تجھے برملا | تجھے ہے وسیلہ رسول کا وہی تیرا حامی کار ہے

حسان حکیم عبدالحق حسان۔ اسحٰق پٹن صوبۂ مدراس کے رہنے والے اور منشی احمد حسین شوکت کے معتقد ہیں۔ حالات باوجود کوشش دستیاب نہ ہوسکے اِنکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

حسان

ہمکو پلادے وہ مئے وحدت توساقیا | غم دوجہاں کا خاتم دل کا نگین نہو
پیشہ دغا کا کرتا ہے کیوں واعظ اختیار | خائن بہ باطن اور بظاہر امین نہو

خدائی کے نظر آتے ہیں جلوے دیکھ لے آکر | تماشا خانۂ دل تیرے نظارے کے قابل ہے
اے دل تمام رات تڑپتا ہے درد میں | پہلی ہی شب ہے اور تجھے اضطراب ہے

طلسم آنِ حسن ہے اور در وشانِ عشق ہے	حسن کی یہ جان ہے اور وہ روانِ عشق ہے
جگر کے داغ ہرے ہوں جو موسمِ گل میں	ہیں ارمغاں انھیں لیجاؤں باغباں کے لیئے

حسرت

حسرت - میر محمد حیات حسرت ملقب بہ ہیبت قلیخان - انکے والد نواب شوکت جنگ خلف نواب صولت جنگ صوبہ دار پورنیہ بنگال کی رفاقت میں کچھ دن رہے - پھر نواب سراج الدولہ کی سرکار میں داروغگی کی خدمت پر مقرر ہوئے - خود حسرت ۱۱۹۰ھ میں نواب مبارک الدولہ میر مبارک علیخان صوبہ بنگال کے ہاں افسروں میں تھے عظیم آباد کے رہنے والے - اور میرزا جانجاناں مظہر کے شاگرد تھے - انکی بدیہہ گوئی - حاضر جوابی - ظرافت اور دقیقہ رسی کا افسانہ فقط تذکروں ہی کے ذریعے سے اب تک باقی ہے - شعر صاف اور پاکیزہ کہتے تھے لطف محاورہ کا بہت خیال رکھتے تھے - معاملہ بندی میں روزمرہ کا برتاؤ اُنکے مذاقِ سلیم کا شاہد ہے اُنکے بعض اشعار ایسے بھی ہیں کہ جو زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ کس شاعر کے ہیں ۱۲۰۱ھ میں انتقال ہوا - فیلن صاحب لکھتے ہیں کہ دیوان اُردو کے علاوہ ایک قصہ طوطی نامہ بھی انکی تصنیف سے تھا - ذیل کی چند غزلوں کے منتخب اشعار اُن کے دیوان سے نقل کیئے جاتے ہیں ٭

سیر رکھتا ہے ہمارا شیوۂ دیوانگی	عشق نے داغِ جنوں سے ہمکو گلدستہ کیا
کس ساعتِ بد قیدِ قفس میں وہ پڑی تھی	بلبل کو نہ پھر ہم نے گلستاں میں دیکھا
حسرت اُسے بے برگ میں کن آنکھوں سے دیکھوں	جس باغ کو جوشِ گل و ریحان میں دیکھا

نجانوں کرے کیا حنا کا لگانا	لہو پانی کرتا ہے یہ پان کھانا
چھپاؤں اشکِ گلگوں کس طرح ہائے	گریباں ہو رہا ہے جا بجا سُرخ
ہم سے وحشت اِسے کیا کہتے ہیں	سب سے اُلفت اِسے کیا کہتے ہیں
رہی اُٹھا چشمِ مروت ہم سے	بے مروت اِسے کیا کہتے ہیں
اُسکے دل میں کبھی تاثیر نکی	اے محبت اِسے کیا کہتے ہیں

بے سبب صاف دلوں سے صاحب ——— اِتنی کلفت اِسے کیا کہتے ہیں

اِتنا بھی عشق میں رسوا ہونا ——— کہہ تو حسرت اِسے کیا کہتے ہیں

زلف و رخ یار دیکھتا ہوں ——— کیا لیل و نہار دیکھتا ہوں

ہم نہوں تو ہو تو سب چرچا کریں ——— شمع ہے محفل میں پروانہ نہیں

مر گئے انتظار کے ہاتھوں ——— کب کہیں اپنے یار کے ہاتھوں

سدا بارش میں رہتی ہے ہماری چشم تر ساون ——— تو اِک دو دن برس کر ہم سے آ سکتا ہے برساون

سنا ہے آج میخانہ میں جام مے پرستوں نے ——— لٹا یا دین و دنیا دونوں ہمت اسکو کہتے ہیں

ہم دوانوں کے نہیں عشق میں گھر جلتے ہیں ——— اِس محبت میں پرندوں کے بھی پر جلتے ہیں

اڑا دے اے دوانے شورش سودا سے چھپڑ کو ——— بہار آئی تو کیدھر دیکھتا ہے پھونک دے گھر کو

ق

زاہد جو نہیں ہے مرے دل سے آگاہ ——— کہتا ہے کہ کافر ہے تو اے روسیاہ

ہوں جسکی پرستش میں کہوں کیا یارو ——— آتا ہے وہ بت دیکھیو اللہ اللہ

ق

میخانے میں کیا پھرے ہے مٹکی مٹکی ——— زاہد و واعظ سے دور بھٹکی بھٹکی

قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے ہرگز ——— یہ دختر رز ہے جس سے اٹکی اٹکی

تیرا غرور مرے عجز کے مقابل ہے ——— اُدھر پہاڑ اِدھر ایک شیشۂ دل ہے

یہ گل ہزار اپنے جامے میں پھول بیٹھے ——— ویسے کھلے نہ دیکھے بند قبا کسو کے

جدائی کی ہوا دہکا گئی ہے آگ سینے کی ——— لگے اڑنے بھبوکے آہ کے کیا طرح جینے کی

عشق میں یار گر وفا نہ کرے ——— کیا کرے کوئی اور کیا نہ کرے

کسو دشمن کا آشنا بھی خدا ——— تجھسا بیگانہ آشنا نہ کرے

چاہے سو ہیں کر تو گنہگار ہیں تیرے ——— تقدیر تھی اپنی کہ گرفتار ہیں تیرے

عشق میں خواب کا خیال کسے ——— نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

جتنے خوش چشم ہیں زمانے میں ——— رہتی ہے سب سے میری آنکھ لگی

ہے خبر آئینگی یاں کون سے دیوانے کی	کچھ ہوا آج جنوں خیز ہے ویرانے کی
تو ہی اے ذوقِ ستم سلسلہ جنباں ہو کبھی	یوں تو ظالم کو مری یاد نہیں آنے کی

حسرت

حسرت۔ میرزا جعفر علی نام حسرت تخلص باشندہ دہلی۔ والد انکے میرزا ابوالخیر دہلی میں عطاری کا پیشہ کرتے تھے۔ اور میرزا حسرت کا بھی اوائل شباب میں یہی پیشہ تھا۔ دوکان انکی دلّی میں اکبری دروازے کے قریب تھی۔ تعلیم و تربیت بھی انکی یہی ہوئی۔ مگر پھر دلّی سے نکلکر لکھنؤ میں مستقل قیام اختیار کیا تھا۔ اور عطّاری کا پیشہ ترک کرکے مرزا جہاندار شاہ کی رفاقت میں رہنے لگے تھے۔ آخر عمر میں یہ سلسلہ بھی چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ چنانچہ اسی عزلت گزینی اور اطمینان کی حالت میں ۱۲۰۰ھ ہجری میں انتقال کیا ؂

انکا سلسلہ شاعری رائے سرب سنگھ دیوانہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بزرگوار اگرچہ ہندی نژاد تھے لیکن اپنی فطری مناسبت اور خداداد قابلیت کی وجہ سے فارسی زبان پر بہت اچھی طرح قادر تھے اور مذاقِ سلیم رکھتے تھے۔ ان کے زمانے میں اکثر شعرائے لکھنو انھیں سے فنِ شاعری میں فیضیاب سخن ہوئے۔ چنانچہ حسرت بھی انھیں کے شاگرد تھے اور ایسے شاگرد تھے کہ خود بھی اُستاد مانے گئے اور انکے بھی بیسیوں شاگرد تھے جن میں شیخ قلندر بخش جرأت انکے شاگرد ایسے مشہور نامور اور صاحب دیوان شاعر گزرے ہیں کہ جن پر اُستاد کو بھی فخر تھا۔ حسرت کے تذکرے میں یہ بات نہایت دلچسپ اور عجیب ہے کہ انکے فیضانِ سخن کی ابتدا تو مغرب یعنی دلّی سے ہوئی اور انتہا مشرق یعنی بنگال و بہار میں جسکو بالتفصیل یوں کہنا چاہیئے کہ انکے شاگرد رشید جرأت کے رنگ نے تو دلّی کی آب وہوا میں پختہ ہوکر لکھنؤ پر اپنا اثر ڈالا اور شاگردانِ جرأت میں سے میاں مہجور صاحب نورتن نے اُسکو پوری آب و تاب کے ساتھ چمکایا۔ رافت کے کلام میں بھی دلّی اور لکھنؤ کے ساتھ ساتھ بہار و بنگال کا کچھ اثر پایا جاتا ہے۔ انکے بعد ضیغم وحشت۔ نسّاخ۔ اور شاگردانِ نسّاخ ان سب کی نشو و نما بھی مشرق ہی میں ہوئی۔ اور ان کی شاعری بھی وہیں کی شاعری قرار پائی ؂

حسرت کے شاگردوں میں شہرت اور قابلیت کے لحاظ سے سب سے اوّل نمبر تو حضرت جرأت کا ہے اُن کے بعد شاہ قدرت اللہ قدرت۔ نواب محبت خان محبت۔ شہباز جنگ اور خواجہ حسن حسن لکھنوی وغیرہ کا نمبر ہے۔ یہ لوگ صاحب دیوان اور مسلم الثبوت استاد گزرے ہیں۔ حسرت کی تصنیفات میں اُردو کلیات کے سوا اور کوئی کتاب یا تذکرہ مشہور نہیں ہے۔ اس کلیات میں۔ ساقی نامہ۔ مثنوی۔ واسوخت۔ ترجیع بند۔ ترکیب بند مستزاد۔ مخمسات۔ قصائد۔ اور رباعیات غرض اصناف سخن کے جملہ نمونے پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اسی میں دو دیوان غزلوں کے بھی موجود ہیں۔ اُن کا قلمی دیوان راقم کے کتبخانے میں موجود ہے۔ اب کچھ عرصہ ہوا حسرت موہانی نے اُن کا انتخاب کلام بھی شائع کیا ہے شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد صاحب آبحیات نے دیوان حسرت کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "اس میں پھیکے شربت کا مزہ آتا ہے" مگر راقم الحروف کے نزدیک مولانا کا یہ قول قابل تسلیم نہیں ہے۔ غالباً اُنکی نظر سے صرف اُن کا دیوان دوم گزرا ہے۔ اور اسی پر اُنھوں نے مذکور الصدر رائے قائم کی ہے جو ایک حد تک صحیح ہے۔ اگر پورا کلیات اُنکے سامنے ہوتا تو یقیناً وہ حسرت کے لیئے اس سے بہتر رائے قائم کرتے کیونکہ فی الواقع اس میں اکثر جگہ بہت کچھ نمکینی اور چاشنی موجود ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ کسی عمارہ سے عمارہ کہنے والے کا بھی تمام کلام یکرنگ ہونا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

حسرت کا کلام اکثر شعرائے متقدمین کی مانند تصنع اور ناگوار رعایت لفظی سے پاک ہے درد اور سادگی خیال کی بنیاد پر فی الجملہ میر کے کلام سے مشابہ ہے۔ اگرچہ ترکیبوں کی موزونیت اور الفاظ کی برجستگی میں میر تقی کا رتبہ بہت بلند ہے۔

میرزا حسرت کا خاص انداز یہ ہے کہ غزل کو اکثر قطعہ پر ختم کرتے ہیں اور مضمون مسلسل کے اسقدر گرویدہ معلوم ہوتے ہیں کہ بعض غزلوں میں مطلع سے مقطع تک ایک ہی مضمون ہوتا ہے یہ خصوصیت ان سے گزر کر جرأت اور شاگردان جرأت میں بھی پائی جاتی ہے۔ جو بلاشبہ

قابل تقلید ہے۔ حسرت اُردو شاعری کے علاوہ فارسی زبان میں بھی قابل دستگاہ رکھتے تھے اور مرزا فاخر مکین سے فارسی میں اصلاح لیا کرتے تھے۔ اب اُنکے کلام کا انتخاب مُلاحظہ ہو

زیست میں بادہ کشی حسن پرستی ہے مزا
اس سوا جس نے کیا کام سو بیہودہ کیا

دل تو میرا ہوگیا آشفتہ اسکی زلف کا
تیرے کیوں مُو ہیں پریشاں تجکو سنبل کیا ہوا

لایا نہ کوئی چراغ و گل یاں
بیکس ہی رہا مزار اپنا

کی دل نے بھی آہ بے وفائی
کوئی نہیں غمگسار اپنا

کیا مے تھی وہ چشم مستِ ساقی
ٹوٹا نہ کبھی خمار اپنا

تو آنے کو یاں کے دن گنے ہے
ہم کرتے ہیں دم شمار اپنا

تیرا تو تب اعتبار کیجے
جب ہووے کچھ اعتبار اپنا

صبحدم نالے سحر کے جتنے تھے خالی گئے
اے دعائے نیم شب تیرے اثر کو کیا ہوا

ایک سے اک اس زمانہ میں ہو اُس سے خوب تر
کوئی خوش آتا نہیں میری نظر کو کیا ہوا

مجھے ٹک سانس بھی یہ درد و غم لینے نہیں دیتا
عجب کچھ درد ہی دل میں کہ دم لینے نہیں دیتا

اجل سو بار آئی رنج میرا دور کرنے کو
وَلے احساں مجھے تیرا کرم لینے نہیں دیتا

تمنّا خاک کو میری قدمبوسی کی ہے لیکن
چلے ہے بچکے وہ ظالم قدم لینے نہیں دیتا

پھر اُدھر قتل کو آنکھوں سے اشارہ نہ کیا
نیم بسمل ہی رکھا کام ہمارا نہ کیا

بوسۂ لب دلِ بیمار کی قسمت نہ ہوا
درد کا میرے مسیحا نے بھی چارہ نہ کیا

دیکھ لیتا کوئی دم میں بھی تجھے بھر کے نگاہ
سامنے ہونیکا پر دل ہی نے یارا نہ کیا

اے دل اگر تڑپنا تیرا یہی رہے گا
کاہے کو تو جیئے گا کاہے کو جی رہیگا

رہنے دے مے کو ساقی ہم تو چلے یہاں سے
قسمت میں جسکی ہوگا سو جام پی رہیگا

ایک نے بھی نہ کی وفا ہم سے
ہم نے کتنوں سے دل لگا دیکھا

یار رہے دُکھ میں یار رہے غم میں
ہم نے دنیا میں آکے کیا دیکھا

بھولتا ہی نہیں وہ دل سے اُسے
ہم نے سو سو طرح بھلا دیکھا

بہاریں ہمکو بھولیں یاد ہے اِتنا کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

نہیں معلوم کیا تھا جو سحر تک شمع رویا کی
کچھ اپنا حال پروانہ سُنانے شام آیا تھا

اجل منت تری کیا ہے وہ ابرو جب سے دیکھے تھے
اُسی دم سے ہمیں تو مرگ کا پیغام آیا تھا

وفا سمجھا تھا میں پر دل کو لیتے ہی نہ وہ ٹھیرا
جو دیکھا تو غرض کو اپنی وہ خود کام آیا تھا

مطلب نہیں ہے شکوہ۔ اِن بےمروّتوں کا
حسرت مجھے ہے رونا اِس دل کی حسرتوں کا

ہر اشک ہو وہ قاصد ہے جسکے پاس دفتر
تیری شکایتوں کا میری حکایتوں کا

گیا دل سو گیا رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا
اگر رو رو کے جی کھوویں تو پیدا دل نہیں ہوتا

کسی نگہ کا تیر لگا آہ کیا ہوا
تڑپے ہے دل مرا اسے اللہ کیا ہوا

جگر کر چاک قاتل دیکھتا تھا
جو میں پوچھا کہا دل دیکھتا تھا

جُوں لالہ بہار کر رہا ہے
یہ سینۂ داغدار اپنا

کاش کے عشق جتاتا نہ میں اُسکو حسرت
میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہ ہوا

بچا تجکو مریضِ عشق سے مِلنا حذر آیا
کہ آئینے میں شکل اپنی جو دیکھی مجکو ڈر آیا

رقیبوں کے حوالے کر کے خط کو نامہ بر آیا
عزیزوں کیا کہوں قاصد تو میرا کام کر آیا

نامہ بر دل سے نہیں بہتر کوئی پر تجھ سکتے
اُسکو بھی بھیجا نہ میں نے بدگمانی کے سبب

کیا مجال اسکی کہاں تو اور کہاں میرا غبار
لگ چلا دامن سے تیری مہربانی کے سبب

اُپنے لب تو وا نہ کر اے خندۂ زخمِ جگر
چرخ دیگا لاکھ غم اِس شادمانی کے سبب

پتنگے شمع کے صدقے ہوں بلبلیں گُل پر
کوئی کسی کے فدا ہوویں ہوں فدائے حبیب

بہشت کی مجھے ترغیب تو نہ دے واعظ
کسیکی مجکو تمنا نہیں سوائے حبیب

کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
جیسی تجھ بن کٹی ہماری رات

بے خبر یار مری لینے خبر آیا ہے
دین و دنیا کی نہیں مجکو خبر آجکی رات

گر بے وفا ہے قتل ہی کرنے کو آ یہاں
اور باوفا جو ہو تو برائے خدا پہنچ

قطعہ

گر مجھ سے کچھ غرض ہے تو مطلب کو اپنے آ
اور کچھ نہ کام ہووے تو بے مدعا پہنچ

گر بے خطا ہوں میں تو مجھے آ کے وصل دے
اور ہو گناہ میرا تو دینے سزا پہنچ

القصہ اب نہیں ہے ذرا تاب انتظار
جس طور جانے پاس تو حسرت کے آ پہنچ

دیکھی نہ ایسی جنگ نہ میں زینہار صلح
سو بار دن میں لڑتے ہو اور سو ہی بار صلح

کہتا ہے تو ملوں گا نہ اس سے پر آج کل
حسرت کرے گا آپ سے بے اختیار صلح

فانوس میں شمع ہے کہاں ایسی خوشنما
جو پیرہن میں دیتا ہے اس کا بدن بہار

مجنوں ترے ہی پاؤں کے ٹوٹے ہیں آبلے
ہر نوک خار دشت سے دیتا ہے تن بہار

روز ازل سے حسن کی جلوہ گری ہے تا ہنوز
ہم بھی تمہی سے محو ہیں بیخبری ہے تا ہنوز

میکدے میں نگاہ نے تیری عجب فسوں کیا
شیشوں میں مے کے ہر طرف رقص پری ہے تا ہنوز

بوئے یوسف مگر آئی نہیں کنعاں میں ہنوز
کہ صبا ڈھونڈے ہے اس گل کو گلستاں میں ہنوز

قتل کا تو نے جو حسرت کے کیا ہے ساماں
کچھ رہا ہی مگر اس بے سر و ساماں میں ہنوز

اپنی خاطر نہیں منظور رہائی مجھکو
میں ہوں آزاد تو ہو رنج سے آزاد قفس

بسکہ تھا انس بہم بعد رہائی صیاد
ہم قفس یاد کریں ہمکو کرے یاد قفس

روئے گل دور ہی سے دیکھ لیں ہم ای صیاد
ٹک تو لیجا کے تو لٹکا سر شمشاد قفس

مانند گل کروں میں گریباں کو چاک چاک
آتا ہے میرے دل میں یہی بار بار جوش

حسرت مجھے ہے ڈر کہیں آنسو ابل نجائیں
رکھتا ہوں جی کا جی ہی میں میں مار مار جوش

دیکھتے ہی شمع کو جاتا ہے پروانے کا ہوش
آدھ پہر رہتا ہے کیونکر اسکو جلجانے کا ہوش

مست میں تو ہو گیا تیری نگہ سے ساقیا
اب نہیں مجھ میں رہا ہے اور پیمانے کا ہوش

ہوگئی بلبل قفس کو دیکھتے ہی بیحواس
کچھ نہیں اسکو رہا ہے آب اور دانے کا ہوش

جونہی ذکر عشق چھیڑا بس ہوا بیہوش میں
آگئے حسرت کچھ رہا مجکو نہ افسانے کا ہوش

گل کب نئے ہم سے خوش کہ نہیں ہو تم آج خوش
ہنسنے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تو نے فلک
ہائے اس یوسف کو جو تھا سارے کنعاں کی بساط

تو نے اے غم انکو بھی کھو یا رُولا کر ہے غضب
تھے کئی ٹکڑے جگر کے چشم گریاں کی بساط

ایک بوسہ دیتے انکا حوصلہ ہوتا ہے تنگ
خوب حسرت دیکھ لی ہمنے بھی خوباں کی بساط

اتنی مجھے نہیں ہے دل وجاں کی احتیاط
منظور جتنی ہے ترے پیکاں کی احتیاط

کچھ اس سے بہرے پاؤں کے ہیں آبلوں کو کام
اے برق کیجو خار بیاباں کی احتیاط

اے فلک باقی نہیں ہیں میرے دلمیں جائے داغ
اور کیوں دیتا ہے مجکو داغ پر بالائے داغ

تجھسا مہرو داغ ہجراں دیکے یوں جاتا ہے
حیف غم افسوس حسرت ہائے حرماں ہائے داغ

سخت بیدردی ہے بیدردوں سے کہنا دردِ دل
منتِ مرہم نہ لیجے کھینچئے ایذائے داغ

قطعہ

حسرت ہزار رنگ سے بولا میں جھوٹ سچ
یعنی کہ نوبت آئے سخن کی قسم تلک

لیکن سمجھ کے بات کو اس نے اُڑا دیا
پہنچاتے ورنہ ہاتھ ہم اسکے قدم تلک

تری فرقت میں ہے شام و سحر مجکو عجب مشکل
جو شب کاٹی تو دن مشکل جو دن کاٹا تو شب مشکل

کرم سے کھول جو عقدے پڑے ہیں کام میں میرے
ترے آگے ہیں سب آساں مگر نزدیک سب مشکل

ظلم کر اور نہ رکھ عاشقِ بدنام سے کام
اپنے تو کام میں رہ کیا ہے مرے کام سے کام

گردشِ چشم نے ساقی کی چھکایا ہے ہمیں
کچھ نہیں ہمکو رہا گردشِ ایام سے کام

شیخ کو اس کی بہشتیں ہوں مبارک ہمکو
شیشہ و ساقی و گل یار و می و جام سے کام

قطعہ

کل روتے ہوئے جو اتفاقاً
حسرت کے مزار پر گئے ہم

پڑھتا تھا یہ شعر وہ تو خاک
پھر سنتے ہی جسکے مر گئے ہم

قو[illegible]دوں پہ دیکھتے یہ کیا ہو؟
آپنا تو نباہ کر گئے ہم

ہو وے درد کیونکر آہ صبح و شام پہلو میں
کہ دل لینا نہیں اک آن بھی آرام پہلو میں

ہوئے ہم بت کے بندے برہمن سے راہ کرتے ہیں
حرم کے رہنے والو اہم سے عشق اللہ کرتے ہیں

نہ دیکھ اے شیخ تو اُنکی طرف چشمِ حقارت سے
گدایانِ خرابات اِک نگہ میں شاہ کرتے ہیں

نکل جائے کسی دن جی بھی شاید ساتھ نالے کے
ہزاروں رات دن میں نالۂ جانکاہ کرتے ہیں

ہوا سے بال زلفوں کے جو رُخساروں پہ ہلتے ہیں
دلِ بیمار اُٹھ بیٹھو کہ دونوں وقت ملتے ہیں

ساقی مے دے کہ اہلِ مجلس
پانی پانی پکارتے ہیں

بسایا ہم نے تو اے ہمصفیرو کنجِ زنداں کو
اب آتش دو چمن کو آہ اور پھونکو گلستاں کو

آ نکلے اگر ادھر کیا کیجے نثار اُن پر
اِک جان ہے سو وہ اک سر ہے سو شوریدہ

تجھ سے کیا کہئے دردِ دل لیکن
نہیں رہتی زبان کیا کیجے

آشیاں ہی اُجڑ گیا اپنا
رہ کے اسے باغباں کیا کیجے

مُفت مرتا ہے غم سے حسرت نام
ایک بیکس جوان کیا کیجے

بہار ہو چکی اور شورِ بلبلوں کا گیا
مرے دماغ سے اُس گل کی ہائے بو نہ گئی

مثالِ نقشِ قدم یاں سے اُٹھ نہیں سکتے
تری گلی میں نجانا بھلا تھا جانے سے

اُڑ گئی پر سے طاقتِ پرواز
کہیں صیاد اب رہا نہ کرے

ق
تم جو کہتے ہو کہہ دو حسرت سے
آہ و فریاد یاں کیا نہ کرے

آپ کا اِس میں کیا بگڑتا ہے
دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

تمھیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

کہہ بیٹھے بُرا منہ سے بھلا اور بھی کچھ ہے
دشنام ہی دے جانے ہے یا اور بھی کچھ ہے

فسانہ وصل کا جس سے دلِ بیتاب کہتا ہے
وہ کہتا ہے کہ افسانہ نہیں یہ خواب کہتا ہے

تاراج کیا صبر و دل و جان پھر اب آئے
کیا خاک بچی ہے جسے برباد کرو گے

کس کا ہے جگر جسپہ یہ بیداد کرو گے
لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

گر کہے تُو رات تو دن کو کہوں میں رات ہے
کفر کچھ اس میں نہیں یہ دل ملنے کی بات ہے

جگر سوزاں ہے۔ دل بیتاب ہے۔ اور چشم گریاں ہے
الٰہی دن ہے میرے مرگ کا یا شامِ ہجراں ہے

یہ کسکی نعش جاتی ہے کہ جسکے ساتھ اک گردوں		غم و درد و الم فریاد و افغاں مرثیہ خواں ہے
یہ بھی اک ستم تھا کہ خواب میں مجھے شکل آکے دکھا گئے		کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو اسطرح سے جگا گئے
ہمارے کام پہ ہرچند آسمان پھرے		تجھے قسم ہے جو تو اِس طرف کو آن پھرے
دلِ دردِ نہاں آہ سے کیونکر نہ کرے	ق	پر آہ تو تب کرے جو اُس سے نہ ڈرے
وہ شکل ہے جیسے دشمنوں میں گھائل		دم لیوے تو سر کٹے نہ دم لے تو مرے
اب تو یہ دل اِک بُتِ ناآشنا کے ہاتھ ہے		اُسکے ہاتھوں چھوٹنا اِسکا خدا کے ہاتھ ہے
بزم میں بیٹھے تھے کل چلنے پر پری و حور سے		دیکھکر اُسکو لگے لینے بلائیں دور سے

حسرت

حسرت - منشی ذوقی رام حسرت - اگروال ویش - قدیم رئیس شاہ جہاں آباد - زیادہ تر فارسی شعر کہتے تھے اور صاحبِ دیوان تھے - فارسی زبان پر بہت اچھی قدرت حاصل تھی شعر میں متانت کے علاوہ محاورہ اس خوبی سے نظم کرتے تھے کہ ایرانیوں کو ان پر اہلِ زبان ہونیکا دھوکا ہوتا تھا - نہایت خلیق - متواضع - اور نیک نہاد بزرگ تھے - مدتوں ریاستِ رامپور اور فرخ آباد میں رہے - اُساتذہ کا کلام اُنھیں بہت یاد تھا - کبھی کبھی اُردو میں بھی فکرِ سخن کیا کرتے تھے - مندرجۂ ذیل اشعار اُنھی کی طبعِ نازک کا نتیجہ ہیں - ملاحظہ ہوں -

یار کرتا ہے سفر گلشن میں آتی ہے بہار	دیکھیں اب کے سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار
سر اُٹھا سکتی نہیں شاخ گلوں کی مطلق	بس کہ ہے حسن سے اُس شوخ کے محجوب بہار
حسرت میں کس کس آفتِ جاں سے بچاؤں دل	عشوہ - ادا - نگاہ - تبسم - خرامِ ناز
قبا پہنے اگر وہ سیم بر سبز	نہ ہو سروِ چمن زنہار سرسبز
عیب معشوق کا کب اہلِ وفا کہتے ہیں	خوب نہیں کرتے جو خوبوں کو بُرا کہتے ہیں
گر کوئی لیتا ہے میرا نام اُسکے رُوبرو	دے ہے مجکو سینکڑوں دشنام اُسکے روبرو
روز و شب چلتا رہے ہے یاں تو حسرت دورِ جام	یاد کیا ہے گردشِ ایام اُس کے روبرو
ہائے کس سے کہوں کہ او بدعہد	کیا کہا اور کیا کیا تو نے

ہوشیاری میں جو آرام نہ پایا ہیں نے
جاں کر آپ کو دیوانہ بنایا ہیں نے

آنکھ تو رو کے چھوٹ جاتی ہے
دل بچارے پہ آفت آتی ہے

شمع کے طور آتش الفت
سر سے پاؤں تلک جلاتی ہے

درد دل کس سے میں کروں اظہار
سن سکے کون کس کی چھاتی ہے

دن تو گزرا پہاڑ سا جوں توں
دیکھئے رات کیسی آتی ہے

غیر کے پاس روز جاتے ہو
اپنے حسرت سے عار آتی ہے

بہ رنگ آبلہ اے وائے کیا یہ زندگانی ہے
کہ جسکے پاؤں پڑتا ہوں اُسیکو سرگرانی ہے

حسرت۔ منشی آتما رام صاحب باشندۂ دہلی خلف رائے دولت رام صاحب نبیرۂ راجہ کنول نین بہادر بیشتر بہت مرفہ الحال تھے مگر دلّی کی تباہی کے بعد وہ صورت نہ رہی ۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں ۶۶-۶۷ برس کی عمر میں قضا کی۔ آخر عمر میں شعر گوئی بالکل ترک کر دی تھی کامل ۳۰ برس راقم تذکرہ کے والد مرحوم کے پاس ملازم رہے کلام درج ذیل ہے +

وہ دن گئے جو راحت و عشرت نصیب تھی
حسرت تو مبتلائے غم و فکر نان ہے اب

دیکھا جدھر اُٹھا کے نگہ خاک کر دیا
دل کیا بچے کہ تیرے اشارے بلا کے ہیں

گردوں پہ سب شفق جو بتاتے ہیں ہے غلط
بادل رنگے ہوئے ترے رنگ حنا کے ہیں

غمزے میں چھیڑ آنکھوں میں شوخی۔ نگہ میں ناز
ہر ہر ادا میں تیری چھلاوے بلا کے ہیں

تجھے رنج جدائی میں ہائے صنم مرا چین گیا مری نیند گئی
کہوں کس سے جو دل پہ ہے میرے الم مرا چین گیا مری نیند گئی

یہی کہتا ہے حسرت خستہ جگر ترے ہجر میں ہو کے بدید تر
تپ ہجر سے آ گیا لب پہ یہ دم مرا چین گیا مری نیند گئی

تری محفل میں آئے کیوں نہ حسرت شمع رو ہر دم
کہ جس جا شمع ہوتی ہے وہاں پروانہ آتا ہے

اِک دل وہی کے جرم پہ جو ہو سزا قبول
یہ ہی سزا تھی مجھ سے گنہگار کے لئے

ہمارا دل ہی یہ جانے ہے کیا کہیں حسرت
خراب جیسے ہوئے شوخ پُر جفا کے لئے

حسرت۔ حافظ عبد الرحمٰن حسرت ساکن پانی پت شاگرد معارف دستگاہ قاضی

محمد ثناء اللہ صاحب مرحوم پانی پتی۔ عرصہ ہوا انتقال کر گئے۔ یہ کلام ہے۔

کس لیے چاک قفس بند کیئے آے صیاد	کیا ہوا ہیں نے اگر سوئے گلستاں دیکھا
تم بھی وبیٹھو گے دل کو ہمیں ہنستے کیا ہوا	اگر آئینہ کبھی تم نے میری جاں دیکھا
اُسنے حسرت کو کیا قتل کہیں ہائے کہ آج	میں نے اُس شوخ سے ظالم کو پشیماں دیکھا
ہمتو حسرت کو سمجھتے تھے کہ اک عارف ہے	یہ تو اے وائے نہ کافر نہ مسلماں نکلا
گر نہیں دوست خدایا میری جاں کے دشمن	کیوں شب غم مرے جینے کی دعا کرتے ہیں
ہائے کیا جورکشی کی ہمیں عادت ہے کہ آپ	اُس ستمگار کو تحریک جفا کرتے ہیں
کیا ہوا دیکھ تو ناصح کہ ہمارے مُنہ سے	یاصنم نکلے ہے جب یاد خدا کرتے ہیں
کیونکر کہوں کہ ہجر میں مطلق نہیں خبر	اتنی خبر تو ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں

حسرت۔ جناب حکیم غلام رسول صاحب عظیم آبادی شاگرد جناب خان بہادر شاد صاحب حالات باوجود کوشش کچھ معلوم نہیں ہوئے۔ کلام کا نمونہ ذیل کے دونوں شعر ہیں۔ ملاحظہ ہوں

جس جگہ شام ہوئی اپنا بسیرا ہے وہیں	ہم سے آواروں کا صیاد نشیمن کیسا؟
آفتاب اُسکو کہوں یا گل جنت حسرت	کیا بتاؤں کہ ہے اُس کا رخ روشن کیسا؟

حسرت۔ کنور اعتماد علیخاں بہادر حسرت رئیس اعظم سعد آباد ضلع متھرا۔ آپ کنور ارشاد علیخاں کے بیٹے اور فن سخن میں حضرت فصیح الملک مرزا داغ کے قدیم شاگردوں میں ہیں۔ انکی زندگی ہی میں صاحب دیوان بھی ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ کا مطبوعہ دیوان موجود ہے۔ شعر خاصہ کہتے ہیں۔ زبان۔ بندش۔ صفائی۔ اور روزمرہ کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ۴۰ - ۵۰ سال کے درمیان عمر ہے ناتجربہ کاری اور غفلت کیوجہ سے آپکی زمینداری کا کسیقدر حصہ تلف ہو گیا۔ اب صرف کچھ معاش باقی ہے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سہل ہیں دل کے لگانے کو میری جاں سمجھا	ہائے جو کام تھا دشوار وہ آساں سمجھا
بیخودی کا ہو بُرا ہائے کیا کیا میں نے	دامن یار کو بھی اپنا گریباں سمجھا

پائے افگار کو لذت ہوئی حاصل کیا کیا
سرِ ہر خار کو میں تیر کا پیکاں سمجھا

شکر کرتے ہوئے قاتل کو جو دیکھا دمِ قتل
زخمِ دل شورِ تبسم کو نمکداں سمجھا

دزدِ مژگاں سے چشمِ شعبدہ گر دل کو لے گئی
ہے کسقدر یہ ہاتھ کی چالاک دیکھنا

ہے وہ نقشہ تری یکتائی کا
اڑ گیا رنگ تماشائی کا

ہو گیا دل کی تمناؤں سے
ایک شہرہ مری رسوائی کا

پاسباں سے ہمیں دہشت کیا تھی
پاس تھا آپ کی رسوائی کا

روزِ محشر بھی نہ نکلے وہ ہے
حوصلہ تیرے تمنائی کا

اک نظر دیکھ لیں اسکی صورت
جنکو دعویٰ ہے شکیبائی کا

خیالِ کینہ و بے رحمیِ صیاد بے جا ہے
ہمارے نالۂ دل نے ہمارا آشیاں پھونکا

اثرِ جاذبِ محبت نے خلش ہی رکھی
تیر نکلا مرے پہلو سے نہ پیکاں نکلا

دوست دشمن کا آشنا نہ ہوا
مدعی کا بھی مدعا نہ ہوا

مجکو چاہت کی داد ملجاتی
تو کسی پر بھی مبتلا نہ ہوا

غیر پر بھی اگر ستم ہوتا
شکوہ ہوتا نہ مجکو غم ہوتا

افسوس وقفِ حسرت و اندوہ ہو گیا
دل قابلِ تصورِ جاناں نہیں رہا

جدا اک دم خیالِ یار جی سے ہو نہیں سکتا
یہ غم سے ہو نہیں سکتا خوشی سے ہو نہیں سکتا

ہمیں کو چاہیئے کرنا ہمیں جو کام کرنا ہے
کسی کا کام یہ سچ ہے کسی سے ہو نہیں سکتا

یہی وہ جنس ہے انسان جو مشکل سے دیتا ہے
متاعِ دل کا سودا دل لگی سے ہو نہیں سکتا

مقدر جب برا ہو کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا
مثل سچ ہے کہ کچھ بھی آدمی سے ہو نہیں سکتا

تمھارے ہاتھ مرنا ہے تمھارے ہاتھ جینا ہے
جو میرا کام ہے میری خوشی سے ہو نہیں سکتا

خاکساری کا دماغ اب آسماں پر ہو گیا
رکھکے دامن پر لگا دے صبا ہماری خاک کا

چبھتے جلتے ہیں پھر دل میں مرے کچھ آج خنجر سے
میری آنکھوں میں نقشہ پھر رہا ہے اسکی ابرو کا

یہی کمبخت مجکو رات دن بے چین رکھتا ہے
چیز اچھی ہو تو ہوتے ہیں خریدار بہت

کہ دلمیں ہوگیا ہے درد اتو میرے پہلو کا
تم سے ملجائیں گے لاکھوں جو مرا دل ہوگا

اِس بہانے سے موت آئی تھی
ٹال دی بات گالیاں دے کر

ہُوا وصل تو وصال ہُوا
عرضِ مطلب کا یہ جواب ہُوا

ہوش آئے تو کرے خون کا دعویٰ کوئی
لذّتِ وصل ملی وصل کی شب بھی نہ مجھے
اِس کا ہیش پنہاں سے تو خوں ہوکے مرا دل
اُٹھتے نہیں وہ بزمِ عدو سے فغاں فغاں
دشمنوں کا نہیں شکوہ کہ تری اُلفت میں
سیکڑوں یونتو مسیحانے جلا سے مُردے
کعبہ و دیر ہوئے شیخ و برہمن کے سپُرد

کشتۂ تیغِ ادا حشر میں سب بے ہوش رہا
رات بھر جلوۂ دیدار سے بے ہوش رہا
ہمراہ جو اشکوں کے نکلجائے تو اچھا
آتی نہیں ہے ہائے قیامت کو کیا ہوا
دوستوں کو انہیں آنکھوں سے بدلتے دیکھا
کوئی بیمارِ محبت نہ سنبھلتے دیکھا
ہم بھی دیکھ آئیں ٹھکانا کہیں چلکر اپنا

شکر لازم ہے اِس عنایت کا
کوئی اُمید اب نہیں باقی

وصل میں کام کیا شکایت کا
ولولہ مِٹ گیا مُحبت کا

داد ملنے کی نہیں کوئی تمنّا ہمکو
قیامت وصل کی شب میں مجھے یہ اُنکا کہنا تھا

داورِ حشر ڈھکا رہنے دے پردا اُنکا
کہ تم تو مُنہ لگانے ہی ہوئے بیباک کیا کہنا

تم کو جانا ہے گھر چلے جانا
آ تو جاؤ میری عیادت کو
جب گزرنا ہماری تربت پر
جاتے ہیں جان سے ذرا ٹھیرو

شب کی شب ٹھیر کر چلے جانا
اِک ذرا دیکھ کر چلے جانا
اُنکو مُنہ پھیر کر چلے جانا
ہم اُدھر تم اِدھر چلے جانا

آرزوئے دلِ بیتاب کا بر آنا تھا
آنکھ نیچی نہیں ہوتی تھی تمھاری کل تک
نہ تم ملتے نہ دل اپنا نہ قسمت آشنا اپنی
عدو کے ساتھ گزاری ہے تم نے ساری رات

تیر کا سینۂ بسمل میں پَر افشاں ہونا
آج کیا ہے جو چُراتے ہو نظر آپ سے آپ
یہ میرا طالع واژوں یہ میری نارسا قسمت
خبر ہے کیا تمھیں کیسی کٹی ہماری رات

قاصد سے کہہ رہے ہیں مرا حال سُنکے وہ
اُسکی طرح سے مجکو بھی آتی ہے جھوٹ سچ

اب یہاں تک تو بڑھا اُنکے ستم کا انداز
میرے دشمن مجھے جینے کی دُعا دیتے ہیں

توبہ کرتا ہوں مگر پھر بھی مرے ہم مشرب
منّتیں کرکے مجھے روز پلا دیتے ہیں

وہ نااُمید کہ جو موت سے ہی کچھ لے سکیں
جہاں میں جس کا نہ ہو آسرا وہ کون کہے

شب فراق بلاؤں بھی تو نہیں آتی
جیسے کہ بھول گئی ہو قضا وہ کون کہے

نہ موت آتی ہو جسکو نہ رزق ملتا ہو
جیسے کہ بھول گیا ہو خدا وہ کون کہے

شوخی نہیں شامل جو تری شرم و حیا میں
چُبھتی ہوئی کچھ بات نہیں ناز و ادا میں

کیا قہر ہے مجکو لب جاں بخش نے مارا
تو زہر کی تاثیر ہوئی آب بقا میں

اِس ظلم و ستم پر بھی کروں مہر و محبت
دُنیا سے نیا چاہنے والا تو نہیں ہیں

وہ پاس بھی ہیں تو بھی سمجھتا ہوں دُور ہیں
فرقت کا بندھ رہا ہے تصور نگاہ میں

ایسے گنہ کیے ہیں کہ اللہ کی پناہ
لکھنے سے جسکے کاتب اعمال تنگ ہیں

ہر چند اُسنے خاک میں مجکو ملا دیا
دل پھر بھی کہہ رہا ہے کہ وہ بیوفا نہیں

دم کچھ ارمان نہیں ہے کہ نکل ہی نہ سکے
موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بُلا بھی نہ سکوں

حضرت ناصح یہ مانا بیوفا وہ شوخ ہے
جب نہو بس میں طبیعت پھر کروں تو کیا کروں

عرصۂ حشر میں اے واعظو کچھ ہو کہ نہ ہو
جیتے جی تم تو جہنم میں جلا دو مجکو

کسی صورت سے تو ارمان تمہارا نکلے
گالیاں اور بھی دو چار سُنا دو مجکو

اور کیا چاہیے گر اسکو قرار آجائے
موت سے دل جو بہلتا ہے بہلجانے دو

سوئے گور غریباں گر وہ جائیں تو یہ حالت ہو
نکل آئیں تڑپ کر قبر سے مُردے قیامت ہے

ہوئی ہائے نامنصفی کیسی کیسی
مجھے حشر پر تھے گماں کیسے کیسے

دل کو غم آشنا کرے کوئی
آپ سے جب وفا کرے کوئی

دل بھی کرنے لگا دغا ہم سے
کس کا اب آسرا کرے کوئی

خوشی گناہ میں اتنی ہے کردگار مجھے	کہ لوگ کہنے ہیں تیرا گناہگار مجھے
اثر یہ جذبۂ دل کا نہیں تو پھر کیا ہے	وہ اور بیٹھ کے روئیں سرِ مزار مجھے
خراب کرکے دلِ بیقرار چھوڑے گا	ابھارتا ہے یہ کمبخت بار بار مجھے
دبی زبان سے کہوں حرفِ مدعا آج	سنبھلنے دے جو ذرا آج انتشار مجھے
وہ خوش نصیب ہوں آخر پلا ہی دیتے ہیں	چھپا چرا کے حریفانِ بادہ خوار مجھے
وعدہ ہے انکے آنیکا اور موت آگئی	مرنا ہوا ہے آج تو دشوار اور بھی
بوسہ لیا تو خوبیٔ تقدیر دیکھیئے	کملا گئے وہ پھول سے رخسار اور بھی
جسے نادان کہتے ہیں قیامت	وہی تو تیرے ملنے کی گھڑی ہے

حسرت

حسرت۔ منشی احمد علی حسرت برادر صغیر حکیم محمد کبیر صاحب۔ زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے نمونۂ کلام میں ذیل کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

تمھاری قدر لوگ کم جانتے ہیں	جو تم ہو پیارے سو ہم جانتے ہیں
شاید وہ شوخ آج پھر اغیار پاس ہے	جو دل پر اضطراب ہے اور جی اداس ہے

حسرت

حسرت۔ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ۔ آپ نواب عبدالشکور خان صاحب کے بھتیجے اور محمد تقی خاں کے فرزند رشید ہیں۔ اپنے ضلع کے عمائدین میں گنے جاتے ہیں۔ ۳۸-۴۰ کے درمیان آپ کی عمر ہے۔ عربی فارسی کی استعداد عالمانہ اور اخباری دنیا میں آپکی شہرت معقول ہے۔ علی گڑھ کالج اور دیگر اسلامی مجالس کے رکن ہیں۔ ندوۃ العلماء کا رسالہ کچھ عرصے سے آپ ہی کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے قصبۂ بھیکم پور کے متصل آپنے اپنے نام سے ایک موضع حبیب گنج آباد کیا ہے اور وہیں زیادہ تر قیام رہتا ہے۔ فارسی میں اکثر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اردو میں گاہے ماہے۔ لفظ شروانی جو آپکے نام یا تخلص کے ساتھ لکھا جاتا ہے یہ آپ کا خاندانی اور قومی نام ہے۔ آپکی نگارش سے معلوم ہوا کہ آپکے مورثِ اعلیٰ سلطنت لودیہ کے عہد میں قندھار کے نواح سے وارد

ہندستان ہوئے تھے۔ خلزی۔ لودی۔ اور شروانی۔ تینوں حقیقی بھائی تھے۔ عمر خان شروانی جن کا ذکر سکندر لودی کے حالات میں صاحب تاریخ فرشتہ نے کیا ہے آپکے مورث خاندان تھے۔ اکبری اور شاہجہانی عہد میں اس خاندان کے لوگ دلی سے نکل کر علیگڈھ کے ضلع میں آباد ہوئے۔ یہاں اپنی قوت بازو سے ریاستیں پیدا کیں اور گورمنٹ کے زیرسایہ اُنھیں اوروسیع کیا۔ حسرت شروانی کی ولادت ۱۲۸۵ھ میں ہوئی۔ آپکی فارسی تعلیم ابوالفضل مینا بازار اور سہ نثر ظہوری تک ہے۔ عربی میں تمام درس نظامی باستثنائے چند کتب ختم کیا ہے۔ اکثر درسی اور مذہبی کتب عربی مولٰنا مفتی لطف اللہ صاحب۔ قاری عبدالغنی صاحب اور شیخ حسین صاحب عرب محدث بھوپال وغیرہ علمائے عصر سے پڑھیں اور حضرت مولٰینا فضل الرحمن صاحب قدس سرہ سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہے۔ انگریزی تعلیم پرائیوٹ اُستادوں سے اور آگرے کے سکول میں انٹرینس تک حاصل کی۔ لغات امیر کے سلسلے میں جناب منشی امیر احمد مینائی سے مُراسلت کا آغاز ہوا اور یہی سلسلہ آخر میں تلمّذ کا ذریعہ بنا۔ فارسی میں آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ایک خاص اثر کا نتیجہ ہے۔ آپ نے عربی فارسی اور اُردو کا ایک کتبخانہ بھی وسیع پیمانہ پر جمع کیا ہے جس میں پرشین لٹریچر کا قلمی ذخیرہ بہت کچھ ہے۔ اور عمدہ ہے۔ اُساتذہ میں خواجہ حالی۔ خواجہ عزیز لکھنوی۔ اور علامۂ شبلی سے آپکے گہرے تعلقات ہیں۔ اپنے ضلع کے درباریوں میں ہیں۔ ایکٹ اسلحہ سے مستثنیٰ ہیں اور اسپیشل مجسٹریٹی کے اختیارات حاصل ہیں۔ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔ (ایک نامے کے چند متفرق اشعار)

صبح وصل

صُبح کے وقت کا نزالا سماں
آنکھوں میں سُرمے کا یُونہی سا اثر
خواب نوشیں کی آنکھوںمیں سُرخی
باسی پھولوں پہ کچھ اُداسی سی

حُسن کا سب لُٹا ہوا سامان
بال بکھرے ہوئے وہ ماتھے پر
کچھ کُھلی کچھ بندھی ہوئی چوٹی
اور بُو اُن کی بگڑی بگڑی سی

صبحِ رخصت

کیسی دلگیر صبحِ رخصت تھی
صبحِ رخصت کہ شامِ غربت تھی

گلے ملتی تھیں آرزوئیں بہم
دل کو تاراج کر رہا تھا غم

غم کی آمد خوشی کی رخصت تھی
اک تمنا ہزار حسرت تھی

ہر طرف بے کسی برستی تھی
بے کسی پر بھی بیکسی سی تھی

تیرا جانا بلا کا آنا تھا
کیا قیامت کا تیرا جانا تھا

دل پہ اک بے خودی سی تھی طاری
تھیں جنوں کی علامتیں ساری

ایک سکتے کا مجسمہ تھا عالم
آرزوؤں کا دل میں تھا ماتم

غزل

پھر بتِ بے حجاب یاد آیا
مایۂ اضطراب یاد آیا

دل سے رخصت ہوں سب تمنائیں
وہ سراپا حجاب یاد آیا

دل میں کچھ گدگدی سے ہوتی ہے
ہائے کس کا شباب یاد آیا

خود فراموش سے ہو کچھ حسرت
کوئی آج اے جناب یاد آیا

ولہ

حسرت و یاس کا انبوہ فغاں کی کثرت
میں تری بزم سے کیا بے سروساماں نکلا

بدگمانی اس کی کم ہوتی نہیں
کس پہ یارب مجکو شیدا کر دیا

متاعِ نور سے لبریز اک عالم کی جھولی ہے
گرہ چینِ جبیں کی کس بتِ مہوش نے کھولی ہے

شرابِ ناز کے جلوے نگاہِ ناز پر صدقے
ابھی سوتے سے آنکھ اس فتنۂ دوراں نے کھولی ہے

اشارہ صاف کرتی ہے ترے سینہ کی موزونی
کہ جنسِ حسن قدرت نے اسی کانٹے میں تولی ہے

حصولِ مدعا اب کوئی دن کی بات ہے حسرت
نگاہیں مل چکی ہیں گفتگو مطلب کی ہولی ہے

دل لگی کو ہنسی سمجھتے ہو!
ابھی بچپن کا ہے اثر باقی

چال مستانہ آنکھ متوالی
یہی ساقی یہی پیالہ ہے

حسن پر ناز ہے اگر تمکو
اپنے دل پر مجھے بھی دعویٰ ہے

حسرت

حسرت منشی دلیل الدین احمد آپکے والد مولوی محمد فیض بخش صاحب تعلیم کی ضرورت سے اپنے وطن جہانگیر نگر ڈھاکہ کو چھوڑ کر عنفوان شباب ہی میں کلکتے چلے آئے تھے چنانچہ کچھ دن ہگلی کالج میں پروفیسر رہنے کے بعد مدرسہ کلکتہ میں مدرس رہے۔ آپ ۱۸۷۷ء میں کلکتے میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی۔ بعدہ ۱۸۹۵ء میں مولنا ابو القاسم محمد شمس صاحب مرحوم کو کچھ غزلیں بغرض اصلاح دکھائیں وہ چونکہ آپکے والد کے شاگرد بھی تھے اس لیئے انکی آپ پر خاص توجہ رہی۔ اطراف دکن۔ مدراس شمالی ہند کی سیر بھی کر چکے ہیں اب انگریزوں کو اردو پڑھانے کا مشغلہ ہے۔ طبیعت کا اندازہ مندرجۂ ذیل اشعار سے ظاہر ہوگا

کہیں تھے بادیہ پیما کہیں تھے سلسلہ جنباں
جہاں پہنچے ہمارے پاؤں میں چکر ہی چکر تھا

تری رنگیں ادائی کا وہ عالمگیر نقشہ ہے
کہ ہر ذرے سے کثرت کے عیاں ہے نور وحدت کا

نگاہ ناز کی خاطر ہوئی ہے خانہ بربادی
سدا لٹتے ہوئے دیکھا ہے گھر اہل مروت کا

قتل عاشق پہ ازدحام ہوا
خاص اک راز تھا سو عام ہوا

بے نیازی کا ہے دعوی بیکار
ایک کا ایک ہے انسان محتاج

اٹھائیں ناز دشمن آپ سے یہ کیا قیامت ہے
مری جاں آپ کو زیبا نہیں ہے نازنیں ہو کر

اب جفا سے بھی اُسے ہوگئی نفرت ہے ہے
کوئی بھی طرز وفا میرے ستمگر میں نہیں

مری تقدیر کی گردش کی شکلیں ہیں جداگانہ
بھنور ہوں بحر الفت میں بگولہ دشت غربت میں

چشم بلبل میں انتظار ہوں میں
آمد موسم بہار ہوں میں

کیوں میں نکلوں تمھاری محفل سے
دل دشمن کا کیا بخار ہوں میں

چکھائے ہیں جنوں نے وہ مزے فصل بہاری کے
گل و غنچہ سمجھ کر چن رہا ہوں سنگ طفلاں کو

خوشامد سے ہوئیں جنت میں بھی رسوائیاں کیا کیا
بڑا دھوکا ہوا ہم پاسباں سمجھے تھے رضواں کو

ہزار رنج اٹھائے ہیں عیش کی خاطر
خیال نفع نہ ہو گر تو پھر زیاں کیوں ہو

خدا کرے کہ در جاناں ہو اور جبین نیاز
بلند دست دعا سوئے آسماں کیوں ہو

برسنا سیکھ لے ابر بہاری دیدۂ تر سے
فلک مثل حباب بحر تیرے گر کبھی برسے

نزاکت سے ہوئے تم مجبور ہم اپنے مقدر سے
نہ خنجر میان سے نکلا نہ دم اس جسم لاغر سے

کہاں صحرا سے جاؤں اب کہ خار دشت پلٹے ہیں
مدد لے جوش وحشت یہاں بھی اپنے آشنا نکلے

عبث گلشن میں گلکاری ہے رشک خوشخرامی سے
گل و غنچہ کا منہ دیکھو حریف نقش پا نکلے

حسرت - جناب سید آل حسین صاحب تلمیذ حضرت احسان رامپوری - انکے حالات وواقعات بھی باوجود تحقیقات بلیغ ہم سے پوشیدہ ہی رہے لہذا مجبوری ہے - نمونۂ کلام درج ذیل ہے -

اس بانکپن پہ کوئی نہ مرتا ہو تو مرے
خنجر کا کام لیتے ہیں ترچھی نظر سے آپ

دل چرایا ہے بھری محفل میں میرا آپ ہی
اور کہتے ہیں وہ مجھ سے ہم بتا سکتے نہیں

حال دل انکو سناؤں تو سناؤں کیونکر
بات تک بھی نہیں کرنے کی اجازت مجکو

یہ ستم غیر شب و روز ترے پاس رہے
یہ قیامت نہ ہو آنے کی اجازت مجکو

مجھپہ تا حشر میری جان یہ احسان رہے
نزع کے وقت دکھا جاؤ جو صورت مجکو

یار کا وصل ہو کب ہمکو میسر دیکھو
کیونکر اس غم سے چھٹے یہ دل مضطر دیکھو

وصل کے ذکر پہ وہ ہمسے بگڑ کر بولے
پھر نہ لانا یہ کبھی حرف زباں پر دیکھو

دل لیا تھا مرا جس ناز و ادا سے تمنے
اسی انداز سے پھر آنکھ ملا کر دیکھو

حال دل کہنے کو جاتے تو ہیں اپنا حسرت
کیا غضب ڈھاتا ہے مجھپر وہ ستمگر دیکھو

حسرت - شمس العلما حاجی مولنا محمد سعید صاحب عظیم آبادی - آپ ۲۷ ذیقعد ۱۲۳۱ھ میں بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے - آپکے والد ماجد حاجی مولوی واعظ علی صاحب مرحوم عظیم آباد کے ایک باوقعت رئیس تھے - عربی فارسی کے عالم اور فن خوشنویسی کے اچھے استاد تھے - مولانا حسرت کی ابتدائی تعلیم تو گھر ہی میں ہوئی مگر پھر کانپور میں مولنا شاہ محمد سلامت اللہ قدس سرہ کی خدمت میں ایک عرصے تک رہکر دستار فضیلت حاصل کی - اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی عالمانہ تصنیفات اور صوفیانہ برکات کی بدولت اسقدر مقبول و مشہور ہوئے کہ لوگ اطراف و جوانب سے

حسرت

حسرت

زلف و رسیدہ یار او ہم ہمیں پریشان نصیب [illegible]

آ کر شاگرد و مُرید ہونے لگے۔ ۱۳۰۳ھ میں گورنمنٹ عالیہ نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ شاعری کی طرف آپ کا میلانِ خاطر اوائل عمری سے تھا۔ مگر عربی فارسی جانتے تھے اور عربی فارسی ہی کہتے تھے۔ اُردو سے کچھ شوق نہ تھا۔ کبھی کبھی بتقاضائے احباب کچھ کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ باوجود کوشش بلیغ ہمیں اُردو کے صرف چار شعر دستیاب ہوئے وہی ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔ آپ فارسی میں حسرت اور عربی میں سعید تخلص فرماتے تھے۔

دل ترا جور پہ مائل نہ ہُوا تھا سو ہُوا	تجھ سے آزردہ مرا دل نہ ہوا تھا سو ہُوا
زخمِ دل پر مرے ہنس ہنس کے چھڑکتے ہو نمک	یہ مزا عشق کا حاصل نہ ہوا تھا سو ہوا
کیا تڑپکر دلِ مجروح نے کی بے لطفی	خوں سے تر دامنِ قاتل نہ ہوا تھا سو ہُوا
پا گیا عشقِ مجازی سے حقیقت کو سعید	للّٰہ الحمد کہ کامل نہ ہوا تھا سو ہُوا

حسرتیؔ۔ منشی عبداللہ حسرتی۔ وقائع نگار و اڈیٹر ریاض الاخبار و دیگر اخبارات۔ شعر کا بھی شوق ہے اور اوسط درجے کے شاعروں میں بڑے ہیں۔ کچھ عرصے لاہور کے مشہور رئیس پنڈت جنار دھن صاحب کی سرکار میں وظیفہ خوار رہے۔ کیفر کردار اور دو تین ناول ان کی تصنیف سے شائع ہو چکے ہیں۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے۔

تم نہ چاہو ہمیں پھر ہم تمہیں چاہیں کیونکر	ایسے بے مہر سے بتلاؤ نباہیں کیونکر
حالِ دل کہنے سے اُلٹا جو خفا ہوتا ہو	ماجرائے غمِ دل اُسکو سنائیں کیونکر
جو ہنسا کرتا ہو خود کر کے دلوں کو گھائل	زخمِ دل اُسکو کہو اپنے دکھائیں کیونکر
کیا نئی چھیڑ نکالی ہے یہ اُس نے مجھ سے	کہتے ہیں روز بتا تجکو ستائیں کیونکر
حسرتی تیری خطا تھی دیا بیدرد کو دل	اب کسی کو غلط الزام لگائیں کیونکر

حسنؔ۔ نواب اقتدار الدولہ محتشم الملک نواب مہدی علیخاں ضیغم جنگ خلف میرزا امام الدین حیدر بن شجاع الدولہ بہادر دام اقبالہ داماد حضرت فردوس منزل متخلص بہ حسن شاگرد سعادتخان ناصر صاحب دیوان تھے۔ اکثر چھوٹی بحروں میں فصاحت کی داد دیتے تھے۔ عاشقانہ مضامین

پُر اثر زبان میں باندھ جاتے تھے۔ کلام ذیل کی سطروں میں ملاحظہ کیجئے۔

جُدا تن سے پہلے یہ سر کیجئے
تو پھر آپ یاں سے سفر کیجئے

پریشاں کرو یا زلفیں دکھا کے
کیا عاشق کا خوں مہندی لگا کے

دیا سو منتوں سے ایک بوسہ
یہ غمزے ہیں نئے اُس دلربا کے

کیا مثل کتاں سینہ مرا شق
وہ مکھڑا چاند سا مجکو دکھا کے

ہیں باتیں سخت تیری او بت بے پیر پتھر کی
کہاں تک روکے چوٹیں یہ دلِ دلگیر پتھر کی

جو تو رات دن مجھپہ کرتا جفا ہے
یہی کیا زمانے میں رسمِ وفا ہے

اگر زندہ ہو تو ارسطو سے پوچھوں
کہیں دردِ دل کی بھی پیدا دوا ہے

نہیں یاں کے رہنے کا اک دم بھروسا
یہ دُنیا نہیں ہے عزیزو سرا ہے

لپٹ جاؤ آکر گلے سے ہمارے
یہی ہے تمنا یہی مُدعا ہے

نہیں دیکھتا جس میں اُڑنیکی طاقت
اُسے آج صیاد کرتا رہا ہے

پریشاں ہو کیوں حالِ مرغِ چمن کا
کسی پھول کو کیا صبا نے چھوا ہے

ہم سے صحبت جو یار نے کم کی
ندی جا رہی ہے چشمِ پرنم کی

تیری خاطر سے او ستم ایجاد
باتیں سنتے ہیں ایک عالم کی

مسی ملکر جو خندہ زن وہ ہوا
برق ابرِ سیاہ میں چمکی

اپنے بیمار کا نہ پوچھو حال
زندگی اُسکی ہے کوئی دم کی

کردیا غم میں مبتلا تو نے
جس کا ڈر تھا وہی کیا تو نے

خوں سے آلودہ جو تیغ ہوئی
ہائے فرہاد کیا کیا تو نے

بات کا ہو وصی تو ایسا ہو
جو کہا مجھ سے وہ کیا تو نے

آیا کس روز اپنے وعدے پر
عہد کس دن وفا کیا تو نے

بے وفا تجھ کو باوفا سمجھے
ہم جو سمجھے تھے وہ بُرا سمجھے

حسن

حسن - خواجہ حسن خلفِ خواجہ ابراہیم از فرزندانِ میر بھکاری متوطنِ دہلی - جوانِ وجیہ عالی حوصلہ بڑے لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے - علوم موسیقی ہند ہی سے بخوبی ماہر اور استعداد اس فن کی انکی تصانیف سے ظاہر ہے - فنِ شعر میں جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے - انکی نسبت شوق اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ علمِ نجوم میں بھی بھلا چنگا دخل رکھتے ہیں - علمِ تصوف کے بادشاہ ہیں - حُسن پرست بھی تھے اکثر مقطعوں میں اپنے معشوق کا نام لایا کرتے تھے - اُمورات دنیا میں مرزا حسن رضا خان نواب سرفراز الدولہ سے تعلق تھا ریختہ میں صاحب دیوان تھے - ۱۱۹۳ھ تک اوقات بسر کرتے تھے - قلندر بخش جرأت سے جو انکے بڑے دوست تھے - خواجہ حسن اور بخشی طوائف کی داستانِ عشق ایک مثنوی میں نظم کی ہے ؂

آ کا محال ہوش میں ہے مجھ سے مست کا
مدہوش ہو چکا ہوں میں روزِ الست کا

کیسی صحبت اٹھ گئے کیوں یاد کیا تھا کیا ہوا
مٹ گیا نقشہ وہ سب یکبار کیا تھا کیا ہوا

جسکے جوہر دوستی کے خوب آتے تھے نظر
چل گئی اُن سے چھری تلوار کیا تھا کیا ہوا

وہ جب تک کہ زلفیں سنوارا کیا
کھڑا اُس پہ میں جان وارا کیا

دیکھنے سے مرے کاہے کو غضب ہوتے ہو
کیا غضب ہو گیا - گر میں نے بھی دیکھا دیکھا

رہی بیقراری اسیروں کی یوں ہی
تو صیاد ٹکڑے ترا دام ہوگا

جو بندہ خانہ میں آسیئے گا فقیر تمکو دعا کرے گا
کسی کے دل کو جو خوش کرو گے خدا تمھارا بھلا کرے گا

میں تو سب طرح سے تیرا ہوں میاں
پر جو تو بھی کہیں میرا ہوتا

مانوں میں وعدۂ فردا اے یار
جب ترے وعدے کا فردا ہوتا

اُمنڈ کے آنکھوں سے اکبار بہ چلے آنسو
ہنسی ہنسی میں جو ذکرِ وداعِ یار ہوا

وقتِ وداعِ یار دلِ بیقرار نے
یہ آہ کی کہ عرشِ معلّی ہلا دیا

دل دلاسوں سے کرے ہے آہ و زاری بیشتر
خانۂ ماتم میں ہو پُرسے سے زاری بیشتر

جان بخشی کو بھی آیا نہ دمِ نزع حسن
اُسنے اِسوقت میں بھی ہمسے چھپائیں آنکھیں

[illegible]

بھلا میں دوانہ سہی پر یہ ناصح !	میرے ساتھ بکتا ہے عاقل کو دیکھو
فقط نقشہ نہیں خوب اُس کا عالم سے نرالا ہے	خدا نے اُسکو سر سے پاؤں تک سانچے میں ڈھالا ہے
خیال آتا ہے جب تیرا تو ہم جانے نہیں دیتے	ترے ملنے کا ہمنے یار اور ہی ڈھب نکالا ہے
نہ نکلوگے بھلا تم گھر سے کبتک یہ بھی دیکھیں گے	بہانہ کر کے تم نے آج تو بندے کو ٹالا ہے
کس طرح سے زیست ہوویگی بھلا اے دوستو	اب تو قاصد بھی ادھر کو آنے جانیسے رہے
کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جانیسے رہے	پر ٹک ایسا ہو کہ یہ دل تلملانے سے رہے
ہمنے ایسی بھی تو کچھ چوری نکی تھی آپ کی	بے سبب اب آپ جو ادھر کے آنے سے رہے
اُسنے کس کس طرح ٹالا ہمکو اپنے در سے پر	دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے
آکر بلا سے قتل ہی کر جائیے مجھے	صورت اِسی بہانے سے دکھلائیے مجھے
غم نے ایذا جو اے صنم بخشی	یہ بھی سرکار کی کرم بخشی

حسن

حسن۔ سخنور کامل فن میر غلام حسن نام۔ حسن تخلص خلف میر غلام حسین ضاحک۔ آباؤ اجداد اُنکے ہرات کے رہنے والے تھے۔ امامی ہروی نے کہ میر حسن کے جد تھے انقلاب زمانہ کے ہاتھوں وطن اصلی کو چھوڑ کر پُرانی دہلی میں سکونت اختیار کی۔ چنانچہ میر ضاحک دہلی میں پیدا ہوئے اور میر حسن کا بھی ابتدائی زمانہ وہیں بسر ہوا۔ اُنکی وضع اور عادات کے متعلق کارسنڈی تیسی کا قول ہے کہ میر حسن برخلاف اپنے باپ کی وضع کے ڈاڑھی صفا چٹ کرواتے۔ پگڑی اگلے وقت کے لوگوں کی سی باندھتے اور پوشاک اپنے باپ کی سی پہنتے تھے یعنی سبز عمامہ اور بڑا جُبہ۔ قد لمبا تھا۔ رنگ ٹھبونا۔ ظریف۔ خوش خلق۔ بیہودہ اور کلام معیوب کبھی زبان سے نہ نکالتے تھے۔ شیریں گفتار و پسندیدہ تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن بعض کتابوں میں جو اُنکی تصویر دیکھنے میں آئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول صاحب آبحیات اُنکے سر پر بانکی ٹوپی۔ تن میں تنزیب کا انگرکھا پھنسی ہوئی آستینیں۔ کمر سے دوپٹہ بندھا ہوتا تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ دہلی میں اُنکا طرز لباس وہی ہوگا جو اُنکے والد کا تھا۔ لیکن قیام لکھنؤ کے زمانے میں اُس میں کچھ تبدیلی ہوگئی

ہو گی۔ میر حسن کو لڑکپن ہی سے شعر و شاعری کا بدرجۂ کمال شوق تھا۔ چنانچہ بزمانۂ نوعمری شاہجہان آباد میں مصلح غزلوں کے خواجہ میر درد صاحب تھے۔ عالم شباب میں مع والد بزرگوار فیض آباد میں آکر آباد ہوئے۔ ضیاء الدین ضیا اصلاح دیتے رہے۔ کبھی کبھی مرزا رفیع السودا سے بھی کہ ضیا، اُن کے ہم مشق تھے مشورہ کا اتفاق ہوا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ میر حسن کی اُستادی کا فخر ایک سے زیادہ لوگوں کو حاصل ہے لیکن درد اور سودا کی شاگردی کو عارضی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ درد نے ابتدا میں اور سودا نے آخر میں صرف چند روز اُنھیں اصلاح دی تھی۔ درحقیقت میر حسن مستقل شاگرد میر ضیاء الدین ضیا کے ہیں جن کی نسبت مصحفی اپنے تذکرۂ شعراء میں لکھتے ہیں کہ "میر ضیاء الدین ضیا اُستاد میر حسن شاگرد میر تقی میر۔ میر حسن بسیار ثنا خوان و معتقد او بودہ" آزاد نے اساتذۂ میر حسن کے زمرے میں اُنکے والد میر ضاحک کو بھی شامل کیا ہے جو بالکل قریبِ قیاس ہے۔ میر حسن کی علمی لیاقت فارسی دانی میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علاوہ متفرق فارسی اشعار کے اُن کی اُردو شاعری میں بھی فارسی ترکیبوں یا اُنکے ترجموں اور عام فارسی انداز بیان کی ایسی لطیف مثالیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جن کا کسی فارسی نہ جاننے والے شاعر کے کلام میں موجود ہونا ناممکنات سے ہے۔

حسن نے باوجود کامل اُستاد ہونے کے کسیکو اپنا مستقل شاگرد بنانا پسند نہ کیا۔ حتیٰ کہ اپنے صاحبزادے میر مستحسن خلیق کو بھی خود اصلاح نہ دی بلکہ مصحفی کے سپرد کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیائے غزل گوئی میں اُن کا سلسلۂ شاعری بہت جلد ناپید ہو گیا۔ لیکن جو کچھ اُن سے نہ ہوا وہ بامراِلٰہی اُنکی اولاد سے ظاہر ہوا۔ اور اِس شان سے ظاہر ہوا کہ اُن کے پوتے انیس و مونس و اُنس اُردو زبان کی ایک صنف کے موجد قرار پائے اور فن مرثیہ گوئی کا ایک ایسا نمونہ چھوڑ گئے جسکے اِسوقت ہزاروں پیرو موجود ہیں۔

میر حسن کے چار بیٹوں میں سے تین شاعر تھے۔ میر مستحسن خلیق۔ میر احسن خلق اور میر

محسن محسن۔ اِن سب کا قیام فیض آباد میں رہتا تھا۔ چنانچہ خلیق و محسن بہو بیگم صاحبہ والدۂ نواب آصف الدولہ کے داماد میرزا تقی کی سرکار سے متعلق تھے۔ اور میر خلق نواب ناظر اراب علیخان کی خدمت میں رہتے تھے۔ خلیق اور خلق سے ایک ایک دیوان بھی یادگار موجود ہے۔

اِنکی تصانیف سے دیوانِ حسن مشتمل بر جملہ اقسام سخن اور مثنوی بدر منیر و گلزار ارم اِس وقت تک موجود و مشہور ہیں۔ دیوان چونکہ چھپا نہیں اِس لئے کمیاب ہے۔ راقم تذکرہ کے کتبخانے میں اُس کا ایک صحیح نسخہ موجود ہے۔ یہی حال دو اور مثنویوں کا بھی ہے۔ جن میں سے ایک کا قصہ اس طرح پر ہے کہ ایک موقعہ پر میر حسن مرحوم کا سفر شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ مطابق پڑا۔ چنانچہ سفر ندکور کا حال ایک مثنوی کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اِس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنو کی ہجو کی ہے۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت عورتوں کی پوشاک وہاں کیا تھی اور چھڑیوں میں جانے والوں کے جزئیات رسوم کیا کیا تھے۔ شعرائے ریختہ کا بھی تذکرہ مرتب کیا تھا۔ مگر اب نہیں ملتا۔

دہلی چھوڑنے کے بعد میر حسن فیض آباد اور بعد ازاں لکھنؤ میں جا کر مقیم ہوئے جہاں اُنھوں نے بڑی شہرت پائی اور نواب سالار جنگ برادر بہو بیگم صاحبہ نیز اُنکے بیٹے نواب مرزا نوازش علی خان سرفراز جنگ کی مصاحبت میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کی اور آخر کار وہیں عشرۂ اول ماہِ محرم ۱۲۰۱ھ میں بعہد نواب آصف الدولہ وفات پائی اور عقب باغ نواب قاسم علیخان واقعہ محلہ مفتی گنج میں مدفون ہوئے۔ انتقال کے وقت آپکی عمر ۵۰ سال سے زیادہ تھی۔ شیخ مصحفی نے تاریخ کہکر حق آشنائی ادا کیا۔

چوں حسن آن بلبل خوش داستاں	رُو ازیں گلزارِ رنگ و بو بتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی	شاعرِ شیریں زبان۔ تاریخ یافت

حسن کا طرزِ کلام زیادہ تر میر اور کمتر سودا کے اندازِ شاعری سے ملتا جلتا نظر آتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ سودا سے بلا واسطہ اور میر سے ضیا کے واسطے سے اُنکی شاگردی مُسلّم

ہے۔ بیان سے گزر کر زبان کو دیکھیئے تو وہ بھی ان ہی بزرگوں کی سی ثابت ہوتی ہے۔ وہی "میں دیکھا" "میں کیا"، جو میر اور سودا کے کلام میں پایا جاتا ہے ان کے ہاں بھی موجود ہے جسکی سادگی اور شیرینی حسن کے دیوان میں بھی وہی کیفیت پیدا کرتی ہے جسکی بہار میر کے کلام کی جان ہے اصنافِ سخن میں سے میر حسن قصیدے کے مرد میدان نہ تھے۔ البتہ غزل سرائی میں اُن کا صاحب امتیاز اور مثنوی میں یکتائے زمانہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہے جس سے کسی شخص کو اِنکار نہیں ہوسکتا حقیقت میں بقول حضرت آزاد "بے نظیر و بدر منیر کا قصہ لاجواب لکھا۔ زمانے نے اُس کی سحر البیانی پر تمام شعرا اور تذکرہ نویسوں سے محضر شہادت لکھوایا۔ اسکی صفائی بیان اور لطفِ محاورہ اور شوخی مضمون اور طرز ادا کی نزاکت اور جواب و سوال کی نوک جھوک۔ حدِ توصیف سے باہر ہے۔ باوجود اسکے کہ سحر البیان کی تصنیف کے زمانے کو ۱۲۵ برس سے زیادہ گزر گئے لیکن اسکی زبان قریب قریب وہی ہے جو آجکل مروج ہے" یہی ایک امر اسبات کا کافی ثبوت ہے کہ میر حسن مغفور حد درجے سلیم المذاق شاعر تھے۔ اُردو زبان میں صرف ایک ہی اور مثنوی لکھی گئی جسکو اِس مثنوی کا ہم پایہ کہا جا سکتا ہے اور جو فی الواقع منصف مزاج مبصروں کے نزدیک اُسی تعریف کی مستحق ہے۔ فی الواقع قبولِ عام کی جو سند سحر البیان اور یادگار نسیم کو ملی وہ آجتک کسی تیسری مثنوی کو نصیب نہیں ہوئی۔

میر حسن کی غزلوں کا رتبہ انکی مثنوی کی برابر بلند نہیں ہے۔ پھر بھی بقول صاحب آبحیات "انکے اشعار غزل کے اصول میں گلاب کے پھول ہیں اور محاورات کی خوش بیانی مضامین عاشقانہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ میر حسن کی نسبت لکھتے ہیں "مثنوی سحر البیان شہرتِ تمام دارد قطع نظر از پا لغزہائے شاعری محاورہ عام بہ نہ گفتہ بلکہ داد بلاغت دادہ" اِنکے کلام کا اِنتخاب درج ذیل ہے ؎

طرفہ تر یہ ہے کہ اپنا بھی نہ جانا اور یونہیں	اپنا اپنا کہہ کے مجکو سب سے بیگانہ کیا
رو رو کے کیا ابتر سب کام مرے دل کا	کھویا مری آنکھوں نے آرام مرے دل کا

آغازِ محبت میں دیکھا تو یہ کچھ دیکھا
کیا جانیئے کیا ہوگا انجام مرے دل کا

جب تک میں جیا مجکو قاصد نہ ملا آخر
اب جی ہی چلا لے کر پیغام مرے دل کا

کوئی دن کے ہیں مہماں اِس چمن میں یکدن آخر
مثالِ نکہتِ گل شام جانا یا سحر جانا

کیا جانئے اُسکے جی پر کیا کچھ خیال گزرا
کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پر ملال گزرا

ایسی ہی آہ باتیں اُس بیوفا نے چھیڑیں
روتے ہی روتے جس میں روزِ وصال گزرا

غیروں میں دیکھ تجکو بیٹھے ہوئے کہیں کیا
جو کچھ کہ اپنے دل پر گزرا خیال گزرا

پر منصفی سے اتنا فرمایئے کہ بارے
خدمت میں آپ کی بھی کچھ انفعال گزرا

گر کیجیے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا
تو چاہیئے خامہ بھی اُسے ایک زباں کا

سربستہ رہا یوں ہی یہ رازِ حرم و دیر
معلوم ہوا بھید یہاں کا نہ وہاں کا

جس عالمِ ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ
آخر کو جو دیکھا تو وہ موسم ہے خزاں کا

سر دیوے گا جسدم تو حسن تیغ کو اُسکی
اسرار کھلے گا تبھی اِس سرِّ نہاں کا

جانا تو ہم نے چھوڑا پر کیا کریں حسن ہائے
چھٹتا نہیں ہے دل سے ہرگز خیال وہاں کا

تیرے ہی غم کا گھر ہے یہ دل جلا نہ اسکو
ظالم تو پھر کسیکا کاہے کو گھر رہے گا

بتخانہ ہی میں چل بیٹھ یا کعبہ میں حسن اب
یوں کب تلک دوانے تو دربدر رہے گا

کروں شکوہ تو بے وسواس اُس سے میں آنیکا
نہو دھڑکا مرے دلمیں اگر اُسکے روٹھ جانیکا

مجھے آتا ہے رونا دیکھ کر زانو کو اب اپنے
کہ تھا اک وقت میں تکیہ کسی کے سرہانے کا

عشق کب تک آگ سینے میں مرے بھڑکائیگا
راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائے گا

کر چکے صحرا میں وحشت پھر چکے گلیوں میں ہم
دیکھئے اب کام ہمکو عشق کیا فرمائے گا

نو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا

جب سے جُدا ہوا ہے وہ شوخ تب سے مجکو
نت آہ آہ کرنا اور زار زار رونا

خدا جانے کہ آخر رفتہ رفتہ حال کیا ہووے
ہوا ہے بے طرح آنکھوں کو کچھ آزار رونیکا

مت سہم دل مبادا یہ خون سوکھ جاوے
آتا ہے تیر اُس کا پیاسا ترے لہو کا

غنچہ ہوں میں نہ گُل کا نے گُل ہوں میں چمن کا
حسرت کا زخم ہوں میں اور داغ آرزو کا

لایا غرور پر یہ عجز و نیاز تجھکو
تیر اگنہ نہیں کچھ اول سے میں ہی چوکا

آہ! کیا جانیے محفل میں یہ کس کی خاطر
شمع روتی ہے جُدی جلتا ہے پروانہ جُدا

سیرِ گُلشن کریں ہم اُس بن کیا
اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رہا

شاد ہوں میں کہ دیکھ میرا حال
غیر کرنے سے اِلتماس رہا

خار سے پھوٹے پھپھولے پاؤں کے
درد ہی آخر مرا درماں ہُوا

کیسی وَفا۔ کہاں کی مُحبت۔ کدھر کی مِہر؟
واقف ہی تُو نہیں ہے کہ ہوتا ہی پیار کیا

نہیں مجکو دشمن سے شکوہ حسن
مرا دوست مجکو ستانے لگا

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ
بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

بہنے لگا لہو پھر آنکھوں سے کچھ حسن کی
زخم جگر کا شاید سرکا ہے اس کے پھاہا

ق

آکے وہ بیٹھتا ہے تب ہم پاس
آپ میں جب ہمیں نہیں پاتا

زندگی سے وَفا نہ کی ورنہ
مَیں تماشا وفا کا دکھلاتا

مر گئے کہتے کہتے اپنا حال
کچھ تو تُو بھی زباں سے فرماتا

مَیں تو جاتا ہی آپ سے لیکن
تیرے کہنے سے اب نہیں جاتا

ہے عجب ماجرا کہ اپنا تو
تجھکو مطلق کہا نہیں بھاتا

اور ترا اختلاط ہر اک سے
کیا کریں ہمکو خوش نہیں آتا

ظاہر میں گو لکھا نہ لکھا خط تو کیا ہوا
ہوتے ہیں کوئی دل سے فراموش آشنا

مہر و وفا کا میری جور و جفا کا اپنی
میری طرف سے اپنے دل میں حساب رکھنا

پھر بھر گئے آہ و نالے غش کر چلی ہے بلبل
پیالی میں گل کی شبنم تھوڑا گلاب رکھنا

خط کا جواب دے گا تو دیگا یہی وہ شوخ
نامہ کو پرزے کرکے ہوا پر اڑا دیگا

تیرا سا دل یہ میرا نہیں اسکو جان رکھ
کسکو کرے گا یاد جو تجھکو بھلائے گا

اظہار خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا پوچھے ہے مجھسے میری خاموشی کا باعث
کچھ تو سبب ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

دور سے باغ جہاں دکھلا کے پروانہ کیا
متصل جانے نہ پایا میں کہ ویرانہ کیا

جی اگر اس سے لگا یار شک سے دل جل گیا
دل اگر اس کو دیا جی ہاتھ سے جاتا رہا

شاہ ہووے غلام کا بندہ
وعدہ آنے کا ہے حسن مت رو

کون پوچھے ہے عاشقی میں ذات
ہو نہ اسکو بہانۂ برسات

اس گنجفے کا یہاں کے ہے کھیل اور ہی کچھ
دیتے ہیں جان ناحق ناداں مورتوں پر

ماتھے پہ دلبروں کے افشاں نہیں چنی یہ
تحریر ہے طلائی قرآں کی سورتوں پر

جس طرح ہو کوئی حیراں روئے حیراں دیکھکر
دل پریشاں ہو گیا زلف پریشاں دیکھکر

وصل کی شب کے مزے کو ہمنشیں پوچھیگا وہ
جو کوئی جیتا بچے گا روز ہجراں دیکھکر

پابرہنہ ساتھ ناقے کے چلا آیا ہے قیس
اک طرف کردے صبا خار مغیلاں دیکھکر

دامن صحرا سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں
پانو دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھکر

آب جو چھوٹے بھی قفس سے تو کیا
ہو چکی واں بہار ہی آخر

میں حشر میں کیا روؤں کہ اٹھ جاتے ہی تیرے
برپا ہوئی اک مجھپہ قیامت تو یہیں اور

گرچہ دلکو ہے یقیں خط کو نہیں پڑھنے کا وہ
پر تقاضا شوق کا لکھنے سے کب رہتا ہے باز

جوں چراغ صبح گاہی اے نسیم
پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ

عازم ملک فنا بیٹھے ہیں ہم
بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

کعبے میں نہ کافر ہو نہ یوں دیر میں دیندار
جس طرح کہ میں در پہ ترے خوار ہوا ہوں

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں
نالے نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں

پھر کل کے تو وعدے پہ لگا کھانے قسم آج
کیا بھول گئیں اپنی وہ کل کی تجھے قسمیں

وصل ہوتا ہے جن کو دُنیا میں
یارب ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں

ناز سے۔ غمزے سے عشوے سے لگا لیتے ہیں
جسکو وہ چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

چل دل اُسکے گلی میں رو آویں
کچھ تو دل کا غبار دھو آویں

گو ابھی آئے ہیں پر ہے جی میں
پھر بھی ٹک اُسکے پاس ہو ویں

دل کو کھویا ہے کل جہاں جاکر
جی میں ہے آج جی بھی کھو آویں

گو خفا سب ہوا کریں پر ہم
اک ذرا اُسکو دیکھہ تو آویں

عدم عین ہستی اُنھیں کو ہوا ہے
جو ہستی کو اپنی عدم دیکھتے ہیں

اگر زندگی ہے تو چل کر حسن ہم
اِن آنکھوں سے اُنکے قدم دیکھتے ہیں

نہ لیٹے اِس طرح مُنہ پر زلف کو بکھرا کر اے ظالم
ذرا اُٹھ بیٹھ تو اس دم کہ دونوں وقت ملتے ہیں

تھا ہجر ہی بھلا کہ ہمیں تھی اُمید وصل
پھر ہجر کا خیال بندھا وصل یار میں

دیوانے گاہ رُخ کے رہے گاہ زلف کے
یہ عمر کٹ گئی اسی لیل و نہار میں

موئے سفید نے نمک اُس میں ملا دیا
کیفیت اب رہی نہیں جام شراب میں

وہ اور زمانہ تھا کہ خوباں میں تھی اُلفت
ایسا نظر آتا نہیں اب ایک بھی وس میں

غیروں کی بات کیا کہوں اُسکی تو یاد میں
اپنا بھی مجکو دھیان کبھی ہے کبھی نہیں

اُسکی جب بزم سے ہم ہو کے تنگ آتے ہیں
اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں

رُوٹھا کرے وہ کیوں نہ کسی اور سے حسن
یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں

کل عہد کچھ کیا تھا دیا قول آج کچھ
پھر کھیو تو کہ میری بدلتی نہیں زبان

دروازہ گو کھلا ہے اجابت کا پر حسن
ہم کس کس آرزو کو خدا سے طلب کریں

کہتا ہے تو کہ میں ہی تجھ سے نباہتا ہوں
تو ہی کہیں ہو سچا میں یہ ہی چاہتا ہوں

مجھ کو باور ہی نہ آتا تھا بہت دور ہے تو
میں نے دیکھا تجھے اللہ بہت دور ہے تو

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو!
کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو!

دیکھنا زلف و رخ تمھیں ہر وقت
گل ہوئے جاتے ہیں چراغ کی طرح

شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو!
ہم کو ٹک جلد آن کر دیکھو!

کمی جس جا کرے بارش تو یہ کہدیجو دہقاں کو
کہ اپنی کشت پر لیجائے میری چشم گریاں کو

کھلے ہے وہ صبا سے اور یہ تیری تیغ کے دم سے
مقابل گل سے کیونکر کیجیے اپنے زخم خنداں کو

نہیں تقصیر کانٹوں کی مرا چھالا ہی پاؤں کا
برنگ کہربا کھینچے ہے خود خار مغیلاں کو

مری ہے زیست وابستہ اسی سے اسکو رہنے دو
نکل جاویگا میرا جی ہی گر کھینچوگے پیکاں کو

کل کہا اس سے کسی نے کہ حسن مرتا ہے
ہنس کے کہنے لگا میں کیا کروں مر جانے دو

عمارت جہاں کی پائداری پر تو اے منعم
نظر سے مت گرا دینا کسی کے دل کے کونے کو

حسن بھی آدمی ہے کچھ خفا ہوتے ہو تم جس سے
خراباتی۔ جنونی۔ باؤلا۔ سودائی۔ آوارہ

جو ہوا ہم پہ ستم ایجاد تیرے ہاتھ سے
کیا کریں اب آہ ہم فریاد تیرے ہاتھ سے

درد دل بھی ہے تجھی سے اور تو ہی درمان بھی ہے
داد تیرے ہاتھ سے بیداد تیرے ہاتھ سے

غیر سے شکوہ شکایت کچھ نہیں دل کو کہے
شاد تیرے ہاتھ سے ناشاد تیرے ہاتھ سے

اک جان کے درپے ہیں مری اتنے ستمگر
غمزہ ہے۔ کرشمہ ہے۔ اشارہ ہے ادا ہے

گر بخت اپنا جاگے تو اک کام کیجیے
سایہ میں اسکی زلف کے آرام کیجیے

وہ دن گئے کہ دل میں رہتا تھا درد اپنے
اب دل نہیں سراپا اک درد ہو گیا ہے

حسن دیتا ہے تو کیوں جی بتوں پر
رلا دینگے تجھے یہ کیا خدا سے

تیری یہ چھیڑ چھاڑ مرے جی کو بھا گئی
لی چٹکی اس ادا سے کہ بس جان آ گئی

لگاتے ہی لب لب سے بس جی دیا
حسن اور لینے کے دینے پڑے

تعجیل نہ کرائے دل آنے تو لگا ہے وہ
ملجائیگا بوسہ بھی کیا منہ کا نوالا ہے

دی تھی یہ دعا کس نے مرے دل کو الٰہی
اجڑے یہ گھر ایسا کہ پھر آباد نہ ہووے

کہنے کی ہیں یہ باتیں کس پر نہیں گزرتی
پر ایک جان تو ہے جس پر نہیں گزرتی

جو چاہے آپکو تو اُسے کیا نچاہیئے
انصاف کر تو چاہیئے یہ یا نچاہیئے
عیش و وصال صحبتِ یاراں فراغِ دل
اس ایک جان کے لئے کیا کیا نچاہیئے

رات غیروں کا بیانِ آہ و زاری کر گئے
آپ اچھّی آکے میری غمگساری کر گئے

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
آ کبھے بچھڑے ملوگے پھر کہ نہیں
کچھ تو وعدہ وعید کر لیجے

ہمیں تنہا نہیں اُس شوخ کے کوچے میں کتنے ہی
برنگِ نقشِ پا ہنجو پڑے ہیں جا بجا ہمسے
پھر روئیو حسن تو نامہ تو لکھ لے ظالم!
تُونے تو یہ کتابت رو رو کے ساری تر کی

یہ جو کھٹکے ہے دل میں کانٹا سا
مژہ ہے نوکِ خار ہے کیا ہے؟
چشمِ بد دُور تیری آنکھوں میں
نشہ ہے یا خمار ہے کیا ہے؟
کیوں گریبان تیرا آج حسن
اِس طرح تار تار ہے کیا ہے؟

جو دیکھ کے آئینے کو مُنہ اپنا چُھپا لے
اُسکو تو نہ مجھسا ہو نہ باتوں میں لگا لے
جب تک جیئے مصیبتِ غم کی نہ سر سے سرکی
سر سے گزر کے آخر ہمنے مہم یہ سر کی
اِک داغ ہوگیا اور اک ٹکڑے ہو کے نکلا
یہ کچھ تو ہمنے دیکھی صورت دل و جگر کی
بے سبب رونا نہیں آتا کسیکو ہمنشیں
شمع کے دل میں بھی شاید کچھ غمِ پروانہ ہے
قمارِ عشق میں پانسہ پڑا برعکس ہی اپنا
کچھ اپنی قسمتِ بد نے عزیز و ہار ایسی کی
بلا سے اپنے گھر میں گالیاں دیتا تو بہتر تھا
خرابی تو نے کیوں میری سرِ بازار ایسی کی
قیس و فرہاد کے رونے کی جب آتی ہے لہر
کوہ و صحرا پہ گھٹا جا کے برس آتی ہے
زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائینگے دن
فصلِ گُل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے
جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہمکو حسن
اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے
ابرو سے اور مژہ سے عالم کی جان لی ہے
پہلے پہل یہ اُس نے تیر و کمان لی ہے
جان و دل ہیں اُداس سے میرے
اُٹھ گیا کون پاس سے میرے

تم اُدھر دھوتے رہے منہ ہم اِدھر روتے رہے
روتے دھوتے وہ گھڑی باہم فریبے کٹ گئی

جی اُوانے زلف نے دل ہوش غمزے نے لیا
جنس ہستی اپنی سب غارت میں آکر لُٹ گئی

حسن

حسن - حاجی سیّد احمد حسن صاحب لکھنوی - شاگرد نواب معظم الدولہ عرف خواجہ صاحب دہلوی زیادہ حالات و واقعات کا پتہ نہیں چلا - نمونۂ کلام درج ذیل ہے - ملاحظہ ہو -

کسی حجاب سے ان آبرؤں کو کام نہیں
یہ تیغے وہ ہیں جن کا کوئی نیام نہیں

پھری نگہ نہ کبھی اُسکے طاقِ ابرو سے
یہ وہ نماز ہے جس کے لئے سلام نہیں

ہوا ہوں بادہ وحدت سے ای حسن سرمست
جو مے خمار سے ہو پاک وہ حرام نہیں

حسن

حسن - دہلوی میرزا کاظم حسین حسن عرف میرزا چھنو ولد مرزا عطا بیگ دہلوی نواب محمد سعید خان والی رامپور کی سرکار میں ملازم تھے - مدت دراز تک وہیں رہے - ستر برس کی عمر پاکر ۱۲۸۲ھ میں انتقال کیا - علم تاریخ میں اچھی مہارت رکھتے تھے - صاحب دیوان گذرے ہیں - یہ اُسکے کلام کا انتخاب ہے -

نہ مان کہنے کو واعظوں کے ہو مسلماں حرم میں جاکر
نماز روزہ گلے پڑے گا خدا خدا کر خدا خدا کر

جسپہ دعوی خون کا تھا لے آئے تھے فریاد کو
حشر میں بھی حکمراں دیکھا اُسی جلّاد کو

وفورِ شوق میں کسکو خبر ہے
وفا کی اُسنے یا ہم پر جفا کی

یہی اک رند باقی تھا صد افسوس
خدا بخشے حسن نے بھی قضا کی

رہا ہے کون اگلوں میں حسن یا میرزا نوشہ
یہ دو باقی تھے رندوں میں سو بنکر پارسا بیٹھے

صبح ہوتی ہے شبِ غم نہ قضا آتی ہے
چارہ گر کچھ تجھے مرنے کی دوا آتی ہے

حسن

حسن - منشی سیّد محمد حسن ولد میر حسن لکھنوی تلمیذ خواجہ وزیر لکھنوی - خود بھی نامور اور صاحب دیوان تھے جس کا قلمی نسخہ راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے - امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے زمانے میں نشو ونما پائی تھی - مگر اکثر شعر دیوان میں ایسے ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں شاعری کا مذاقِ سلیم نہ تھا - یا غالبًا اُنکے عہد کی سوسائٹی کا اثر ہی

بہر کیف ہم نے اس قسم کے اشعار انتخاب میں نظر انداز کر دیئے ہیں۔ عمدہ کلام درج ذیل ہے

ہم بھول گئے جس کے لئے یاد خدا کی
وہ بت بھی ہوا رام نہ اے برہمن اپنا

کہتی ہے یہ ہمت پس مردن بھی ہماری
کام آئے کسی اور کے دو گز کفن اپنا

رہائی ہو مجھے کیونکر بلائے تیرہ بختی سے
تعشق ہے مجھے زلف و خط و خال زنخداں کا

اس مست ناز کو گر شوق شراب ہوگا
خم آسماں بنے گا جام آفتاب ہوگا

جی کے بہلانے کو الفت کی تھی سو جی ہی چلا
نفع جس میں سمجھے تھے اس میں ضرر ہونے لگا

محو خود بینی ہے وہ آئینہ رو
حال کیا پوچھے کسی غمناک کا

ہم سے بھی یوں ہی چھوٹ گیا کوچۂ صنم
جنت کو جیسے ہاتھ سے آدم نے کھو دیا

نہ تو رنگ زلف سیاہ تھا نہ وہ چہرۂ غیرت ماہ تھا
کہیں آپ صورت لیل تھا کہیں آپ شکل نہار تھا

شب ہجر سوؤں تو زیر سر ہے ہاتھ کس کا جو چین لے
جو سحر کو اٹھوں تو دیکھوں کیا مرا آئینۂ رخ یار تھا

پڑا مجھ پہ تیر جو یار کا تو بر آئی دونوں کی آرزو
مجھے صید ہونے کا شوق تھا انہیں اشتیاق شکار تھا

دن تو نالوں میں کٹا رات تڑپ کر گزری
عشقبازی کا مزا اے دل شیدا دیکھا

مر جاؤں میں تو خاک رہے کوئے یار میں
مٹی نہ کیجیو مری اے آسماں خراب

خون دل عاشقوں کا حاضر ہے
کیوں حنا ہاتھ میں لگائیں آپ

ترے لعل لب لیں یمن سے خراج
تری زلف چاہے ختن سے خراج

وہ سفاک ہے وہ کہ اے مرغ روح
لیا تیغ نے جس کی تن سے خراج

نقل مکان کے واسطے تیرے مریض کو
جز قبر اور کوئی نہیں ہے مکان پسند

بلبل کو اتو چھوڑ دے صیاد قید سے
سنتے ہیں ان دنوں ہے گلشن بہار پر

جل ہی گیا نہ شعلۂ عارض سے اے حسن
پروانہ سے ہوئی جو کبھی ہمکنار شمع

بے سبب کب ہو عرق آلودہ رخ پہ یار زلف
چاٹتی ہے اوس اس گلشن کی [illegible] زلف

آنکھیں ہوئے ختن ہیں نافۂ مشکیں ہے خال
ہے حباب آئینۂ رخ لب یمن۔ تاتار زلف

سرگشتہ ہوں ایسا کہ پسِ مرگ بھی اکثر
بنتا ہے مری خاک سے اے چرخ کہن چاک

ہنستے ہیں وہ جو روکے کہوں ماجرائے دل
بیدرد پر کسی کا الٰہی نہ آئے دل

پہلو میں دل جو ہو تو وہ لیجائے دلستاں
رکھتا ہوں میں تو پارۂ آتش بجائے دل

عارض پہ حسن اُسکے نہیں زلفِ پریشاں
ہے صبحِ وطن شامِ غریباں کے مقابل

واہ رے خوبیٔ قسمت کہ بگڑنے کے سوا
کوئی بنتا نہیں اپنا کسی تدبیر سے کام

تجھ سے اِک بوسے کے طالب ہیں فقط اے شہِ حسن
نہ غرض مال سے رکھتے ہیں نہ جاگیر سے کام

وصل ممکن نہ ہوا ہو گیا اے جان وصال
رہی آخر یہ مرے دل کی تمنا دل میں

اِک دم ٹھہر کہ جان نکلتی ہے جسم سے
جاتا ہے اُٹھ کے او بتِ نامہرباں کہاں

تکتا ہوں ہر طرف نہیں ملتی وطن کی راہ
مجھ ناتواں کو چھوڑ گیا کارواں کہاں

جائے کیونکر تری محفل سے یہ دیوانہ کہیں
شمع کو چھوڑ کے جاتا نہیں پروانہ کہیں

دل ہے کاکل میں پھنسا کیجو نہ تو شانہ کہیں
قید سے چھُٹ کے نکلجائے نہ دیوانہ کہیں

ساغرِ وصل کا طالب جو ہوا میں تو کہا
ہو لبالب نہ تری عمر کا پیمانہ کہیں

دیکھا اُس بُت کو جو زاہد نے تو یہ حال ہوا
پھینکا عمامہ کہیں سبحۂ صد دانہ کہیں

جو پوچھتا ہوں کہ کیوں تاکتے ہو دلکو مرے
تو کہتے ہیں کہ ہم اپنا شکار دیکھتے ہیں

دکھا دی دُور سے مثلِ ہلال شکل تو کیا
جو آپ پاس بُلالیں تو ہاں کمال کریں

شعلۂ عارض پہ تیرے خط عیاں ہوتا نہیں
شمع روشن ہے وہی جس میں دھواں ہوتا نہیں

بدزبانی کے عوض خنجر لگانا خوب ہے
اندمالِ زخمِ شمشیرِ زباں ہوتا نہیں

جیتے جی اے جانِ جاں ہم تم جدا ہوں ہے عجب
بے موئے ہرگز فراقِ جسم و جاں ہوتا نہیں

بخدا تجھ سا حسیں او بتِ مغرور نہیں
ہمسری تجھ سے کرے حور یہ مقدور نہیں

تیری رسوائی کسی شکل سے منظور نہیں
ورنہ عاشق نہ کرے آہ یہ دستور نہیں

مَثل سچ ہے کہ ہوتی ہے بلا ناجنس کی صحبت
الٰہی آدمی کوئی نہ ان پریوں پہ مائل ہو

کام کیا ہے در و درباں سے سبکساروں کو	بوئے گل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو
فدائیوں میں ہمارا شمار ہونے دو	تم اپنے چاند سے رخ پر نثار ہونے دو
اب تجھ سے کیا کہوں میں کہ یہ کھیونا مہ بر	آنکھوں سے تو تو دیکھ چکا میرے حال کو
وہ باتیں کیں کہ اور بھی آزردہ کر گئے	آئے جو میرے پاس وہ دفع ملال کو
بوسہ دستِ صنم سے لیتا آرائش کے وقت	کاش میں ہوتا حسن تصویر پشتِ آئینہ
جس بزم میں وہ آئینہ رو یک بیک گیا	حیراں وہ بزم صورتِ تصویر ہو گئی
پیدا ہوئے ہیں ہزاروں اسیر اے صیاد	ادھر بھی اک نظرِ بندہ پروری ہو جائے
مرے سوا نہ کسی اور پر کرو بیداد	مجھی پہ ختم تمہاری ستمگری ہو جائے
زلف کو دیکھے تو ہو جائے مسلماں کافر	رخ ترا دیکھے جو کافر وہ مسلماں ہو جائے

حسن - مفتی محمد حسن صاحب حسن باشندۂ گوپامئو وکیل عدالت جونپور شاگرد مرزا حاتم علی بیگ مہر مغفور - انتقال کیے عرصہ ہوا - چند شعر یادگار ہیں ٭

ہزار بار اٹھائے گئے مگر نہ اٹھے	بمثالِ نقشِ کفِ پا پڑے رہے در پر
مسافرانِ عدم پاؤں کس طرح سے اٹھائیں	دراز راہ ہے بارِ گناہ ہے سر پر
ہمارے کاٹے تو کٹتی نظر نہیں آتی	شبِ پہاڑ نہیں ہے پہاڑ ہے سر پر
صورت نظر پڑی ہے فلک پر سحاب کی	ساقی خدا کے واسطے بھیج شراب کی

حسن - شیخ حسن بخش ولد مخدوم شاہ محمود ساکن ملتان - زیادہ حال معلوم نہ ہوا -

زلف رخ سے ادھر نہیں ہوتی	کیسی شب ہے سحر نہیں ہوتی
تیرے دنداں کے روبرو ہرگز	قدر لعل و گہر نہیں ہوتی
بے کیے عشقِ زلف اور کاکل	عمر اپنی بسر نہیں ہوتی

حسن - مولوی سید امیر حسن صاحب مرحوم تخلص حسن ابن حاجی سید اکبر علی صاحب مرحوم ساکن سہارنپور سادات موسوی اثنا عشری تھے - انکے جدِ اعلیٰ سید عبد الہادی صاحب

عرف شاہ چراغ کاشان سے سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان میں آئے تھے۔ مولانا حسن نے تقریباً ۵۰ سال تک سرکار انگریزی کی عدالتہائے ضلع میں وکالت کی جائداد آبائی بھی بہت کچھ تھی۔ نہایت متقی و پرہیزگار۔ عربی و فارسی میں استعداد کامل رکھتے تھے اس لیئے اوقات فرصت میں شغل درس بھی جاری رہتا تھا۔ اور علمی مباحثات اور اہل علم و فن سے انکی صحبت ہمیشہ گرم رہتی تھی۔ لکھنؤ و دہلی کے باکمال سہارنپور میں وارد ہوتے تو انہی کے مہمان ہوتے۔ خوشنویس بھی اعلیٰ درجے کے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ملک الشعراء مولوی مہدی علی خان صاحب مرادآبادی اکثر انکے یہاں آکر مقیم ہوتے تھے۔ چنانچہ انہیں سے تلمذ اختیار کیا تھا۔ سہارنپور کے مقتدر شرفا اور عمائد میں گنے جاتے تھے۔ دہلی و لکھنؤ بھی گئے اور وہاں کے اہل کمال سے ملکر دادِ سخن دینے اور لینے کا موقع ملا۔ آخر میں بوجہ پیرانہ سالی اور داغ مرگ فرزند جوان کیوجہ سے حواس میں اختلال آگیا تھا۔ ۱۸۸۶ء میں ۸۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور سہارنپور میں دفن ہوئے۔ افسوس کہ کلام مصنف کے امراض دماغ اور ورثا کی کم التفاتی سے تلف ہوگیا۔ اس لیئے جو کچھ دستیاب ہوا حاضر کیا جاتا ہے۔

جب آسیا کی طرح رات دن رہی گردش
غیر نے روک لیا مجکو جتانا کیا تھا
زلف و رخ انتخاب ہیں دونوں
سوزِ غم فرقت سے جل رہا ہوں میں
وصل میں چین ہے نہ فرقت میں
شرم اِدھر ہے نہ کچھ لحاظ اُدھر
کام کے آدمی تھے قیس و حسن
جہاں کی ہوتی ہے وہیں لیجا کے رہتی ہے

بزیرِ چرخ میسر تب ایک دانہ ہوا
عذر بدتر زگنہ بات بنانا کیا تھا
روز و شب کے جواب ہیں دونوں
جگر و دل کباب ہیں دونوں
جان کو اک عذاب ہیں دونوں
نشہ میں بے حجاب ہیں دونوں
عشق میں پرخراب ہیں دونوں
حسن پاؤں میں ہے ہر شخص کے زنجیر مٹی کی

موت ہستی پہ اپنی ہنستی ہے	وا دریغا عجیب ہستی ہے
مجھے سب لوگ کہتے ہیں یہ پرینکا سایا ہے	خیال آنکھوں کا انکی یاں تا تک دلیں سمایا ہے
اسے اے شور محشر کس لیئے تونے جگایا ہے	حسن سوتا تھا کنج قبر میں آرام و راحت سے

حسن

حسن - شاہ محمد حسن صابری خلف حکیم حافظ عبد اللہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ کی اولاد میں تھے عموماً کسب کمالات کا شوق رہا خصوصاً فن ڈاکٹری کا بہت ذوق تھا۔ کبھی کبھی شعر گوئی کی طرف بھی توجہ کرتے تھے - نواب خلد آشیاں کے عہد میں ریاست رامپور کے متوسل تھے - پہلے حکیم محمد حنیف رضا اپنے ماموں سے پھر اپنے پیر و مرشد سے اصلاح سخن لیتے تھے - آخر میں حضرت امیر مینائی مرحوم کو بھی اپنا کلام دکھایا تذکرہ انتخاب یادگار کے وقت ستر برس کی عمر تھی - یہ ان کے اشعار ہیں ؎

ہاتھ آئی جسکو روضۂ احمد کی خاک پا	مٹی نظر میں اسکی ہے اکسیر و کیمیا
دیکھ کر گور غریباں کو وطن یاد آگیا	وادئ غربت میں جا نکلا جو تکیے کیطرف
یہ حبیب خدا کی خوشبو ہے	بوستاں میں مہک رہے ہیں جو پھول

نواب خلد آشیاں کی مدح میں یہ قصیدے کے چند اشعار ہیں۔

کہ ہر اک مصرع برجستہ ہے شمشاد چمن	کس کے اوصاف کا کاغذ پہ کھلا ہے گلشن
گل فردوس سے گلچیں کا بھرا ہے دامن	نقطے حرفوں پہ دکھاتے ہیں لطافت کی بہار
کس گل تر کی صفت میں یہ کھلا ہے گلشن	دیکھا ہر رنگ تو خوش ہو کے یہ دل نے پوچھا
میرے ممدوح کا تو نام ہے سب پر روشن	ہنس کے تب بلبل دل کو یہ دیا میں نے جواب
معدن جود و عطا فیض و سخا کا مخزن	نامور کلب علیخان بہادر ہے لقب
خلق ایسا ہے کہ دشمن بھی جھکائے گردن	فیض ایسا ہے کہ ادنی کو بنا دے اعلی

حسن

حسن - سید علی حسن شاہجہاں آبادی - آپ شجاع - تیر انداز - خوشنویس - دستکار - فن بانک و پٹہ میں مہارت کامل رکھتے تھے اور با ہمہ صفت موصوف تھے - صاحب غیرت آپ ایسے

تھے کہ اگرچہ عدم مساعدتِ روزگار سے پریشان رہے مگر کسی سے اپنی حاجت کا اظہار نہ کیا۔
طبع موزوں بھی یہ چند اشعار اُنکی یادگار ہیں۔

ناز آئینے پہ اتنا یہ سکندر مت کر	کیا تماشا ہو جو سینے سے دل آوے باہر
یہ تم جانو ہو بجلی کو سکھائیں کس نے اُچپلیاں	ہمارے دل ستی تعلیم لے سیکھی ہے بے کلیاں

حسن

حسن۔ مولوی حاجی سیّد مجتبیٰ احسن ولد سیّد محمد حسن ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ ۱۲۶۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی تعلیم کے بعد کچھ دنوں تک محکمۂ پرمٹ میں ملازمت کی۔ نہایت ذہین اور طبّاع شخص تھے۔ طبیعت اس فن سے مناسبت رکھتی تھی۔ اور اسی شوق کی وجہ سے ہر دوسرے مہینے اپنے ہاں مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ سیّد علی احسن مارہروی انھیں کے بیٹے ہیں علاوہ شعر گوئی کے تاریخ گوئی میں بھی دخل تھا۔ چنانچہ اُنکی تاریخوں کا پورا دیوان موجود ہے۔ طبیعت نہایت دقیق اور سخن سنج پائی تھی۔ جب اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجّادہ نشین ہوئے تو شاعری سے تائب ہوگئے اور اپنے فرائض منصبی میں مصروف رہنے لگے حتی کہ ۱۳۱۱ھ ہجری میں معہ اہل وعیال سفرِ حجاز اختیار کیا۔ وہاں سے واپسی کیوقت طبیعت زیادہ ناساز ہوئی۔ انکے بیٹے احسن ہمراہ تھے۔ جوں توں ہندوستان پہنچے اور بمبئی پہنچ کر ۱۹ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ ہجری کو انتقال کیا۔ اُن کا اُردو کلام جمع نہ ہوسکا۔ کچھ اشعار اُنکے احسن مارہروی سے ملے وہ درجِ ذیل کیے جاتے ہیں +

مقتل میں جو تلوار لیئے فتنہ گر آیا	لے عاشق جانباز بھی ہاتھوں پہ سر آیا
تقسیم ہوئی رزق کی تو حصّے میں میرے	غم کھانے کو اور پینے کو خونِ جگر آیا
دیکھی نہ جگہ کوئی ترے جلوے سے خالی	جس سمت نظر اٹھ گئی بس تو نظر آیا
یہ عقدہ خال لب سے کھُل گیا خوب	دہانِ تنگ کا رستہ ملا خوب
مرنے میں اگر مسکن ہوا اپنا	حسن اوقات گزرے اپنی کیا خوب

حسن۔ میر محمد حسن ابن میر قلندر علی متوطن سکندر آباد مقیم دہلی منشی ہرگوپال تفتہ

و حکیم آغا جان عیش کے شاگرد تھے۔ روزگار پیشہ تھے اور ۱۸۷۶ء میں دلّی میں رہتے تھے یہ اُن کا کلام ہے ؎

ناحق اُس بُت کی دوستی میں حسنؔ	لگ گیا داغ پارسائی میں
حسنؔ۔ کل آبلہ پا وحشیانہ سر کو ٹکراتا	اُٹھائے مُنہ گریباں چاک جاتا تھا بیاباں میں
مجھ سے بُنیاد ہے محبت کی بُرا ہو یا الٰہی دل لگی کا	عشق کا خاندان ہے مجھ سے گھٹا کی عمر اور اُلفت بڑھا کی
رونے سے ایک پل نہیں مُہلت فراق میں	یہ آنکھ کیا لگی مرے پیچھے بلا لگی

حسنؔ۔ سیّد محمد ابوالحسن خاں مرحوم خلف جناب رضی الدّولہ میر نورالحسن خاں صاحب نظام جنگ نبیرۂ امیر الملک والاجاہ مولوی سید محمد صدیق حسن خاں صاحب مرحوم اِس ناکام تمنّا اور جوانا مرگ کی ولادت ۱۳۰۱ ہجری میں بمقام بھوپال ظہور میں آئی۔ ابھی نہ پُورا سا ہوش سنبھالا تھا۔ نہ درس و تدریس سے فرصت پائی تھی۔ درسیہ عربیہ قریب الاختتام تھیں اور آخری صحاح ستّہ کا سبق ہوتا تھا کہ ۱۳۱۸ ہجری میں عین آغاز شباب کیوقت ماں باپ اور دوستوں کو داغ مفارقت دیکر عالم ہستی سے کوچ کیا۔ کُل ۱۸ برس دُنیا کی ہوا کھائی۔ مرنے سے ڈھائی تین برس پہلے شعروشاعری کا شوق ہوا جو بڑھتے بڑھتے اِتنا بڑھا کہ بالکل اُسی میں منہمک ہوگئے۔ فارسی میں زیادہ محویت تھی۔ حضرت میرزا غالب دہلوی کی روش کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ اُردو و فارسی دونوں زبانوں اُنھیں کا تتبع کیا۔ عرشی اور حسنؔ دو تخلص اختیار کیے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ ہونہار طبیعت پائی تھی۔ مگر افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ کُل دو ڈھائی سال کی مشق پر یہ عالم ہے کہ وہی فارسی ترکیبوں کے ساتھ میرزا کی طرح لفظوں کو جمع کرتے ہیں اور گویا پَر لگا کر اُڑنا چاہتے ہیں۔ مگر اکثر تو گر پڑتے ہیں اور کہیں کہیں سنبھل بھی جاتے ہیں پھر دونوں مصرعوں میں یکساں زور قائم نہیں رہتا تاہم ایک آدھ مصرعہ یا کوئی پُورا شعر بھی خاصہ بلکہ اچھا لکھ جاتے ہیں۔ حافظ خان محمد خاں صاحب شہیر سے تلمذ تھا۔ اگر کچھ دن مشق

جاری رہتی تو فی الحقیقت اچھا کہتے۔ اِنکے بھائی نے اُنکی بیاض راقم تذکرہ کے پاس بھیجدی تھی بطور یادگار چند شعر درج کیے جاتے ہیں ٭

نمایاں کاکلِ مشکیں سے ہو نا روئے جاناں کا ۔۔۔ چمکنا ہے شبِ تاریک میں مہرِ درخشاں کا

یہ پہلے کسی سے وعدے کا ہوتا نہ تھا یقین ۔۔۔ از بسکہ دل شکستۂ پیمانِ یار تھا

چشمِ پروانہ سے خوبانِ جہاں کو دیکھا ۔۔۔ شمع رویوں میں کوئی تجھسا طرحدار نہ تھا

تھا فقط پاسِ نزاکت ترا مجکو ورنہ ۔۔۔ کھینچ لانا کششِ آہ سے دشوار نہ تھا

دیکھے دل تو یہ معلوم ہوا ہمکو حسن ۔۔۔ جسکو دلدار سمجھتے تھے وہ دلدار نہ تھا

واصلِ بحقیقت ہوں جو ہیں عشقِ بتاں سے ۔۔۔ دل زندۂ جاوید ہوا ہے حسن اپنا

ہیولائے متاعِ عیش بھی آشفتگیٔ دل ۔۔۔ جسے سمجھے تھے ہم حنظل اسی کو انگبیں پایا

آہِ دل سے جو شرر نکلا وہ خالص زر ہوا ۔۔۔ آنکھ سے ٹپکا جو قطرہ میری وہ گوہر ہوا

لبِ زاہد ہم آغوشِ شرابِ تند ہے عرشی ۔۔۔ ہوا ہے نذرِ آتش آج خرقہ پارسائی کا

اندوہِ کاوشِ غمِ ہجراں عیاں ہے اب ۔۔۔ دل محوِ ذوقِ پردہ سازِ بیاں ہے اب

دل سرد مہریوں سے حسینانِ دہر کی ۔۔۔ سرگرمِ جوشِ نالۂ آتش فشاں ہے اب

ہوا ہے شادیٔ دلکا سبب رنج و الم مجھپر ۔۔۔ وہ مجھپر رشک کرتے ہیں جو کرتے ہیں ستم مجھپر

بتوں سے رنجشِ بے اتفاقی کی کوئی حد ہے ۔۔۔ ہوئی ہے بے تکلف فرض اب سیرِ حرم مجھپر

یونہی ہر بات پر کھنچتی رہی گر تیغ اے عرشی ۔۔۔ تو پھر آسان ہے دشواریٔ راہِ عدم مجھپر

ہے زخمِ تیر سینہ میں سرمایۂ طرب ۔۔۔ پیکانِ یار دل میں ہوا رہنمائے عیش

آلودۂ سرشکِ ندامت ہے چشمِ یار ۔۔۔ یہ بھی ادا ستم کی ہے عذرِ ستم نہیں

جاں بازِ شوق و طالبِ دیدار یار ہیں ۔۔۔ نے دیر سے غرض نہ تعلق حرم کے ساتھ

سبو ہے اور نہ مینا ہے نہ ساقی ہے نہ پیمانہ ۔۔۔ کسیکی نرگسِ میگوں سے اک عالم ہے مستانہ

مستی فشاں مگر نگہِ مے فروش ہے ۔۔۔ پا در رکاب جلوۂ نیرنگِ ہوش ہے

وفورِ کشتگانِ شوق سے گردوں بھی حیراں ہے
شفق آئینہ دارِ برقِ شمشیرِ درخشاں ہے

ہے آخر کس لیئے یہ التہابِ آتشِ دوزخ
نہیں غم گر مرا تر عرصۂ محشر میں داماں ہے

نہیں ذوقِ سخن مجکو مگر مجبور ہوں عرشی
کہ منظورِ دلِ غمگیں رضائے مرتضیٰ خاں[1] ہے

سخن میں بھی مرے رنگِ دلِ خونناب افشاں ہے
مرا ہر حرفِ دیواں دانۂ تسبیحِ مرجاں ہے

گدازِ دردِ الفت کیجئے کیونکر بیاں عرشی
مرا دل شمع ہے اور خامشی گویا مری جاں ہے

یہی بس آرزوئے دل تھی ہمنے بھر پایا
کسیکا ہائے یہ کہنا کہ آرزو کیا ہے؟

یہ رنگ لائی ہے نیرنگ سازیٔ الفت
وگرنہ اشک کی جا آنکھ میں لہو کیا ہے؟

سود وسودائے محبت میں کہاں ہوتا ہے
دین وایمان و دل وجاں کا زیاں ہوتا ہے

دل میں پوشیدہ کہیں عشقِ بتاں ہوتا ہے
آگ جس گھر میں سلگتی ہے دھواں ہوتا ہے

باغباں باغ میں بلبل کو چہک لینے دے
دو ہی دن میں تو یہ تاراجِ خزاں ہوتا ہے

سن کے احوال مرا ہنس کے یہ ظالم نے کہا
اچھا بیمارِ محبت کا کہاں ہوتا ہے

ہم جستجوئے جلوۂ جانانہ کرینگے
طوفِ حرم وکعبہ و بتخانہ کرینگے

طاقِ ابرو کو جب سے دیکھا ہے
ہمنے ڈالی ہے خُوئے عبادت کی

نہ غرض دین سے ہے انکو نہ دنیا کی طلب
سب سے فارغ ہیں ترے عشق کی لت والے

سینہ۔ حریفِ کاوشِ مژگاں نہیں رہا
کسکی دل وجگر کو الٰہی نظر ہوئی

آئے تھے آج پرسشِ زخمِ جگر کو لیک
دل کو بھی ہائے بسملِ مژگاں بناگئے

حسن۔ جناب سید حسن عسکری صاحب متخلص بہ حسن۔ ولدیت اور تلمذ کا حال معلوم نہیں۔ لکھنؤ وطن ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

خطا دیوانگانِ عشق کی کوئی نہیں نکلی
غلط محشر میں تحریرِ کراماً کاتبیں نکلی

بلا آئی جو کچھ بھی جائے آسائش کہیں نکلی
فلک نے سر پہ وہ ڈالی کہ پاؤں سے زمیں نکلی

جلایا دل بتانِ حور وش کی سرد مہری نے
مری دوزخ سے بھی کیفیتِ خلدِ بریں نکلی

[1] آپکے بھائی کا نام ہے۔

کیا قاتل نے جب کشتہ مجھے شیریں ادائی سے
بجائے موجِ خوں شہ رگ میں چشمے انگبیں نکلی

نہ دی جب اُس بتِ نامہرباں نے دادِ دلسوزی
حسن نکلی تو کس مصرف کی آہِ آتشیں نکلی

حسن ۔ حسن تخلص حسن جان خلف شیخ غلام مرتضیٰ مصوّر ساکن قدیم شہر لکھنؤ محلہ شاہ وان محل شاگرد خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی عمر ۵۲ سال سلسلۂ شاگردی خاندانِ میر سے ملتا ہے ابتدائے سن سے شاعری کا شوق ہے۔ دیوان ناتمام ہے۔

جس جرم کا حسن کو خود اعتراف ہو
رحمت تری پکار کے کہدے معاف ہو

ہرگز خیالِ گیسوئے جاناں نہ چھوڑیئے
صدمے ہوں لاکھ عشق کا داماں نہ چھوڑیئے

تھک جائیں پاؤں دشت کا داماں نہ چھوڑیئے
مر جایئے پہ ہاتھ سے میداں نہ چھوڑیئے

ہر شب یہ میری قبر پہ کہتی ہے بیکسی
یوں بے چراغ گورِ غریباں نہ چھوڑیئے

آزمانے کے لیے تیغ جو قاتل آئے
کون پھر میرے سوا ہے جو مقابل آئے

حسن ۔ کرنل صاحبزادہ محمد حسن رضا خاں صاحب بہادر کمانڈنگ افواج ریاستِ رامپور آپکے والد احمد رضا خاں عرف پیارے صاحب مرحوم نواب خلد آشیاں کے بھانجے تھے۔ آپکی عمر اب ۳۵۔۳۶ برس کے قریب ہے مضطر خیرآبادی سے فنِ سخن میں استفادہ کرتے ہیں اور ریاست میں ۵۰۰ روپیہ ماہوار کے منصبدار ہیں۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

پھونکتا ہے دل چراغِ روئے جانانہ مرا
رات کیسی دن کو بھی جلتا ہے پروانہ مرا

تو نے پھیری آنکھ چشمِ تر سے آنسو گر پڑے
یاس نے چھلکا دیا لبریز پیمانہ مرا

میں لیے پھرتا ہوں دل میں اک بتِ بیدرد کو
اب تو میرے ساتھ ہی رہتا ہے بتخانہ مرا

دل کی بربادی کا بھی اک روز پھل مل جائے گا
رنگ کچھ لائیگا مل کر خاک میں دانہ مرا

جب تعلق ہے تو اظہارِ تعلق چاہیئے
جب پری تم ہو تو رکھو نام دیوانہ مرا

رکھتے ہیں لاگ ایک نہ اک خوبرو سے ہم
لاچار ہیں مزاج سے۔ مجبور خو سے ہم

اک حیلہ چاہیئے مجھے لڑنے کے واسطے
امید صلح رکھتے ہیں اُس جنگجو سے ہم

بیتاب کرنہ اے دلِ ایذا طلب ہمیں
ایسے ہی تو وہ ہیں کہ چھپا لینگے عشقِ غیر
وہ خوب جانتے ہیں مرے دل کا مدعا

باز آئے تجھ سے اور تری آرزو سے ہم
سو بار تاڑ لینگے حسن گفتگو سے ہم
حالانکہ کچھ زباں سے کہتا نہیں ہوں میں

کوئی عدم کا بھلا کیا معاملا سمجھے
کہا جو ہم نے کہ تم میرا مدعا سمجھے
جو بیخبر تھے وہ گھر جانتے رہے غافل
دیا جو رنج کسی نے تو خوش ہوا دلِ زار

جو مبتدا کو نہ سمجھا خبر کو کیا سمجھے
تو مسکرا کے وہ بولے مری بلا سمجھے
جو ہوشیار تھے دنیا کو وہ سرا سمجھے
اُٹھا جو درد کلیجے میں ہم دوا سمجھے

حسن سخنور خوش بیاں ناظم شیریں زباں مولٰنا حاجی محمد حسن رضا خان صاحب حسن بریلوی خلف مولٰنا مولوی نقی علیخاں صاحب مرحوم و برادر مولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب عالم اہلِ سُنّت و شاگرد رشید حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی آپکے صاحبزادے نے جو حالات ارسال کیئے اُنکا خلاصہ یہ ہے۔

آپ ۴ ربیع الاوّل ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپکے آبا و اجداد دلّی کے رہنے والے تھے آپکے جدِّ امجد محمد سعادت علیخاں صاحب کی وفات تک تو آپکے خاندان کا مسکن اسی شہر میں رہا مگر اسکے بعد مستقل سکونت بریلی میں قرار پائی۔ چنانچہ اب وہی وطن ہے۔ آپکے بزرگوں میں حضرت محمد اعظم علیشاہ صاحب بہت بڑی دولت و ثروت چھوڑ کر تارک الدنیا ہو گئے تھے اور صاحبِ کشف و کرامات گزرے ہیں۔ علم و فضل آپ کا خاندانی ہے۔ نعت گوئی میں اپنے برادرِ بزرگ مولوی احمد رضا خانصاحب سے مستفیض ہیں اور عاشقانہ رنگ میں بلبل ہندوستان سے تلمذ تھا۔ جس زمانے میں حضرت داغ رامپور میں تھے آپ اُنکے شاگرد ہوئے اور ہر سال ایک دو مہینے اُنکی خدمت میں رہکر فیض صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ داغ صاحب کو ان سے خاص اُنس تھا اور اکثر پیارے شاگرد انھیں کہا کرتے تھے ۱۳۲۵ھ میں معہ عیال حج کیا اور واپسی پر غزل گوئی ترک کر دی۔ محض نعت اور منقبت کو

ہی اپنا مشغلہ ٹھیرا لیا۔ چنانچہ نعت میں ایک پورا دیوان مرتب کیا اور ہنگام طبع جبکہ صرف دو یا تین ورق آخر کے چھپنے باقی تھے ۲۲ ماہ رمضان ۱۳۲۶ھ کو ۵۰ سال چھ ماہ کی عمر میں بعارضۂ تپ اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔

آپ کا عاشقانہ کلام آپکے بعد طبع ہوا ہے۔ جو فی الحقیقت بہت اچھا ہے۔ صفائی۔ سادگی۔ بندش۔ اور شوکتِ الفاظ کے علاوہ پُر درد اور مؤثر بھی ہے۔ طرز بیان میں سادگی کے ساتھ تیکھا پن غضب کا ہے۔ تعقید اور آورد کا شروع سے اخیر تک نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اکثر مصرعۂ ثانی کی نسبت مصرعۂ اولی تو آپ غضب ہی کا لکھ جاتے ہیں۔ بعض اشعار میں مصرعۂ اولی کے الفاظ کو الٹ پلٹ کر اس خوبی سے مصرع ثانی کا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ بول چال اور محاورات میں بھی حرف گیری کی کم گنجایش ہے الغرض آپ کا مذاقِ شعر پاکیزہ اور اسلوب بیان قابلِ تعریف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے تلامذہ میں آپ ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے اور کچھ عجب نہیں کہ اگر زندگی مستعار وفا کرتی اور یہ مشغلہ قائم رہتا تو اُنکے نام کو چلا دیتے۔ دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کیوں دلِ زار محبت کا نتیجہ دیکھا	درد فرقت کا کوئی پوچھنے والا دیکھا
بس رُخِ یار سے اُٹھتے ہوئے پردہ دیکھا	پھر خبر ہی نہ رہی کیا کہیں پھر کیا دیکھا
کان وہ کان ہے جسنے تری آواز سُنی	آنکھ وہ آنکھ ہے جسنے ترا جلوہ دیکھا
آپ کہتے ہیں کہ جا دیکھ لیا دل تیرا	کیجئے تو اپنے سوا دل میں مرے کیا دیکھا
شربتِ دید میں کیا جانئے مزے ہیں کیسے	جِتنا سیراب ہُوا اُتنا پیاسا دیکھا
حُسن جب مقتل کیجانب تیغِ برّاں لیچلا	عشق اپنے مجرموں کو پا بجولاں لے چلا
آرزوئے دیدِ جاناں بزم میں لائی مجھے	بزم سے میں آرزوئے دیدِ جاناں لیچلا
میرے گھر تک پاؤں پڑ کر انکو لایا تھا نیاز	ناز دامن کھینچتا سوئے رقیباں لیچلا

بیمروت ناوک افگن آفریں صد آفریں
دل کا دل زخمی کیا پیکاں کا پیکاں لیچلا

اس سے بڑھکر آرزو کیا تو ہو قاتل ہم شہید
پوچھتا کیا ہے ستمگر تیغ براں لیچلا

دل کو جاناں سے حسنؔ سمجھا بجھا کر لائیے
دل نہیں سمجھا بجھا کر سوئے جاناں لیچلا

بسملوں کو زخم زخموں کو مبارک لذتیں
سوئے مقتل پھر کوئی تیغ و نمکداں لیچلا

میں کیا پوچھوں کہ ہے میری خطا کیا
عتاب بے سبب کا پوچھنا کیا؟

داغ الفت جگر میں دیکھ لیجئے
بدگماں اتنا اعتبار ہوا

کیا قیامت ہیں پیار کی نظریں
بیٹھی چھریوں سے دل فگار ہوا

دیکھو اندیکھو اسکی طرف چشم مست سے
چھلکا سکے کہ چھپ سکے گا پیالہ شراب کا

لکھا ہوا ہے پیر مغاں کی دوکان پر
کم ظرف کو حرام ہے پینا شراب کا

بیخبر ہو۔ بے خبر کو کیا خبر اس درد کی
سنگدل ہو سنگدل پر کیا اثر فریاد کا

خاک میں ملجائیگی قدر شہادت تیرے ساتھ
خون ناحق! کچھ رہا دامن اگر جلاد کا

خون حسرت! ہاں دکھا رنگیں مزاجی کی بہار
دامن کھینچیں سینے دامن مرے جلاد کا

جس طرح منہ تکتے ہیں ظالم ترا ہم تو سہی
منہ تکتے تو حشر میں ہر شاکی بیداد کا

کیوں نہ ہو میرے سخن میں لذت سوز و گداز
اے حسنؔ شاگرد ہوں میں داغؔ سے استاد کا

ذرا آہ پر درد سے بچتے رہنا
نہیں دل لگی دل دکھانا کسیکا

اس شوخ کے انکار سے دل ٹکڑے ہوا کیوں
یارب کوئی خنجر تو نہ تھا لفظ "نہیں" کا

جس میں ہے تمہارے رخ رنگیں کا تصور
اس دل کو لقب دیجئے فردوس بریں کا

اس گل کی بو سمائی ہے میرے دماغ میں
پھولوں کی ہے چنگیر مرقع بتاں کا

سنگ غم فراق سے دل پر لگا نہ چوٹ
آئینہ ٹوٹ جائے گا تیرے جمال کا

جلوے کی روک تھام کرے گا حجاب کیا
دریا کے آگے آب رواں کی نقاب کیا

کہتا ہے برق سے یہ مرا بیقرار دل
تڑپے ٹھہر ٹھہر کے تو پھر اضطراب کیا

آنکھوں کو روئیں دیکھنے والے جھلک کے ساتھ
جلوہ حجاب جلوہ ہے پھر یہ حجاب کیا؟

خوش ہوئے تھے ہم کہ خنجر تو گلے سے مل گیا
کیا خبر تھی یہ بھی دم دیکر جدا ہو جائے گا

آج بیمارِ الم کے طور کچھ بیطور ہیں
تم نظر بھر دیکھ آؤ گے تو کیا ہو جائے گا

گھبرا کے آئے وہ جو سنا جاں بلب مجھے
لو مرنے مرتے زیست کا ساماں ہو گیا

اِس بات پہ خفا ہیں قتیلِ جفا سے وہ
یہ کیوں کہا کہ میں ترے قربان ہو گیا

مرے دکھ دینے والے کیوں وہ قسمیں یاد ہیں تجھکو
تری تکلیف تیرا دکھ گوارا ہو نہیں سکتا

ایسے سے دل کا حال کہیں بھی تو کیا کہیں
جو بے کہے کہے کہ چلو بس سنا سنا

آخر حسن وہ روٹھ گئے اٹھ کے چل دیئے
کمبخت اور حالِ دلِ مبتلا سنا

دردِ الفت میں زندگی کیسی؟
موت کا کون چارہ گر ہو گا

خودی سے جدا ہو کہ وصلِ خدا ہو
نہ ہو کر جو ہو گا وہ ہو کر نہ ہو گا

قتل کرنے کی وہ جلدی تھی انھیں
اب تڑپنا ہمیں دیکھا جاتا

پائے قاتل دامنِ قاتل سے بیچ بچا کر ترے
قتلگہ میں آئے ہیں بے سر نہ اتنا سر اٹھا

وقتِ جلوہ شرم و شوخی کی کشاکش کیا کہوں
پردۂ روئے صنم اٹھا کر گرا گر کر اٹھا

ایسی تری صورت مری آنکھوں میں بسی ہے
جب آئینہ دیکھا تو مجھے تو نظر آیا

سن لیا ہے نے سوالِ وصلِ دلبر کا جواب
نا امیدی کہہ گئی دل سے مقدر کا جواب

خنجر گلے پہ سر تہ زانوئے دلربا
اے مجرمانِ عشق تمھارے خوشا نصیب

حیرت آنکھوں پہ برستی ہے زباں میں خاموش
خود تماشا بنے بیٹھے ہیں تماشائی دوست

بزمِ محشر۔ مجمعِ عشاق۔ جوشِ اشتیاق
تو بھی پردے سے نکل لے جلوہ جانانہ آج

بیقراری کل بھی تھی کل سے زیادہ آج ہے
صبر کا یارا دلِ بیتاب کو کل تھا نہ آج

آپ پر جادو بھری آنکھوں کا افسوں چل گیا
اے حسن سب کی زباں پر ہے یہی افسانہ آج

چاہا اگر تمھیں بہت اچھا۔ برا کیا
بخشو گے بھی خطائے محبت کسی طرح

کہتے ہیں رنجش بھی ہے تو خاص تیری ذات سے
وہ عداوت بھی جتاتے ہیں محبت کس طرح

ق

چپ چاپ دشتِ نجد سے ناقہ نکل چلے
شورِ جرس نہو مرے محمل نشیں بلند

مجنوں کی روح خوابِ عدم سے نہ چونک اٹھے
مرقد سے ہو نہ شورِ قیامت کہیں بلند

آئے میری قضا ادا ہو کر
دم نکلجائے مدعا ہو کر

چھپ گیا یار خودنما ہو کر
رہ گئی چشمِ شوق وا ہو کر

ہجر کے انقلاب کس سے کہوں
کھائے جاتا ہے غم غذا ہو کر

شورِ محشر جگانے آئے ہیں
تیری رفتار کی صدا ہو کر

ناتواں زندہ جاوید ہوئے
ضعف میں جان سے جائیں کیونکر

سرِ دشمن ہے اور اُن کا زانو
وہ مرے خواب میں آئیں کیونکر

کوچۂ دوست میں کیوں آئے حسن
زندگی ہو جسے اے یارِ عزیز

نہ پوچھ اب حال اے بیدرد مجھسے
بلا سے تیری ہیں غمگین یا خوش

مجھے کیوں خوش نہ کرے پھر مرا غم
مرے غم سے ہے میرا دلربا خوش

آتا ہے خالی ہاتھ حسن نامہ بر ترا
قسمت جواب دے تو کہو کون لائے خط

موت بھی کیا جانے کچھ بیمار ہے
کیوں نہیں آتی ترے بیمار تک

یار تجکو رحم کس دن آئے گا
اب ترس کھانے لگے اغیار تک

ہم ہیں وہ برگشتہ قسمت جانِ من
تم تو کیا منہ پھیر لے تلوار تک

واہ وا اے نگۂ یاس ترا کیا کہنا!
آج جلاد ہے بسمل تو ہے بسمل قاتل

آستیں اُلٹے ہوئے ہاتھ میں تلوار لیے
آج خونریزئ بسمل پہ ہے مائل قاتل

زہر ہی سے میں کروں چارۂ بیمارئ دل
لاؤں اب اُنکو کہاں سے پئے غمخوارئ دل

آپ کے لطف سے تو قہر کیا
خوب تھے جورِ آسماں تک ہم

آئے تھے کیا جانے کیا حسرت لیے
پھر چلے محروم تیرے در سے ہم

کے لحاظ سے۔ فن ڈراما سے اُن کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اِسکے بعد جب پارسیوں نے کمپنیاں قائم کرکے انگریزی اُصول پر سین سینری کے ساتھ اندر سبھا کے تماشے کرنے شروع کیے تو لوگوں کو اِس کھیل سے ایک قسم کی دلچسپی پیدا ہوئی اور الف لیلیٰ۔ گل بکاؤلی۔ بدر منیر۔ فسانۂ عجائب وغیرہ دیگر قصص کے اُسی ڈھنگ پر تماشے تصنیف ہو گئے جنھیں کمپنیاں اسٹیج پر ایکٹ کرنے لگیں۔ مگر وہ تماشے محض تماشے ہی تھے۔ سوائے تک بندی کے اِن میں زبان اور لٹریچر سے کچھ لگاؤ نہ تھا۔ رفتہ رفتہ۔ رونق۔ ظریف۔ آغا شاعر۔ بیتاب۔ طالب بنارسی۔ احسن لکھنوی۔ مُراد اور بہت سے ڈرامائسٹ پیدا ہو گئے۔ جنھوں نے اِس فن میں انگریزی اُصول کی تقلید پر ناٹک لکھے۔ دلفروش۔ بزم فانی۔ ظلم اظلم۔ سفید خون۔ نگاہِ غفلت وغیرہ متعدد تماشے مُرتب ہوئے مگر لٹریری مذاق کے اعتبار سے چند ہی ڈرامائسٹ کامیاب ہوئے۔ آغا حشر کشمیری نے بھی اِس صنف میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ چنانچہ شکسپیر کے چند ناٹک اُردو کے قالب میں اس خوش اسلوبی سے ڈھالے کہ اُنھیں دیکھکر کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی ڈرامانگاری میں گو یا دوبارہ اُسکی رُوح کو تازہ کر دیا۔ طالب۔ احسن اور حشر کی تصنیفات نے اسٹیج پر آکر سچ مچ حشر برپا کر دیا۔ تماشائی گویا اُسکی مٹھی میں ہوتے ہیں۔ مصنّف جہاں چاہتا ہے رُلا دیتا ہے اور جہاں چاہتا ہے ہنسا دیتا ہے۔ رُلاتا ہے تو روتے روتے لوگوں کے رومال تر ہو جاتے ہیں ہنساتا ہے تو تمام اسٹیج میں تماشائیوں کے قہقہے کی آواز گونجنے لگتی ہے گویا سب کچھ اُسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اب نمونۂ کلام میں ہم آپکی مشہور تصنیف ”اسیر حرص“ کا ایک سین یہاں نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کس ترکیب کی نثر ہے اور کس شان کی نظم۔ اور دونوں کو کس لطف سے دست و گریبان کیا ہے۔ کہ اُسکی تعریف نہیں ہو سکتی۔

دیکھیے ظالم چنگیز کے سامنے اُس کا چچا زاد بھائی ناصر پابزنجیر کھڑا ہوا ہے۔ چنگیز بے شرمی اور بے دردی سے اُسکو ذلیل کرنا چاہتا ہے مگر بہادر ناصر اپنی جان کا خوف نکر کے برابر انصاف کی طرفداری کیے جاتا ہے۔

چنگیز۔ کہیے اے شہباز زمانہ! آپنے اِس ناچیز کو پہچانا؟

ناصر۔ پہچانا! پہچانا!! شیطان کو کون نہیں جانتا ہے۔ بلکہ ہر شخص پہچانتا ہے۔

شکل و صورت دیکھ لی کبر و رعونت دیکھ لی
نام پہلے بھی سنا تھا آج صورت دیکھ لی

چنگیز۔ مغرور تو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ مگر ابھی تک یوں اکڑا ہوا ہے۔

سر سے غرورِ مسندِ مخمل نہیں گیا
رسی تمام جل گئی پر بل نہیں گیا

ناصر۔ عزت والے مصیبت سے کب ڈرتے ہیں۔ تارے اکثر رات کے عوض دن کو نکلتے ہیں

بھری برسات میں جن ندی نالوں میں روانی ہے۔ انہیں گرمی میں دیکھو نہ موجیں ہیں نہ پانی ہے ؎

مگر دریا کو اس تابش کا ہرگز غم نہیں ہوتا
لگا دو آگ بھی اس میں تو پانی کم نہیں ہوتا

عطر کی مٹی میں بھی ملکر مہک جاتی نہیں
توڑ بھی ڈالو تو ہیرے کی چمک جاتی نہیں

سختیاں ہوں لاکھ پر جوہر نہ جائیں گے کبھی
قید میں کچھ شیر کی شیرانہ خو جاتی نہیں

چنگیز۔ تو تو نے بادشاہی اس لیئے چاہی۔ کہ مجھ سے کرے برائی! میں تیرا کون تھا؟

ناصر۔ کون تھا؟

چنگیز۔ چچا زاد بھائی۔

ناصر۔ بھائی؟؟ اُف بھائی کا نام لیکر تو نے میرے مرحوم چچا کی روح کو تڑپا دیا۔ قبر میں سوتے ہوئے کو خوابِ راحت سے جگا دیا۔ مجھکو تو کہتا ہے بھائی۔ اور بھائی کے ساتھ یہ کج ادائی۔ لعنت ہے او ناسزائی۔ ؎

جسکی گودوں میں پلا دشمن اُسی کا ہو گیا
تو نہیں پیدا ہوا اک سانپ پیدا ہو گیا

چنگیز۔ خیر اگر تم جانتے ہو کہ عیش کا نتیجہ دلگیری ہے اور شاہی کا انجام فقیری ہے ؎

تو ناحق رنج اٹھایا بن کے تاج و تخت کا والی
مجھے ہی تم نے ایسی سلطنت پھر کیوں نہ دے ڈالی

چونکہ چنگیز خود غرض ہے ظاہر ہے ناصر کے لفظوں سے دل میں جھینپتا ہے۔ مگر ناحق کی زبان درازی سے ناصر کو دبانا چاہتا ہے اس لیئے مصنف دکھانا چاہتا ہے کہ اُسکی باتوں میں سلسلہ نہیں ہے۔ یہی کمالِ فن ہے۔

ناصر۔ اوا تم کو؟

چنگیز۔ ہاں ہاں مجکو۔

ناصر۔ تمکو سلطنت کا دیدینا ایسا ہے۔ جیسا انصاف کو ظلم کے ہاتھ میں دیدینا ہے یا شیر سے بکریوں کی حفاظت کا کام لینا ہے۔ ؎

کرسکو نگا جب میں اس ظلم وجفا کا سامنا	جب نکرنا ہو قیامت میں خدا کا سامنا

چنگیز۔ جب رعیت ہی کی تقدیر میں خراب ہونا ہے تو پھر تمکو کس بات کا رونا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں

رنج ہو سبکو جو ہمکو غم نہیں تو کچھ نہیں۔	اور روئیں اپنے گھر ماتم نہیں تو کچھ نہیں
آدمی دنیا میں خوش ہر دم نہیں تو کچھ نہیں	دم کے ہیں سب دم دمے جب دم نہیں تو کچھ نہیں

ساری دنیا ہیچ ہے جب ہم نہیں تو کچھ نہیں۔

ناصر۔ بیشک! مگر تمکو جس راحت و آرام کی امید ہے۔ اس کا اس دنیا میں پورا ہونا بعید ہے البتہ اگر خدا کے ہاں جاؤگے تو پورا آرام پاؤگے۔

چنگیز۔ تو تو نے میری موت چاہی۔ اس لیے کہ تیری قید ٹوٹ جائے اور تو اس عذاب سے چھوٹ جائے

ناصر۔ نہیں نہیں میں کیا تیرے عذاب سے چھوٹوں گا بلکہ دنیا تیرے عذابوں سے چھوٹ جائیگی۔ اور تو دنیا کے عذابوں سے چھوٹ جائیگا۔ اوا خونریز! چنگیز۔ ؎

کونسا سوچا ہے تو نے دشمنی سے فائدہ	کیا اُٹھانا چاہتا ہے رہزنی سے فائدہ!

چنگیز۔ فائدہ؟ سلطنت حاصل کرنے کا قاعدہ۔ جس طرح ایک میان میں دو خنجر آبدار نہیں رہ سکتے اسی طرح ایک ملک میں دو شہریار نہیں رہ سکتے۔ ؎

بھوک میں ہرگز طبیعت صبر کرسکتی نہیں	ایک روٹی دو بشر کا پیٹ بھر سکتی نہیں

ناصر۔ یہ تو انسانی خصلت کے خلاف ہے۔ ایک انسان ایک روٹی دس آدمیوں کو بانٹ کر کھا سکتا ہے۔ مگر ایک کتا ایک ہڈی کو اکیلا ہی چچوڑتا ہے۔ ؎

جہاں میں رہ کے جن لوگوں میں ایسی کج ادائی ہے	وہ آل سکتے ہیں گرچہ شکل انسانوں کی پائی ہے

چنگیز- دیکھ! اب بھی تو اگر اپنی بیہودگی سے باز نہ آئیگا- تو صبح آفتاب نکلنے سے پہلے تیرا دم نکلجائیگا
ناصر- اُف! جہاں تجھ سا کور باطن ہے وہاں آفتاب کا نکلنا ناممکن ہے-
چنگیز- کیوں-؟ کس لیئے؟
ناصر- اِس لیئے کہ تیرے گناہوں کی تاریکی نے تمام دُنیا میں اندھیرا پھیلا دیا ہے- اور آفتاب کی روشنی کو اپنی سیاہی میں چھپا لیا ہے- ٥

اب اِسی روز زمانے میں سویرا ہوگا		پردۂ گور میں جب جسم یہ تیرا ہوگا

چنگیز- خیر میں نے مانا کہ میں تیری نظر میں خوار ہوں- مکار ہوں- بدکار ہوں- عیار ہوں

خلاف اِسکے یہاں عشرت ہے راحت ہے مسرت ہے		مگر یہ دیکھ تو کیسا اسیر رنج و آفت ہے

ناصر- او مغرور! یہ کیا بڑی بات ہے- عزت اور ذلت دینا تو خدا کے ہاتھ ہے- ایک شاخ میں دو پھول ہوتے ہیں- ایک کو شادی کے وقت سہرے میں لگاتے ہیں- دوسرے کو قبر پر چڑھاتے ہیں- ایک صدف میں دو موتی ہوتے ہیں- ایک سے تاجِ شاہی کو زینت دیتے ہیں اور دوسرے کو کھرل میں پیکر خاک سیاہ بناتے ہیں-
چنگیز- تو وہ شرافت کس کام کی جو وقت پر کام نہ آئے- ٥

ہاتھوں میں آج کے دن یوں ہتکڑی نہوتی		جوہر اگر دکھاتے مشکل پڑی نہوتی

ناصر- ہتکڑی-؟
چنگیز- ہاں ہتکڑی؟
ناصر- جن بہادروں کو اپنی عزت عزیز ہوتی ہے اُنکے ہاتھوں میں ہمیشہ دو چیز ہوتی ہیں-
چنگیز- دو چیز؟
ناصر- ہاں دو چیز
چنگیز- کیا؟
ناصر- تیغ و شمشیر- یا ہتکڑی و زنجیر- البتہ جو طبیعت کا عورت ہو اُسکے ہاتھوں کے لیئے چوڑیاں

کی ضرورت ہے۔

چنگیز۔ بزباں کم نہیں ہوتی ہے حماقت تیری ✦ خیر معلوم ہوا۔ آگئی شامت تیری

ارے کوئی حاضر ہے؟

آکے لیجاؤ اِسے قید رکھو آج کی رات	خون پی لونگا صبح۔ ناشتۂ صبح کے ساتھ

حشم

حشم۔ جناب نواب محمد مرزا خان صاحب شاگرد جناب جلال لکھنوی آپکا کلام بہت صاف اور پاکیزہ ہے۔ دل میں درد معلوم ہوتا ہے۔ مضمون میں بھی شوخی پائی جاتی ہے لیکن افسوس کل ۶ ہی شعر دستیاب ہو سکے۔

غیر ہی کو تم بناؤ قصہ خوانِ اہلِ درد	کچھ کہیں سے سُن تو لو گے داستانِ اہلِ درد
رحم اُس ظالم کے دل میں ڈالدے تو یا کریم	یا مِٹا ہی دے زمانے سے نشانِ اہلِ درد
دل دیا ہے جس طرح وہ جان بھی دینگے یونہی	او ستمگر لے کبھی تو امتحانِ اہلِ درد
خوش جو ہوتے ہیں تو مجھپر وہ جفا کرتے ہیں	غیر سے ہوکے خفا دیکھئے کیا کرتے ہیں
آپ اچھے رہکے خواہاں ہیں یہ کہتا ہے وہ بت	کبھی بھولے سے جو ہم یادِ خدا کرتے ہیں
نیاز آیا ہمیں تیری بدولت	بتا دے تجھکو ناز آیا کہاں سے

حشم

حشم۔ ڈاکٹر کرپا شنکر صاحب حشم۔ مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم سے تلمذ رکھتے تھے۔ کلام بھی اچھا ہے۔

رہتی ہے تیری زلف پریشان اتدن	کیا صبر پڑ گیا مرے حالِ تباہ کا
پیرِ مغان کے بیچ قدم چلکے میکدے	زاہد جو آج بند ہے درِ خانقاہ کا
مجھکو حکمت میں بہت دخل ہے لیکن اپنے	دردِ دل کا نہیں پاتا کوئی درماں ابتک
تیرے قدموں کو چھوڑا مرے ہاتھوں نے کبھی	نہ گیا ہاتھ سے کبر مرا ایماں ابتک
ہاتھ سے تیغ سے دامن سے ترے او قاتل	ہائے چھوٹا ہی نہیں خونِ شہیداں ابتک
زندۂ جاوید کشتوں کو کیا	ہیں خجل عیسیٰ ترے اعجاز سے

حشم۔ جناب شیر محمد خاں صاحب خلف اکبر نواب سید محمد خان صاحب رئیس دولت پور ضلع بلند شہر صاحب دیوان تھے۔ آپکے دیوان کے دیباچے میں کچھ حالاتِ زندگی بھی درج ہیں اُس میں سے چند سطریں انتخاب کیجاتی ہیں۔ آپ کو ابتدائے عمر سے شعرگوئی کا شوق تھا۔ باوجود کثرتِ کاروبار مشقِ سخن مدت العمر جاری رہی۔ دیوان کے طبع کرانے کا ارادہ تھا کہ ۱۸۹۵ء میں بقضائے الٰہی اِس دارِ فانی سے رحلت کی اور یہ حسرت پوری نہوئی آپکے بعد آپکے صاحبزادوں نے ۱۹۰۱ء میں آپ کا دیوان بلند شہر میں طبع کرایا۔ مگر تمام حالات میں آپکے اُستاد کا کہیں ذکر تک نہیں ہے۔ البتہ اِس شعر سے کچھ پتہ چلتا ہے

فیضِ طپش سے اپنا وہ لہجہ درست ہے ۔۔۔ اہلِ حسد کو بند ہیں تقریر سے کریں

کلام خاصہ ہے بندش صاف ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو۔

بے نقاب اُن کا رُخ روشن اگر ہو جائیگا
ماہ کا شکل کتاں ٹکڑے جگر ہو جائے گا

تمھاری زلف کے خم میں جو پیچ و تاب آیا
بلائیں لینے مرے دل کی اضطراب آیا

قصۂ فرہاد و مجنوں کو بتاتے ہیں وہ جھوٹ
اضطرابِ دل پہ میرے پھر یقین لائینگے کیا

آج پھر کھجلاتے ہیں تلوے مرے وحشت سے
آبلے پھر روئے خارِ دشت دکھلائینگے کیا

اُنکی باتوں ہی سے آزردہ دلی ہے آشکا
مجھسے ملنے کی حشم اب وہ قسم کھائینگے کیا

بال کب زلفوں کے ابروئے خمِ ناک پہ ہیں
پانی پیتے ہیں یہ آبِ دمِ شمشیر میں سانپ

ہمسری کرتے ہیں اکثر جو تری کاکل سے
سیکڑوں مارے گئے ہیں اسی تقصیر میں سانپ

چشمِ پُرخوں ہجر میں ہے غمگسارِ آستین
دیدہ کے قابل ہے اے گُل اب بہارِ آستین

نہیں ابروئے یار زلف دوتا میں
مہِ نو چمکتا ہے کالی گھٹا میں

لحد میں برابر ہے اعلیٰ و ادنیٰ
پسِ مرگ کیا فرق شاہ و گدا میں

تمھارے عارضِ پر نور پر نہیں زلفیں
متاعِ حسن پہ دو مار آکے بیٹھے ہیں

و فورِ رنج سے چہرہ اُتر گیا میرا
حضور آپ جو تیوری چڑھا کے بیٹھے ہیں

ناتوانی نے بچا رکھی ہے ابتک جانِ زار
لاغری سے ہم اجل کو بھی نظر آتے نہیں

گُل کی طرح خوشی سے دلِ تنگ کھل گیا
لائی صبا جو اُس بُتِ غنچہ دہن کی بُو

مصروف جو وصفِ دُرِ دندانِ زباں ہو
مچھلی بنے پھر آبِ گہر میں وہ رواں ہو

وصفِ غزالِ چشم تو لکھ جلد اے قلم
آنکھوں کے آگے سے کوئی مضموں ہرن نہو

پوشاکِ فاخرہ جو پہنتے تھے رات دن
عبرت کی جا ہے اُن کو میسر کفن نہو

منتظر ہیں نگاہِ مہر کے ہم
تم خدا کے لیئے اِدھر دیکھو!

پاس عارض کے زلفِ مشکیں ہے
متصل شام اور سحر دیکھو!

حور و غلماں شیفتہ جن و ملک مشتاقِ دید
حق نے وہ رتبہ دیا ہے حسنِ آدم زاد کو

تیرہ دل کیا خاک سمجھے عزتِ اہلِ صفا
قدر آئینہ ہو کیونکر کورِ مادرزاد کو

دل لگی خوش آئے کیا ہجرِ بتِ عیار میں
ہمدموسارے تعلق ہیں سرورِ دل کیساتھ

ہے جی میں چوسیئے بتِ شیریں ادا کے ہاتھ
کیا غم جو اس خطا پہ کٹیں مبتلا کے ہاتھ

مانگیں تمام رات دعائیں اُٹھا کے ہاتھ
سر کے مگر نہ چہرے سے اُس مہ لقا کے ہاتھ

تیرے سوزِ عشق سے اے گل جو ہاتھ آیا ہی داغ
عندلیب دل یہ کہتا ہے کہ باغ آیا ہی ہاتھ

پہلو سے جُدا وہ بتِ عیار نہو جائے
یارب کہیں جینا مجھے دشوار نہو جائے

ابر کہتا ہے کوئی۔ دریا کوئی۔ کوثر مجھے
دیکھئے کیا کیا بنائے گی یہ چشمِ تر مجھے

اب نہ ترساؤ خدا کے واسطے
شکل دکھلاؤ خدا کے واسطے

رُخ میں ضَو آفتاب کی سی ہے
جسم میں بُو گلاب کی سی ہے

خیال تھا ہمیں تیرے جو آتشیں رُخ کا
فنا کے بعد ہمارے کفن میں آگ لگی

جو آکے باغ میں دم بھر مرا گلگوں قبا ٹھیرے
تو روئے گُل پہ رنگ اصلا نہ اے بادِ صبا ٹھیرے

حشمت ۔ میر حشمت علی خلف میر حیدر علی۔ حیدرآباد دکن کے رہنے والے اور حیدر حسین خاں حیدر کے شاگرد ہیں۔ اُردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے ہیں۔ کلام خاصہ

ہے اِنکے اُستاد بھی نامی شعرائے دکن میں شمار ہوتے تھے۔ خود میر حشمت علی فی الحال محکمۂ نظامت پٹہ خانجات میں ملازم ہیں۔ یہ اُن کا کلام ہے۔

کرکے آبرو کا اشارہ غیر کو وہ رُک گئے	خنجرِ بُرّاں میری گردن پہ چلکر رُک گیا
مرگِ عاشق پر ابھی اس طرح غم کھاتے نہیں	صبر کی جا ہے مرے کے ساتھ مر جاتے نہیں
ہو گئے ہیں جا کے شاید کوئے جاناں میں مقیم	حضرتِ دل آج پہلو میں نظر آتے نہیں
یادِ مژۂ یار ہے ایسی کہ نہ پوچھو	دل میں خلش خار ہے ایسی کہ نہ پوچھو
ہے جان و دل پہ ہمارے تو آپ کا قبضہ	ہمارا آپ پہ کچھ اختیار ہو کہ نہ ہو
ہجر میں ہم اسی اُمید پہ جیتے ہیں فقط	یار باقی ہے تو دنیا میں ہے صحبت باقی

حشمت - محمد علیخاں حشمت۔ شاہجہاں آباد کے خوشحال لوگوں میں تھے۔ اور میرزا مظہر میر تقی میر۔ اور سودا کے ہمعصر عبدالحی تاباں اِنکے شاگرد تھے۔ اِنکے دو بھائی عابد یار خاں اور مراد علیخاں شاہ عالم ثانی کی سرکار میں داروغہ جواہر خانہ شاہی تھے۔ جناب حشمت بڑے جری اور بہادر اور قوی ہیکل شخص تھے۔ اور فنون سپہ گری میں طاق۔ پہلوانی پھینکیتی میں شہرۂ آفاق تھے ۱۱۸۸ھ میں رہیلوں کی لڑائی میں نواب قطب الدین خان نبیرۂ نواب نعمت اللہ خان رئیس مراد آباد کے ہمراہ شریک ہوئے اور داد شجاعت اور مردانگی دیکر اسی معرکے میں کام آئے۔ میر تاباں اُس وقت حیات تھے اُنھیں بہت صدمہ ہوا اور اِنکے غم مہاجرت میں اُنھوں نے ایک دردانگیز مخمس بھی لکھا جو اُنکے دیوان میں موجود ہے جناب حشمت فضیلت علمی کے ساتھ شعر بھی خوب کہتے تھے مگر اس فن میں اپنی شہرت نہیں چاہتے تھے۔ غنی بیگ کشمیری سے تلمذ تھا۔ کلام میں سے ذیل کے دو شعر ہمیں ملے۔ درج کیے جاتے ہیں۔

خط نے بزم حسن سب اُٹھا دیا	پر سبز قدم کہاں سے آیا
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب	دیتا ہے ساتھ دینے سے مجکو جواب دل

حشمت - نبیرۂ غلام فخرالدین حشمت مرحوم نبیرۂ حضرت شاہ عالم ثانی۔ حافظ عبدالرحمن خان

احسان مغفور کے شاگرد رشید تھے اور اپنے اُستاد سے ایسی محبت کرتے تھے کہ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے کہ میرا سینہ استاد کے داغ کا گنجینہ ہو۔ چونکہ یہ دعا صدق دل سے تھی مقبول بارگاہِ خدا ہوئی اور اتفاق سے حضرت احسان کے انتقال سے ایک ہی روز پیشتر ۲۴ سال کی عمر میں قضا کی۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

زلفوں کے بنانے کا پردہ تھا بہانا تھا
مُنہ پردہ نشیں ہم سے پردے میں چھپانا تھا

گھر دوہی قدم پر تو ہے اِن قدموں کے میں صدقے
بڑھیئے کوئی دو چار قدم اور زیادہ

مجھے روتے جو دیکھا ہنس کے بولے
تری حشمت بتا کیوں چشم تر ہے

پلا آبِ دمِ شمشیر قاتل
ترا بسمل تڑپتا خاک پر ہے

حشمت ۔ عالیجناب فضیلت مآب کمالات انتساب مسٹر حشمت اللہ صاحب ایم اے ممبر سول سروس صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ۔ آپ علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ سن شریف اب ۴۴ و ۴۵ برس کے قریب ہے۔ جب دلی میں اول مرتبہ ۱۹۰۲ء میں محمڈن کانفرنس کا اجلاس ہوا تو آپ ہی اسکی صدر نشینی کے لیے منتخب ہوئے تھے۔ تکمیل علوم مغربی کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا مذاق بھی اعلیٰ درجے کا موجود ہے اور خود بھی خوب کہتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو انھیں ایّام میں شرف نیاز حاصل ہوا تھا اور جناب نے چند غزلیں بھی سُنائی تھیں۔ بیان میں شوخی صفائی اور خیالات میں جدّت اور بلندی سارے وصف باحسن وجوہ موجود ہیں۔ عرصۂ دراز سے کلکٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔ تازہ کلام باوجود کوشش دستیاب نہوسکا۔ لہذا وہی چند شعر جو عرصہ ہوا سُنے تھے درج کر دیئے گئے۔

تیرا دیوانہ جو ابنوہِ اسیراں میں نہیں
آج ہی شور و فغان گوشۂ زنداں میں نہیں

جلوہ دیکھا ہے جہاں آنکھ وہیں پڑتی ہے
گو یہ معلوم ہے نظارہ اب امکاں میں نہیں

آپ سے وعدہ نہ ایفا ہو تو جانے دیجیے
ہم کو شکوہ نہیں گر آپکے امکان میں نہیں

شکوۂ رنج و غم عبث ۔ حجّتِ کشمکش دروغ
خانہ نشین عاقبت بزم جہاں میں آئے کیوں

حشمت خستۂ غیر سے - چشم کرم بجا نہیں
دل و دین و دولت لٹائے ہوئے ہیں
تمھیں کیا بتائیں کہ ارمان والے
گریۂ غم کو کیا غرض آتش دل بجھائے کیوں
سزا جرم الفت کی پائے ہوئے ہیں
تصوّر میں کیا لطف پائے ہوئے ہیں
نسیم چمن میں کہاں قابلیت
قدم رنجہ فرمایئے بے تکلف
فلک کی یہ نیرنگیاں کب ہیں حشمت
یہ سب گل تمھارے کھلائے ہوئے ہیں
سر رہ ہم آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں
پس پردہ وہ آپ آئے ہوئے ہیں

حیات ابد کی تمنّا نہیں ہے
مریض محبت کو پروا نہیں ہے
بنو لاکھ بیگانے صحبت میں لیکن
مریض محبت کو ہم نے بھی دیکھا
خیال خط و خال جانے دو حشمت
مزا جیتے رہنے میں تنہا نہیں ہے
ترے ہوتے کیا غم جو عیسیٰ نہیں ہے
تعلق نگاہوں سے چھپتا نہیں ہے
نصیب عدو حال اچھا نہیں ہے
طبیعت میں وہ جوش سودا نہیں ہے

حوصلے بڑھ بڑھ کے آخر آفت جاں ہو گئے
پردہ و درباں رہے رکھّے کے رکھے طاق پر
جلوہ بینانِ حقیقت ہی رہے اک بت پرست
مہربانوں کو چھڑا یا ایک رشکِ وصل نے
کچھ دنوں ارماں رہے پھر دل میں پیکاں ہو گئے
آنکھیں ملنا تھیں کہ مشتاقوں کے پیماں ہو گئے
باقی امید قیامت پر مسلماں ہو گئے
کچھ مرے ناصح بنے کچھ اسکے درباں ہو گئے

حشمت - محتشم علیخان حشمت - سیّد صحیح النسب متواضع و خلیق - ہر شخص کے دل میں اُنکی جگہ تھی - مغلپورہ کے رہنے والے - فارسی و ریختہ کے زبر دست شاعر ہیں - یہ دو شعر اُنکے حسن فکر کا نتیجہ ہیں -

نکہت گل نے جگایا کسی زنداں کے بیچ
بہار آئی دیوانے کی خبر لو
سر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ
اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

حصین - احسن الدولہ محسن الملک محمد حسین علیخاں بہادر خواجہ سرا تخلص حصین عہد علیشاہ

والیٔ لکھنؤ کے زمانے میں حضور رَس اور مقرب بارگاہ تھے۔ عرصہ ہوا کہ اس عالمِ فانی سے بعالمِ جاودانی رحلت فرما گئے۔ یہ چار شعر انکی یادگار باقی ہیں جو تذکرہ سراپا سخن سے نقل کیے جاتے ہیں

تو ہی کر انصاف ظالم غیر جب سلجھائے زلف — کیوں نہ پیچ و تاب میں الجھائے شیدائے زلف
یک بیک پھر اٹھ گیا دل سے مرے صبر و قرار — ہو گیا بیٹھے بٹھائے پھر مجھے سودائے زلف
حشر تک مجموعۂ خاطر رہے گا منتشر — اے صنم یونہی رہا گر منہ تو بکھرائے زلف
نورِ رخ چمکا جو اسنے بال باندھے ای حسین — بڑھ گیا دن گھٹ گئی جب شب یلدائے زلف

حضور

حضور۔ لالہ بالمکند۔ قوم کے کھتری دلی کے رہنے والے۔ حضور تخلص اور خواجہ میر درد کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ عربی اچھی جانتے تھے۔ آخر عمر میں گجرات چلے گئے تھے۔ غدر سے پیشتر ہی انتقال فرمایا۔ یہ اسکے کلام کا نمونہ ہے۔

نہ پاؤں میں جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت — جو اٹھ کھینچوں میں دامن اس دلربا کا
سرِ راہ بیٹھے صدا ہے یہ اپنی — کہ اللہ یاور ہے بیدست و پا کا
واں رشتۂ محبت معشوق توڑتے ہیں — یاں ٹکڑے ٹکڑے دل کے ہم بیٹھے جوڑتے ہیں
چلے ہیں آپ جو اس بت سے ساز کرنے کو — حضور! پاس بھی ہے کچھ نیاز کرنے کو؟
یاں مجھ میں نہیں ہے جان باقی — واں اب بھی ہے امتحان باقی
جفا کو ہم وفا سمجھے۔ ستم کو ہم کرم سمجھے — ادھر کچھ دلمیں تم سمجھے ادھر کچھ دلمیں ہم سمجھے

حضور

حضور۔ محسن مرزا معروف بہ اچھے مرزا مولد و مسکن لکھنؤ منشی مظفر علیخاں اسیر مغفور کے شاگرد اور اچھا کہنے والوں میں سے تھے سنہ ۱۲۷۶ھ کے گلدستۂ شعرا وغیرہ سے ذیل کے اشعار انتخاب کیے گئے ہیں جس سے پایا جاتا ہے کہ اس وقت زندہ تھے اور مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔

میں ہوں وہ عندلیب گلستانِ ہجر میں — صیاد لیکے دام گیا میں جہاں گیا
تارِ نظر کی طرح نہ آیا کہیں نظر — سو بار بزمِ یار میں میں ناتواں گیا
کیونکر رہے نہ تازہ گلِ زخم دل مرا — ٹپکے ہیں اشک صورتِ شبنم تمام شب

کوچۂ زلف میں ہم دن کو جو گھبرائے بہت نقل کرتے تھے مرے رونے کی خوش ہو ہو کر	رات بھر خواب پریشان نظر آئے بہت آئینہ میں نے دکھایا تو وہ شرمائے بہت
پس از زیست میں ایجاد ہیں تو مرگ کے بعد حضور! ہجرِ صنم میں نہ کوئی کام آیا حضور! زیست میں مصروفِ سیرِ باغ رہے باتیں سُنتا ہوں تو جلتا ہے مرا خرمنِ صبر دیکھوں گا خال بوسہ ملے گا کبھی مجھے کیوں سُنتے ہیں پھر وامق و مجنوں کا فسانہ بل کی لینے لگے عاشق سے سراسر گیسو درج اخبار ہوا حال پریشانوں کا	بشکلِ نقشِ کفِ پا ہو قبر پر تعویذ پئے وصال لکھے ہم نے عمر بھر تعویذ ہماری قبر کے بھی گرد ہو چمن کی بہار برق بن جاتی ہے اس رشکِ قمر کی آواز اس واسطے ہے مصحفِ رخسار کی تلاش عشاق کی باتوں سے جو گھبراتے ہیں معشوق ٹھنڈی آہوں سے ہوئے اور ہوا پر گیسو چڑھ گئے مشقِ جفا میں سرِ دفتر گیسو

حضور — مولوی منشی سیّد محمد عبد البصیر خلفِ مولوی عبد الغنی صاحب ۱۲۴۹ھ ہجری میں بمقامِ بلگرام پیدا ہوئے۔ آپکا بیان ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب نواب امیر الحسّام مجاہد بغدادی سے ملتا ہے جو افواجِ محمود غزنوی کے سپہ سالار تھے۔ اُسی زمانے میں آپکے بزرگ اشاعتِ اسلام کی غرض سے ہندوستان میں آکر فروکش ہوئے تھے۔ منشی صاحب موصوف عالمِ کمسنی میں شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بلگرام میں علم کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ درس و تدریس کی راہیں تقریبًا مسدود تھیں۔ منشی صاحب نے اُس پُر آشوب زمانے میں ابتدائی تعلیم اس طرح حاصل کی کہ صبح ہوئی اور یہ اپنی کتاب لیکر گھر سے نکل آئے۔ آیندہ و روند میں سے جس شخص کو اپنے قیافے سے ذی علم سمجھا اُسی سے اپنا سبق پوچھنا شروع کر دیا اور اُس وقت تک برابر پوچھتے چلے گئے جب تک کہ اُسکی تیوری پر بل نہ آیا۔ اسیطرح شوق کی تائید اور ذوق کی رہبری سے برسوں کی کدّ و کاوش میں عربی فارسی کی اچھی خاصی لیاقت حاصل کر لی۔ جب سنِ بلوغ کو پہنچے تو تحصیلِ علم کے لیئے بلگرام چھوڑ کر لکھنؤ چلے آئے۔ طبّاعی اور ذہانت تو

فطرتی تھی۔ طبیعت شعر گوئی کیطرف راغب ہوئی۔ اُس وقت خواجہ حیدر علی آتش کی سحر بیانی کے گیت لکھنؤ کے ہر گلی کوچے میں گائے جاتے تھے۔ چنانچہ منشی صاحب بھی انھیں کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ مگر وہ حضرتِ آتش کی عمر کا آخری زمانہ تھا۔ اس لیئے منشی صاحب اُن سے بہت ہی کم استفادہ کر سکے۔ اُنکی وفات کے بعد میر وزیر علی صبا سے مشورہ سخن کرنے لگے چونکہ اُردو کی نسبت فارسی کی طرف زیادہ توجہ رہی اس لیئے فارسی شعر خوب کہتے ہیں بولتے بھی بیباختہ ہیں۔ اخباری دُنیا میں بھی آپکے مضامین کی خاصی شہرت ہے۔ غزل کے سوا اور بھی جملہ اصنافِ شاعری میں آپ کو یکساں ملکہ حاصل ہے۔ تاریخ گوئی میں بھی بڑے مشّاق ہیں عرصۂ دراز تک نامہ نگاری کرتے رہے۔ اخبار روزنامچہ کے اڈیٹر بھی رہے۔ انجمن رفاہِ عام کے جوائنٹ سکرٹری رہے۔ آجکل گوالیار کالج میں عربی فارسی کے پروفیسر ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ آپکا کلام بہت ہی کم نظر سے گزرا۔ اِنکے بیٹے محمد سعید ناطق بھی مشہور نامہ نگار اور ناولسٹ ہیں۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

زندہ چمن میں ایک بھی بلبل نہ چھوڑنا
گلچیں تجھے قسم ہے کوئی گل نہ چھوڑنا

رُخ سے نقاب آج وہ اُلٹے گا زاہدو
گر مرد ہو تو صبر و تحمّل نہ چھوڑنا

سات پردوں میں کیا حبِّ ابن یوسف کو چاک
کیا زلیخا کی سرِ بازار رسوائی ہوئی

حُسن کو بدنام دُنیا بھر میں اُلفت نے کیا
قیس کو سودا ہوا لیلیٰ کی رُسوائی ہوئی

حضور۔ حافظ شیخ حضور احمد صدیقی مُرادآبادی۔ حضور تخلّص کرتے ہیں۔ زمانہ حال کے شاعروں میں خاصے ہیں۔ چند غزلیں جو نظر سے گزریں اُن کا انتخاب درج ذیل ہے۔

گرمیٔ سوزِ محبت قتل میں ایسی بڑھی
پڑ گئے چھالے مرے خوں سے لبِ شمشیر پر

اُس نے کہا تھا شام کو آئیں گے گھر ترے
بیٹھا سحر سے ہوں میں اسی انتظار میں

نہ وہ پہلی سی محبت نہ وہ پہلا سا کرم
غیر نے پھونکدیا آپکے کیا کانوں میں

حشر تک گزرے گی مرقد میں تڑپتے ہی مجھے
ہو گی کوچے میں اُس بُت کے جو تربت میری

حضور

حضیر

حضیر۔ حافظ عبد الرحیم صاحب عظیم آبادی - باوجود تلاش صرف یہ بات معلوم ہے کہ زمانہ حال کے شعرا میں ہیں۔ کلام کا رنگ مندرجۂ ذیل اشعار سے معلوم ہو سکتا ہے۔ طبیعت میں تلاش اور بات پیدا کرنے کا شوق صاف جھلکتا ہے۔ ملاحظہ ہو

بتا دیں ہم تمھارے کاکل و عارض کو کیا سمجھے	اِسے ہم سانپ سمجھے اور اُسے من سانپ کا سمجھے
یہ کیا تشبیہ بیہودہ ہے کیوں موذی سے نسبت دیں	ہُما عارض کو اور کاکل کو ہم ظلِ ہما سمجھے
غلط یہ ہو گئی تشبیہ بھی کیا ایک طائر سے	اِسے برق اور اُسے ساون کی ہم کالی گھٹا سمجھے
گھٹا اور برق کیسی کیوں گھٹا کر ان کو نسبت دوں	اِسے برگِ سمن اور اسکو سُنبل کی جٹا سمجھے
نباتاتِ زمیں سے انکو کیا نسبت معاذ اللہ	اِسے ظلمات اسکو چشمۂ آبِ بقا سمجھے
اگر کچھ بھی ہی مقصود تھے خضر و سکندر کے	یدِ بیضا اُسے اور اسکو موسیٰ کا عصا سمجھے
گر اس تشبیہ سے بھی حرف اُن دونوں پہ آتا ہو	اِسے قندیلِ کعبہ اسکو کعبے کی ردا سمجھے
اگر یہ بھی پسندِ خاطرِ والا نہ ہو تو پھر	اِسے وقتِ نمازِ صبح اور اسکو عشا سمجھے
حضیر اب ساری تشبیہوں کو یوں دل کر کے کہتے ہیں	سویدا اسکو سمجھے اور اُسے نورِ خدا سمجھے

حفیظ

حفیظ۔ محمد حفیظ حفیظ دہلوی مرثیہ گو - اِنکے بزرگ تو کشمیر کے رہنے والے تھے۔ مگر یہ خود دلّی میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی۔ مرثیہ گو اچھے تھے۔ جس مجلسِ عزا میں شریک ہوتے تھے۔ اپنی خوش بیانی اور مضمون آفرینی کی وجہ سے خاطر خواہ داد پاتے تھے۔ اِنکے مرثیوں میں روایات دیگر مرثیہ گویوں کی طرح جھوٹی اور بناوٹی نہیں ہوتی تھیں۔ اور واقعات کو صفائی کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ دلّی میں درگاہ شاہ مردان کے راستے میں انکا مزار ہے اور اس پر یہ شعر کندہ تھا۔ ~

شاہِ مرداں جو کوئی اس راہ سے جایا کرے	فاتحہ اس قبر پر لِلّٰہ پڑھ جایا کرے

فنِ شعر میں حکیم قدرت اللہ خاں قاسم اور ثنا اللہ خان فراق سے تلمذ تھا۔ خود بھی صاحبِ دیوان تھے۔ ۱۲۵۰ھ میں راہیِ عدم ہوئے۔ روشِ کلام یہ ہے۔

مَیں تو بدنام ہوا عشق میں اللہ کرے	وہ بھی بدنام ہو جس نے مجھے بدنام کیا
محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھاتی ہے	اگر اک دم ہنساتی ہے تو پھر پہروں رُلاتی ہے
جو بیوفا ہیں اُن سے وفا ڈھونڈتا ہے تُو	حیراں ہوں میں حفیظ تری عقل کیا ہوئی
حضرت دل میرے حق میں دیکھئے کرتی ہے کیا	بیقراری آپ کی بے اختیاری آپکی
رُوبرُو غیروں کے کیا شکوہ کریں ہم آپکا	ہو رہینگی پھر کبھی باتیں ہماری آپکی

حفیظ۔ حافظ محمد علی جونپوری۔ آپنے اپنے مطبوعہ دیوان میں کچھ اپنے حالات درج کیے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے۔ مَیں ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوا۔ ۱۴ برس کی عمر تک معمولی تعلیم پائی اور فارسی شیخ محمد تقی صاحب سے پڑھی۔ وہ شاعر بھی تھے۔ اِس طرح بچپن سے مجھے شعر و سخن کا مذاق ہو گیا اور صدہا شعر اساتذہ کے میرے حافظہ میں محفوظ ہو گئے۔

۱۸۸۳ء میں بسلسلۂ تجارت پٹنہ کا سفر کیا اُن ایام میں وہاں شعر و سخن کا بڑا چرچا تھا میرے دل میں جو اس مذاق کی آگ دبی ہوئی تھی اُسکے نشو و نما کا وہاں خوب موقعہ ہاتھ آگیا۔ چنانچہ وہاں مَیں نے غزل کہنی شروع کی ۱۸۸۹ء میں جناب وسیم کا شاگرد ہوا۔ وہ مجھ پر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے۔ کامل ۷ برس میرا اُنکا ساتھ رہا۔ پھر اُنھیں کے ارشاد کے بموجب مَیں امیر مینائی مرحوم کے زمرۂ شاگردان میں داخل ہوا" جناب حفیظ دورِ موجودہ کے شعرا میں متوسط درجے میں امتیازی پایہ رکھتے ہیں۔ آپکا کلام بحیثیت زبان بندش۔ درد اور صفائی روزمرّہ قابلِ تحسین ہوتا ہے۔ اگرچہ علمی استعداد زیادہ نہیں مگر کثرتِ مشق اور خداداد ذہانت سے اِس فن میں اچھی قابلیت حاصل کر لی ہے۔ اور آپکے کلام کا اُن نواح میں اچھا شہرہ ہے۔ کلام میں مزا اور بندش کا اسلوب قابلِ داد ہے آپکی طبیعت روز افزوں ترقی پر ہے اور اُمید ہے کہ اسی طرح مشق جاری رہی تو اپنے استاد کا نام روشن کریں گے۔ پہلے سید ظفر حسن خاں صاحب ظفر رئیس رسولپور کے یہاں کچھ مدت مصاحب رہے اب کئی برس سے راجہ سعادت علیخاں رئیس ہنمیرپور کی سرکار میں

ملازم ہیں۔ دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کلیم غش میں گھڑی دو گھڑی رہے ہونگے
یہاں تو جا کے نہ پھر ہوش عمر بھر آیا

مصوّری مرے صورتگرِ خیال کی ہے
جدھر نگاہ کی نقشہ ترا اُتر آیا

کیا ہے دستِ تسلّی نے کام مرہم کا
دھرا جو ہاتھ ہٹا درد زخم بھر آیا

کام چھوٹوں سے نکلتا ہے بڑا
یہ سبق بھی آنکھ کے تل سے ملا

چھوڑ کر سب کچھ ادھر ہو جا رجوع
بابِ عرفاں ہے در دل سے ملا

عصیاں کے داغ مٹ گئے دل پاک ہو گیا
ٹپکے جو اشک نامۂ اعمال دھو گیا

دل بچ گیا تڑپ کے ترے آگے آئینہ
جس پر نگاہ پڑ گئی بیتاب ہو گیا

دشمن نہ تھا شباب تو نادان دوست تھا
بدنام کر گیا مجھے بدنام ہو گیا

مصروف کب ہوئے ہیں وہ فکرِ علاج ہیں
جب داغِ دل کلیجہ کا ناسور ہو گیا

دلِ بجھ گیا جو رات جوانی کی ڈھل گئی
جاگا تمام شب کا سحر ہوتے سو گیا

دمِ رخصت تو مل بیٹھے گلے آپ
تڑپتا چھوڑ کر مجکو چلے آپ

فروغِ حسن کیا ایسا بھی اے شمع
کہ اپنی آگ میں کوئی جلے آپ

ایسا ادا شناس تو ہو آشنائے دوست
دل ہے کہ ہو رہا ہے سراپا ادائے دوست

کہتے ہیں یہ بت ستا ستا کر
جا اپنے خدا سے التجا کر

دل ہی میں وہ ہو گا دیکھ زاہد
کعبے میں خدا خدا خدا کر

رہتے ہیں جو یہاں اُنھیں دنیا کا غم نہیں
اے شیخ میکدہ بھی تو جنت سے کم نہیں

وہ ہے عدوئے عیش تو تو ہے عدوئے جاں
تیرا ستم فلک سے زیادہ ہے کم نہیں

ستم کی آنکھ یہ ہے لطف کی نگاہ یہ ہے
نظر شناس تری ہر ادا سمجھتے ہیں

یہ سچ کہا ہے زمانے کو اعتدال نہیں
کہ ایک حال پہ رہتا کسی کا حال نہیں

قضا کے ہاتھ میں کنجی متاعِ عمر کی ہے
جو ساتھ لائے ہیں قبضے میں وہ بھی مال نہیں

یہ کہہ رہا ہے امیدوں کا گھر کے ریجانا
کوئی طلسم تو یہ عالمِ خیال نہیں
چھپائے سے کبھی چھپتا نہیں ہے رنج کی
ہزار منہ سے کہے جائیں وہ ملال نہیں

ابھی پہنچ تو یہ سنکے کہ ہم ہمسے خفا تم ہو
بڑے ہی بیمروت خود غرض نا آشنا تم ہو

گلے پہ اُسکے چھری جا کے پھیر دے صیاد
ترس رہے ہیں اسیرِ قفس رہائی کو

آدمی کے لیے اُمید ہے اک باغِ طلسم
دم میں کر دیتی ہے سامان ہم کیا کیا کچھ

اللہ رے شانِ کبریائی
مٹھی میں بتوں کی ہے خدائی

باطن میں ہیں ایک جان دو قالب
ظاہر کی فقط ہے یہ جدائی

برساتی ہے آگ حشر کی دھوپ
اے ابرِ کرم تری دوہائی

دیکھا نہیں دیکھ کر عدو کو
آنکھوں کو بھی کچھ حیا نہ آئی

دل صاف نہ ہو تو کیا صفائی
اس میل سے خوب تھی لڑائی

انصاف کی اب کہاں توقع
برہم تم منحرف خدائی

ساقی ہی کے ہاتھ سے پئیں گے
نبھ جائیگی ضد میں پارسائی

بگڑا نہیں اب بھی کچھ ہے ملجاؤ
ہے بات ابھی بنی بنائی

ابھی سے صاف تم کہدو وہ کہنا ہم نہ مانینگے
کیا جو وقت پہ کچھ عذر بیجا ہم نہ مانیں گے

محبت ہے یہ فعلِ اختیاری تو نہیں ناصح
کوئی خود روگ پالے اپنے جی کا ہم نہ مانینگے

ابھی جس طرح چاہو تم دکھا لو دیکھ لو دلکو
لگا لوگے جو پھر کوئی بکھیڑا ہم نہ مانینگے

زمانے بھر کی باتیں مان لینگے وہ یہ کہتے ہیں
مگر کہنا فقط اک آپ ہی کا ہم نہ مانینگے

قابلِ دید ہے یہ رسوائی
ہم تماشا ہیں وہ تماشائی

اب کے یہ جوشِ گل کا عالم ہے
ہو رہی ہے بہار سودائی

تم کو مژدہ ہو میکدے والو
اُودی اُودی ہے پھر گھٹا چھائی

ہے یہ فیضِ بہار جوشِ نمو
جم گئی سطحِ آب پر کائی

ہیں کسی کے خیال سے باتیں
قابلِ داد شعر اپنے حفیظ

یوں پسند آگئی ہے تنہائی
لوگ کرتے ہیں عزت افزائی

کل مُکر جائیں گے تیور یہ کہے دیتے ہیں
یوں ہی غفلت میں جو گزرنی تھی
دردِ دل کی دوا نہ تھی ممکن
یہاں تو بیچکر گھر جشنِ جمشیدی مناتے ہیں
وفا کا ذکر جب آتا ہے پہروں ہاتھ ملتے ہیں
مآلِ زندگی کو سوچکر دُھنتا ہوں سر پہروں
دے جگہ خُلد میں یا بھیج دے وہ دوزخ میں
لامکاں تک ہو رسائی جو بشر کی تو کیا
بعد توبہ بھی وہی یاد ہے میخانے کی
اسلیئے وعدہ پہ وعدہ ہیں کہ بیچین رہوں
ہائے رے موت جوانی کی کوئی میت پر
آدمی سے جو محبت میں نہ ہو تھوڑا ہے
شام ہوتے ہی تری یاد نے بیچین کیا
شمع سر دھنتی ہے روتی ہے کھڑی بالیں پر
آبرو ہاتھ سے جائے نہ محبت میں حفیظ
کسی کا ہائے کہنا تنگ آکر میرے نالوں سے
میری حیرت سے اُسکے حُسن کا اندازہ کرتے ہیں
جو آبرو رہی تر دامنوں کی حشر میں شیخ
جدائی میں بھی ہر دم مجکو وصلِ یار حاصل ہے

آج کھا کھا کے قسم عہدِ وفا ہوتا ہے
عمر میخانے میں بسر ہوتی
ایک دنیا جو چارہ گر ہوتی
بہار آتے ہی دستاویز اک مرقوم ہوتی ہے
وہاں اب یاد تیری اے دلِ مرحوم ہوتی ہے
وہ کیسے لوگ ہیں یارب جنھیں جینے کا ارماں ہے
اپنا مشرب تو ہے راضی برضا کیا کہیے
پھر اُسے خاک میں ملنا ہے کہ وہ خاکی ہے
گردشِ آنکھوں میں پھرا کرتی ہے پیمانے کی
ایک ترکیب ہے یہ بھی مرے تڑپانے کی
رو کے کہتا ہے کہ یہ عمر تھی مرجانے کی
اتنی سی جان پہ ہمت ہے یہ پروانے کی
رات بھر آج ہمیں نیند نہیں آنے کی
زندگی سے کہیں موت اچھی ہے پروانے کی
آدمی کے لیئے یہ بات ہے مرجانے کی
غضب میں جان ہے اللہ سمجھے مرنے والوں سے
کہاں پہنچے کہاں سے میری حالت دیکھنے والے
تو پائی پائی تری پاک دامنی ہوگی
تصور میں وہ صورت میری آنکھوں کے مقابل ہے

نہ آئے دلِ جا حسینوں کی تو میٹھی میٹھی باتوں پر
محتسب چمن پینے دے اِک اِک سب مجھے

حشر ہے وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے
کچھ بنائے نہیں بنتی جو بگڑتا ہے نصیب

ادا پریوں کی جوبن حور کا شوخی غزالوں کی
ترے ہوتے یہ کیسی بات غیرت کی ہے او ظالم

حاجت نہیں ہے چاند سے مُنہ کو نقاب کی
اِن لوگوں کے مشرب ہیں زمانے سے نرالے

وہ یادِ وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی
چارہ فرما جو مرے دردِ نہاں کے آئے

تیس۳۰ دن خوب رہا فاقہ کشی کا پردہ
اور مجھ بے کس کی بالیں پر اب آتا کون ہے

غیروں سے بھی رسم و راہ دیکھی
دونوں جہاں میں حُسن و محبّت کی دھوم ہے

تمھیں سے دیدہ و دل ہیں منوّر
مزہ ہے جوشِ جوانی میں پارسائی کا

کہ یہ شیریں زبانی تیرے حق میں سمِّ قاتل ہے
دل کے ٹکڑے ہیں یہ ٹکڑے جام کے

بے نقاب آج وہ ہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے
چارہ گر ہو جو مسیحا بھی تو کیا ہوتا ہے

غرض مانگے کی ہر اک چیز ہے ان حسن والوں کی
اُڑائے آسماں یوں خاک تیرے پائمالوں کی

چھوڑی ہے رُخ پہ نور نے چادر حجاب کی
دُنیا میں ہیں دنیا سے الگ میکدے والے

کچھ داغ کلیجے میں ہیں کچھ پاؤں میں چھالے
دل پکارا کہ یہ دشمن مری جاں کے آئے

ہو گئی عید جو روزے رمضاں کے آئے
جب ہوا غش سے افاقہ یاد آئی آپ کی

دیکھی دو دن کی چاہ دیکھی
جلوہ جہاں جہاں ہے ترا اک ہجوم ہے

تمھیں سے شان ہے دیر و حرم کی
وہ ناخدا ہے جو کشتی بچائے طوفان سے

حفیظ

حفیظ مولوی حاجی حافظ شاہ سیّد نذر الرحمٰن رئیس عظیم آباد پٹنہ۔ نبیرہ و سجّادہ نشین حضرت مولانا محمد سعید متخلص بہ حسرت المخاطب بہ شمس العلما مغفور۔ فضیلت و شہرت خاندانی کے سوا دولتِ علم سے مالا مال ہیں۔ فنِ سخن میں دستگاہِ کامل رکھتے ہیں۔ حکیم آغا حسن ازل لکھنوی شاگرد میر وزیر علی صبا مرحوم سے تلمّذ حاصل ہے ۴۰-۵۰ سال کے درمیان آپکی عمر ہے۔ فنِ شعر کا شوق ابتدا ہی سے ہے عظیم آباد کے سر بر آوردہ شعرا میں آپ کا

شمار ہے سنہ ۱۹۰۴ء میں آپ نے عظیم آباد میں انجمن اردوے معلی کی بنا ڈالی اور ایک ماہوار رسالہ موسوم بہ "بہار" اپنی زیر نگرانی شائع کرنا شروع کیا ہے سنہ ۱۳۱۹ ہجری میں آپ کا ایک مبسوط دیوان بھی طبع ہو کر شائع ہوا ہے جو اپنے رنگ میں ہر طرح قابل تعریف ہے۔ جدت پسندی۔ مضمون آفرینی۔ پرواز صوفیانہ۔ کہنہ مشقی۔ سلاست زبان۔ غرض اسکے دیکھنے سے ہر ایک بات کا پتا چلتا ہے۔ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں۔ وہ دیوان آپ ہی کا عطیہ ہمارے کتبخانے میں بھی موجود ہے۔ اب کچھ کلام کا انتخاب لکھا جاتا ہے۔

خوشا وہ سر کہ جس میں ازل سے ہے ترا سودا
خوشا وہ دل جو مخزن ہے ترے اسرار ہی کا

یاں تو قابو نہ ہوا اپنے بھی دل پر اپنا
یہ حسیں غیر کو کر لیتے ہیں کیونکر اپنا

رات بھر غیر کے ہمراہ بسر کی اس نے
تجھ سے بھی اے فلک شعبدہ گر کچھ نہ ہوا

ایک بیمار محبت کی دوا ہو نہ سکی
آپ کے لب میں ہے اعجاز مسیحا کیسا

ہائے یہ کیا حشر برپا ہو گیا
آج وہ پھر مجھ سے خفا ہو گیا

ایک دم کے لیے آ جائیے گا
نزع کے وقت نہ ترسائیے گا

دیکھ کر لاش مری کہتے ہیں
یہ نہ سمجھے تھے کہ مرجائیے گا

موت کب آئی کہ جب وصل کے دن آئے قریب
شب فرقت میں تو کمبخت سے آیا نہ گیا

ہم بھی ہیں مستحق تری رحمت کے ہو گئے
اچھا ہوا لقب جو گنہگار ہو گیا

مجھ پر جو مہرباں نہیں ہے نہ ہو مگر
یہ تو نہیں کہ غیر کا وہ یار ہو گیا

وہ کون دن تھا کہ گردش میں آسماں نہ رہا
مجھے ستا کے یہ ظالم بھی شادماں نہ رہا

لحد میں بعد فنا بھی یہ شادماں نہ رہا
زمین پیس ہی رہی ہے جو آسماں نہ رہا

آج تک لایا نہ نامے کا جواب
نامہ بر ہمکو ملا کیا لاجواب

ہم مصحف رخ آپکا کس طرح نہ چومیں
کافر ہے وہ جسکو نہیں قرآن کی محبت

کیوں زلف رہا کرتی ہے رخ پر ترے ہر دم
کیا ہو گئی کافر کو بھی قرآن کی محبت

یہ اشارے ابروؤں کے غیر سے
وہ سُن کے دعا وصل کی فرماتے ہیں ہنسکر
دیکھیئے چلجائے گی تلوار آج
کیا ہوا گر آجائے اگر اسمیں اثر آج

دونوں یکساں ہیں تلوّن ہو کہ بیتابی دل
ٹے رہا ہے شب فرقت میں مجھے کیوں بیٹا
منّتوں سے جو ہو بیزار خوشامد سے خفا
جذبۂ دل فزوں ہوا کو چپ یار دیکھ کر
بادہ پرست ہیں وسے دل پہ بھی اختیار ہے
ہجر کی شب کی آفتیں درد کی سب اذیتیں
لینگے ہم بوسۂ ابرو وہ لگائے تلوار
جھک کے ملتے ہیں گلا کاٹنے والے سب سے
المدد جوش جنوں پھر آگئی فصل بہار

میری وحشت کی طرح اُنکی طبیعت کیطرح
شام سے چاند بھی خورشید قیامت کیطرح
ہائے اُس رُوٹھنے والے کو منائیں کیونکر
بہک گئے ہم جنوں کے ہاتھ جوش بہار دیکھکر
توبہ کریں گئے ہم مگر اب کی بہار دیکھکر
بھول گئیں وہ حالتیں روئے نگار دیکھکر
مرد میداں ہے وہی مُنہ پہ جو کھائے تلوار
کیوں نہ ہر وقت رہے سر کو جھکائے تلوار
دست وحشت پھر بڑھا جیب و گریباں کیطرف

بیوفائی کی جب شکایت کی
اسلیئے اپنوں کو گنہ روز کیا کرتا ہوں
ہنسکے بوسے کہ آزماتے ہیں
دیکھنا ہے تیری قدرت کا تماشا ہمکو

نہ دل میں آکے رہتے ہو نہ آنکھوں میں ٹھہرتے ہو
وہ بے پروا ہو رکھتے ہو خبر گھر کی نہ باہر کی

دیکھکر خلوت میں اُن کو بیحجاب
رہا کرے بھی جو صیاد تو کہاں جائیں
شرم پاس آتے ہوئے شرمائیگی
اسیر وہ ہیں کہ ہم بال و پر نہیں رکھتے

وہ سوزاں ہیں تپ فرقت سے ہم گر فصد لیجائے
جب میں کہتا ہوں لقب کیوں آپکا لیلیٰ ہوا
بجائے خوں ہماری ہر رگ سے دھواں نکلے
ہنسکے کہتے ہیں تمھیں مجنوں بنا کیلئے

بوسۂ رخسار پر تکرار رہنے دیجئے
جھوٹی شیخی تو مجھے باور نہیں بندہ نواز
یہ چھیڑ دیکھئے کرکے عدو سے عہد وصل
لیجئے یا دیجئے انکار رہنے دیجئے
آپ او رہونگے مرے غمخوار رہنے دیجئے
ہمیں سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا کہا سمجھے

تم وہ ہو کہ مٹی مری برباد کرو گے	نم وہ ہوں پس مرگ بھی بیداد کرو گے

حفیظ

حفیظ۔منشی عبد الحفیظ حفیظ باپ کا نام محمد سمیع ہے قصبہ نارہ پرگنہ کڑا ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں انکی عمر تخمیناً ۳۵ برس کی ہوگی۔طبیعت خاصی پائی ہے ابھی شاعری کی ابتدا ہے منشی محمد نوح ناروی سے اصلاح لیتے ہیں پہلے پولیس میں بمقام آگرہ ملازم تھے اب آجکل خانہ نشین ہیں۔معمولی استعداد معلوم ہوتی ہے یہ انکا کلام ہے۔

اگر ہے بھی تو بخت نارسا کی	شکایت کچھ نہیں انکی جفا کی
قیامت جسکے قامت نے بپا کی	محبت ہے مجھے اس دلربا کی
کسی گل میں نہ پائی بو وفا کی	بہت کچھ سیر کی باغ جہاں میں
کہا لو دیکھ لو قدرت خدا کی	نقاب اس شوخ نے رخ سے اٹھا کر
چھانتے ہیں خاک ہم جنکے لیے	یا خدا ملجائیں کچھ دن کے لیے
بلبلیں پھرتی ہیں کیوں تنکے لیے	کیا اُجاڑا آشیاں صیاد نے
ہائے یہ بھی اُن سے جا کر مل گئے	میرے پہلو سے جناب دل گئے
خاک میں ملتا تھا ہمکو مل گئے	فاتحہ کو وہ نہ آئے قبر پہ

حفیظ

حفیظ۔حفیظ الدین نام ملیح آباد کے رہنے والے شیخ منتظم الدین تحصیلدار کے فرزند ابھی طالب علمی کی حالت میں ہیں۔طب پڑھتے ہیں۔اردو میں اکثر اور فارسی میں کبھی کبھی شعر کہتے ہیں۔ذیل کے چاروں شعر انھیں کے نتیجہ فکر سے ہیں۔

کہ گاہ شورش دل گاہ اضطراب رہا	میں مدتوں تری الفت میں یوں خراب رہا
بناکے ہاتھ سے اپنے مٹائے جاتے ہیں	وہ مجکو صفحۂ ہستی پہ مثل حرف غلط
ہائے کوئی وفا شعار نہیں	خاک تن اپنا کر دیا لیکن
عاشقوں کا کہیں مزار نہیں۔	میری تربت کا مت پتہ پوچھو

حقانی

حقانی۔سید عبد العلی حقانی باشندۂ حیدرآباد و منصب دار سرکار نظام۔دورِ

موجودہ کے شاعر ہیں رسالہ محبوب الکلام میں چند غزلیں نظر سے گزریں اُن کا انتخاب ضبط تحریر میں آیا۔ ملاحظہ ہو ــــ

روتا کبھی نہ نعش پہ دشمن کی میں مگر	رونا یہ ہے کہ آپکو کیوں اتنا غم ہوا
جبتک ہو شاہِ گل کو تختِ چمن مبارک	آصف تمھیں تمھارا ملکِ دکن مبارک
یوم سعید ہے یہ مولود بادشہ کا	کہتے ہیں ملکے باہم اہل دکن مبارک
جو لوگ اِس خوشی سے ہوتے ہیں چیں بہ ابرو	اُنکی جبیں کو دائم غم کی شکن مبارک

حقیر

حقیر۔ میر امام الدین معروف بہ کلّو۔ مرد متین حلیم الطبع سرد و گرم سے واقف صاف دل پاک باطن خلیق اور بہت مسکین بزرگ تھے۔ ملک الشعراء خاقانی ہند ذوق کے عالم مشقی میں ہمیشہ مدد و معاون رہتے تھے اور اُنکے کمال کے باوجود مشاقی و پیرانہ سالی معتقد تھے۔ مکتب پڑھاکر اوقات بسر کرتے تھے۔ اور درگاہ قدم شریف دہلی کے خادموں میں منسلک تھے۔ غدر سے بیس بائیس سال پیشتر انتقال فرمایا۔ ایک دیوان اُنکی یادگار ہے۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے۔

چڑھی جو شیخ کو افیوں تو دانۂ تسبیح	سمجھے الائچی دانہ تمام ٹھونگ گیا
ہوں ہست و نیست عالم تصویر کیطرح	گویا ہوں اور خموش ہوں زنجیر کیطرح
دل میں ہے بیٹھ رہیں در پہ صنم کے ہی حقیر	راہ کعبہ کی تو آتی ہے نظر دور ہمیں
یاد ہیں اُس بُت کافر کی ہوں ایسا مصروف	کہ خودی بھول گئی اور خدائی مجھکو
دل شورش اشکوں نے تو ہر چند بجھایا	پر شعلۂ دل آہ مرے اور بھی بھڑکے
پہنچا نہ کوئی منزل مقصود کو کوئی	ہیہات یونہیں مرگئے سب پاؤں رگڑ کے
پامال ہوئے تم تو حقیر آہ جہاں میں	جوں نقش قدم یار کے قدموں سے بچھڑ کے
دل کو لپیٹ گیسوے خمدار لیچلے	قرآن چھین گبر سیہ کار لیچلے
سب سے گلے لگی تیری شمشیر کس لیے	پر ہم سے وہ کھنچی رہی سبکے پیر کس لیے

حقیر

حقیر۔ اکبر آبادی منشی نبی بخش ولدِ منشی حسین بخش سر رشتہ دار عدالتِ فوجداری علیگڈھ۔ فنِ سخن میں خلیفہ گلزار علی سے استفادہ کرتے تھے۔ فارسی میں معقول دستگاہ رکھتے تھے کبھی کبھی اُردو میں بھی کہہ لیتے تھے انکے نتائجِ افکار سے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

سایۂ قصر ترا یاد آیا	پھر ہمیں ظلِّ ہما یاد آیا
زخم کے منہ میں بھر آیا پانی	جبکہ پیکان کا مزا یاد آیا
بسکہ مصنوع ہے صانع کی صفت	بُت کو دیکھا تو خدا یاد آیا
پھر گریباں کے اُڑینگے ٹکڑے	پھر وہی چاکِ قبا یاد آیا

سُنتے ہیں گئے مانی و بہزاد عدم کو	اب کھینچیں تو کھینچیں کمر یار کی تصویر
ہاتھ دوڑائے جنوں نے پھر گریباں دیکھ کر	پاؤں پھر وحشت نے پھیلائے بیاباں دیکھکر
وہ نگاہیں جن سے تھی مجکو تسلی کی اُمید	تشنۂ خوں آفتِ دل دشمنِ جاں ہو گئیں
قتل تم ہنس کے کروگے تو مرینگے لاکھوں	کُشتہ ہر کشتہ کے ہمراہ صد ارماں ہونگے

حقیر

حقیر منشی سیّد ولایت حسین صاحب باشندۂ رودلی طبیعت کا مذاق خاصہ معلوم ہوتا ہے زبان اور بندش بھی صاف ہے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے۔

لب رنگیں سے دل خوں ہو گیا ہے	کرے دیکھیں وہ چشمِ سرمہ سا کیا
شرارت یہ تو دیکھو شن کے سب کچھ	وہ بولے ہے تمھارا مدّعا کیا
اب کچھ اُمیدِ وصل ہوئی ہو فراق میں	گھسکر جبین نوشتہ قسمت مٹا دیا
چھیڑنا اُس پری شمائل کا	اور دیوانہ پن بڑھا دل کا
ہم بھی انساں ہیں نہیں اب ضبط کا یارا ہمیں	ظلم ہم پر آپکے بے انتہا ہونے لگے

حقیقت

حقیقت سید حسین شاہ مرحوم حقیقت تخلص خلف سید عرب شاہ متوطن خوست نواحِ غور سیّد امیر بُرہان حسب الطلب فرخ سیر بادشاہ مع تبرّکات خوست سے لاہور آئے

اور سید میر کشاہ حقیقت کے دادا شاہ عالم کے عہد میں دلّی میں وارد ہوئے یہ یہیں پیدا ہوئے اور تربیت بھی یہیں پائی - فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے نانا کے ہمراہ لکھنو چلے گئے اور وہاں جاکر شیخ قلندر بخش جرأت کے تلامذہ میں داخل ہوئے پھر کلارک صاحب کے ہمراہ میر منشی ہوکر چینا پٹن احاطۂ مدراس کو چلے گئے اور وہیں وفات پائی - دیوان ریختہ وتحفۃ العجم - خزینۃ الامثال - صنم کدہ چین - مثنوی ہشت گلزار - جذبۂ عشق وغیرہ آٹھ کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں ۱۲۴۰ھ میں حیات تھے - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے -

کیا ترے عشق میں اے عربدہ جو ہاتھ لگا
زیست سے ہاتھ بھی دھویا پہ نہ تو ہاتھ لگا

جنس دل بیچنے میں نفع جو کچھ ہو ہمکو
ہاتھ اپنے کوئی ایسا نہ خریدار لگا

سب حقیقت مجھے کہتے ہیں بقول جرأت
ہائے کیا اسکو جوانی میں یہ آزار لگا

کیونکر نہ قفس میں وہ پڑا تڑپے گرفتار
جس صید کو دل سے کرے صیّاد فراموش

ہر لحظہ حقیقت تو تری یاد میں ہے آہ
کیوں تو نے کیا اے صنم ایجاد فراموش

باہر ہے گفتگو سے جو اپنا بیان عشق
کس طرح پھر بیاں کریں داستان عشق

ٹک آکے دیکھ سینے کے ہر داغ کو مرے
پھولا ہزار رنگ سے ہے گلستان عشق

پہنچے نہ واں ہزار اڑے طائر خیال
عرش بریں سے بھی ہے بلند آشیان عشق

دلا اب دونوں مل کاٹیں گے اوقات آہ و زاری میں
ہوئے بیمار سے ہم بھی تری بیمارداری میں

ہو گئی ایک نگہ میں مجھے صحت حاصل
گرچہ بیمار ہیں لیکن ہیں مسیحا آنکھیں

سب یہاں جبہہ سائی کرتے ہیں
یہ بتان بھی خدائی کرتے ہیں

بدگمانی کیا کہوں وہ مجکو وقت نزع بھی
آکے یوں کہنے لگے یہ سخت مکّارو نہیں ہے

بات کرنی جو ترک کی ہم سے
کہیئے تقصیر کیا ہماری ہے

اور کچھ ذکر خوش نہیں آتا
نام تیرا زباں پہ جاری ہے

جو عدو ہیں مرے تم انکے ہو دوست
واہ کیا اچھی دوستداری ہے

جان گر تن سے نکلجائے تو ہے مجکو قبول	آہ پر دل سے نہ اُس تیر کا پیکان نکلے
روز و شب رہتی ہے سوزش سی جگر میں میرے	دل ہے یا پارۂ آتش ہے یہ تن میں میرے
شمع ساں آگ لگائی ہے یہ غم نے کہ مدام	شعلے اُٹھتے ہیں پڑے دیدۂ تر سے میرے

حکم

حکم۔ نواب عباد اللہ خاں خلف الرشید نواب عظیم جاہ بہادر مغفور پرنس آف ارکاٹ شیخ فاروقی و رئیس مدراس ہیں فن سخن میں شریف مدراسی سے مستفید ہوئے ہیں ۱۳۰۲ء میں ۱۴ برس کا سن تھا۔ یہ دو شعر آپکے نتائج افکار سے ہیں۔

اُنکی زباں چلتی ہے تلوار کی طرح	اور ہم ادب سے چُپ ہیں گنہگار کی طرح
تنہائی میں غم اُسکا ہے غمخوار کی طرح	پہلو میں درد و رنج ہے دلدار کی طرح

حکیم

حکیم۔ مسیح الزمان حکیم محمد اشرف خان حکیم دہلوی ابن حاذق الزمان حکیم محمد شریفخان مغفور شاہجہاں آبادی اپنے عہد کے اطبا میں بے نظیر تھے اور اکبر شاہ ثانی کے دربار میں شاہی طبیب تھے اُنھیں کے حسب الحکم مرزا جہانگیر کے ہمراہ الہ آباد گئے اور جبتک شاہزادۂ موصوف زندہ رہے اُنکے پاس رہے بعد اُنکی وفات کے وطن کو معاودت کی۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں قضا کی۔ آپ حکیم محمود خاں صاحب مرحوم کے حقیقی چچا تھے حکیم اسد علیخاں صاحب مضطر اُنکے پوتے بڑے نازکخیال اور مشاق شاعر ہیں۔

مرے رونے اسکو مجھ سے کھویا	مجھے اس دیدۂ تر نے ڈبویا
کہوں میں کیا بہ تنگ زخم ناسور	ہنسا یکبار گر سو بار رویا

کہے ہے لخت جگر اشک سے کہ اے ہمدم	ذرا تو ٹھیر کہیں لیویں بیٹھکر ہم دم
نہ تاگے سے سیا جاوے نہ ریشم کا لگے ٹانکا	کہاں سے لائیں سینے کو دل صد چاک کے ٹکڑے

حکیم

حکیم۔ حکیم محمد پناہ خاں حکیم دہلوی فرزند سید محمد شریف خان المشہور بزرگ بخش۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے۔ پہلے نثار تخلص کرتے تھے پھر فن طب کی رعایت سے حکیم تخلص اختیار کیا حکمت۔ تاریخ موسیقی اور دیگر علوم شریفہ میں رتبہ کمال حاصل

تھا - نمونہ کلام ملاحظہ ہو ٭

پوچھتے کیا ہو حکیم جگر افگار کا گھر	ایک بچہ سا ہے اس شوخ کی دیوار کے پاس
کہتے ہیں حکیم آیا میخانے سے مسجد میں	ہمکو تو تعجب ہے وہ گبر مسلماں ہو
تیرے لیئے خلق در بدر ہے	اے خانہ خراب تو کدھر ہے
ہم ہی صنم کے غم میں نہ ایمان سے گئے	کتنے ہی بندگانِ خدا جان سے گئے
ہمتو تو کیونکر کہیں کہ بوسہ دو	گر عنایت کرو عنایت ہے
جی کے جانے کی یہ علامت ہے	دل کا آنا نہیں قیامت ہے

حکیم میر محمد علی ابن میر احمد علی - باشندۂ لکھنؤ فتح الدولہ محمد رضا خاں برق کے شاگرد تھے - یہ چند شعر ان سے یادگار ہیں۔

زندگانی کا بھروسا نہیں نیکی کر لے	ہے بری بات جو لیجائے برائی سر پر
آئی پیری گئی ہنگام جوانی ہیہات	ابتو ہشیار رہو غافل اجل آئی سر پر
روتے جب دیکھتے ہیں کہتے ہیں ہنسکر وہ حکیم	تو نے نالوں سے اٹھائی ہے خدائی سر پر

حکیم مرحمت الدولہ بہادر الملک منشی سید غضنفر علی خاں صولت جنگ بہادر مرحوم۔ آنریری مجسٹریٹ و رئیس لکھنؤ خلف اکبر و شاگرد رشید تدبیر الدولہ حضرت اسیر مغفور ان کا عرف بڑے بھیا تھا۔ اصولِ شاعری سے بخوبی واقف اور بڑے مشہور عروضی میونسپل کمشنری اور آنریری مجسٹریٹی کے عہدے پر ممتاز تھے - چھوٹی سی عمر میں فنِ سخن میں اچھی دستگاہ اور معلومات و شہرت حاصل کی تھی - اپنے باپ کے نام نامی کو خوب چمکایا - انتزاعِ سلطنتِ اودھ سے پیشتر واجد علیشاہ کی سرکار سے مخاطب بخطاب مذکور الصدر ہوئے تھے - انکے شاگردوں میں پنڈت بشن نراین صاحب ابر بیرسٹر اور ڈپٹی تجمل حسین خاں صاحب تجمل مشہور شاعر ہوئے - آپنے سنہ ۱۹۰۳ء میں انتقال کیا - دیوان مرتب ہوگیا تھا مگر شائع نہیں ہوا ٭ مذاقِ طبیعت

درست - الفاظ پاکیزہ - زبان نہایت شستہ - صاف اور ٹکسالی - مضامین عمدہ - خیالات بلند - اور مشاقی اعلیٰ درجے کی پائی جاتی ہے - متروکاتِ زبان قدیم کا بہت خیال کرتے تھے کلام سنجیدگی اور متانت سے مملو اور عیوبِ شاعری سے پاک و مبرا ہے افسوس کہ باوجود ہم کوششوں کے چند ہی غزلیں ملسکیں

مے پی بپاسِ خاطرِ ساقی تو کیا ہوا — دل توڑنا کسی کا مروت سے دور تھا
گیسو کو پیچ چشم کو جادو کمر کو بل — بخشا وہی خدا نے جسے جو ضرور تھا
کوچہ میں اسکے دفن ہوئی لاش غیر کی — شداد مر کے داخلِ باغِ ارم ہوا
حسرت حکیم زخمِ مکرر کی رہ گئی — قاتل ہوا ستم سے پشیمان ستم ہوا
صاف اس درجے دل کا آئینہ — اور بے عکسِ روئے یار افسوس

آپ کو دھیان مرے وعدہ کا رہتا تو یہ — یہ بھی کیا غیر کا وعدہ تھا کہ ٹلتا ہی نہیں
ہے آخر فصلِ گل کر دے رہا صیاد بلبل کو — ہوئی ہے سوکھ کر کانٹا یہ پھولونکی جدائی میں
تیرا کیا کام ہے مینوشوں میں میخواروں میں — دیکھ لے توبہ نہ شامل ہو گنہ گاروں میں

دل ہے مرا سیاہی جرم گناہ میں — یا کعبۂ خلیل لباسِ سیاہ میں
بانگ درا کی طرح ہو ہمیں قافلے کیساتھ — جاتا ہوں آگے پیچھے ہوں اتنا ہی راہ میں
چھڑکا نمک اسی جا موئے سفید نے بھی — زخمِ غمِ جوانی جب جب لگے تھے تن میں
دیکھئے کیا رہِ اقلیم عدم میں گزرے — دور منزل ہے بہت زادِ سفر کچھ بھی نہیں

ہو کے بیتاب چلے آتے ہو کیوں میرے پاس — تم تو کہتے تھے کہ نالوں میں اثر کچھ بھی نہیں
صورتِ آئینہ اس بزم گہ حیرت میں — محوِ نظارہ ہوں پر تابِ نظر کچھ بھی نہیں
موت نے آکے زمانے کے چکائے قصے — اقربا روتے ہیں مرنے کی خبر کچھ بھی نہیں
باغ میں دیکھ کے لالے کو یہ آیا ہمیں دھیان — حاصلِ عمر بجز داغِ جگر کچھ بھی نہیں
وصل میں ہجر کا کیونکر نہ ہو کھٹکا ہر دم — موت کب آئیگی انساں کو خبر کچھ بھی نہیں
شکلِ ہستی و عدم آئینہ دکھلاتا ہے — کہ ادھر سب نظر آتا ہے ادھر کچھ بھی نہیں

چشم ظاہر کو مبارک رہے دید رخ و زلف
میں وہاں ہوں کہ جہاں شام و سحر کچھ بھی نہیں

شکوۂ بیداد ہر دم کیا کریں
دس میں شرمندہ اُسے ہم کیا کریں

صبر پہ مجبور ہم۔ تم جبر پر
حق یہ ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

روئیں کیا اوروں کو جب فانی ہیں خود
اپنے ہوتے غیر کا غم کیا کریں

ہم بتائیں وصل میں تم کیا کرو
تم بتاؤ ہجر میں ہم کیا کریں

سمجھے ہم برہمن و شیخ کی سُنکر تقریر
حشر تک ختم یہ جھگڑے نہیں ہونیوالے

زاہد عبث نماز ریائی پہ ناز ہے
سجدے کے داغ میں ہے سیاہی گناہ کی

زاہد کا بخل صاف ہے تسبیح سے عیاں
رکھّا ہے کیا بخیل نے دانوں کو جوڑ کے

قہر حیراں کہ مجرم کو کدھر لے جائے
سارے دوزخ کو ہے گھیرے ہوئے رحمت تیری

غیر کو بہر طلب کیوں آپ نے تکلیف دی
بھیج دیتے موت کو میرے بُلانے کے لیئے

ہے دوراہہ نیستی و ہستی عالم ضرور
ایک آنے کے لیئے ایک جانے کے لیئے

نکرے بھول کے دولت کی تمنّا کوئی
ہو بشر ہو کے نہ یارب سگِ دنیا کوئی

دل سے وہ ناوکِ بیداد نہ نکلے یارب
کہ نہیں درد کے اُٹھنے کا سہارا کوئی

وہاں لطف و غضب دونوں یہاں ہی قہر ہی تنہا
خدا سے عشق آساں ہے بتوں سے سخت مشکل ہے

روز محشر بہر عفوِ جرم کافی ہے یہ شرم
پھرتی ہے آنکھوں میں صورت اُسکی شرمائی ہوئی

ہر بلا کے گھر میں آنے کا یہ ہے مجکو یقین
جو نہیں آئی ہے سمجھا ہوں اُسے آئی ہوئی

وعدۂ وصلت کو جھوٹا کس طرح سمجھیں نہ ہم
وہ قسم کھائی ہے ابکے بھی جو ہی کھائی ہوئی

آئینہ رُو ہیں وہ مشاطہ نہ آئینہ دکھا
فائدہ آئینے کو آئینہ دکھلانے سے

یہی فرہاد یہی نل۔ یہی مجنوں کا ہے حال
لاکھ افسانے ہیں پیدا مرے افسانے سے

ڈھونڈے نہیں ملتا ملک الموت کو رستہ
کیا بھیڑ عدم تک درِ قاتل سے لگی ہے

حکیم۔ سید جعفر حسین نام حکیم تخلّص لکھنؤ کے رہنے والے اور حضرت ہوش کے شاگرد

ہیں سنہ ۱۹[illegible]ء میں زندہ تھے - اسکے سوا کچھ حال باوجود تلاش معلوم نہیں ہوا - کلام خاصہ ہے چند شعر انکے یہاں نقل کیے جاتے ہیں -

بنا قاتل جو اپنا دھیان اُس ترکِ ستمگر کا	خیالِ ابروئے قاتل میں تھا کیا کاٹ خنجر کا
دلِ عاشق جو نہ جلتا تو نہ ہوتا مشہور	شمع کا نام ہوا بزم میں روشن ہوکر
دیچکے پہلے ہی صبر و خرد و ہوش جواب	اب فقط جان ہے لیلے نہیں انکار صنم
سلسلہ اُنکو رہائی کا نہ ہاتھ آئیگا	دام گیسو میں ہیں جو لوگ گرفتار صنم
تُو وہ یوسف ہے کہ تجھ سے نکریں عذر ذرا	بیچ لے ہمکو اگر تو سرِ بازار صنم
صبا پہناتی ہے زنجیر موجِ نگہتِ گل	عجب بہار کی وحشت مجھے بہار میں ہے
جو دیکھ لے تو ابھی سحر سامری بھولے	بھرا یہ کوٹ کے جادو نگاہِ یار میں ہے
خدا ہی خیر کرے کس بلا میں اُلجھا ہوں	کہ پیچ و تاب عجب یادِ زلفِ یار میں ہے

حکیم

حکیم - حکیم سید تہور علی صاحب خلفِ سید محمد علی صاحب - ضلع بجنور میں دھام پور کے قریب ایک قریہ رسولپور کے نام سے مشہور ہے - سادات رضویہ کی کچھ باقیات اِس میں آباد ہے حکیم صاحب بھی اسی قریہ کے رہنے والے ہیں سنہ ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے بارہ سال کی عمر میں بغرضِ تعلیم نگینے گئے اور قاضی احسن الدین صاحب کی خدمت میں کچھ عرصے رہکر عربی فارسی میں کافی دسترس بہم پہنچائی - پھر دلی - لکھنؤ اور مُراد آباد وغیرہ کا سفر کیا اور دیگر علمار و کملار کی صحبت میں رہکر اپنے علم و کمال کو ترقی دی - اب منحصر اسی طبابت کے ذریعے سے بسر اوقات کرتے ہیں - کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے ہیں - مگر نہ مذہب میں کسی امام کے معتقد ہیں نہ فنِ شعر میں کسی شاعر کے شاگرد ہیں ذیل کے اشعار اُنھیں کے نتیجہ فکر سے ہیں - ملاحظہ ہوں ؎

شمع مدفن ہے نہ ہے پھولوں کی چادر دیکھنا	قبرِ دارا دیکھنا - گورِ سکندر دیکھنا
تیرے دیوانوں سے صحرا ئے قیامت تنگ ہے	سو جگہ سے چاک یا دامانِ محشر دیکھنا

مرے دل کی دورنگی بھی کسی کا رازِ پنہاں تھا	اسی میں کفر تھا واعظ اسی میں نورِ ایماں تھا
پی لے اے شیخ اسے نام خدا کا لے کر	مے پلاتے ہیں تجھے رند کہ سم دیتے ہیں
معلوم ہے ہمکو جو بنائیں گے مسیحا	وہ اور علاجِ دلِ دیوانہ کرینگے
حکیم اُس لبِ نازک کے سامنے پھر	جلانے کا دعویٰ مسیحا کریں گے
جوشِ گریہ سے زمیں باغ ارم بنکر رہے	گو بجو مارے پھریں تسنیم وکوثر تو سہی

حکیم

حکیم۔ سید محمد عبد الحکیم۔ از دلی حضور نواب صاحب والی رامپور۔ شعرگوئی کا بھی شوق ہے زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے۔ یہ تین شعر اُنکے کلام کا نمونہ ہیں۔

جب کہا میں نے تڑپ دیکھ لی دل کی دمِ قتل	بولے جھنجلا کے کہ ہاں تیرا کلیجا دیکھا
جلوہ فرما ہے بصد ناز وہ گلرو دل میں	بند کی آنکھ تو میں نے یہ تماشا دیکھا
جاں فروشوں میں دمِ قتل عجب شورش تھی	تونے مقتل میں نہ آکر یہ تماشا دیکھا

حلم

حلم۔ شاہزادہ مرزا سعید الدین عرف مرزا فیاض الدین حلم خلف الرشید مرزا محمد ریاض الدین بن مرزا خرم بخت بہادر بن مرزا جہاندار شاہ ولیعہد مقیم بنارس صاحب دیوان تھے۔ میر نواب سے تلمذ تھا۔ ڈپٹی عبد الغفور خان نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور حلم تخلص لکھا ہے۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر گورگانی کے سمدھی تھے۔ اور غزل گوئی میں اُن سے مشورہ بھی کر لیتے تھے مگر کوئی خاص بات کلام میں نہیں ہے عرصہ ہوا انتقال کر گئے۔

گرچہ ہے سیرِ چمن میں گل کا مدفن زیرِ پا	گاہ بھولے سے ہی لا عاشق کا مدفن زیرِ پا
نازکی کہتے ہیں اسکو وہ چبھے مانندِ خار	آئے اُس گل کے جو فرش کارِ سوزن زیرِ پا
دیکھ مستی کی اداہٹ لعلِ لب پر یار کے	بلبلیں ملنے لگیں گلہائے سوسن زیرِ پا
کب حنا کے رنگ سے اُسکی کفِ پا سرخ ہو	لعل کی رکھتا ہے اپنے یار معدن زیرِ پا
جائیں کیوں ہم گلستاں کو ناز گلچیں کیوں سہیں	زخم سے تلووں کے خود رکھتے ہیں گلشن زیرِ پا

کس طرح کوئے صنم کو حلم جائے وحشت سے	آبلہ پڑ کر کرے گا کار ہرن زیر پا

حلم

حلم۔ منشی دوارکا پرشاد حلم خلف اکبر منشی منگلی لال صاحب۔ آپ قوم کے کایستھ اور اک شریف معزز خاندان معروف بہ خاندان اخبار نویسان سے ہیں ۱۸۸۳ء میں آپ پیدا ہوئے۔ مولد و مسکن شہر بریلی ہے۔ سات سال کی عمر میں اردو فارسی کی تعلیم شروع ہوئی۔ دس سال کی عمر میں معمولی اردو لکھنا پڑھنا آگیا۔ پندرہ سال کی عمر میں انگریزی کی تعلیم کا آغاز ہوا جس کا انٹرنس تک پہنچ کر خاتمہ ہو گیا۔ اسی اثنا میں ناول خوانی کا شوق پیدا ہوا اور پھر پڑھتے پڑھتے تصنیف کو جی چاہا تو ایک ناول مسمیٰ بہ "حسن و عشق" لکھا مگر چھپا نہیں بعدہ ہی شوق و ذوق شعر گوئی کا محرک ہوا اور حضرت داغ کے مشہور شاگرد مولنا حسن رضا خاں صاحب بریلوی کے شاگرد ہوئے۔ استاد کی مہربانی سے چند ہی روز میں اچھا خاصہ کہنے لگے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

بسمل کی یہ حالت ہے کہ تڑپا نہیں جاتا	قاتل کا ابھی شوق تماشا نہیں جاتا
وہ خاک سنبھالیں گے دل زار کو میرے	جب اپنا دوپٹہ بھی سنبھالا نہیں جاتا
کس عجز سے وہ وصل کی شب کہتے ہیں مجھسے	اس طرح تو دشمن بھی ستایا نہیں جاتا
وہ وعدہ خلافی کریں دشمن پہ فدا ہوں	ہمسے تو کسی اور کو چاہا نہیں جاتا
وہ لطف ملا ہمکو تہ خنجر قاتل	ہم دفن ہوئے پھر بھی تڑپا نہیں جاتا
ناکامی قسمت پہ ہنسی آئے نہ کیونکر	رونا تو اسی کا ہے کہ رونا نہیں جاتا
بالیں سے مری اٹھ گئے وہ کہکے دم نزع	اب حال کچھ ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
عشق نے معشوق و عاشق میں لگا دی ایک آگ	شمع بجھ کر مٹ گئی پروانہ جل کر رہگیا
سنائیں عرض تمنا پہ لاکھوں صلواتیں	مرا سوال تھا کیا اس جواب کے قابل
نبھے گا ساتھ نہ زاہد سے دختر رز کا	یہ نوجوان وہ بوڑھا خضاب کے قابل

نکیلا ہو گیا ہے ہوش کیا آئے سنبھالے ہیں
ڈرتے کیا ہو کہہ کہ یہ خنجر ہیں یہ بھالے ہیں
کسی کے پاس رسوائی ہیں کیا جی کھو کر دیا
تجھی تو میری قسمت کی کرن جان تیری زلفوں سے
خدا نے تجھے بنایا و چھوڑا کبھی تو کب چھوڑا
تمھارے اٹھتے جوبن کو دوپٹہ کیا چھپائیگا
الٹ اپنا نقاب اں کیوں ہنسی کرتا ہے اپنا قاتل
خیال پاس جاناں ہوشیاری سے قدم رکھنا
جناب حلیم جیسے فطرتی ہیں کوئی کیا جانے
وہ کہتے ہیں غضب ہیں جان کرتی ہیں اداؤں سے
بھرے بیٹھے ہیں جب بیٹھے غضب کا سامنا ہوگا
طریق حق پرستی عشق والوں کا نرالا ہے
شب وعدہ خوشامد پر وہ آمادہ ہوئے آخر
بھلا تم اور بوسے دوگے دل لیکر معاذ اللہ
یہی ہے آنکھ کی خواہش کہ رہیئے نازنینوں میں

ادائیں برچھیاں شوخی چھری انداز بھالے ہیں
یہ خنجر اور یہ بھالے سب ہمارے دیکھے بھالے ہیں
جو چاہا آنسو بہائے کبھی تو ٹوٹا پوچھ ڈالے ہیں
نہ یہ کچھ جا بجا بولے ہیں وہ کچھ جانچ ڈالے ہیں
اسیران قفس نے بال پر پیچ توڑ ڈالے ہیں
یہ دو سرکش بلا کے ایک سے کیا توڑ ڈالے ہیں
دہان زخم دل کیا چمکیں بے خبر ہوئے ہیں
کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے ہمارے دل میں چھالے ہیں
تخلص جچنے لگا کہہ اٹھے کیا بھولے بھالے ہیں
خدا ہی سمجھے ان ظالم محبت کرنے والوں سے
خدنگ ناز چھیڑا اچھی نہیں سینے کے چھالوں سے
نہ پروا سجدوں کی ہے نہ مطلب ہے شوالوں سے
جو دیکھا کام اب چلتا نہیں حیلے حوالوں سے
یہ فقرہ اسکو دینا جو نہو آگاہ چالوں سے
یہی دل کا تقاضا ہے کہ ملیئے خوش جمالوں سے

حلیم حضرت عبدالحلیم شاہ صاحب متخلص بہ حلیم امروہے کے شیوخ عباسی سے ہیں۔ مظہر الہادی صاحب سہیل نے جو اُنکے حالات بھیجے اُنکا خلاصہ یہ ہے کہ بچپن ہی سے طبیعت میں سلامتی اور اطوار میں سنجیدگی تھی۔ آغاز جوانی میں وطن سے نکلکر جبلپور پہنچے اور بعہدہ منصدّی محکمہ فوج ملازمت اختیار کی۔ چونکہ اوراد و وظائف کی طرف شروع سے میلان خاطر تھا وقتاً فوقتاً تلاش مرشد کامل میں سفرہائے دور دراز کیئے۔ آخر کار گھر بیٹھے جبلپور ہی میں خاندان نقشبندیہ میں مرید ہوئے مگر سماع کے بہت ہی

شائق ہیں۔ مُرید ہونے کے بعد طبیعت کا رنگ بالکل ہی بدل گیا شہرت اور ناموری سے گریز، اہلِ دنیا سے بے تعلقی اور ملازمت کی پابندیوں سے نفرت ہونے لگی۔ ترکؔ تجرید نے غلبہ کیا لیکن ایک عرصہ تک ضبط سے کام لیتے رہے۔ جب وفورِ شوق و غلبۂ ذوق اتنا بڑھا کہ بیخود ہو گئے تو قیودِ ملازمت سے قطعاً دست بردار ہونا پڑا چونکہ شادی کی نہیں تھی اہل و عیال کا کچھ غم نہ تھا۔ اب آپ سراپا توکّل ہیں۔ محض صبر و قناعت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ ابتدائے عمر سے نظم اور فنّ شعر سے دلچسپی ہے ضخیم دیوان تیار ہے۔ پیسہ اخبار پریس لاہور میں چھپنے کے لیئے گیا ہوا ہے۔ اکثر جے پور وکوٹے میں قیام رہتا ہے۔ کلام صاف ہے بندش و اسلوب بیان بھی خوب ہے اکثر شعر توحید اور تصوّف میں کہتے ہیں کُھلا ہوا رنگ ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو:۔

کیا پُوچھتا ہے چشمِ حقیقت طراز کا
جمتا نہیں نگاہ میں نقشہ مجاز کا

نہ جفاؤں کی شکایت نہ وفا سے مطلب
اُسکے طالب کو ہے تسلیم و رضا سے مطلب

صد شکر کہ فرماتے ہیں وہ ناز و ادا سے
ہم پاتے ہیں اِس شخص میں آثار محبت

یاں ہو چکا ہے خونِ جگر آرزو کے ساتھ
اب تک سمجھ رہے ہیں مرے غمگسار جھوٹ

بیکسی تربتِ عاشق کا پتہ دیتی ہے
نہ ضرورت اسے کتبے کی نہ زیبا تعویذ

بوالہوس کے لیئے درکار ہے نقشِ تسخیر
جذبِ صادق کے لیئے چاہیئے کسکا تعویذ

مرے دل میں مری آنکھوں میں آکر
رہو تم بے تکلف گھر بنا کر

مدّعی کیوں ہو مُدّعا ہو کر
غیر بنتے ہو آشنا ہو کر

اللہ رے خود رفتگی اتنا بھی نہیں ہوش
خُم مُنہ سے لگا لیتے ہیں پیمانہ سمجھکر

انجمن ہو یا نہ ہو اُسکی بلا سے کچھ بھی ہو
زندگی کا کر چکی لبریز جب پیمانہ شمع

یہ ہوا ہے اور نہ ہو گا تم سے روشن صبح تک
یہ نہیں ہے بزمِ جاناں ہے مرا غمخانہ شمع

مصیبت جھیل صبر و شکر کے ساتھ
مرے مجنوں مرے درد آشنا دل

وہ اپنی جفاؤں پہ پشیمان رہے ہیں
تسلی مجھے دیکے تڑپا رہے ہیں

الٰہی وہ دلِ مضطر عطا ہو
کہ جس میں درد سرتاپا بھرا ہو
اگر دل محو تسلیم و رضا ہو
تو ہر درد والم راحت فزا ہو

ہاں تو نہیں تو لذتِ زخمِ جگر نہیں
اے درد دلنواز عجب دلربا ہے تو
دل نے چشمِ حقیقت تو کہیں دیکھے اُسے
آنکھ کیا دیکھے تجلّی جمالِ یار کو

خاک کو تو نے مُشک و عنبر کر دیا
اے محبّت کیمیا دیکھا تجھے

وفا پرست شکایت کیا نہیں کرتے
جفا اُٹھاتے ہیں لیکن گلہ نہیں کرتے
عجب مزا انھیں ملتا ہے درد کلفت میں
مریضِ دردِ محبت دوا نہیں کرتے
اشک دامن تک نہ پہنچا تھا کہ دامن پاک تھا
زنگِ عصیاں کے لیئے آنکھوں کا دریا چاہیئے
لذتِ ناز و نیازِ عشق تو مجھ سے نہ پوچھ
دامن یوسف گریبانِ زلیخا چاہیئے
کیا کھیئے میکدہ تو مسجد بنا ہوا ہے
ہر مست بیخودی میں گردن جھکا رہا ہے

رنگ لائی یہ عاشقی دل کی
مٹ گئی سب ہما ہمی دل کی
دل کے ہمراہ آرزو بھی گئی
آج حسرت نکل گئی دل کی
اُنکے کوچے میں جا کے خاک ہوئی
آبرو سب رہی سہی دل کی
میری آنکھیں تو ہیں اُنھیں کیطرف
اُنکی مجھ پر نظر نہیں نہ سہی
موت تو ہے علاج دردِ فراق
اُنکے در تک گزر نہیں نہ سہی

حمد۔ حضرت حمد لکھنوی کا نام نامی محمد محمود ہے اور رفیق الدولہ دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خان بہادر میر منشی واجد علیشاہ کے خلف الصدق ہیں۔ قوم کے شیخ اور حنفی المذہب ہیں نسب کا سلسلہ حضرت عثمانِ غنی سے ملتا ہے آپکے آبا و اجداد کا قدیمی وطن شہرِ قنوج تھا وہاں سے عہد نواب سعادت علیخاں بہادر میں لکھنو آئے اور دربار نواب میں باریاب ہو کر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز ہو گئے۔ آپکی پیدائش ۲۴ ماہ جمادی الاولی

سنہ ۱۲۷۸ھ میں بمقام لکھنؤ ہوئی اور وہیں زیر سایہ اپنے والد بزرگوار کے تعلیم و تربیت
پائی۔ آپ کی طبیعت بچپن ہی سے اسقدر موزوں واقع ہوئی تھی کہ کبھی دھوکے سے
بھی کوئی شعر ناموزوں نہیں پڑھا۔ دس برس کی عمر میں اچھی خاصی غزل کہنے لگے تھے
آپکے والد صاحب کو اردو شاعری اور خصوصاً طرز عاشقانہ سے بالکل رغبت نہ تھی لیکن
جب انکی طبیعت کا میلان خاطر ادھر دیکھا تو مخالفت بھی نہ کی۔ آخر انہیں کے ایما سے
جناب شیخ امداد علی صاحب بحر لکھنوی کے شاگرد ہوئے اُنکے انتقال کے بعد حضرت
قادر بلگرامی کی خدمت میں آکر اُن سے استفادہ کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ آپ کا کلام
عیوب شاعری سے پاک ہونے لگا۔ اور جب آپکی مشق سخن اس حد کو پہنچ گئی تو قادر
مرحوم نے اپنے بعض تلامذہ کی اصلاح آپ ہی کے متعلق کردی۔ چنانچہ قادر مرحوم کے
بعض شاگرد اتبک شعر و سخن میں آپ ہی سے مشورہ کرتے ہیں۔ آپ ایک مستغنی المزاج
کم سخن اور آزاد منش آدمی ہیں۔ عزلت گزینی پسند ہے۔ سلسلۂ تصنیف و تالیف برابر
جاری ہے اور شعر و سخن کی طرف طبیعت کچھ ایسی محو ہے کہ اُسکے سوا دوسری فکر ہی
نہیں ہے۔ علاوہ دیگر تصانیف کے دیوان موسوم باسم تاریخی "ارمغان جاوید" و رسالۂ
متروکات موسوم بہ "مخزن التحقیق" بھی لکھا ہے۔ جس میں تمام اپنے اور دیگر فصحا کے
متروکات و غیر فصیح الفاظ مع عیوب شعر و غلطی املا و قواعد نہایت تحقیق کے ساتھ درج
کیے ہیں۔ آپکے کلام سے شوخی اور فصاحت ٹپکتی ہے۔ زبان کی صفائی اور روزمرہ
بھی قابل داد ہے۔ آجکل لکھنؤ کے نامور کہنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپکے
کلام کا رنگ اپنے اُستاد حضرت بحر مرحوم لکھنوی سے بہت ملتا ہے۔ ملاحظۂ
شائقین کے لیئے اُنکے کلام کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے ؎

عکس ساقی شراب میں دیکھا	ماہتاب آفتاب میں دیکھا
تم نے ڈھا دیا کعبۂ دل کا	اے بتو کس کتاب میں دیکھا

رہ گیا طائرِ جاں بلبلِ شیدا بن کر
جوہرِ تیغ میں قاتل کے گلستاں نکلا

کچھ اعتبار نہیں تم پہ مرنے والوں کا
سنبھلنے میں بھی ہے شک موت کے سنبھالونکا

بڑا گھمنڈ تھا بس دیکھ لی مسیحائی
کبھی پکڑا نہ لیا ہاتھ مرنے والوں کا

تمھارے کوچے میں چھکّے قضا کے چھٹتے ہیں
ہجوم دیکھ کے بے موت مرنے والوں کا

کھڑے ہیں سہرا چڑھانیکو شہر کے گرد
مرے مزار پہ میلا ہے پھول والوں کا

کھلا اگر کہیں جوڑا تمھارے بالوں کا
چلیگا ایک بھی منتر نہ سانپ والوں کا

ہجوم یاس ہے وہ فاتحہ کہاں پہ پڑھیں
کہیں نظر بھی تو آئے مزار کی صورت

غیروں سے بگڑے ہم تو ہمارے عدو تھے وہ
اس پر حضور بزم سے اٹھکر چلے عبث

چلا نہ زور وہ دندان شکن جواب ملا
الجھ کے زلف سے شانے نے منہ کی کھائی آج

ہنس دیتے ہیں وہ سوزِ جگر کے بیان پر
بجلی چمک کے گرتی ہے دیپک کی تان پر

دختِ رز پر لوٹے ہیں پرہیزگار ابکے برس
زہد میں بٹا لگائے گی بہار ابکے برس

ایسے یہاں ہیں غنچۂ دل میں ہزار داغ
لالہ مقابلے کو چلا لیکے چار داغ

فرحت دلوں کو دیتے ہیں اشعار بن کے پھول
کیا کیا مہک رہے ہیں ریاضِ سخن کے پھول

یہ جو سنا کہ ہار تھے گوندھے ہوئے مرے
سب پھینکے نوچ نوچ کے مارے جلن کے پھول

اللہ آپ سیر کو نکلیں پہن کے پھول
تقدیر اس چمن کی یہ ہیں جس چمن کے پھول

ہے روزِ حشر اور شبِ غم کا طول ایک
اسکی نہیں ہے شام تو اسکی سحر نہیں

اللہ رے بیخودی کہ وہ پہلو میں بیٹھکر
دل لیگئے نکال کے ہمکو خبر نہیں

آ گئی فصلِ جنوں میلے ہیں ویرانوں میں
تھالی پھرتی ہے وہ بھیڑیں ہیں بیابانوں میں

یہ بے موقع تمھاری ہر گھڑی کی دل لگی کیسی
طبیعت آدمی کی ہے کبھی کیسی کبھی کیسی

دکھادوں ایک دن انکو تو پھر ہو دل لگی کیسی
جو کہتے ہیں کہ دیکھیں ہوتی ہے دل کی لگی کیسی

نہیں اک رنگ پر رہتی طبیعت ہی تری کیسی
کبھی ایسی کبھی ویسی کبھی کیسی کبھی کیسی

بیانِ سوزِ دل رو رو کے کرتا ہوں تو کہتے ہیں
لگی ہے آگ جب دل میں تو آنکھوں میں تری کیسی

یہ قدرت قاف والوں کی کریں جو حسن کا دعوی
مقابل اُنکے پہلے حُور تو ہو وے پری کیسی

بیوجہ کب یہ دل کی مرے دیکھ بھال ہے
کھینے نہ کھینے آپ کی صورت سوال ہے

رونے لگے سُن سن کے تمام اپنے پرائے
اس درد سے نالے کیئے دل سب کے بھر آئے

اس بات پہ تاثیر دکھا دیجئے فغاں کی
کہتے ہو نہیں آئیں گے؟ اچھا اگر آئے

ناصح اثر ان کو نہیں کرنے کی نصیحت
یہ حضرتِ دل ہیں جدھر آئے اُدھر آئے

شیخ جی لائے تھے تشریف نصیحت کرنے
کیا بُری طرح نکالے گئے میخانے سے

مست کر دیتی ہے میخواروں کو اسکی جھنکار
شیشہ جب بزم میں لڑ جاتا ہے پیمانے سے

آنے جانے کی یہاں آڑ تو اچھی ہوتی
کاش مسجد ملی ہوتی کوئی میخانے سے

عشق بازی میں لڑائی بھی تو ہے عین ملاپ
صاف ملجاتا ہے دل آنکھ کے لڑ جانے سے

کہا جو آپ پہ مرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں
سُنا کیئے یونہیں دیکھا کبھی نہ مرجاتے

کیا ناوکِ مژگاں سے اُڑائے ہیں نشانے
دل اور جگر دونوں لگائے ہیں ٹھکانے

ساقی سفید ریش پہ ہلکا سا ہو خضاب
زاہد کے مُنہ پہ پھینکدے ساغر کھنگال کے

حمد — منشی احمد حسین حمد سوداگر ساکن لال کرتی بازار چھاؤنی میرٹھ مولنا شوکت سے ارادت رکھتے ہیں اور زمانۂ حال کے خوشگو شعرا میں ہیں۔ چند شعر حاضر ہیں ؛

سوزِ نہانی میں ہے کیا چشمِ حیواں کا اثر
آگ میں جلکے بھی عاشق نزا ٹھنڈا ہوا

یہ حسرت تھی کہ رہتا کاش احسان تیغ قاتل کا
رہا کیوں سخت جانی تیرا احساں میری گردن پر

نہ سنبھلا دامنِ عصمت ہی اپنا تجھسے نادان
زلیخا خاک بس چلتا ترا یوسف کے داماں پر

حلقہ گیسو کا ہے اب گھیرے ہوئے ہر سو ہمیں
جسطرف دیکھیں نظر آتا ہے تو ہی تو ہمیں

درد دل تیرا بُرا ہو دیکھ بزم یار سے
کیوں اُٹھاتا ہے بھلا بیٹھے بٹھائے تو ہمیں

حمید — خواجہ حمید جان عرف پیارے نواب صاحب رئیس گیا حکیم سیّد عابد علی کوثر

خیر آبادی کے تلامذہ میں ایک خوش گو شاعر ہیں۔ مذاق ستھرا اور زبان صاف ہے شعر اچھا کہتے ہیں نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

بلائیں جسقدر تھیں آسمان پر
میرے نالوں نے برپا کی قیامت
وہ روٹھ کر چلے بھی گئے ہیں تو کیا ہوا
لاکھوں شکار تھے مگر اعدا کے نصیب
جھگڑا مٹا رقیب موا جانے دیجئے
لیکے دل بھول گئے ہمکو یہ حال انکا ہے
آخر اس ہجو دئی غم سے کہیں کے نہ رہے

وہ سب نازل ہوئیں مجھ خستہ جاں پر
زمیں سے بھی زیادہ آسماں پر
حاصل ہمیشہ وصل ہے ہمکو خیال میں
میرا ہی دل پھنسا تری زلفوں کے جال میں
بیکار آپ بیٹھے ہیں رنج و ملال میں
ہمکو یہ خبط کہ ہر وقت خیال انکا ہے
اب نہ ہوش اپنا ہے ہمکو نہ خیال انکا ہے

حمید

حمید تخلص محمد اللہ نام قوم پٹھان متوطن قصبہ اورنگ آباد ضلع گیا پیشہ زمینداری و داروغہ پولیس فارسی کی لیاقت اچھی اور جناب حکیم عابد علی کوثر کے شاگرد تھے۔ کئی برس ہوئے کہ آپنے انتقال کیا۔ زیادہ حال باوجود تلاش نہ مل سکا۔ چند شعر گلدستہ فصاحت سے منتخب ہوکر درج ہوئے ✤

عبث عاشقوں کو امید وفا ہے
لئے تیغ ہاتھوں میں نکلا ہے قاتل
خلش نوک مژگاں کی جاتی نہیں ہے
کسیکا نہو فاش پردہ خدایا
بلا دیکھئے کسکے سر پر ہو نازل

ہوا ہے نہ ہوگا ستمگر کسیکا
لڑا چاہتا ہے مقدر کسیکا
رگ جاں میں چبھتا ہے نشتر کسیکا
نہو سامنا روز محشر کسیکا
حمید آج بدلا ہے تیور کسیکا

صفائی آئینہ کی سی ہے آب تیغ قاتل میں
شب ہجراں سکون و صبر و طاقت ہوگئے رخصت
کبھی رہتی ہے گو پھر بھی گلے سے لپٹی ہے

نئے جوہر نکالے ہیں نہا کر خون بسمل میں
رفیق و مونس و ہمدم خیال یار ہے دل میں
ادا و ناز معشوقانہ ہے شمشیر قاتل میں

دوش پہ کس کے نعش ہے بسمل ستم ایجاد کی ✤ بیٹھ جاؤ تم ہی کوئی مقتل سے اٹھیگا ✤

سر مقتل کسی کی تیغ عریاں آج کھنچی ہے
کہ جوڑا اس سے پہنونگی نہا کر خون بسمل میں

پسیجے دل بتوں کا رحم کھا کر موم ہو جائیں
اثر ہو لحن داؤدی کا یا رب نالۂ دل میں

ادھر آباد گھر میرا ادھر آباد گھر تیرا
تو میرے دلمیں ہے اور غیر بستا ہے ترے دلمیں

خزاں کے دن گئے گلشن میں گل پھولے بہار آئی
نوید جانفزا پہنچا صبا گوش عنادل میں

وہ آئے بھی تو غیر کے ساتھ آئے
بھلا ایسی حالت میں کیا بات ہوتی

شب وصل دل کی تمنا یہی تھی
ترے گیسوؤں سے بڑی رات ہوتی

غم ہجر میں جان پر بن گئی ہے
نہ اے کاش اس سے ملاقات ہوتی

حمید

حمید - سید باقر مرزا حمید برادرزادہ و شاگرد حضرت تعشق مرحوم لکھنوی - انکی زبان کی تعریف فضول ہے کیونکہ ان کا خاندان لکھنؤ میں باعتبار زبان مستند مانا جاتا ہے اور شاعری انکے خاندان میں موروثی ہے - یہ خود بھی اس فن میں اچھا دخل رکھتے ہیں - حالات اور کلام کے لیئے بارہا لکھا گیا - مگر کسر نفسی نے جواب کی اجازت ہی نہیں دی - جو کلام گلدستوں میں نظر سے گزرا اس کا انتخاب درج ذیل ہے +

شوق دیدار اسکو کہتے ہیں تصور نے مرے
ہر در و دیوار پر کھینچا ہے نقشہ یار کا

حشر کا روز ہے لے یار دکھا دے صورت
چاہیئے آج تو وعدہ کا وفا ہو جانا

نہیں ہے خوف ہمیں تیرگی مدفن کا
کہ دل کے داغ میں عالم ہے شمع روشن کا

عجب مزاج ہے کچھ میرے یار پُرفن کا
کہ اپنے دوست کا دشمن ہے دوست دشمن کا

کرو نہ جھاڑ کے برباد عاشقوں کی خاک
خیال چاہیئے وابستگان دامن کا

سوا ہو عمر خدا اُسکے نام کو رکھے
نشاں مٹا تو گئے آکے میرے مدفن کا

کریں تدبیر کچھ آیا ہے دل گیسوئے جاناں پر
عبث احباب روتے ہیں مرے حال پریشاں پر

طالب نہ ہوتے تم تو انھیں کون پوچھتا
کچھ اصل بھی جگر کی نہ تھا کچھ وقار دل

کیوں پھر رہے ہو بال پریشاں کیئے ہوئے
کیا چاہتے ہو اور بڑھے انتشار دل

تمہاری چال سے ہوتا ہے حشر عالم میں
کہ محو خواب اجل ہوشیار ہوتے ہیں

لحد ہے کون سے محبوب کے مکان کی راہ
پیادہ ہوتے ہیں وہ جو سوار ہوتے ہیں

ہوئے عشق سے تفریح کیوں نہ ہو دلکو
کہ جھونکے اسکے عجب خوشگوار ہوتے ہیں

جینے کی کچھ خوشی نہیں مرنے کا غم نہیں
مدت ہوئی کہ آپ میں ملے یار ہم نہیں

اے خفتگان خاک یہ کس وقت غم نہیں
تم سب کے سب ہو ایک جگہ اور ہم نہیں

بند وہ آنکھیں ہوئیں پر وہ نہ آجنکی وجہ سے
شرم کیوں کرتے ہو میری لاش پر آنے ہوئے

مرکے خواہش ہے اسے سفاک زخم تر کی
کہہ رہی ہے صاف حسرت دیدۂ نخچیر کی

مجکو ملے سفاک ایسا زخم کھانیکا ہے شوق
دل مرا ٹوٹے جو ٹوٹے نوک تیرے تیر کی

ہمارا صبر ذرا دیکھ جاں نثاری دیکھ
گلا ہے تیغ کے نیچے گلا نہیں کرتے

حمید

حمید ۔ حاجی حافظ مولوی عبدالحمید صاحب متخلص بہ حمید خلف سید محمد عثمان ڈرفٹمین دفتر چیف انجینیر اسیٹ انڈین ریلوے باشندۂ کلکتہ نساخ مرحوم کے تلامذہ میں آپ یگانہ ہیں کچھ دنوں الشیخ سے بھی مشورہ سخن کیا ہے ۔ زودگوئی میں اچھی مہارت حاصل ہے شعر اسقدر جلد لکھتے ہیں جیسے کوئی نثر لکھتا ہے ۔ کلام میں متانت اور پختگی ہے ۔ ملاحظہ ہو

دردسے چارۂ دردِ دلِ شیدا ہوگا
جوشش حرماں سبب ترک تمنا ہوگا

پاس میرے بھی کبھی آیئے گا؟
تابکے دور سے ترسایئے گا؟

ہوگیا ہے عشق دلکو اس بت طناز کا
یا الٰہی ہو بخیر انجام اس آغاز کا

ہجر میں آساں ہے مرنا گر کوئی اُمید ہو
تم سے رکھا بھی بجھائیگا سر مدفن چراغ

ممکن ہے ہوں وہ رونق کاشانہ خواب میں
لوں وام بخت خفتہ سے اک رات خواب کو

اُمید تیری دید کی پیر و جواں کو ہے
ارمان تیرے وصل کا ہے شیخ و شاب کو

واقف ہوں اسقدر کہ تری ذات ہے کریم
کچھ جانتا نہیں میں عذاب و ثواب کو

جسکی اُمید میں مئے و معشوق ہو حرام
دوزخ میں لیکے ڈال دو ایسے ثواب کو

ترکِ خیالِ یار کا دل کو خیال ہے	ایسا خیال ہے مگر امرِ محال ہے
گزرے برسوں لیکن اُس کا سوگ ہے تازہ ابھی	دیکھیے کب تک وفاتِ غیر کا ماتم رہے
ہم وہ قطرے ہیں کہ پہلے قلزم ذخار تھے	ہم وہ ذرے ہیں کہ پہلے نیّرِ اعظم رہے

حمید

حمید منشی عبدالحمید۔ حمید وعطار وولد منشی عبدالرشید آپ منشی محمد نوح متخلص بہ نوح کے چچازاد بھائی اور شاگرد ہیں۔ قصبہ نارہ پرگنہ کرٹا ضلع الہ آباد وغیرہ میں مکان ہے طبیعت بہت موزوں واقع ہوئی ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

اُڑا لائی ہے جو زلف دوتا کی	بَلائیں کیوں نہ لوں بادِ صبا کی
چُھپایا مُنہ جو عاشق سے مریجان	ادا کی۔ یا حیا کی۔ یا جفا کی
ہوئی وہ سُرخرو پامال ہوکر	عجب تقدیر ہے اُلٹی حنا کی
نہ تسکیں دی کسی نے ہجر کی شب	مگر کچھ شمع دل سوزی کیا کی
بتوں کی کیا نظر ہم سے پھری ہے	خدائی پھر گئی قدرت خدا کی
جو گزرے گی گزر جائیگی ہم پر	نہیں حسرت نہ ہجلائے جفا کی
خدا کے رُوبرو انصاف ہوگا	وفا کی کس نے اور کس نے جفا کی
کسی دن تجکو لے ڈوبے گی اے دل	محبت اُس بتِ نا آشنا کی
حسیں پھیلائیں اُسکے سامنے ہاتھ	زہے طالع زہے قسمت حنا کی

حمید

حمید منشی رمضان علی خاں لکھنوی اوائل مشق سخن میں چند غزلیں جناب تدبیر الدولہ اسیر مرحوم کو دکھائی تھیں۔ پھر جناب اُنس مرحوم سے تلمذ اختیار کیا۔ یہ اُنکے اشعار ہیں

روز ہم آن کے تُربت پہ کو رو جاتے ہیں	وہ کہانی میری سُنتے ہیں تو سو جاتے ہیں
عمل نیک ہے وہ تخم کہ پھلتا ہے سدا	اسی دانے کو جو دانا ہیں وہ بو جاتے ہیں
ہوکے ناراض بُرا مجکو کہو گالیاں دو	سب کہو پر نہ یہ تم منہ سے کہو جاتے ہیں
بے رُخی کی بھی کوئی حد ہے تمھیں منصف ہو	منتیں ہم تو کریں تم یہ کہو جاتے ہیں

رہا بستہ سدا کوئے بتاں میں	لگے گا خاک دل باغِ جناں میں
ہم اور ظلم کا اُسکے شکوہ کرینگے	وہ جو کچھ کرینگے سو اچھا کرینگے

حمید

حمید - قاضی حمید الدین پروفیسر باشندۂ علی پور نواحِ کلکتہ - نہ زیادہ حالات کا پتہ ملا نہ کچھ کلام ہی دستیاب ہوا صرف تین شعر ہاتھ لگے جو زیب تذکرہ کیئے جاتے ہیں -

غمزہ یہ کہہ رہا ہے کسیکی نگاہ سے	بچکر نجانے پائے کوئی جلوہ گاہ سے
آنکھوں میں ہے خمار پریشاں ہیں موئے سر	نکلا ہے کس ادا سے کوئی خوابگاہ سے
پیرِ مغاں کے وصف سُنائینگے بادہ خوار	کیا پوچھتے ہو زاہدِ گم کردہ راہ سے

حمید

حمید - عبد الحمید خان نام ملیح آباد کے رہنے والے - غزل نہیں کہتے مگر فارسی مثنویات کے اکثر تراجم اُردو اور پشتو زبان میں آپنے کیئے ہیں - فارسی اور پشتو کی مہارت خوب ہے مثنوی معنوی کا ترجمہ بھی مرتب کیا ہے مگر چھپا نہیں ہے - مثنوی بو علی قلندر کا ترجمہ چھپ گیا ہے اُسی کے چند شعر نمونۃً لکھے جاتے ہیں -

آفریں اے بلبل باغِ کہن	مجکو باور ہے سبھی تیرا سخن
اے مرے بلبل کرم کی کر نظر	اُس گلِ رعنا کی دے مجکو خبر
آفریں اے میرے قاصد آفریں	تجھسے پہنچا محبکو عالِ نازنیں
ہُدہُدِ فرخ نشاں صد آفریں	طوطیِ شیریں بیاں صد آفریں
دم میں تو ہفت آسماں کو طے کرے	مرکبِ حرص و ہوا کو پے کرے
دم بدم روشن کرے دل میں چراغ	عشق کا تو ہی لگائے دل میں باغ

رعنا

حنا - منشی عبد الکریم خان خلفِ سرور خان لکھنوی شاگرد میر وزیر صبا و اجد علیشاہ کے زمانے میں تھے سُنا ہے کہ دیوان بھی مرتب ہو گیا تھا - بہر حال یہ کلام ہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ؎

یہاں تلک وعدۂ فردا ہیں فردا ٹھیرا	حشر پر وصل بُتِ حور لقا کا ٹھیرا

لیگئی کھینچ کے وحشت مجھے اُس وادی میں
آدمی کیا نہ جہاں خوف سے سایہ ٹھیرا

اللہ رے صعوبتِ طولِ شبِ فراق
کھچتا رہا رگوں سے مری دم تمام شب

سیر کیجے تو ذرا خانۂ دل کی میرے
کیا عجب ہے تمھیں آجائے یہ تعمیر پسند

جب سے اُس یوسف لقا کو دل دیا ہے اخنا
سورۂ یوسف زباں پر ہے زلیخا ہاتھ میں

ہو کبھی دشمن کو بھی یارب نہ دشمن سے نصیب
رنج جو پہنچے ہیں مجکو دلربا کے ہاتھ سے

حنیف - صاحبزادہ محمد حنیف خاں خلف ارشد صاحبزادہ محمد محمود خاں صاحب بہادر جنگ عزیزوائی ٹونک تلمیذ حضرت مضطر- ان کے والد ناظم سائرات ریاست ہیں اور یہ خود بھی حاکم عدالتِ دیوانی ہیں ۳۵-۳۶ برس کی عمر ہے - خوش وضع زندہ دل شخص ہیں - نمونۂ کلام یہ ہے -

بلبل کے جذب عشق نے کچھ تو اثر کیا
صیاد نے قفس پہ چڑھائے چمن کے پھول

بیٹھے ہیں بزم یار میں اغیار اے حنیف
قدرت خدا کی خار بنے ہیں چمن کے پھول

عجب کیا ہے وفا کا نام ہی اٹھ جائے دنیا سے
اگر دو چار بھی ایسے ہوں جیسے بیوفا تم ہو

حقیقت میں تمھیں سے لذتیں ہیں عشق کی ورنہ
محبت میں ادھر کیا ہے محبت کا مزا تم ہو

وفائے وعدۂ دیدار کا وہ کون موقع ہے
قیامت میں تو لاکھوں ہونگے صورت دیکھنے والے

حیا - طوطی شکرستان خوش مقالی - بلبل بستانِ نازکخیالی - فروغ دودۂ شاہی جہانبانی ضیائے خانوادۂ گورگانی - صاحب عالم وعالمیان میرزا رحیم الدین حیا دہلوی مرحوم و مغفور - دلی کا قلعۂ معلی جہاں اردو نے جنم لیا تھا وہیں آپ ۱۲۱۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے میرزا کریم الدین رسا نبیرۂ شاہ عالم ثانی آپکے والد ماجد تھے - جو خود بھی ایک نہایت کہنہ مشق اور خوش گو شاعر گزرے ہیں - چنانچہ آپ کو بھی اوائل عمری سے شعر وسخن کا ذوق پیدا ہوا اور حضرت شاہ نصیر رحمت اللہ علیہ کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہوگئے -

خاندان تیموریہ میں آپ بہت اچھا کہنے والے شاعر نہیں تھے - طبیعت کی شوخی اور مضمون

آفرینی کے ساتھ زود گوئی اور فکر رسا بھی رکھتے تھے۔ اسکے علاوہ نہایت نیک طینت خلیق اور بامروّت انسان تھے۔ کلام میں عالم ضعیفی تک جوانی کا سا زور طبع دکھاتے رہے۔ انکے جوش میں دریا کی سی روانی تھی۔ اور کسی وقت فکر سخن سے خالی نہ رہتے تھے۔ بلند پروازی کے علاوہ کلام میں ایک خاص بات قابل ذکر تھی کہ شعر میں قافیے اور ردیف کی چپیدگی کے ساتھ اکثر ردیف کا کوئی نہ کوئی ایسا نیا پہلو چمکاتے تھے جس سے سامعین داد دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ طبیعت کچھ ایسی جدت خیز اور معانی آفرین پائی تھی کہ جس میں شوخی اور سادگی دونو متضاد صفتیں جمع ہو گئی تھیں۔ شطرنج بمثل کھیلتے تھے ولایت سے جسقدر مشکل نقشے آئے آپنے انکو حل کیا۔ اس فن میں حکیم شرافت علیخاں سے آپ مستفیض ہوئے تھے۔ ستار نوازی میں بھی کمال حاصل تھا۔ غدر سے کچھ پیشتر بنارس کا سفر کیا۔ راستے میں کچھ روز نواب یوسف علیخان والئ رامپور کے ہاں بھی مہمان رہے اور نواب نے بڑے تکلف سے میزبانی کی۔ پہلا دیوان جسپر میرزا غالب اور صہبائی مغفور نے تقریظیں لکھی ہیں غدر سے پہلے دلّی میں چھپا تھا۔ جو راقم السّطور کے کتبخانے میں موجود ہے۔ غدر کے بعد جب قلعہ کا نقشہ ہی بگڑ گیا تو صاحب عالم مستقل طور سے رامپور چلے گئے۔ نواب کلب علیخاں نے بھی بڑی نوازش کا برتاؤ کیا اور اپنا مصاحب خاص بنا لیا آپ مدۃ العمر وہیں رہے۔ چنانچہ دوسرا دیوان نواب محمود علیخاں نے مرتب کرایا۔ اب دو دیوان اور ایک واسوخت آپکی یادگار سے موجود ہیں۔ نواب کلب علیخاں کی وفات کے آٹھ یوم بعد ۱۳۰۴ھ میں ۹۴ سال کی عمر پاکر اس جہان فانی سے رحلت کی۔ میرزا اے مرحوم کثیر العیال تھے۔ میرزا نصیر الدین ضیاء اور میرزا ولی الدین فدا وغیرہ ۵ و ۶ صاحبزادے ابتک حیات ہیں جن میں سے اکثر کو اب بھی سرکار رامپور سے وظیفہ ملتا ہے۔ آپکے خاندان میں شعر گوئی اور شطرنج بازی کا شوق ابتک جاری ہے اور خوب ہے۔ سنا ہے کہ میرزا حیا کا ایک تیسرا دیوان راجپوتانے کے سفر میں تلف ہو گیا تھا۔ اور آخر عمر میں انھوں نے

جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ایک دیوان سے کم نہیں ہے۔ مگر اُسکے چھپنے کی اب کوئی ظاہرا امید نہیں ہے۔ راقم تذکرہ نے بے انتہا کوشش اور تلاش کے بعد دیوانِ دوم کی کچھ غزلیں دستیاب کیں۔ چنانچہ دونوں دیوانوں کا انتخاب ضیافتِ طبع شائقین نکتہ سنج کے لیے درج ذیل کیا جاتا ہے:۔ (از دیوان اوّل مطبوعہ ۱۲۷۰ھ)

خالق نے اپنا جلوۂ قدرت دکھا دیا
سینہ سے داغِ عشق مجازی مٹا دیا

اللہ رے دستگیری مُہ پیدا کیے کی شرم
بخشا اُسی کو جسنے سر اپنا جھکا دیا

نہ پوچھو ہمدمو کٹنا شبِ تاریک ہجراں کا
دمِ شمشیر تھا گردن پہ ہر دم خم گریباں کا

جنوں یہ کشمکش ہمسے عبث ہے تجکو زنداں میں
چھڑا دے قید سے ہمکو تو سنہ لیں بیاباں کا

عدو کیا جانے کیا ہے کہتے ہیں اسکو اور وہ کیا ہے
ہمارے دل سے پوچھو لطف کا وشہائے پنہاں کا

دیکھنے پائے نہ دل بھر کے قیامت میں اُسے
روزِ محشر وصل کی شب کے برابر ہوگیا

التجائے غیر بھی کی ظلم بھی اُسکے سہے
اُس پہ کہتے ہیں کہ تو کہنے سے باہر ہوگیا

کون کہتا ہے کہ لیلیٰ سے محبت تھی اُسے
قیس دیوانہ مرا افسانہ سُن کر ہوگیا

اب نہیں کوئیکے الفت جانے وے انساں ہیں
اے فلک یہ جُرم ہمسے ہوگیا گر گیا

اک نہ اک دن جان جانی آخرش یونہی حیا
مرگئے اُس پہ تو اُسکے دل ہی میں گھر ہوگیا

بن ترے کل قتل کا گلشن میں سامان ہوگیا
شاخِ گل ناوک بنی ہر غنچہ پیکان ہوگیا

دل میں نشو نتو مرتبہ ہوتا ہے ٹکڑے چارہ گر
کیا بلا چاک جگر چاک گریبان ہوگیا

جی کو تسکیں دیں جگر پہ ہاتھ رکھیں کیا کریں
دل کے ہاتھوں غم پہ غم ارماں پہ ارماں ہوگیا

مِل گیا تو غیر سے یاں دلکی حسرت مٹ گئی
اب ترا ملنا نہ ملنا ہمکو یکساں ہوگیا

سایہ در و دیوار کا دشمن ہے ہمارا
اُس پر بھی گلی میں تری مسکن ہے ہمارا

رلا کے خاک میں کہتے ہیں مجکو۔ تھا یہ کون؟
جو رہگذر میں مرے آ کے پائمال ہوا

عدو کے ہاتھ سے پینے لگے وہ مے اب تو
حرام موت بھی مرنا ہمیں حلال ہوا

دم موت ہجر میں آئی نہ مجکو خواب آیا
یہ کس عذاب میں ہوں میں یہ کیا عذاب آیا

پس از فنا مرے لاشہ کو پائمال کیا
یہ دل میں کیا ترے اے خانمان خراب آیا

تصویر رات بھر تری دل پر دھری رہی
سینہ پہ بھی لٹانے کا ارمان نکل گیا

یاں پیک فضا کا ہے تقاضا مرے سر پر
قاصد ابھی واں سے نظر آتا نہیں آتا

نہیں ہیں قابل لطف و کرم تو لے ظالم
ستم بھی مجھپہ نکر رحم گر نہیں آتا

مریض درد محبت کا دل نہ توڑ اپنے
نہیں تو منہ سے نہ کر تو اگر نہیں آتا

سچ ہے پر جلانا مرا نہیں منظور
مرے جنازے پہ وہ جان کر نہیں آتا

بوسۂ لب بھی لیا جان بھر اُسپہ بچی
آبحیواں کے بھی پینے سے ہیں زندہ رہا

حاصل دل بیتاب تڑپنے سے نہیں کچھ
معشوق کے آنے پہ اجارا نہیں ہوتا

کیوں ہو تماشا ہے مری لاش پہ عالم
کہدو کوئی مرتا ہے تماشا نہیں ہوتا

لاش عدو کے کل اٹھیں ہمراہ دیکھکر
کیا کیا نہ ہمکو مرنے کا ارمان آ گیا

کھلی نہ آنکھ ترے کشتۂ تغافل کی
ہزار شور قیامت اُسے پکار آیا

بھری ہیں آن کے سینہ میں حسرتیں ایسی
کہ اب ٹھکانا نہیں دم کے بھی سمانے کا

قرار آہی گیا غم میں دل سنبھل ہی گیا
گئے وہ دن کہ جو تھا فکر جان جانے کا

خدا ہی ہے کہ رہے توبہ کعبے جانے تک
قدم قدم ہے تصور شرابخانے کا

سزا یہی تھی کہ چھڑکا بتوں نے اور نمک
مزا یہی تھا مرے زخم دل دکھانے کا

وہ بات ہی نہ رہی ذکر غیر آتے ہی
وہ وقت ہی نہ رہا الفت آزمانے کا

یہانتک میں دل کے ہاتھ سے مجبور ہو گیا
جو جس نے کہدیا مجھے منظور ہو گیا

ہاتھوں سے تیرے کاوش مژگان رخنہ گر
جس جس جگہ پہ داغ تھا ناسور ہو گیا

آہ جاتی ہے مگر عقدۂ وابستہ دل
جز صبا کس پہ کھلے رنج و محن غنچہ کا

حکم گویائی نہیں اسکو نسیم سحری
ورنہ لبریز شکایت ہے دہن غنچہ کا

جو اب نامہ فرشتوں سے گور میں مانگا
پس از فنا بھی مرا دھیان نامہ بر میں رہا

بدلہ عدو سے لوں ستم بے شمار کا
گر آسماں بنے مرے مشتِ غبار کا

بُت پرستی میں میسّر ہے خدا کا دیدار
کچھ نہیں ہے مرے نزدیک مسلماں ہونا

ناصحا عشق نہوتا تب مجھے سودا ہوتا
ہر طرح گھر سے نکلنا مری تقدیر میں تھا

لاغری سے اب تو یہ عالم ہے جسمِ زار کا
اپنے سایہ میں چھپا لے مجکو سایہ خار کا

جرمِ بیچارا و رہی ہیں اک گنہ یہ بھی سہی
میری ہی گردن پہ ہو ای کاش خونِ اغیار کا

چین کا ہیکو پڑ ہیگا بعد مردن گور میں
یاد آئیگا ترے پنا دن میں سوسو بار کا

ہوئی لبوں کو یہ جنبش کہ بس عتاب ہوا
تمھارا نام نہ لینا ہوا عذاب ہوا

وہ پوچھتے ہیں کہ ہوتی ہے آشنائی کیا؟
بتا! وفا کسے کہتے ہیں یہ بیوفائی کیا؟

چراغِ تربتِ مجنوں پہ آج روشن ہے
جنوں! بتا تو کسی کی مراد آئی کیا؟

کہیے سُننے سے مِلا اے حیا وہ آئینہ رو
ہوئی صفائی نہ دل سے تو پھر صفائی کیا؟

الاماں کی در و دیوار سے آتی ہے صدا
کس نے زخمِ جگرِ عاشقِ بیدل کھولا

ہوسِ عشق نہ تھی دلمیں تو کیوں لیلیٰ نے
قیس کے دیکھنے کو پردۂ محمل کھولا

عجب نہیں ہے جو وقت مردن ہماری موت آسے حور بنکر
کہ ہم بھی رکھتے ہیں عشق در پردہ دلمیں اِک شوخ نازنیں کا

خدا کی اسوقت ہو محبت نہیں ہے یہ مقتضائے اُلفت
کہ اپنی آنکھوں میں وقتِ رحلت جمال پھرتا ہو اک حسیں کا

جب تک مریضِ غم کی تری زندگی رہی
خونِ جگر کا چشم سے ٹپکا لگا رہا

سفرِ ملکِ عدم راس تو اے دل آیا
کہ وہ پہنچا نے مجھے اوّلِ منزل آیا

ابتدائے صدمۂ فرقت میں یعنی تھی خبر
بنگئی جب جان پر اب پوچھتے ہو کیا ہوا

پھانس سا دل میں کھٹکتا ہی ہر اک تارِ نفس
سانس بھی سینے میں تجھ بن نوکِ سوزن ہو گیا

سوزِ دل ہی کام آیا کنجِ تنہائی میں رات
نالۂ سوزاں ہمارا شمع روشن بنگیا

کیا خدا لگتی ہے کیے کوئی کہ ہے انصاف شرط
یک نگاہِ ناز و صد عالم برہمن بنگیا

کرکے توبہ تو ابھی اسلام لایا تھا دلا
اور ابھی کیا اسمیں دیکھا جو برہمن بنگیا

طائرِ فکرِ سخن کی نغمہ سنجی کو حیا
مصرعۂ موزوں مرا شاخِ نشیمن بنگیا

رہ چکی اب شبِ غم جان کہ اس ظالم نے
وعدۂ وصل قیامت کی سحر پر رکھا

دلِ بیتاب سے تجھ بن نہ دیا چین مجھے
رات بھر شورِ قیامت مرے سر پر رکھا

اور بھی ڈھنگ نکالا کوئی ملنے کا حیا
یا فقط جذبۂ الفت کے اثر پر رکھا

ہم بھی دیکھیں گے کہ آنا ترا کیونکر نہ ہوا
یہ بھی اک کھیل ہوا فتنۂ محشر نہ ہوا

خدا کے نام پہ کیا کیا اسے گماں ہوتا
قیامت آتی دمِ نزع گر وہ یہاں ہوتا

زاہدا! تجکو مبارک ہو طوافِ کعبہ
پھرنا کافی ہے ہمیں پیش و پسِ جامِ شراب

مر مر کے ہمنے رشکِ مسیحا کیا انھیں
ہم سے رکھیں دماغ سرِ آسمان آپ

کبھی مجکو بھی یارب چین ہوگا
یہ جائیگی مری سبے تابیاں کب

پسِ وصال میسر مجھے وصال ہوا
مرے جنازے پہ بیٹھے رہے وہ ساری رات

جگر کو تھام کے دلکو دیا جو صبر تو کیا
تڑپ تڑپ کے گزاری تو کیا گزاری رات

وہ ناتواں ہوں کہ آیا نظر نہ موت کو میں
قضا پھری مرے بستر کے گرد ساری رات

سچ بتا کیا تجھے آیا غمِ دلدار پسند
جانِ ناشاد خوش آئی کہ دلِ زار پسند

کھلیگی حشر کو بلبل کی جب زبان صیاد
تو اپنی جان چھپائیگا تو کہاں صیاد

اسیرِ دامِ محبت ہے سو بلا میں اسیر
قفس سے کم نہیں بلبل کو آشیاں صیاد

کیا اعتبار دین کا عاشق کے زاہدا
یاد آئے ہے خدا بھی تو کافر کو دیکھکر

نظارہ ہمیں کرنے دے دم بھر ترا خنجر
آنکھوں پہ نہ رکھ ہاتھ ستمگر ترا خنجر

رسوا نہ کیا خون میں بھر کر تجھے قاتل
تڑپا نہ مرا لاشۂ بے سر ترا خنجر

انتقامِ ظلم کا محشر کو دعویٰ ہے مگر
چپکے ہی رہ جائینگے صورت تمھاری دیکھکر

وائے حال اُسکا کہ جسکو مدتیں یونہی ہوئیں
تم ابھی گھبرائے دل کی بیقراری دیکھکر

پاسِ ناموسِ محبت ہو تو غیرت کی ہے جا
اور کو چاہے ترا چاہنے والا ہوکر

ترے نزدیک اے زاہد بتانِ ہند کافر ہیں
مرے آگے خدا کا سجدہ ہو تو لٹکے دامن

الفت کا امتحاں ہے اگر انتظار پر
سو جاں نثار وعدۂ دیدارِ یار پر

آئی تھی دل میں آئے تو جائے نہ مدت تجھے
یہ بھی پہنچ گئی خبر اُس بیخبر کے پاس

اب بجز یاس نہیں کوئی دلِ زار کے پاس
آنا باقی ہے قضا کا ترے بیمار کے پاس

کس گھڑی سے تجھے چاہا تھا ستمگر میں نے
کہ کبھی چین نہ آیا دلِ غمخوار کے پاس

کوئی اتنا نہیں کہنے کو اُلفت کسکو کہتے ہیں
یہ ہجر چاہے محبت کا ترے بیمارِ ہجر تک

کہو کہ الفت نبھے یہ کیونکر کہ ضد ہے دونوں طرف برابر
وہاں قرارِ وصال آخر یہاں قرارِ وصال اوّل

ملے جو ٹھوکر سے خاک میں ہم تو اُس کا باعث ہوا یہ عالم
وگرنہ کب دیکھتے تھے ہر دم تم اپنی مڑ مڑ کے چال اوّل

اِک گفتۂ رقیب اور اک آپ کی سمجھ
دشمن سے جاکے شکوہ تمھارا کریں گے ہم

قتل کر جلد کہ پُر حسرت و ارماں ہوں میں
اے مری جان کے خواہاں ترا خواہاں ہوں میں

ہائے کیا محوِ جمالِ رخِ جاناں ہوں میں
آپ بھی آئینہ ہوں آپ ہی حیراں ہوں میں

ناز اٹھائے نہ ترے کیا جو یہ تو کہتا ہے
چاہنے والوں کے مُنہ اور ہوا کرتے ہیں

خوش اپنی آہِ سرد سے کیا کیا نہیں ہوں میں
دوزخ ملا تو اُس میں بھی جلتا نہیں ہوں میں

نفس کی آمد و شد سے کشاکش تھی دل و جاں میں
قیامت تھی مرے سر پر شبِ تاریکِ ہجراں میں

میں نہ واں جاؤں نہ وہ یاں آئیں میں یاں ہوں تو وہ واں
شوق دونوں کو ملاقات مقدر میں نہیں

تم جو کہتے ہو کہ غیر آپکو کیا کہتے ہیں؟
اپنی عادت سے ہیں لاچار بجا کہتے ہیں

قتل ہونے کو سمجھتے ہیں حیات جاوید
ہم پئیں خون جگر خنجر پئے ساغر مے
کن کے پالے مجھے ڈالا ہے خدایا تو نے
پھر کہو گے کہ مرا دھیان نہیں اور طرف
اے جذب عشق جان میں تجھ پر فدا کروں
جستجو ہے مجھے اسکی جسے پا بھی نسکوں
آدمی ہوں نہیں پتھر کا کلیجہ میرا
زندہ ہوں مردہ سے بدتر کہ بجز دوش صبا
دی ہے کس بت کی محبت یہ خدایا تو نے
حلقہ ہائے خم زنجیر محبت تیرے
ہمکو تو صبر جبھی آئیگا اے جذبۂ دل
ہر شب عیش نہیں چارۂ درد ہجران
وعدۂ وصل کرے کیوں وہ ستمگر کہ اسے
دل مرا الفت میں سرتا پا تمنا بن گیا
جو جفائیں غیر پر کرنی انھیں منظور تھیں
چارہ گر نے جو مرے سینہ سے کھینچا پیکان
ہنگامہ نہ کیوں ہو تری رفتار سے برپا
مرنے کی جو ٹھانونگا تو میں اسپہ مرونگا
بادہ نوشوں کو نہ رلوا میکدے کو توڑ کر
ہزار توبہ کروں اس کا کیا علاج کروں
روز محشر کی درازی اسقدر تھی مختصر

آب شمشیر کو ہم آب بقا کہتے ہیں
اسے کیا کہتے ہیں ظالم اسے کیا کہتے ہیں
گھولکر زہر پلاتے ہیں دوا کہتے ہیں
آپ کیا سنتے ہیں ہم آپسے کیا کہتے ہیں
گر انکے دلمیں آئے کہ وعدہ وفا کروں
وہ تمنا ہے کہ جو دل سے مٹا بھی نسکوں
اسقدر تو نہ ستم کر کہ اٹھا بھی نسکوں
ہیں در یار تلک آپ سے جا بھی نسکوں
وہ مجھے دل سے بھلا دے میں بھلا بھی نسکوں
پاؤں پڑ کر ہمیں لائے ہیں تو ہم آئے ہیں
وہ کہیں آئیں ہم اور ہم کہیں منظور نہیں
جز وصال اور علاج دل رنجور نہیں
دل کسی طرح سے رکھنا مرا منظور نہیں
رنجشیں غم کی بھریں جتنی سب ارماں ہوگئیں
وہ بھی قسمت سے ہمیں پر روز ہجراں ہوگئیں
لخت دل ساتھ نکل آئے لپٹ کر لاکھوں
محشر جو خدا کو یونہی منظور نظر ہو
اے موت تجھے کیا نہ تو آتا مرے سر پہ
کوئی دن رہنے دے زاہد کعبہ کی بنیاد کو
جھکاؤں سجدے میں سر دل خم شراب میں ہے
دیکھنے پائے نظر بھر کر نہ ہم دلدار کو

تم سے بیتاب تمنا حشر میں گر جائینگے
ایک کی سُننے نہ دینگے داور دادار کو

تم ملائے اُس سے مجھے خدا ہی آپکا تو کلام تھا
وہی اب ہیں آپ ہی حیا متقین ہو کہ نہ یاد ہو

یاں نالے میں اثر ہے تو ہونیکا کچھ نہیں
واں اُنکے دلمیں غیر کی اُلفت ہوئی تو ہو

رہنے بھی دو یونہی مرے حالِ خراب کو
جینے دو کوئی دن کسی حسرت مآب کو

جیتا نہ پائے گر تو مجھے آکے نامہ بر
پڑھیو بجائے فاتحہ خط کے جواب کو

لبوں تک آئے ہیں نالے وہ آ نہیں سکتے
اُنھیں کو راز کا پردہ نہو تو کیوں کر ہو

کہاں وہ شوخ ستمگر کہاں مرا پہلو
سمجھ سے بات ہے باہر یہ ہو تو کیونکر ہو

تمھارے وعدے سے تسکین ہے گو وہ جھوٹے سہی
اگر نہ اتنا بھی تم دل رکھو تو کیونکر ہو

محبت اسکو کہتے ہیں تری خاطر سے اے ظالم
اُٹھا لیتے ہیں ہم احسان سمجھکر ظلمِ دشمن کو

بتوں سے اب رہ و رسم پیام کیونکر ہو
خدا جو کام بگاڑے وہ کام کیونکر ہو

زمیں سے اُگتا وہاں لالہ زار کیوں نہ رہے
جہاں گڑیں ترے کشتے بہار کیوں نہ رہے

رہے جو پاس تو چشم اشکبار کیوں نہ رہے
بنے جو دلپہ تو جاں بیقرار کیوں نہ رہے

جفا سہی تھی تو دشمن سے کیوں بنے دشمن
وہ چاہتے تھے تو تم دوستدار کیوں نہ رہے

مل گئے گر خاک میں تو کیا ہوا
بے نشانوں کی نشانی اور ہے

ستم یہ ہے کہ وہ ہم پر تمام ہوتے ہیں
ستم جو چاہئیں دشمن کے امتحان کیلئے

آئینہ دیکھتے ہو تم مجھے ڈر رہتا ہے
اسکے پرتو سے کہیں رنگ نہ میلا ہوجائے

دامن اُس شوخ ستمگر کا نہ چھوڑونگا میں
آج جو ہو مری تقدیر کا ہونا ہوجائے

اے صبا خاک ہماری بھی وہانتک پہنچا
بے ٹھکانے ہیں ہمارا بھی ٹھکانا ہوجائے

دل ترا غیر پہ اے کاش کہ شیدا ہوجائے
میرا سا حال ہو میری سی تمنا ہوجائے

عشق وہ شے ہے کہ تاثیر اُسے ہووے ہووے
ہوں میں ناپید تو اُلفت مری پیدا ہوجائے

جا چکے جان شبِ غم میں کہیں جائے عذاب
کام تیرا دلِ ناکامِ تمنا ہوجائے

دل جگر سینے میں بے آگ جلے جاتے ہیں ۔ پھونکے دیتی ہے مری آہ شرربار مجھے

شوقِ نظارہ دمِ نزع بھی ہے یار مجھے ۔ مرنے دیتی ہی نہیں حسرتِ دیدار مجھے

خاک ہوکر ترے کوچہ میں اُڑا پھرتا ہوں ۔ اب بھی پھرتی ہے لیئے حسرتِ دیدار مجھے

گر یہی دلکی طپش ہے تو خدا خیر کرے ۔ رات کٹتی نظر آتی نہیں زنہار مجھے

نازبردارِ محبت کا نہ دل توڑنا تھا ۔ ترک کرنا تھا جفا کو نہ کہ اے یار مجھے

کھوٹے داموں کوئی لیوے تو میں دوں تجکو ۔ کہ بہت تُو نے ستایا ہے دلِ زار مجھے

پُوچھے گر حال مرا داورِ محشر سو بار ۔ تو بھی شکوہ نہ ترا مجھسے ستمگر ہووے

دشمنِ جان تو اپنے تھے نہ بیگانے تھے ۔ دلِ بیتاب کو ٹکڑے مرے اُڑوانے تھے

دستِ گل خوردہ خدا کو ہمیں دکھلانے تھے ۔ ہاتھ خالی بھی تو دنیا سے نہ لیجانے تھے

ہائے اُسکی درو دیوار سے باتیں کرنی ۔ ہمنوا اپنے دلِ بیتاب کے دیوانے تھے

شعلۂ آتش فشاں ہے برق ہی سیماب ہے ۔ دیکھو تم لیلو کہ یہ بھی چیز اک نایاب ہے

آئینہ دشمن کو دکھلاؤ کہ ہو غیرت سے غرق ۔ تم نہ دیکھو اسکو اس میں قلزم آب ہے

آ دیدۂ تر سر سے گزرنے کو ہے پانی ۔ میرا ہی ڈبونا تجھے منظورِ نظر ہے

پہنچانے چلے وہ تو ہوا ساتھ زمانہ ۔ ہنگامۂ محشر مرے ہنگامِ سفر ہے

گو آپ یہ کہویں کہ نہیں کچھ مجھے منظور ۔ وہ میری نظر میں ہے جو منظورِ نظر ہے

قرارِ وصل پہ منہ سے نہیں تو کی تو نے ۔ ہزار شکر کہ لائق تری نہیں کے ہوئے

دم تو لیا جو ملکِ عدم کو پہنچ گئے ۔ چکر سے تیرے گردشِ دوراں نکل گئے

ہنستے ہوئے ہستی کے چمن سے نکل گئے ۔ اچھا ہوا ہم رنج و محن سے نکل آئے

وحشت اسے کہتے ہیں پس از مرگ بھی ہیں ۔ تار اپنے گریبانِ کفن سے نکل آئے

سختِ جگرِ اشک کی سنکر مرے تعریف ۔ معدن سے گہر لعل یمن سے نکل آئے

دیکھا نہ گیا چشمِ عدو پر ترا دامن ۔ مُنہ ڈھانک کے ہم اپنا کفن سے نکل آئے

آتے ہی آتے موت کے یہاں عمر ہوچکی
جو ہے سو میری جان کو غفلت شعار ہے

دل میرا دیکھنا کہ ترے رنج کے لیئے
مرنا رقیب کا بھی مجھے ناگوار ہے

پہنچا دیا مزار کو حسرت نے دید کی
آنکھوں کی راہ جانِ پُرارمان نکل گئی

انساں کو لاکھ طرح کا ہو عیش ای حیا
پر دیکھئے تو شاکیِ تقدیر دیکھیے

یہاں رنجِ ہجر تھا تو لحد میں ہے خوفِ حشر
ہم تو کسی طرح سے نہ چھوٹے عذاب سے

دیا فراق سدا وصلِ یار کے بدلے
لیئے فلک نے یہ کس روزگار کے بدلے

مرجائینگے پر عشق سے ہم اصلا نہ کرینگے
جیتے ہیں تو دل کا کبھی کہنا نہ کرینگے

لب تر کیا نہ آبلۂ پا سے نے خار کا
شرمندگی ہوئی مجھے صحرا کے سامنے

کافر ہوں گرچہ دل میں ہو جینے کی آرزو
ہم کیا کرینگے جا کے مسیحا کے سامنے

نگہ غور سے گر سینے میں دیکھے دل کو
کبھی لیلی کے نہ مجنوں پسِ محمل آئے

ناتوانی کے سبب بیٹھنے اُٹھنے ہر بار
ہم ترے کوچہ میں ای یار بمشکل آئے

مژدہ اے ولولۂ جوشِ جنوں آئی مراد
کہ وہ میرے لیئے خود لیکے سلاسل آئے

شعلہ رو گھر سے نکلتے نہیں از خود انکو
ہوسِ گرمیِ بازار لیئے پھرتی ہے

پڑے اِس میں جو منتِ خاکِ عاشق
تو دریا بوند بھر پانی کو ترسے

دیا آگے رقیبوں کے خط اُسکو
خدا سمجھے ہمارے نامہ بر سے

موت ہی چارہ سازِ فرقت ہے
رنج مرنے کا مجکو راحت ہے

ہدفِ تیر لوحِ تربت ہے
بعد مُردن بھی یہ عداوت ہے

ہو چکا وصل وقتِ رخصت ہے
لے اجل جلد آ کہ فرصت ہے

روز کی داد کون دیوے گا
ظلم کرنا تمھاری عادت ہے

کارواں عمر کا ہے رخت بدوش
ہر نفس بانگِ کوسِ رحلت ہے

سانس اک پھانس سی کھٹکتی ہے
دم نکلتا نہیں مصیبت ہے

تم بھی اپنے حیا کو دیکھ آؤ
آج اسکی کچھ اور حالت ہے

ہزار جان سے صدقے ہزار دل سے فدا
ہم اپنے شوخ بت شرگیں کے اوپر سے

یارب وہ دن دکھا کہ منت بلائیں وہ
اور ہم کہیں کہ شوخِ سمن بر پھر آئیں گے

عیسیٰ نے پہلے کشتے ترے کون سے جلائے
ناحق اب آسماں سے اتر کر پھر آئینگے

جا نید سے جاتے ہیں جو گھر اپنے وہ جذبِ دل
تاثیر تجھ میں ہے تو پلٹ کر پھر آئینگے

یونہیں مٹانا ہی خوب شر کا وگرنہ دیکھے گا وان زمانہ
چلیگی جو کچھ کہ روزِ محشر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

حیا کہو اتنا بن چین سے تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش
کہ دوستی ابتلک بھی بے ثمر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

تجھے غرض ہٹ پہ کرنیسے کیا مگر یہ مطلب اس بہانے
اُٹھانے آیا ہے ناصحا تو بھی رسمِ اُلفت کے ڈھنگ ہم سے

مصیبتیں بھی سہی ہیں سب نے ہوئی ہے الفت میں سبکو حسرت
آئی ہیں کس غضب اب میں کہ فرصت اکدم نہیں ہے غم سے

حیا کی جان و جگر پہ کسنے نہ ظلم توڑا تری گلی میں
کسی سے بولا نہ مرتے مرتے وہ تھا ہی کچھ خوب اپنے دم سے

چشمِ حسرت سے عدو کیا سر بسر دیکھا کیے
دیر تک زخم جگر کو چارہ گر دیکھا کیے

اک سہارا وعدۂ امروز و فردا کا رہا
ہم تو یوں ہی جذبۂ دل کا اثر دیکھا کیے

غیروں پہ لطف کر کے نہ ہر دم دکھا مجھے
کھوتا ہے اپنے ہاتھ سے کیوں دلربا مجھے

دیتا ہے امتحان محبت مزا مجھے
جی چاہے جب تلک ترا تو آزما مجھے

شوقِ وصالِ یار نہ ہر دم دلا مجھے
جینے دے کوئی دن فلکِ فتنہ زا مجھے

میں جانتا تھا یہ کہ مرے ساتھ ہی یہ وضع
حالِ رقیب دیکھ کے صبر آگیا مجھے

لوٹا کروں میں بسترِ ہجراں پہ تا بکے
اے چرخ اس سے خاک ہی میں تو ملا مجھے

دلِ حیرت زدہ جھپکائے ہمارا کیا آنکھ
چشمِ آئینہ میں خواب آئے یہ کیا ممکن ہے

آتے اسے دیکھا تو اک آفت نظر آئی
مرنے بھی نہ پائے کہ قیامت نظر آئی

وہ بت نمک افشاں جو ہوا سینہ پہ میرے
زخموں کی جراحت مجھے راحت نظر آئی

اس بت کی تہِ تیغ جو ہیں سر کو جھکایا
جنت مجھے ہنگامِ شہادت نظر آئی

رہتے ہو کہاں ہمکو تو بتلاؤ حیا تم — مدت میں ہے آج آپکی صورت نظر آئی

سنوائی ہمدموں نے تو یٰسین وقت نزع — اور ہم یہ دل میں سمجھے کہ خط کا جواب ہے

اے چرخ اور بھی تو ہیں عاشق جہان میں — یا کچھ ہمارے جی کا جلانا ثواب ہے

دکھلاتے پھرتے ہیں وہ زمانہ کو میری لاش — کیسا گلی گلی مرا مردہ خراب ہے

اب جان پر ملال کے لالے ہیں ای حیا — کہتے نہ تھے کہ دل کا لگانا عذاب ہے

قسم کھاتا ہوں ہیں تمکو محبت ہی رقیبوں سے — نگاہ شرمگیں رمز با کہہ دیتی ہی چاہت کی

ہنگام نزع دیتے ہیں تسکین عبث رفیق — اب وہ کب آئے کب مرے عقدہ کشا ہوئے

مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں وہ حسرت سے اپنی چال — اپنے خرام ناز پہ آپ بھی فدا ہوئے

الٹی چھری سے ایک تو کاٹا گلا مرا — تڑپا جو میں تو اور وہ الٹے خفا ہوئے

توبہ دھری رہے جو وہ آ بیٹھے اسے حیا — ہے کسکو اعتبار کہ تم پارسا ہوئے

حالت نہ کیوں ہو غیر دل بے قرار کی — آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تصویر یار کی

اب کیا دھرا ہے دینے لو تیغ نگاہ یار — اک جان تھی سو پہلے ہی تجھ پر نثار کی

اللہ رے سوزشیں نفس شعلہ بار کی — پھونکیں ہیں ہڈیاں مرے جسم نزار کی

اے چرخ ابھی ملا نہ مری خاک خاک میں — کھا لینے دے ہوا کوئی دن کوئے یار کی

رہ رہ کے دشت گردی کی آتی ہی جی میں لہر — بے چین کرتی ہیں مجھے موجیں بہار کی

کس کس سے روز حشر کو دامن چھٹاؤ گے — لی ہیں تمھارے ناز نے جانیں ہزار کی

ناکام تمنا ہوں مری آس نہ توڑو — ٹھیرو کہ کوئی دم کے دم اور آہ و فغاں ہے

الفت اسے کہتے ہیں کہ آپے میں نہیں تم — بیٹھے مرے پہلو میں ہو دشمن کا بیاں ہے

وعدہ کیا ہے ایکدن آنیکا یار نے — دو پہر نہیں ہیں اب ہمیں برسوں گزار نے

کیا جانے روز حشر کو کھلتی نہ کھلتی آنکھ — اچھا ہوا اڑا دی جو نیند انتظار نے

رہا نہ داغ سے خالی کبھی ہمارا جگر — چراغ عشق کا جلتا رہا سدا ہم سے

یوں پہ جان ہے اسپر یہ کہہ نہیں سکتے / کہ اب سہا نہیں جاتا ستم ترا ہمسے

جیئے تو ہم شبِ فرقت میں پر برے احوال / بنی یہ شکل کہ ڈرنے لگی قضا ہم سے

محبت اب نہیں کرنیکے چرخ جانے دے / کہ آدمی ہی تو تھے ہوگئی خطا ہم سے

حیا انہوں کو ہم ایمان تک تو دے بیٹھے / رہا وہ کیا کہ جو راضی رہے خدا ہمسے

دنیا نہیں کہ جامے سے باہر نکل پڑے / مشکل پڑے گی حشر میں گر ہم مچل پڑے

یوں سہنے کو ستم ترے سہتے ہیں غیر پر / میری طرح سہیں تو کلیجہ نکل پڑے

وہ آنکھ کیا جو روئے ہر اک بت کیواسطے / کس کام کا وہ دل کہ ہر اک جا پھسل پڑے

انتخاب از دیوانِ دوم مرزا حیا دہلوی غیر مطبوعہ

یہ جمال گر نہ ہوتا تو یہ بات بھی نہ ہوتی / کہ پرائے دل پہ ظالم تجھے اختیار ہوتا

حشر کچھ دنیا نہیں جو ظلم وہاں ہوجائیگا / ہم بھی ہونگے تم بھی ہوگے سب عیاں ہوجائیگا

سنتے ہیں موقوف ہونے کو ہے کعبہ کا سفر / سنگِ اسود اُس کا سنگِ آستاں ہوجائیگا

یہاں تو یہ بھی تھا جفا کی چلدیا گھر چھپ رہا / عرصۂ محشر میں ظالم گم کہاں ہوجائیگا

ہم بتا دیں غیر کے ملنے کی تدبیر آپکو / گر پڑو پاؤں پہ جا کر مہرباں ہوجائیگا

دیکھے ارمان جان کے ہمراہ لیجائے اجل / یہ اگر رہ جائینگے مُردہ گراں ہوجائیگا

جسنے کاٹا ہی گلا محشر میں کہدیگا وہی / یہ جو خنجر ہے ترا تیری زباں ہوجائیگا

آنکھوں آنکھوں میں اشارے حشر میں ہوجائینگے / دل ہی دلمیں سب حسابِ دوستاں ہوجائیگا

دل تو اندھا ہوگیا ہی اُسکی اُلفت میں حیا / اسکی باتوں میں نہ آجی کا زیاں ہوجائیگا

مجھے بھی قیس جانا ہے جنونِ عشق نے شاید / زباں پر نام تو لائے مرے چاکِ گریباں کا

ہماری سخت جانی نے یہ صورت کی دمِ کشتن / کہ دانتے پڑ گئے منہ پھر گیا شمشیرِ براں کا

اسیرانِ محبت کی الٰہی خیر تو کیجیو / کہ یہ وقت آج اُس ظالم نے کھولا قفلِ زنداں کا

وہ اپنی جنبشِ ابرو پہ اب افسوس کرتے ہیں / سمجھنے والا ٹکڑے ہوگیا اس رمزِ پنہاں کا

محبت میں عدو کی کچھ نہیں ہوش اے حیا اُنکو
بیان کرتے ہیں وہ ہم سے شبِ عشرت کے ساماں کا

دل میں ہے کاٹکر میں زباں اپنی بھیجدوں
پیغامبر سے حال سُنایا نہ جائے گا

کیا مانگتے ہو سینے میں کیا ہے دھرا ہوا
اک داغ ہے سو وہ بھی تمھارا دیا ہوا

اُس سن کہتے ہیں اسے ساتھ لیے کہتے ہیں
دم ہمارا ترے پیکاں کے برابر نکلا

جب نالہ کھینچا آگ سی سینہ میں لگ گئی
جب آہ کی دھواں سا دہن سے نکل گیا

اپنے شکستِ عہد کا کچھ بھی نہیں خیال
ہم پر ستم جو شکوہ دہن سے نکل گیا

سینہ میں آج از سرِ نو پھر خراش ہے
شاید کہ تیر زخمِ کہن سے نکل گیا

اقرارِ وصل کیسا وہ انکار کر چکے
جو دل میں تھا وہ اُنکے دہن سے نکل گیا

برچھیاں دل میں لگاتی ہیں نگاہیں نیچی
دیکھیے اُٹھے جو اندازِ نظر کیا ہوگا

لاگ وہ آگ نہیں ہے کہ بجھا دیجے مجھے
عشق وہ شعلہ نہیں ہے کہ جو پنہاں ہوگا

وہ جفا کیش خبر بھی نہ ہوا اور ہم نے
جان دی تھی یہ سمجھکر کہ پشیماں ہوگا

شیطان کو پیر جان کے بیعت کی شیخ نے
مرشد وہ تھے کہ لیگئے ایمان مرید کا

اب کوئی دم کی ہے مہمان مری ناکامی
مژدہ اے شوقِ شہادت کہ وہ جلاد آیا

اے حیا ہم تو نہ محشر میں بھی منھ سے بولے
پاسِ رسوائی قاتل دمِ فریاد آیا

کیا ہوا گر وصالِ یار ہوا
زیست کی طرح مستعار ہوا

وصل سے اور بڑھ گئی حسرت
صبر آیا تو بے قرار ہوا

ملتے ہیں وہ کیا کیا کفِ افسوس مرے بعد
ناپید بھی ایسا ہوں کہ پیدا نہیں ہوتا

دل وصل کا جویا ہے تو نظارہ کی آنکھیں
کس کس کا حیا مجھ پہ تقاضا نہیں ہوتا

جب وصل کا خیال کیا ہو گیا وصال
جب آنکھ ہمنے بند کی دیدار ہو گیا

تھے اک نگاہ میں مرے عقدے تمام حل
اتنا سا کام آپ کو دشوار ہو گیا

واقف رہے درازیِ افسانہائے غم
محشر بھی ہو چکا مرا قصہ نہ ہو چکا

ہاتھ سینے پہ رہا بعد فنا بھی تا حشر
کر لیا وعدۂ وصل اور ملائی نہ نگاہ
یہ بات کیا ہے آج جو ہر بات پر بگڑتے ہو
نہ ہو قتل کا حشر میں کوئی شاہد
کہاں تھی سر طور برق تجلی
آج تو خاتمہ ہے کیوں مجھے دم دیتے ہو
ہم بھی ہنگامۂ محشر میں دہائی دینگے
نہ موت ہجر میں آئی نہ مجکو خواب آیا
آنسو نہ پوچھنے کوئی غمخوار آئے گا
کس کس کے منہ پہ حشر میں رکھتے پھروگے ہاتھ
دیکھینگے کیا تو حشر میں اور کیا کہینگے ہم
جاگے ہوئے فراق کے چونکینگے حشر کو
اِتنے پڑینگے ہاتھ گریباں میں حشر کو
بتخانہ وہ مقام عبادت ہے زاہدا
روز جزا ہے آج تو ظالم نہ چوکیو
شام شب فراق مجھے موت آگئی
خاک آسمان کی آنکھوں میں ڈالی غضب کیا
ساتھ ہی دل کے جگر بھی کدھر
ہے یہ عصائے سبز جو واعظ کے ہاتھ میں
خواب میں رات وہ گیسو نظر آئے تھے حیا
کہاں یہ انداز حسن اے مدعا لگی بھی کبھی کہا کر

گو رہیں بھی دل بیتاب سے ہشیار رہا
دل سے اقرار رہا آنکھ سے انکار رہا
یہ شیوہ کیا ہے کہ جو تم نے اختیار کیا
مگر ہم نہ چھوڑینگے دامن کسیکا
وہ تھا سایۂ روئے روشن کسیکا
ہو چکا حشر تو پھر وعدۂ فردا کیسا
تم بھی دیکھوگے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا
یہ کس عذاب میں ہوں ہیچ کیا عذاب آیا
پھر کام آئے گا تو دل زار آئیگا
ہر شخص وا کئے لب اظہار آئیگا
اُس دن کی کیا خوشی کہ جو اک بار آئیگا
جو آئیگا وہ نیند میں سرشار آئیگا
ہر غمزدہ کے حصہ میں اک تار آئیگا
تو بھی گلے میں ڈالکے زنار آئیگا
ہاتھ آئے حیا نہ وقت یہ زنہار آئیگا
اچھا ہوا کہ ہونے نہ پائی تمام رات
پہنچا گلی میں اسکی ہمارا غبار آج
اور اک ترکش سے ظالم تیر کھینچ
اک یہ بھی ہے حیا شجر مکر و فن کی شاخ
صبح اُٹھتے ہی مرے سامنے آئی زنجیر
کہاں خدا اور کہاں وہ کافر خدا خدا کر خدا خدا کر

پلٹے ہم جو دوزخ میں جا کر بتوں سے
تو زاہد ہُوا خاک جنت میں جل کر

کون کہتا ہے کہ تم گھر سے نہ نکلو باہر
ہم تو کہتے ہیں کہیں جاؤ مگر یاں ہو کر

یہ میدان محشر ہے دنیا نہیں ہے
کہ ٹکڑے اُڑا دو گے گھر سے نکل کر

ادا سے جان لیتے ہیں اجل کا کام کرتے ہیں
وہ اپنے سر کی یہ تہمت پرائے سر پہ دھرتے ہیں

وحشت کے ہاتھ ٹوٹیں جب دل کا چین آئے
سو چاک ہیں جگر میں سو چاک پیرہن میں

دریائے غم کی لہریں اے دل بُری بلا ہیں
رکھنا قدم سنبھل کر اس بحر موجزن میں

ہم سے زنداں میں عدو کو نہیں دیکھا جاتا
اُسکو گر قید کیا ہے ہمیں آزاد کریں

جان و دل کر چکے پہلے ہی فدا اُس پہ حیا
اب دھرا کیا ہے جو ہم خاطر صیاد کریں

یارب مرے لیئے تو قیامت ہو چند بار
یعنی مرا بیانِ ستم مختصر نہیں

شبِ غم کچھ تو یہ حالت ہے کہ سب گریاں ہیں
منہ مرا دمبدم ارباب وطن دیکھتے ہیں

بولتے منہ سے نہ کچھ یار کے منہ کو تکتے
آئینہ بھی تو خدا نے نہ بنایا ہمکو

اک بات پوچھتا ہوں اگر تم خفا نہ ہو
انسان کیا جو وعدہ کرے اور وفا نہ ہو

سو بار حشر ہو مرا جھگڑا ادا نہ ہو
سو بار فیصلہ ہو مگر فیصلہ نہ ہو

تم آؤ تو سہی مجھے صبر آ ہی جائیگا
ممکن نہیں مرض کی دوا ہو شفا نہ ہو

ضرب المثل ہے ہوتے ہیں معشوق بیوفا
یہ کچھ تمہارا ذکر نہیں ہے خفا نہ ہو

حور بنکر مرے سینے کو قضا آتی ہے
نفسِ سرد سے جنت کی ہوا آتی ہے

آج ہی دل کی نکالو حسرت
کل تو سنتے ہیں قیامت ہوگی

بالیں سے ساری رات نہ جانے دیا اُسے
صد آفریں ہے اے نفسِ واپسیں تجھے

سمجھے کہ بازپرس قیامت میں کس سے ہے
اب کون آنکھ نیچے کیئے شرمسار ہے

ٹھنڈے سانسوں نے بھی نہ کی تاثیر
کم مری سوزشِ جگر نہ ہوئی

کون رویا نہ میری میت پر
لیکن اُس بت کی چشم تر نہ ہوئی

علاج اس کا نہ ہوگا چارہ گر سے
نہ سینہ چاک ہے میرا نہ پہلو
بلا ہے چاکِ دل چاکِ جگر سے
نگاہیں لیگئیں دلکو کدھر سے

اُسکے کوچے میں سمانا مری تقدیر میں تھا
ورنہ کیا وجہ تھا مجھ میں کہ زمیں بیٹھ گئی
صدمۂ ہجر سے گو جانِ حزیں بیٹھ گئی
دل سلامت رہے ہمت تو نہیں بیٹھ گئی
آج کل موت کو جانا کہیں پڑتا ہی نہیں
آئی اور کوچۂ قاتل کے قریں بیٹھ گئی
جان پر کھیل کے ارمان نکالا دل کا
آج ہم خنجرِ قاتل کے گلے سے مل آئے
ابھی وہ گئے ہیں دلکو قلق ابھی سے ہے
ابھی گئے بھی نہیں رنگ فق ابھی سے ہے

داغ سینے کے آبلے دل کے
پکے پھوڑے ہوئے ہیں چھل چھل کے
ایسے ہوتے ہیں ولولے دل کے
کیسے ٹکڑے کئے سلاسل کے
داغ سینے کے دل کے سو کہ گئے
پھول پژمردہ ہو گئے کھل کے
رفتہ رفتہ عدم کو پہنچیں گے
سب مسافر ہیں ایک منزل کے
دوست کیسے قضا آکے پھری
کوئی آیا نہ وقت مشکل کے
ہو لیا ساتھ اُس ستمگر کے
دل نے مارا مجھے حیا دل کے
[illegible] * دل میں ارمان رہ گئے دل کے *

جگر پر کبھی ہاتھ دل پر کبھی
یونہی پیٹتے عمر بھر ہو گئی
نگاہِ وفا کا کسے اعتبار
جدھر تم نے دیکھا اُدھر ہو گئی
دمِ قتل دیکھی جو حسرت مری
تو قاتل کی بھی چشم تر ہو گئی
محبت میں وعدے سے پھرتے نہیں
ہوئی بات جو فتنہ گر ہو گئی
محبت بلا جی کی ہو جائے گی
حیا گر فلک کو خبر ہو گئی

[illegible] * [illegible]

ہمارے زمانہ [illegible] حال کی یہ صورت ہے * بیمار دونوں طرف رونق ابھی سے ہے

حیات

حیات - مولوی محمد حیات خاں ولد سید احمد خاں رامپور کے رہنے والے پڑھے لکھے آدمی تھے - فنِ سخن میں ملک الشعراء خاقانی ہند ذوق دہلوی کے شاگرد تھے - اکثر نعتیہ کہتے تھے - فارسی میں بھی شعر کہنے کا شوق تھا - ۱۲۸۷ھ میں انتقال

کہا۔ تین شعر درج ذیل ہیں۔

دیا ہے خلعتِ نور اُسکو حق نے
مجھکو اُس چاند کے نقضوز نے

نچھوڑا جس نے دامانِ محمدؐ
شب دیجور میں دکھایا چاند

جو نکہت اُس گلِ رعنا کے پیرہن میں ہے
نہ نسترن میں نہ گل میں نہ یاسمن میں ہے

حیدر

حیدر۔ نواب علی حیدر خان صاحب حیدر بریلوی شاگرد حضرت عبد القادر خان صاحب وحشی رامپوری۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔ دو شعر بطور نمونۂ کلام درج ذیل ہیں ؂

کثرتِ عشاق کا احوال کیا کیجے بیان
محتسب بھی مست ہو کر توڑتا ہے جام سے

کوئے جاناں پر گماں ہے مصر کے بازار کا
شیخ جی! دیکھا اثر یہ خانۂ خمّار کا

حیدر

حیدر۔ میر حیدر علی خان لاہوری حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی اولاد میں تھے۔ عیش وآرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بسا اوقات دہلی میں بھی رہا کرتے تھے۔ ایک مدت شاہزادہ شگفتہ بخت کے ساتھ بنارس میں مقیم رہے۔ زیادہ حال معلوم نہیں طبقہ دوم کے آخر شعرا میں تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

یہ رُتبہ رفتہ رفتہ عشق نے پہنچا دیا اپنا
کہ رونے پر مرے اب چاک ہنستا ہے گریباں کا

ارادہ ہے بیٹھ جب کچھ اس چشمِ تر کا
خدا حافظ آج اپنے دیوار و در کا

لے سنگِ وحشت مجھپر ہر خاص و عام نکلا
بارے جنوں کی دولت اپنا تو کام نکلا

دل سلامت رہے پھر ہمکو ہیں دلدار بہت
جب ہوئی جنس بکاؤ تو خریدار بہت

حیدر

حیدر۔ دلیر الدولہ محمد علیخاں فیروز جنگ بہادر نیشاپوری۔ معروف بہ مرزا حیدر خلف نواب رستم الملک مرزا محمد تقی خان ترقی۔ باشندۂ فیض آباد مقیم لکھنو۔ محمد رضا برق کے شاگرد تھے۔ بڑے ذی علم۔ ذکی۔ فہیم۔ اور نکتہ نواز فیاض رئیس تھے۔ شعرا اور دیگر باکمالوں کے بڑے قدر دان تھے۔ لطف النسا بیگم جنھیں نواب بہو بیگم

صاحبہ اور آصف الدولہ نے بیٹی بنا لیا تھا ان سے منسوب تھیں۔ انکی اولاد لکھنؤ میں اب تک موجود ہے اور بیش قرار وثیقہ پاتی ہے سنہ ۱۲۷۶ھ میں انتقال کیا۔ شعر و شاعری کا بہت شوق تھا۔ مرزا اعلیٰ جاہ اور مرزا والا جاہ انکے صاحبزادے تھے نواب مہدی حسین خاں آغا [illegible] صاحب مرزا اعلیٰ جاہ کے لڑکے ہیں۔ چند اشعار آپکے انتخاباً درج ذیل کیے ہیں ۔

ہنسے بچپن میں ہی کھلتے تھے یوں ہم شادماں ہوکر — کہ اک آفتِ جانِ جہاں ہوگا جواں ہوکر

نگہ جو دی چشم و دل میں آپ کو چھپنے نہ دیجے — کہ اک آپ ہی بیٹھیں گے گھر میں میہماں ہوکر

سخاوت دشت گردی میں قدم کے ساتھ ہے اپنے — ہوا خاروں کو خلعت اپنا دامن دھجیاں ہوکر

نہ ہوا گو کبھی گر برق کا شاگرد اے حیدر — جلانا دشمنوں کو کس طرح آتش زباں ہوکر

کبھی میخانے میں جاتے ہیں کبھی کعبے میں — دل ہی جائیگا ترے گھر کا پتہ ایک نہ ایک

وہ یہ کہتا ہے کہ ہے پاس تمہارے دل دو — دو تم ان دو میں سے ہمکو بھی بھلا ایک نہ ایک

ایک سے اشک گرے دوسری میں بھر آئے — چشم کا جام رہا اپنے بھرا ایک نہ ایک

لاکھوں بسمل ترے کوچے میں تڑپتے ہیں مگر — سر بکف اسپہ بھی آتا ہے نیا ایک نہ ایک

قیس و فرہاد پہ کیا عشق ہوا اور دنیا ہو — اب بھی کر جاتا ہے یاں نام وفا ایک نہ ایک

حیدر ۔ میرزا حیدر شکوہ حیدر گورگانی نبیرہ مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی غدر سے آٹھ دس سال پیشتر اپنے بھائی مرزا نور الدین شاہی کے ہمراہ لکھنؤ سے دہلی آئے تھے حضرت بہادر شاہ کے مزاج میں بہت دخل کر لیا تھا۔ انھیں کی تحریک و صحبت سے بادشاہ کے خیالات شیعہ مذہب کی طرف رجوع ہو گئے تھے کچھ عرصہ قیام کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ فن سخن سے رغبت تھی۔ چند شعر نظر سے گزرے اُن میں سے ایک شعر انتخاب کرکے درج کیا جاتا ہے ۔

ناز سے جب وہ چلتے ہیں پازیب سے آتی ہے یہ صدا — کافر کہیے اُنکو جو انکار قیامت رکھتے ہیں

حیدر ۔ آغا سید برہان الدین حیدر خان حیدر نبیرہ صمصام الدولہ سید علی نقی خان

نیشاپوری - بعد انتزاع سلطنت اودھ نواب کلب علیخان والئ رامپور کی مصاحبت میں داخل ہو گئے تھے - منیر شکوہ آبادی سے تلمذ تھا - ۱۲۹۰ھ میں ۷۵ برس کی عمر تھی انکے بیٹے ننھے آغا جمیل تخلص کرتے تھے - یہ اُنکا کلام ہے :

اب سمجھے ہم کہ ہجر ہی کا نام تھا اجل	تمسے چھٹے تو تفرقۂ جان و تن ہوا
شاکر ہے ظاہر و باطن میں نہ کچھ فرق رہا	ہو گیا چاک گریباں بھی جگر کی صورت
ہم بھی تو ہیں سرہانے پہ کھڑے ہوئے حیدر	کیا ڈر ہے جو سیدھی نہیں قاتل کی نظر آج
گریاں رہے کل تنک دلِ گم گشتہ کی خاطر	کیا چاک کو رو ئیں سگ مرے دیدۂ تر آج
کس طرح رہا یاد نہیں خانۂ عاشق	دے جانِ جہاں بھول سے آئے ہو کدھر آج

دوستی داغ سے جگر کو ہے	درد سے دل نے آشنائی کی

حیدر - عالیجناب نواب حیدر علیخاں بہادر خلف اصغر نواب یوسف علیخان بہادر والئ رامپور - آپ ۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوئے تھے - نواب فردوس مکان نے نہایت توجہ سے جملہ علوم و فنون انھیں تعلیم کرائے بیس برس کی عمر تھی کہ سایۂ پدری سر سے اُٹھ گیا اور انکے بڑے بھائی نواب کلب علیخاں مسند نشین ہوئے - تھوڑے ہی دنوں میں اُن سے نا چاقی ہو گئی اور مخاصمت اس حد کو پہنچی کہ انھیں ریاست چھوڑنی پڑی - مدتوں کلکتے مرشد آباد دکن مختلف مقامات میں پھرتے رہے - بالآخر بعض اعلیٰ حکام کی وساطت سے نواب کلب علیخاں سے مصالحت ہو گئی اور ریاست میں چلے آئے - پھر چند سال بعد ضلع بدایوں میں ایک وسیع قطعہ اراضی خرید کر (جسکا ملبسی نام ہے) اُسے اپنا دیہی مکان بنایا اور تا دم آخر وہیں رہے - علمی استعداد نہایت معقول تھی - نظم و نثر دونوں میں اچھا ملکہ حاصل تھا - جادۂ تسخیر نام افسانہ آپ ہی کی تصنیف سے ہے - فن سخن میں آپ زکی کے شاگرد تھے اور فی الجملہ نہایت طبیعت دار ذہین رئیس تھے - انکی تصانیف میں نازک خیالی بندش کی نفاست - اور زبان کی صفائی کے علاوہ بیان کا طریقہ نہایت دلکش اور موثر

ہے۔ آپ نے سنہ ۱۹۰۲ء میں بعمر [illegible] سال انتقال فرمایا۔ دو صاحبزادے یادگار چھوڑے خلف اکبر چھمن صاحب راقم کے ملاقاتی ہیں۔ افسوس کہ صرف چند شعر ملے حاضر کیے جاتے ہیں

با مزہ زیست کا قسمت میں جو ساماں ہوتا	درد ہی ہر رگ و پے میں عوضِ جاں ہوتا
سادے انداز پہ قاتل کے ہیں کتنے مرتے	کیسی ٹھیریگی اگر ہاتھ میں خنجر آیا
بہ نزاکت آنکھ سے دیکھی نہ کانوں سے سنی	دل میں آسکتے نہیں آنکھوں میں پھر سکتے ہیں
ذرا انصاف کرو یہ شرم ہے او بیوفا کیسی	پھر آ آنکھوں میں جب تو بے تکلف پھر حیا کیسی
ظلم سہنا اسقدر اچھا نہ تھا	ہمنے خود عادت بگاڑی آپکی
تھی مقدر میں اگر گردشِ افلاک ہی تو	اُسکے کوچے میں بھی اک روز رسائی ہوتی

قصیدہ در تعلی خود

اللہ نے بخشی ہے زباں کو مری تاثیر	الہام کے مضموں ہیں اعجاز کی تقریر
میں طوطیِ شکر شکنِ ہند ہوں گویا	ہے بلبلِ شیراز کو واجب مری توقیر
سلطانِ فصاحت ہوں شہنشاہِ بلاغت	باتیں مری جوہر ہیں زباں ہے مری شمشیر
ہمنام ہوں اُس کا جو ہے اژدر کا درندہ	گردوں کو ہلاتی ہے مرے نام کی تاثیر

حیدر

حیدر۔ منشی حیدر علی مرحوم خلفِ منشی غلام نبی مرحوم بن سند خان مرحوم جو ولندیزوں کے عہد میں دہلی سے ہوگلی آئے تھے اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بڑے ظریف آدمی تھے۔ فنِ سخن سے طبیعت کو لگاؤ تھا۔ ۱۲۷۵ھ سے پیشتر انتقال کر چکے تھے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں ؎

کھڑا ہو کر مری بالیں پہ وہ رخصت جو ہوتا ہے	نظر آتا ہے حیدر نزع میں جلوہ قیامت کا
حالِ دل گر کہوں تو کہتا ہے	شوق مجکو نہیں کہانی کا
سست پیری میں کیوں ہوا حیدر	کیا ہوا ولولہ جوانی کا
سنگ ہاتھوں میں لیے ہیں ساتھ طفلانِ حسیں	میں وہ دیوانہ ہوں پریوں کا اکھاڑا ساتھ ہے

ایک بوسے کے لیے اتنا بگڑتا ہے کوئی
تو ہی منصف ہو بھلا انصاف تیرے ہاتھ ہے

حیدر

حیدر:- جناب نواب حیدر علیخان صاحب بہادر رئیس قلعہ شاہجہانپور۔ آپکو حضرت جلال لکھنوی سے تلمذ رہا ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

یہ در پردہ ہے حسرت محرم کی خواہش
کہ سانچے میں ڈھلجائے جوبن کسی کا
ارادہ ہے یہ خونِ ناحق کا اپنے
نہ چھوڑوں گا تا حشر دامن کسی کا

کوئی چٹکی ہی دے کلیجے میں
یونہی پھوٹیں کچھ آبلے دل کے

اُسے کیونکر میں دیکھوں بے تکلف
نظر کا ڈر ہے اپنی ہی نظر سے

راہ کب دیکھتے ہیں جان سے جانیوالے
یار تو چلدیئے آتے رہیں آنے والے
امتحاں آج کا تو ہم نہیں ڈرنے والے
تم نے شاید ابھی دیکھے نہیں مرنیوالے
ہوش گم کر کے نہ گھبرائے ذرا جاؤ بیاں۔
آ ہی جاوینگے کبھی آپ میں آنیوالے
دل کو ہم تھام لیں مضبوط جگر کو کرلیں
ہاتھ روکے ہوئے اور پردہ اٹھانیوالے
ایک الزام مجسم ہیں تمھارے بیمار
لیے مرتے ہیں مسیحا کو بھی مرنے والے

حیدر

حیدر:- جناب شیخ حیدر رضا صاحب سالن پارولہ آپکے حالات کچھ معلوم نہیں نمونہ کلام ملاحظہ کیجیے

عطا و فیض کا یارب ترے حساب نہیں
وہ کون ہے جو زمانے میں فیضیاب نہیں
یہاں تو وصل کا یہ شوق ہے کہ تاب نہیں
سوا "نہیں" کے وہاں اور کچھ جواب نہیں
نہ توڑ سخت کلامی سے محتسب اس کو
یہ میکشوں کا ہے دل شیشۂ شراب نہیں
ہزاروں پھرتے ہیں دیر و حرم میں آوارہ
ہمیں کچھ ایک رہِ عشق میں خراب نہیں
غش آگیا ہے جو بلبل کو رحم کر صیاد
چھڑک دے پانی میسر اگر گلاب نہیں
عبث نہ خوفِ عقوبت دلا مجھے ناصح
فراقِ یار سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں
یہ دل میں فکر ہے تشبیہ دیں تو کس سے دیں
کمر کا مثل دہن کا ترے جواب نہیں
بہار میں سر توبہ کو میکشو! توڑو!!
کہ اس سے بڑھ کے کسی کام میں ثواب نہیں

خدا کے واسطے منہ سے کبھی تو کہئے ہاں	ہر اک سوال کا میرے ہر کیوں جواب نہیں
نہیں شمار ہے جس طرح تیری رحمت کا	یونہیں ہمارے گناہوں کا بھی حساب نہیں

حیدر

حیدر ۔ حیدر نواب نام ۔ نواب مرزا ثریا قدر خلف شاہزادہ سلیمان قدر برادر واجد علیشاہ کے ہاں ملازم تھے ۔ ۱۲۸۸ھ میں شاید حیات تھے ۔ یہ تین شعر اُنکے کلام کا نمونہ ہیں

نکی کچھ قدر جیتے جی سُنا جب مر گیا مجنوں	گریباں چاک کرکے لیلیٰ پردہ نشیں نکلی
پس مُردن خدا سے کس طرح چھپنے گنہ میرے	سند لکھی ہوئی پیش کراماً کاتبیں نکلی
پس مردن مری تربت پہ پڑھنے فاتحہ آئے	یہ دلکی آرزو بعد فنا زیر زمیں نکلی

حیدر

حیدر ۔ منشی مصطفےٰ حیدر حیدر خلف مولوی غلام حیدر مدرس مدرسۂ عالیہ کلکتہ و سررشتہ دار کالج فورٹ ولیم وطن انکا چاٹگام تھا اور مولوی عبدالغفور نساخ کے شاگرد تھے ۱۲۷۵ھ میں کلکتہ میں ملازم تھے نمونہ کلام یہ ہے

دل لیکے مرا صاف مکر جاتے ہیں کیسا	جب مانگوں تو جھنجلا کے یہ فرماتے ہیں کیسا
ذرا سینے پہ میرے ہاتھ دھر کر دیکھتے جاؤ	دھڑکتا ہے کلیجہ دل ہے مضطر دیکھتے جاؤ
غنچوں نے کان بھی نہ رکھا آہ و نالہ پر	بلبل کو چٹکیوں میں اُڑائے چلے گئے
اِدھر تو دیکھو نہ بولو ذرا سنو تو سہی	شب وصال ہیں کیسی حیا سُنو تو سہی
بس قتل عاشقاں پہ نہ بیڑا اُٹھائیے	لاکھوں کا خون ہوگا نہ لاکھا جمائیے

حیران ۔ میر حیدر علی حیران شاہجہاں آبادی ۔ آپ راجہ نکہت رائے رئیس لکھنو کی سرکار میں ملازم اور منشی سروپ سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے ۔ صوبۂ بہار میں آصف الدولہ کے زمانے میں قتل ہوئے اور اپنے قاتل کو بھی اپنے ہمراہ لیگئے ۔ شوق ۱۲۱۰ھ میں لکھتے ہیں کہ آصف الدولہ کی سرکار کے واصلباقی نویس رائے میگولال سے توسل رکھتے تھے ۔ رائے مذکور کی وفات کے بعد برس چھ مہینے روزگار کی طرف سے پریشان رہے لیکن حسن اتفاق سے نواب آصف الدولہ ان پر اسقدر مہربان ہوئے کہ بجائے ۳ سکے ۱۰۰ روپیہ مشاہرہ کر دیا اور تنخواہ سوار اُنکے تحت میں کر دیئے جس سے اِنکی بسر اوقات بخوبی ہونے لگی ۔ کلام انکا یہ ہے

ہم لبِ گور ہوئے خوں بہ جگر اس غم سے
صبح ہر روز اسی غم میں ہمیں ہوتی ہے شام
دُکھ اُس سے کون کہے تاب التماس کہاں
ہوا ہے اب تو نئے دوستوں سے ربطِ دلی
یہ کب کہتا ہوں میں ان کو نہ اے آرام جاں جاؤ
ترے کوچے کی ہیرا پھیری میں دن اپنا کٹتا ہے
لگا جو حال کہنے اُس سے میں منہ سے وہ یُوں بولا

کرنی اُس غنچہ دہن سے نہ ہوئی بات نصیب
آہ جاگیں گے مرے کون سے اب رات نصیب
کہاں ہیں ہوش بجا - دل کدھر حواس کہاں
تمھیں اب آنے کو فرصت ہمارے پاس کہاں
مرا جی تنگ نکل سے پھر جہاں چاہے تہاں جاؤ
وہاں جاؤ یہاں آؤ - یہاں آؤ وہاں جاؤ
مجھے آتی ہے نیند اب کہہ چکے تم داستاں جاؤ

کل کہا میں نے میرے گھر چلئے
سُن کے تیوری بدل لگا کہنے
مجھ سے کہتا ہے میرے گھر چلئے

اِس میں کچھ کم نہ ہوگی محبُوبی
رسم و راہِ ادب تو سب ڈوبی
دیکھنا اختلاط کی خوبی

حیران

حیران - حافظ بقاء اللہ خلف حافظ ابراہیم - یہ دونوں باپ بیٹے خط نسخ و نستعلیق خوب لکھتے تھے - شعر و سخن کا بھی مذاق تھا - ۱۲۴۲ھ میں زندہ تھے - یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے

جان بلب ہوں جی جلا جاتا ہے غش طاری ہے آہ
تا نکلنے پہنچے وے کچھ دل میں سکے جا نکی
بعد مرنے کے یہ خواہش ہے مری اے دوستو
گرد تربت کے ہو اک آئینہ اور طوطی ہلا یک
کہدو مرے مزار پہ کوئی نہ لائے گل
حیراں کو بعد مرگ تکلف نہیں ضرور

جلد آ ظالم نہیں ہے وقت یہ تاخیر کا
آہ یہ دیکھا اثر اس آہِ بے تاثیر کا
ق
کچھ نہ خواہش مند ہوں عزت کا نے توقیر کا
تا کہ جانے ڈھیر ہے حیرانِ خوش تقریر کا
چھاتی پہ میری داغ ہیں کافی بجائے گل
اک مشت استخواں ہے کہیں لیکے داب دو

حیران

حیران - قاضی محمد خلیل خلف خان بہادر مولوی قاضی عبد الجلیل صاحب مرحوم متخلص بہ جنوں رئیس اعظم بریلی ۲۷ صفر ۱۲۸۷ھ کو پیدا ہوئے ۲۱ سال کی عمر تک علوم درسیہ کی تحصیل کی اُسکے بعد ریاست کے انتظام میں مصروف ہو گئے - گورنمنٹ اور پبلک کے

بھی اکثر انتظام آپکے سپرد ہیں۔ شہر میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ فارسی اور عربی میں کافی دستگاہ ہے۔ معقول و منقول پر اچھی طرح عبور ہے۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے۔ قاضی خلیل الدین حسن صاحب حافظ۔ حافظ آبادی کے تلمیذ رشید ہیں۔ نثر لکھنے میں خاص کمال حاصل ہے۔ نامہ نگاری کا بھی شوق رہا ہے۔ نثر میں شوخ بجنین بریلوی کے شاگرد ہیں۔ صنعت و حرفت میں خاص مذاق ہے۔ اکثر فنون میں دخل ہے۔ ۱۹۰۸ء میں حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے طلب و تقاضے پر بغرض علاج و سیر دہلی تشریف لائے تھے اور انکے علمی جلسوں اور بے تکلف صحبتوں میں ہر وقت شریک رہتے تھے ایک روز چند شاعر جمع تھے جن میں سید مہدی حسین صاحب مجروح قابل ذکر ہیں۔ شاعری کا تذکرہ ہوا۔ سب صاحبوں نے کچھ نہ کچھ نظم کیا قاضی صاحب نے بھی چند رباعیات فی البدیہہ لکھیں جن میں سے ایک ہدیہ ناظرین ہے:

اے بوسعید حاذق ملک و وحید خلق	یکتا توئی۔ وحید زمان و فرید خلق
محمود دہر و صادق عہد و شریف وقت	عبدالمجید۔ عبد مجید و مجید خلق

اسی طرح پھر ایک مرتبہ چند شعرا کا مجمع تھا منشی اسمٰعیل حسین منیر کے قصیدہ فریاد زندانی کا تذکرہ تھا۔ احباب نے قاضی صاحب سے بھی فکر فرمانے کا اصرار کیا۔ چنانچہ آپنے ایک بہت طویل قصیدہ اُسی زمین میں رقم فرمایا۔ راقم تذکرہ سے دو بار ہنگام قیام دہلی ملاقات ہوئی۔ بڑے خلیق۔ ملنسار۔ نیک طینت شخص ہیں۔ قاضی صاحب نے اپنے کلام کا جو انتخاب عنایت کیا تھا درج ذیل کیا جاتا ہے۔

جہاں دیکھا نئے انداز سے وہ شوخ مہماں تھا	نگہ میں نور تھا۔ پہلو میں دل تھا دلمیں ارماں تھا
ہر ایک پردہ دست شوق نے ٹکڑے اڑا ڈالے	حجاب روئے روشن دم میں عاشق کا گریباں تھا
ہوا ترک تعلق اب کہاں وہ لطف بے لطفی	مزہ عالم کا اے ظالم تری کاوش میں پنہاں تھا

نہ دیکھا آنکھ اُٹھا کر بھی کسی نے وائے ناکامی
کوئی بےچین تھا۔ بیتاب تھا۔ مضطر تھا۔ حیراں تھا

ہمارا دستِ وحشت بھی کہیں بیکار رہتا ہے
نہ جب باقی رہا اپنا۔ تو ناصح کا گریباں تھا

ہماری کشتیٔ عمرِ رواں پہنچتی تو کیا پہنچتی
شبِ فرقت کا رونا تھا کہ اک سچ مچ کا طوفاں تھا

ہمارے سامنے ای قیس کیوں بنتا ہے وحشت کی
گریباں ہم بھی رکھتے تھے کبھی اپنا بھی داماں تھا

اُڑائیں دھجیاں ایسی جنوں نے دستِ وحشت سے
گماں تک بھی نہیں ہوتا گریباں تھا کہ داماں تھا

بجز خارِ تمنا کچھ نہ پایا باغِ عالم میں
گلوں کا ذکر کیا کانٹوں سے بھی محروم داماں تھا

کیا رازِ حقیقت نے مجھے حیران اے حیراں
جو ہر ذرہ میں ظاہر تھا وہی آنکھوں سے پنہاں تھا

پردۂ عارضِ محبوب تو اُٹھتا دیکھا
اب کسے ہوش رہے جو یہ کہے کیا دیکھا

کیا خطا مجھ سے ہوئی کس لیئے اتنا بگڑے
کیا کہا کس سے کہا کس نے سنا کیا دیکھا

یہ عیادت بھی زمانے سے نرالی پائی
بگڑے بیٹھے ہیں کہ ہم نے تجھے اچھا دیکھا

بند کی آنکھ تصور میں تو پردے اُٹھے
چشمِ مشتاق سے چھپکر ترا جلوہ دیکھا

برقِ دیدار کی شوخی کو کہوں کیا حیراں
بن گئے آپ تماشا وہ تماشا دیکھا

بادِ صرصر سے چلی میرا جنازہ دوش پر
خاک ہو کر جب میں بیٹھا خاک ہی ہو کر اُٹھا

خود جھکا دی میں نے گردن جب کبھی تیغِ ادا
خود گلے لپٹا لیا جب ناز سے خنجر اُٹھا

رو دیئے ناسور جب سینے سے نکلا تیرِ یار
ہنس دیئے زخمِ جگر جب چھیڑ کر نشتر اُٹھا

ہیں قیامت ہجر کی اُفتاد کی بےتابیاں
اشکِ غم پیکر گرا ہیں دردِ دل پیکر اُٹھا

جلوۂ دیدار سے اپنی تو آنکھیں کھل گئیں
کیا ہی تھی حضرتِ موسیٰ کے غش آنیکی بات

دامنِ صحرائے وحشت کی اُڑادیں دھجیاں
رہ گئی خوش قسمتی سے تیرے دیوانے کی بات

اور بڑھ جائیں کسی زلفِ گرہ گیر کے پیچ
کام آجائیں الٰہی مری تقدیر کے پیچ

اُنھیں ٹھہرنے نہیں دیتیں شوخیاں اُنکی
جو کئے دل کی طرح پھر گئے نظر کی طرح

بنا دیا ہے زمانے کو وادیئے ایمن
نہ برقِ طور بھی چمکی تری نظر کی طرح

نصیب سے وہ دلِ دردآشنا پایا
جو بات بات میں بھر آئے چشم تر کی طرح

تم وہ تمھارے ہاتھ میں عالم کی جان ہے
ہم وہ کہ اپنا دل بھی نہیں اختیار میں

گریہ ہمارا مانع دیدار ہو گیا
تارِ نگاہ اُلجھے ہیں اشکوں کے تار میں

نالہ وآہ سے چھائی وہ دھواں دھار گھٹا
سحرِ غم پہ یہ دھوکا ہے کہیں شام نہو

دیکھ پردہ نہ اُٹھا۔ جلوۂ تاباں نہ دکھا
پرتوِ رخ سے کہیں طور ترا بام نہو

اُنکی باتیں سخت اپنا قلبِ مضطر آئینہ
ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہوتا چوٹ کھا کر آئینہ

سامنے سے جو بلا آئی وہ گویا اس میں تھی
کس بلا میں ہوں صفائے دل سے بنکر آئینہ

لاکھ الفت کو چھپاؤ پھر بھی صورت شکل سے
دلکی باتیں ہو ہی جاتی ہیں عیاں ہر آئینہ

جس طرف دیکھا اُسی کا عکس ہے جلوہ فگن
دو جہاں جلووں سے اُسکے ہے سراسر آئینہ

ہوگیا آخر وہ خود بھی حسن کے نشہ میں مست
گر گیا ہاتھوں میں اُسکے کار ساغر آئینہ

طور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا موسیٰ کو غش آ گیا
تاب لایا اُنکے نظارہ کی کیونکر آئینہ

یہ اگر سچ ہے کہ دلکی دلکو ہوتی ہے خبر
کیوں نہیں ہے مثبہ حالِ قلبِ مضطر آئینہ

ہم جلائے دل پہ نازاں تم صفائے رخ پہ غش
ہے تمھیں پر منصفی کس کا ہے بہتر آئینہ

اور کیا آئینہ بندی ہو در و دیوار کی
اُنکی محفل آئینہ۔ وہ آئینہ۔ گھر آئینہ

رازِ الفت کیا چھپے جب اشکِ حسرت ہوں رواں
دیدۂ تر آئینہ ہے۔ دامنِ تر آئینہ

موت کی صورت نظر آنے لگی تلواریں
بنگیا لوہا کفِ قاتل میں آکر آئینہ

تمھارے مرنیوالوں کی تمنا بھی کہیں نکلی
اگر نکلا تو دم نکلا مگر حسرت نہیں نکلی

مسخر کرلیا تیری محبت نے ارادوں کو
ہوئے جب شکوہ کرنیکو زباں سے آفریں نکلی

گئے تم غیر کے گھر یہ نہ آئی دل سے تک بھی
تمھاری آرزو ہمسے زیادہ شرمگیں نکلی

نہ ہو مجھسا بھی بدقسمت کہ مرتے دم تک اے حیراں
نہیں نکلی نہیں نکلی مری حسرت نہیں نکلی

دیوانے ہیں جو بیتے نہیں جنسِ محبت
سودا ہے جو اس سودے کا سودا نہیں کرتے

بوسے کا سوال اُن سے میں کرتا تو ہوں حیراں
سچ ہے مثل کہ سو کو ہرا تی ہے ایک چُپ

اب دیکھئے ہاں کرتے ہیں وہ یا نہیں کرتے

پردہ اُٹھا تو اور بڑھا رعب حسن کا
کیا بات ہے ترے دہنِ لاجواب کی

اس پر گمانِ جور ہو یا رحم کا یقین
ہے بیحجابیوں میں بھی صورت حجاب کی

میرے خمیر میں جو ملایا خمیرِ عشق
انداز مہر کے ہیں۔ نگاہیں عتاب کی
مٹی پکار اُٹھی مری مٹی خراب کی

شوخ کچھ ایسی نگاہِ یار ہے
پیار میں بھی لڑنے کو تیار ہے

التجا۔ منّت۔ سماجت۔ عاجزی
سامنے اُس بُت کے سب بیکار ہے

دادخواہی کے لیئے آیا ہے کون
حشر میں بھی خواہشِ دیدار ہے

سجدہ کیا ہو وہ قدم ملتے نہیں
نقشِ پا میں شوخیٔ رفتار ہے

حشر میں بے پردہ آنا ہی پڑا
انتقامِ حسرتِ دیدار ہے

اُسکے چہرہ کی تجلّی ہے غضب
پردہ دار جلوۂ دیدار ہے

حیران - شاعر فصیح البیان منشی رام نراین صاحب حیرآن دہلوی۔ آپ قوم کے کھتری اور منشی میگو سنگھ کے فرزند ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں اور اس فن میں نواب فصیح الملک بہادر سے ارادت رکھتے ہیں۔ علمی استعداد بہت معقول ہے۔ فنِ طب میں بھی اعلیٰ درجے کی دستگاہ حاصل ہے۔ حکیم بہار الدین خان سے اس فن میں استفادہ کیا ہے اجمیر میں مطب کرتے ہیں۔ راقم السطور سے دہلی اور اجمیر میں بارہا ملاقات ہوئی۔ مذاق سلیم اور فکر رسا کے ساتھ خلیق بھی انتہا کے ہیں۔ ۴۵-۴۶ برس کی عمر ہوگی۔ طبابت کے علاوہ ریلوے کے دفتر میں ملازمت کا سلسلہ بھی ہے۔ کلام سے معاملہ بندی کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں۔ زبان پاکیزہ اور ٹکسالی ہے۔ اسلوب بیان بھی اچھا ہے۔ کہیں کہیں مضمون کی طرف بھی میلان طبع پایا جاتا ہے غرض ایک حد تک تمام خوبیاں آپکے کلام میں موجود ہیں اشعار موصولہ کا انتخاب ملاحظہ ہو *

یوں تو ہونے کو کیا نہیں ہوتا
ایک میرا کہا نہیں ہوتا

اپنی عادت نہیں شکایت کی
اپنے مُنہ سے گلہ نہیں ہوتا

یار سے خوب ہے تصوّر یار
مجھسے دم بھر جُدا نہیں ہوتا

غیر تو غیر ہیں مصیبت ہیں
آشنا آشنا نہیں ہوتا

شکلِ تصویر چُپ ہو کیوں حیران
کوئی فقرہ نیا نہیں ہوتا

ہرگز نہ بات طنز کی لانا زبان پر
جانباز کھیل جاتے ہیں باتوں ہی جان پر

للہ کان دیکے اسے آپ سُن تو لیں
اک حرفِ آرزو ہے کسی کی زبان پر

حیراں ہے فکر کیا تجھے کچھ مُنہ سے پھوٹ تو
کیوں آج مُہر لگ گئی تیری زبان پر

کبھی لائے نہ خاطر میں نہ اب خاطر میں لاتے ہیں
مجھے تو چٹکیوں میں آپ ہنس ہنس کر اڑاتے ہیں

شب وعدہ بھی دیکھیں وہ نہیں آتے کہ آتے ہیں
تجھے اے جذبِ اُلفت آج ہم اور آزماتے ہیں

مضامیں صاف ہوں سُتھری زباں ہو حضرتِ حیراں
غزل بزمِ سخن میں آئینہ رُو سُننے آتے ہیں

مجھ سے اقرار نہیں غیر سے وعدہ بھی نہیں
پھر سرِ شام یہ کیوں تم نے نکھارا جوبن

دیکھ کر آئینہ کہتے ہیں مرے دیکھنے پر
ڈھل گیا دیکھتے ہی دیکھتے سارا جوبن

مال و دولت کا تو ہوتا ہے بھروسا سب کو
ان حسینوں کا ہے لے دیکے سہارا جوبن

سمجھنے والے دل ہی دلمیں اپنے خود سمجھ لینگے
زباں سے کچھ نہیں کہتے تو کہتے ہیں اشاروں میں

کلام حضرتِ حیراں کی جب تعریف کی اُسنے
تو فرمایا وہی حیراں! ہمارے جاں نثاروں میں

گلرخوں کے ہیں عجب ڈھنگ نرالے انداز
جس سے ملتے ہیں اُسے رنج سوا دیتے ہیں

وہ دل ہی کیا جو عشق کی چیٹک لگی نہ ہو
وہ زندگی ہی کیا ہے جو دلبستگی نہ ہو

پہلو میں بیٹھ کر مرے لیتے ہیں چٹکیاں
وہ بات کر رہے ہیں کسی نے جو کی نہ ہو

کوئی کسی سے اوپری دل سے ملا تو کیا
ملنے کا لطف جب ہے کہ دلمیں دوئی نہ ہو

کہنا کسی کا ہائے وہ عرضِ وصال پر
ہمسے تو آج تک کبھی ایسی ہوئی نہ ہو

بیداد ایسی کیجئے وہ کیجئے جفا
حیراں یہی شعار ہوا اپنا تو خوب ہو
دیکھی نہو جو آنکھ سے کانوں سُنی نہو
نیکی نہو سکے تو کسی سے بدی نہو

مر گئے تو مٹیں تمنّائیں
نکلے ارمان خاک میں مل کے

اک بت کافر کو دل دیکر پشیمانی ہوئی
ہوگئی عشقِ بتاں میں اسقدر حالت زبوں
ہم نشیں اب تو جو ہونی تھی وہ نادانی ہوئی
دیکھکر حیراں کی صورت سخت حیرانی ہوئی

وہ مرے پہلو میں ہنستے آئے ہیں
آگئے تا۔چال میں اغیار کی
رات دن روتا تھا میں جنکے لیئے
ہمتو روتے تھے اسی دن کے لیئے

کیوں نہ دلکو رنج ہو کیونکر نہ دل پرغم رہے
ایسی کیا خوبی ہے دنیا ایسی تجھ میں کیا ہی بات
جس طرح بتیں دانتوں میں یہ رہتی ہے زباں
منتوں پر بھی نمانے تم دلِ ناشاد کی
مر گئے تو جان سے اپنی گئے پروا نہیں
آپ صاحب مہرباں یوں بے سبب برہم رہے
چھوڑکر جنت کو آخر حضرتِ آدم رہے
آپکی خاطر سے بزمِ غیر میں یوں ہم رہے
پھر وہی تم نے جفا کی پھر وہی بیداد کی
ہوگئی تعمیل لیکن آپ کے ارشاد کی

مری آہ کیوں بے اثر ہوگئی
بہت دلکو حیراں بچایا مگر
برچھیاں جب نگہ کی چلتی ہیں
دل ہی جب اپنا جا ملا اُن سے
وہ چمن ہی نہیں رہا حیران
ایک سر سینکڑوں ستم کے لیئے
رنج فرقت بھی رشکِ دشمن بھی
اسے بھی کسیکی نظر ہوگئی
وہ ترچھی نظر کارگر ہوگئی
دل پہ رہتا ہے اختیار کسے
غیر کا پاس و اعتبار کسے
دے صبا مژدۂ بہار کسے
ایک جاں ہے ہزار غم کے لیئے
کیا مصیبت ہے ایک دم کے لیئے

مُنہ اُٹھائے دلِ بیتاب کدھر جاتا ہے
سر کھپانیسے تجھے ناصح ناداں حاصل
کوئے قاتل ہے یہاں بات پہ سر جاتا ہے
اِس سے سودائے محبت کا اثر جاتا ہے!

درد اُٹھتا ہے مرے پہلو میں کیوں تھم تھم کر
تم نہ آئے شبِ وعدہ تو کوئی مر نہ گیا

غیر اور آپکے حیراں کو دکھائیں آنکھیں
قرینہ کا مذاق اچھا سلیقہ کی ہنسی اچھی

نگہ شرمیلی اچھی ہے طبیعت چلبلی اچھی
کھٹک ہو دردِ الفت کی وہ غم اے ہمنشیں اچھا

وہ آئیں یا نہ آئیں مشغلہ اچھا ہے رہنے دو
عجب اک شہرِ خموشاں ہو گیا آباد قدرت سے

یہ ہیں دونوں کے دونوں عاشقِ ناشاد کے دشمن
ہمیشہ خوف کھاتا چاہیئے ابرو و مژگاں سے

سہے مغرور اک عالم ہو اپنی کسرِ شاں جسمیں
جہاں اک جامِ مے بھر کر پیا جلوے نظر آئے

یہ جو کچھ ہے جنابِ داغ کا ہی فیض سب حیران
کچھ اچھی میری پھر برگشتہ قسمت ہونیوالی ہے

کبھی تو دو قدم تم ناز سے چلکر دکھا دیتے
عدو کی ذلتیں سنکر تہ حیراں دلمیں خوش ہوتا

آج مہمان کوئی غیر کے گھر جاتا ہے
بات رہجاتی ہے اور وقت گزر جاتا ہے

آپکا منہ ہے جو کچھ پاس وہ کر جاتا ہے
پسندِ خاطرِ احباب ہو وہ دل لگی اچھی

نہ گلہ در پردہ اچھا اور زیرِ لب ہنسی اچھی
خوشی جسمیں کسیکی مہرباں وہ ہی خوشی اچھی

تصوّر ہی سے آنکھے ہو رہی ہے دل لگی اچھی
خدا کی شان ویرانے میں یہ بستی بسی اچھی

نہ صبحِ وصل اچھی ہے نہ شامِ بیکسی اچھی
کماں کی راستی اچھی نہ تیروں کی کجی اچھی

نہ اتنی سرکشی اچھی نہ اتنی عاجزی اچھی
یہ شغل اچھا مرا زاہد کہ تیری بندگی اچھی

سخنور سُنکے کہتے ہیں غزل تو نے لکھی اچھی
کسی اچھے سے پھر صاحب سلامت ہونیوالی ہے

بہت مدت سے سُنتا ہوں قیامت ہونیوالی ہے
تمھارے حال پر بھی کچھ عنایت ہونیوالی ہے

حیران

حیران - منشی محمد حسین خانصاحب شکوہ آبادی ملازم ریلوے گورنمنٹ پولیس اندور خلف منشی محمد اعظم خانصاحب داروغۂ آبکاری شاگرد نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی - آپ ناولسٹ بھی ہیں "شاہدِ رعنا" اور "کرشمۂ شباب" وغیرہ کئی ناول شائع کر چکے ہیں - رسالہ "جلوۂ حیراں" کے اڈیٹر ہیں - عنفوانِ شباب سے آپ کو شعر و شاعری کا شوق ہے - صاحبِ دیوان ہیں مگر دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہے کلام سادہ ہے اور خاصہ کہہ لیتے ہیں - نمونۂ کلام ہنگام

ترتیب وصول ہوا اُس کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

آئینہ پہ غبار جو دیکھا ہے خواب میں
نہ وہ اگلی سی ہے صحبت نہ وہ اگلا سا مزاج
خونِ ناحق بھی چھپائے سے کہیں چھپتا ہے

دشمن کا سر نہو کہیں زانوئے یار پر
کچھ سے کچھ ہو گیا اب تو ترے دربار کا رنگ
حشر کو دیگا شہادت تری تلوار کا رنگ

تصوّر سے ہماری بن پڑی ہے
ہزاروں رہتے ہیں ارماں دلمیں
چین دن کو نہ شب کو راحت ہے

زیارت اُنکی دلکو ہر گھڑی ہے
جگہ تھوڑی سی گنجایش بڑی ہے
عاشقی کیا ہے اک مصیبت ہے

ہم اُسکے جلوے کو ڈھونڈتے ہیں وہ اپنے رُخ کو چھپا رہا ہے

صدا ہماری ہے رب ارنی وہ لن ترانی سُنا رہا ہے

ہوا ہے جو جلکے طور سُرمہ۔ گرے ہیں بیہوش ہو کے موسیٰ

یہ کس کے رُخ سے نقاب سرکی۔ یہ کون جلوہ دکھا رہا ہے

شرنگیں آنکھوں سے ہوتا ہے کسیکی ظاہر
تمھاری دید کی خواہش وہاں بھی ظاہر کی

ہونہ ہو آج تو دشمن کا کہا مان گئے
فرشتے لیگئے جب سامنے خدا کے مجھے

کیا کرونگا حور کا میں اے خدا
مسجد و مندر سے کیا حیراں کو کام

دل تو اُس کا طالب دیدار ہے
نشۂ الفت میں وہ سرشار ہے

حیرت

حیرت۔ پنڈت اجودھیا پرشاد کاشمیری حضرت جرأت کے شاگرد تھے۔ شیفتہ انکی بابت لکھتے ہیں کہ پنڈت صاحب نے چند مثنویاں بھی کہی تھیں اور ایک مختصر سا دیوان بھی مُرتب کرلیا تھا۔ فنِ موسیقی میں اپنے زمانے میں لاجواب تھے۔ اکثر لکھنو اور گاہ گاہ دلّی میں رہا کرتے تھے ۱۲۳۴ھ میں ۳۵ سال کی عمر پاکر انتقال ایک شعر اُنکا بطور یادگار اور نمونہ کلام درج کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو

برنگِ نقشِ پا اُسکی گلی سے اٹھ نہیں سکتا
ہوا ممنونِ احسان خوب اپنی ناتوانی کا

حیرت

حیرت - میر مراد علی تاجر مراد آبادی - شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں تھے - اور تذکرہ مصحفی سے پیشتر انتقال کر چکے تھے - کوہستان کی طرف بغرض تجارت گئے تھے اسی سفر میں قضا کی - فن سخن سے طبیعت کو لگاؤ تھا اور اچھا کہتے تھے یہ چند اشعار انکے لکھے جاتے ہیں ؎

سمجھ کے دیکھا تو بیجا تھا سب گلہ دل کا
یہ چشم تر نے ڈبویا معاملہ دل کا

شریک آہ ہے شور جنوں ہے ۔ وحشت ہے
عجب جلوس سے جاتا ہے قافلہ دل کا

کہاں ہے شیشۂ مے محتسب خدا اسے توڑ
مری بغل میں چھلکتا ہے آبلہ دل کا

کیا لکھیے ترے حسن خداداد کی خوبی
حیرت ہے نہ مقدور قلم کا نہ زباں کا

نظر آیا یہ جہاں نقش بر آب آخر کار
تاج سر پر سے گرا مثل حباب آخر کار

سادہ رویوں کی ولا مہر و محبت پہ نہ بھول
منہ پہ دینگے تجھے صاف جواب آخر کار

رخسار کیا جھلکتے ہیں حلقہ میں زلف کے
آپس میں ہو رہے ہیں بہم کفر و دیں گرہ

حیرت کے دل میں ہائے کوئی آرزو رہی
لکنت سی ہے زباں پہ دم واپسیں گرہ

اب چھوڑ کر کنشت جو کعبہ کو جایئے
وہاں بھی یہی صنم ہو تو کیا منہ دکھایئے

کیا پوچھتے ہو زلف سیہ من میں ڈسے ہے
یاں جان چلی جاتی ہے واں انکی ہنسی ہے

ہم تو اک شیشۂ ساعت کی طرح سے حیرت
خاک چھانا کیئے دنیا میں اور آزاد رہے

حیرت

حیرت دہلوی - میرزا رمضانی - پسر مرزا صمصام الدین اولاد امجاد حضرت شاہجہاں بادشاہ نیک مزاج اور خوش خلق شخص تھے - مرزا رحیم الدین حیا کے شاگرد تھے - یہ انکے اشعار ہیں

کیوں خفا غیر کے کہے سے ہوئے
کیا سنا سنئے اور کیا دیکھا

وہ خار ہوں کسی سے الجھتا نہیں ہوں میں
دشمن کی آنکھ میں بھی کھٹکتا نہیں ہوں میں

دل لگتے ہی یاں جان کے لالے پڑے حیرت
آویگا ابھی دیکھیئے کیا کیا مرے آگے

حیرت اب یار سے کیوں ترک وفا کرتے ہو
پہلے ہی تم نے محبت نہ بڑھائی ہوتی

ابکے گر بچ رہے تو اے ناصح
ہاتھ اٹھائیں گے دل لگانے سے

حیرت- میر غلام فخر الدین صاحب حیرت دہلوی- اعتماد الدولہ قمر الدین خان شہید کے بیٹے اور میر منّو کے پوتے تھے فارسی شعر بیشتر کہتے تھے بسا اوقات کالپی میں رہایش رکھتے تھے شاہ عالم ثانی کے زمانے میں انتقال کیا- چند شعر ملے ہدیۂ ناظرین ہیں-

اوّلِ عشق ہے اور تازہ بہار آئی ہے یہ ستم دیکھوں میں کن آنکھوں سے ای غیرتِ عشق	اب مرا ہاتھ ہے اور دامن رسوائی ہے ایک عالم اُسی کوچے کا تماشائی ہے
ہم اُس بزم سے یوں پُر ارمان نکلے یَں ڈھونڈا جو سینے میں دِل اُسکے بدلے	جوانی میں جس طرح سے جان نکلے کئی اُسکے تیروں کے پیکان نکلے

حیرت- حافظ عبد الرحمن حیرت ساکن جھنجھانہ ضلع منظفر نگر- آپنے مولوی امام بخش صہبائی سے فنِ شعر میں استفادہ کیا اور فن طب کی تکمیل حکیم احسن اللہ خان دہلوی کے مطب میں رہکر کی- محکمۂ دیوانی میں ملازم ہوئے اور عرصے تک دہلی میرٹھ اور مراد آباد میں متعیّن رہے- سر سیّد احمد خان مغفور آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے- چنانچہ ملازمت سے استعفا دلوا کر اپنے پاس رکھکر علیگڈھ سوسائٹی کے مطبع کا کام انکے سپرد کر دیا- مشہور رسالہ تہذیب الاخلاق کی بنیاد بھی آپ ہی کے ہاتھوں قائم ہوئی تھی- آپ کا سرسیّد سے نہایت ارتباط بڑھا ہوا تھا- اور سیّد محمود کے بچپن کے ہی اُستاد تھے- الغرض ۴۵ برس تک سرسیّد مرحوم کے پاس رہے اور تا دمِ مرگ اِن سے جُدا نہ ہوئے- اُردو میں چند مثنویاں اور ایک ساقی نامہ موسوم بہ "ساقی نامۂ حیرت" آپکی یادگار ہے* آپکی استعداد علمی بہت معقول تھی اور فنِ شعر کے اُصولوں سے خوب واقف تھے- صفائی اور سادگی کے ساتھ انکے کلام میں مزہ بھی ہے- اعلیٰ درجے کے مشّاق تھے اور کیوں نہو بڑے بڑے اُستادوں کی آنکھیں دیکھیں تھیں- چند شعر جو دستیاب ہوئے ہدیۂ ناظرین کیئے جاتے ہیں*

کچھ دلمیں بیکلی ہے کچھ ہے جگر میں سوزش پہلو میں اک کسک سے چلی جاتی ہے مدام	ہیں عشق کی بدولت مجھ پر عذاب کیا کیا یہ دل ہے یا چھپا ہے کوئی خار دیکھنا

گر شربتِ وصال نہیں موت ہی سہی
کوئی تو نکلے اِس دلِ بیمار کی ہوس

دین کو زلف و خط و خال و مژہ نے چھینا
دل بھی غالب ہے کہ ہوگا رہی دو چار کے پاس

نہ کھلا ہائے مرا غنچۂ امید کبھی
حسرتیں دل کی رہیں دل ہی میں کیا کیا باقی

اِس زردیٔ چہرہ کا کہو حال تو حیرت
کیا دلکو لگا بیٹھے کسی رشک قمر سے

حیرت

حیرت منشی محمد جان خان خلفِ بایزید خان - آپ الہ آباد کے رہنے والے اور خواجہ آتش کے مشہور شاگرد مرزا اعظم علی اعظم سے ارادت رکھتے تھے - آپکا مطبوعہ دیوان موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصنافِ سخن میں اچھی دستگاہ حاصل تھی اور ضروریاتِ شاعری کے موافق استعدادِ علمی بھی معقول تھی - زبان کی طرف البتہ توجہ کم تھی - چنانچہ اکثر متروک الفاظ اور محاورات نظم کر جاتے تھے مگر انکے مشاق سخن سنج ہونے میں شبہ نہیں بعض بعض شعر تو بے مثل کہہ جاتے تھے ۱۲۷۵ھ کے قریب انتقال فرمایا - اب دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو -

کیوں قالبِ خاکی میں ہوا روح کا مسکن
عقدہ نہیں کھلتا ترے اسرار نہاں کا

بیوجہ میرا دل نہیں مجھ سے بدل گیا
افسوں تمہاری چشم فسونگر کا چل گیا

اللہ رے شعلۂ رخِ روشن ترا فروغ
نظارہ جا کے صورتِ پروانہ جل گیا

دل کیحالت ہے جو کچھ تم کو دکھاؤں کیونکر
داغ دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا

نہ تو بلبل کا ٹھکانا نہ کہیں گل کا پتا
اے خزاں تو نے اجاڑے ہیں گلستاں کیا کیا

شریک روح ہے قالب میں آپکی اُلفت
یہ جب تلک ہے مرا دم نکل نہیں سکتا

خود بخود آج رگِ جاں کا لہو جوش میں ہے
یاد آیا ہے اسے نشترِ مژگاں کسکا

دکھلائے خدا اُس بتِ گلفام کی صورت
دنیا میں یہی ہے مری آرام کی صورت

پڑی کشتیٔ عمرِ رواں بحرِ طلاطم میں
یہ عشق آیا ہے جسدن سے بلائے ناگہاں ہوکر

مجال کیا جو کریں عذر حکمِ یار میں ہم
دل اُسکی قید میں ہے جسکے اختیار میں ہم

اُن کو تم اپنا فتنۂ قامت دکھا نہ دو
جن جن کو گفتگو ہے قیامت کے باب میں

بلا کی حسن میں آرایش وایجاد کرتے ہیں
پری زادوں کو دیوانہ یہ آدم زاد کرتے ہیں

وہ خود کیسا ہے جس نے ان حسینوں کو بنایا ہے
انھیں جب دیکھتے ہیں ہم تو اُسکو یاد کرتے ہیں

تم بھی رہو جو پاس تو ہو لطف ورنہ یار
ہم رہ کے کیا کرینگے اکیلے بہشت میں

حسینانِ جہاں جسکو نگاہِ ناز کہتے ہیں
جو عاشق ہیں اُسی کو تیرِ بے آواز کہتے ہیں

نگاہِ قہر نے مارا جلایا مسکراہٹ نے
کرامت اِسکو کہتے ہیں اُسے اعجاز کہتے ہیں

کچھ سوئے مردمِ بیمار نظر ہے کہ نہیں
پھر بھی رونق تجھے اے دیدۂ تر ہے کہ نہیں

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

نہ چین پائے کسی طرح سے دلِ عاشق
یہی تو ایک وہ کارِ ثواب سمجھے ہیں

چلتے ہیں عجب چال قیامت کی یہ گلرو
پامال کیے دیتے ہیں ہستی کے چمن کو

اُٹھاؤ خونِ ناحق سے مرے ہاتھ
یہ ہو جائے گا دامنگیر دیکھو

دیکھتے دیکھتے مرجائینگے ہم یار کی راہ
دم بھی نکلیگا تو اس دیدۂ بیدار کی راہ

بیدرد ہیں وہ پھینک نہ دیں پاؤں سے مل کر
پچتائیگا اے دل مرے پہلو سے نکل کر

جاتی تو ہے یہ عمرِ رواں راہِ طلب میں
دیکھیں اسے کب عشق کی منزل نظر آئے

دیدۂ بیدار جو کچھ دیکھنا ہے دیکھ لے
حشر تک جس سے بچ نکلے گا وہ خواب آئیگا

سُنا ہے زخمیِ تیغِ ادا کا دم نکلتا ہے
ترا ارمان نے اے قاتلِ عالم نکلتا ہے

مرقد سے میرے اُٹھ کے بگولا جو رہ گیا
کہنے لگے یہ خاک کسی ناتواں کی ہے

وہی دل اپنے قابو میں نہیں ہے
جسے پالا کیے خونِ جگر سے

نہالِ دل ابھی سرسبز ہو جائے
جو تیرا ابرِ رحمت آ کے برسے

پڑا ہے بسترِ غم پر نہ دانہ ہے نہ پانی ہے
تمھارے عاشقِ شیدا کی طرفہ زندگانی ہے

تری آنکھوں کی سُرخی دیکھکر میخوار کہتے ہیں
بلوریں جام میں شاید شرابِ ارغوانی ہے

جو ذکرِ بیقراری کیجیے اُن سے تو کہتے ہیں ٭ یہ بیتابی نہیں ہے موجِ آبِ زندگانی ہے ٭

اُس جگہ دل کو لیگئی تقدیر
کہ تصور جہاں گذر نہ کرے

دن کو خیالِ رخ ہے تو شب کو ہے یادِ زلف
بس ہمنو ہو گئے اسی لیل و نہار کے

بازآؤ ظلم سے کہ یہ ظلم دو روزہ ہے
اُڑ جائینگے ہوا کی طرح دن بہار کے

نرگس کے پھول قبر پہ دیکھے تو بول اُٹھے
مرنے پہ گل کھلے نگہِ انتظار کے

اُس کا تو نور جلوہ نما ہر بشر میں ہے
اَے غافلو! قصور تمھاری نظر میں ہے

تلخی اگرچہ صبر کی شاخ و شجر میں ہے
شیرینی انتہا کی پر اُسکے ثمر میں ہے

تب حال کھُلے گا مری بیتابیٔ دل کا
پڑ جاؤگے جسدن کسی بیرحم کے پالے

اے گل صدائے نالہ مرے ہر نفس میں ہے
سینہ میں دل ہے یا کوئی بلبل قفس میں ہے

درپیش ہیں جو رنج و الم کہہ نہیں سکتے
ہم پہ جو گذرتی ہے وہ ہم کہہ نہیں سکتے

دسترس یار پہ کیونکر مجھے حاصل ہو جائے
اُس سے کیا زور چلے جسکی طرف دل ہو جائے

دعویٔ حسن بہت چودھویں کے چاند کو ہے
زلف اُلٹو تو جواب مہِ کامل ہو جائے

مرغ دل ہی نہیں کچھ تیرِ نگہ سے بسمل
طائر جاں بھی تو صیاد ترے دام میں ہے

چشم میگوں کے اشارے سے یہ فرماتے ہیں
بیخودی نام ہے جس کا وہ اسی جام میں ہے

مذہب عشق میں عاشق کو عجب لطف ملا
کہ نہ وہ کفر میں حاصل ہے نہ اسلام میں ہے

جیتے جی عشق سے راحت نہ پس مرگ نجات
اسکے آغاز میں جو ہے وہی انجام میں ہے

حیرت

حیرت۔ جناب بابو عبدالقدیر خان صاحب پانی پتی۔ آپکو کوثر خیرآبادی سے تلمذ حاصل ہے بھنڈارے میں زیادہ تر سکونت رہتی ہے حالات باوجود تلاش نہیں ملے کچھ کلام نظر سے گذرا۔ اس میں سے یہ چند شعر منتخب ہوئے۔

رُک گئی چلکے ذرا تیغ جو گردن پہ مری
زخم کو خوبیٔ تقدیر پہ خنداں دیکھا

وہ دل ہے کیا جو شیفتۂ مہ وشاں نہیں
وہ جان کیا جو وقفِ نثار بتاں نہیں

فتنے قدم قدم پہ اُٹھاتا ہے لاکھ لاکھ
انداز اُسکی چال کے محشر سے پوچھ لو

حیرت کو آج قسمتِ جمشید مل گئی	جام شراب ہاتھ میں دلبر بغل میں ہے
دل کے داغوں سے ہے یاں سرو چراغاں روشن	شمع تربت پہ ہماری نہ جلائے کوئی
ضد تو جب ہے کہ ابھی میری بغل میں آ جاؤ	کہہ رہا ہوں کہ میرے پاس نہ آئے کوئی

حیرت

حیرت ۔ محمد اسحٰق نام مراد آباد کے رہنے والے اور حضرت قمر مراد آبادی کے شاگرد صرف یہ معلوم ہے کہ ۱۸۷۰ء میں زندہ تھے نمونۂ کلام میں صرف دو شعر درج ذیل کیے جاتے ہیں

یاد آتی ہے تری جنبشِ مژگاں جو مجھے	تیر سا اک مرے پہلو میں کھٹک جاتا ہے
غل یہ ہوتا ہے کہ خورشید قیامت نکلا	داغ دل سے مرے پھاہا جو سرک جاتا ہے

حیرت

حیرت ۔ مولوی احمد کبیر وکیل عدالت پٹنہ ۔ صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ آپ ۱۸۷۰ء کے قریب زندہ سلامت موجود تھے اور پٹنہ کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے یہ چند شعر انکے نتائج افکار سے ہیں ۔

منصب ملا نہ فقر کا منغر نہ جاہ کا	یارب بُرا ہو اخترِ بختِ سیاہ کا
خرقہ وہی ہے خوب جو بھٹی میں رہن ہو	مشرب بدل دو زاہد و اب خانقاہ کا
تارے ہوئے غروب حسینانِ دہر کے	کوکب ہوا طلوع جو اُس رشکِ ماہ کا
کیا راہِ پُر خطر سے گیا بے خطر وہ شخص	جو شخص معترف ہوا اپنے گناہ کا
کیوں تلخیٔ گناہ کو شیریں کرے نہ عفو	ہے عفوِ حق خاص دلِ عذر خواہ کا

حیرت

حیرت ۔ مولوی سید عنایت احمد صاحب ابن مولوی سید مطیع احمد صاحب مرحوم بدایوں کے رہنے والے ہیں ۔ آپکی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سید شرف الدین محمد علی نقوی قبائی سے ملتا ہے جو ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں مسجد قبا سے قبۃ الاسلام بغداد سے بدایوں میں آکر آباد ہوئے اور ۶۵۱ ہجری میں انتقال کرکے خاک چندوسی میں مدفون ہوئے اُنکے بعد سید علاؤ الدین علی رضوی جو حضرت سلطان المشائخ سید نظام الدین بدایونی کے پیر تھے اُنکے جانشین ہوئے ۔ اسیطرح یکے بعد دیگرے

سید حمزہ دانشمند بدایونی مصنف میزان الصرف وغیرہ بہت سے بزرگ اِس سلسلہ میں جانشین ہوتے رہے جو دانشمند کے خطاب سے ممتاز کیئے جاتے تھے (لفظ دانشمند شاہی زمانے میں آجکل کے ایم اے کا ہم معنی سمجھا جاتا تھا) چنانچہ آخر میں آپکے والدِ ماجد اسی سلسلہ میں اپنے اسلاف کے جانشین ہوئے۔

آپکا مقام ولادت لشکر گوالیار ہے ۲۷ رجب ۱۲۷۹ھ ہجری کو آپ پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر تک پُرانے اُصولوں پر فارسی پڑھتے رہے اسکے بعد عربی شروع کی اور میزان سے لیکر تمام علوم عقلی و نقلی درسِ نظامی کے مطابق اُن سے حاصل کیئے۔ اِسکے بعد آپکے والد ماجد صاحب نے آپکو انگریزی پڑھانی چاہی مگر اُسوقت آپکے نزدیک انگریزی پڑھنا گویا کفر تھا۔ لہذا ایک سال ضائع بھی کیا مگر بجز پرائمری کے اور کچھ نہ پڑھا۔ لیکن اب اُس ضائع شدہ وقت اور اپنے خام خیال کا آپ کو نہایت افسوس ہے۔

اسکے بعد آپ کو شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا اور اپنے عمّ بزرگ مولانا مولوی دلدار علیصاحب مذاق کو کلام دکھانا شروع کیا جو خاقانی ہند اُستاد ذوق کے ارشد تلامذہ میں سے تھے مگر آخر عمر میں اُن کا دل و دماغ چونکہ ضعیف ہو گیا اُنکو اصلاح کی تکلیف دینا مناسب نہ سمجھکر آپ حضرت داغ دہلوی کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ مگر آپکے کلام کا بدقسمتی سے بہت سا حصّہ ضائع ہو گیا۔ اب چند غزلیں اور دو ایک قصیدے باقی ہیں جو آپنے بطور سندِ تفاخر اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں اور جن پر اُستاد نے کہیں کہیں اصلاح فرمانے کے بعد آپکے کلام کی تحریری داد بھی دی ہے۔ آپنے اُن قصائد اور غزلوں کی نقلیں درج تذکرہ ہونے کی غرض سے قاضی مقصود حسن صاحب حیرت کی معرفت بھیجی بھی تھیں مگر افسوس قاضی صاحب کے دفعتہً انتقال ہو جانے کی وجہ سے ہم تک نہ پہنچیں سُنا ہے کہ آپنے چند ایسی کتابوں پر حواشی اور شرحیں بھی لکھی ہیں جو اُردو کے لیئے نہایت مفید ہیں مگر افسوس وہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔ آپ سابق میں پانچوڑہ کے مجسٹریٹ بھی رہ چکے ہیں اب پولیس کمشنری کے

ہمعصر عہد سے پر ممتاز ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ شوخی مضمون اور معاملہ بندی میں اپنے اُستاد کی تقلید خوب کرتے ہیں۔ اب کوئی ۲۵ سال کی عمر ہوگی خلیق اور بامروت انسان ہیں جو کلام ہنگام ترتیب ہمیں موصول ہوا ہے اُس کا انتخاب ملاحظہ فرمایئے۔

تاک میں ہے آنکھ جو کی اُل یاروں کا ہوا
ورنہ کیوں اکثر اٹھایا دل کو اکثر رکھ دیا

یوں تسلی دیجیے تڑپا یا ہے اُف رے شوخیاں
اور مضطر کردیا جب ہاتھ دل پر رکھ دیا

یہ کوئی سیٹھی چھری تھی یا نگاہِ ناز تھی
ہیں ترے قربان یہ کیا دل کے اندر رکھ دیا

ایسے افسانے ہیں واعظ سینکڑوں حیرت کو یاد
ساغر مے تیرے کہنے سے مقرّر رکھ دیا

عبث دستِ جنوں ہے مبتلائے سودا ساماں میں
کفن کو بھی نہیں ہے تار باقی اب گریباں میں

چھپائے سے چھپیں گے ہیں جو رخنے جیب داماں میں
ذرا منہ ڈال کر دیکھو تو تم اپنے گریباں میں

ٹھہرتے کیوں لگے وہ پردہ ہائے چشم گریاں میں
رہے پا پوش اُنکی ایسے پر آشوب زنداں میں

طرارے بھر رہی ہیں حسرتیں آوارہ گردی کی
بیاباں ہے مرے دلمیں مرا دل ہے بیاباں میں

کشش کا لطف کاوش کا مزہ پایا کہ رہتا ہے
ترا پیکاں مرے دلمیں مرا دل تیرے پیکاں میں

بڑا ہی تیر مارا آنکھ اُٹھا کر مجکو کیا دیکھا
یہ کچھ منت ہے منت میں یہ کچھ احسان ہے احساں میں

عبث ہذیاں سرائی کی سفر میں تم نے اے حیرت
نہایت خوب تھا خاموش رہتے بزم یاراں میں

کھلیں آنکھیں تو آنکھیں بند ہوجانیکا وقت آیا
مجھے زندہ سمجھی تک جانیو جبتک کہ غافل ہوں

ہوا کرتے ہیں ناز انداز یوں تو سب حسینوں میں
کہاں سے لائے کوئی آپکے بیساختہ پن کو

اُمنگیں حسن کی اُسپر تقاضا خود نمائی کا
چھپا رکھیں چھپا سکتے ہیں گر وہ اپنے جوبن کو

خلش نوکِ مژہ کی زخمِ دل کو یاد آئی ہے
ذرا قابو میں رکھنا بخیہ گر تو نوکِ سوزن کو

یہی شادی ہوا ئی جوشِ جنوں جی کچھ تو ٹھنڈا ہو
مرے دامن کا آنچل ہو مرے اشکوں کا سہرا ہو

خیال اسکا عبث ہی مجکو کیوں غیروں سے شکوا ہو
اُسے دشمن کی کیا حاجت ہی جسکا دوست ایسا ہو

یہ مانا آپ اچھے آپکی آنکھیں بہت اچھی
کوئی بیمار اچھا ہو تو ہم سمجھیں مسیحا ہو

سُنا جائے باتیں دکھائے جائے آنکھیں
نہ ٹھکراؤ مرا سر بختِ خفتہ جاگ اُٹھے گا
ہوئے جاتے ہیں باہر آپ تو جامے سے غصے میں
مریجاں اسقدر پرہیز کیوں کرتے ہو حیرت سے

دیکھکر شایستۂ طوقِ گراں جانی مجھے
کیوں دکھاتے ہو عرق آلودہ پیشانی مجھے
غیر کو آنے ندوں تمکو کہیں جانے ندوں
میری تنہائی ہوئی یا اُنکی یکتائی ہوئی
دوستی نادان سے کی ہو گیا جی کا زیاں
ہو اگر گھر در تو کچھ اندیشہ وحشت نہیں
عقل سے کیا واسطہ سرشارِ جامِ عشق کو
ملگیا جو کچھ کہ ملنا تھا ہمیں روزِ ازل
دیکھئے حیرت کی صورت کیا خدا کی شان ہے

قسم ہے میں نے گر کچھ بھی سُنا ہو کچھ بھی دیکھا ہو
جگانا منع ہے اُسکا جو میٹھی نیند سوتا ہو
اگر اس طرح کوئی دیکھ لے فرمایئے کیا ہو
مرے دلمیں رہو تم تو مرے دلکی تمنا ہو

کردیا پابندِ قیدِ ہستی فانی مجھے
اِس پشیمانی سے ہوتی ہے پشیمانی مجھے
کاش ملجائے تمھارے گھر کی دربانی مجھے
ایک دونوں کا نظر آتا نہیں ثانی مجھے
اب مزا دیتی ہے کیا کیا میری نادانی مجھے
ہیں بیاباں گرد ہوں کیا فکرِ ویرانی مجھے
کوئی دیوانہ سمجھتی ہے یہ دیوانی مجھے
پاک دامانی تجھے اور چاک دامانی مجھے
جی رہا ہے کیونکر اب تک ہے یہ حیرانی مجھے

دوست ہو میرے مگر کس کام کے
غیر کے دشمن ہو لیکن نام کے
یہ قدم سر پر ہوں یا قدموں پہ سر
ہیں یہی دو ڈھب مرے آرام کے
ساقی سرمست میخانے کی خیر
دیر سے سائل ہیں ہم بھی جام کے
دوست دشمن کا نہیں کچھ امتیاز
خاصّے ہیں اُنکے لطفِ عام کے
سر گئی آخر کو رسوا تاک جھانک
ہیں نتیجے ہی بُرے بد کام کے
رات دن ہے کام تمکو غیر سے
دن پھریں کیونکر کسی ناکام کے
کنجِ گمنامی میں حیرت چُپ رہو
مرحلے طے کر کے ننگ و نام کے

کیا اب نہو گی میری طرف کو نگاہ بھی
آخر کوئی خطا بھی ہے کوئی گناہ بھی

مُنہ تاکتی ہی رہ گئی عاشق کی آہ بھی
حیرت بڑی بلا ہے حقیقت میں چاہ بھی

نکلا نہ مُنہ سے آپکے جھوٹوں کو واہ بھی
انکو نباہتے ہی نبیگی نباہ بھی

یہ بھیڑ بھاڑ اور یہ قیامت کی آب و تاب
محشر سے کم نہیں ہے تری جلوہ گاہ بھی

چاہا تمھیں خطا ہوئی فرمائیے معاف
ہوتا ہے آدمی ہی سے آخر گناہ بھی

اُنکی طرف ہے آنکھ اُنھیں کیطرف ہے دل
ساتھی نہیں ہمارے ہمارے گواہ بھی

ہے بلا خیز کوچۂ قاتل
جسکو پروا ہے سر نہو جائے

بیطرح گھات میں ہے دزدِ نگہ
کچھ ادھر کا اُدھر نہو جائے

ہے قیامت کی دھوپ محشر میں
خشک دامانِ تر نہو جائے

حیرت

حیرت۔ سخنورِ خوش فکر و ماہرِ فن قاضی مقصود حسن خلف حاجی ارشاد علی صاحب آپکی مرسلہ تحریر سے معلوم ہوا کہ آپکے آبا و اجداد کا اصلی وطن یمن تھا۔ پھر دلّی ہوا۔ اب شاہجہانپور رہیلکھنڈ ہے۔ جس وقت ہندوستان میں اسلامی حکومت زوروں پر تھی اور دلّی دار الخلافہ ہونیکی وجہ سے ہنرمندوں کا مرجع و ستم رسیدوں کا ملجا و ماوی تھا آپکے بزرگ قاضی سید مہدی صاحب دلّی میں تشریف لائے اور بتائید اقبال بحکم شاہی سے خدمتِ قضا پر مامور ہو گئے۔ زمانہ جبتک موافق رہا آپکے بزرگ دہلوی ہونے پر فخر کرتے رہے مگر انقلابِ زمانہ اور اتفاقات وقت نے ہمیشہ دلّی میں رہنے نہ دیا چنانچہ بحکمِ شاہی سے شاہجہانپور گئے اور عہدۂ قضا کا فرمان بھی ساتھ لیتے گئے۔ اُسوقت سے وہیں ہیں اور یہ عہدہ بھی ابتک آپکے خاندان میں چلا آتا ہے۔

آپ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے چودہ برس کی عمر تک اپنے چچازاد بھائی سید محمد حسن میاں سے فارسی اور عربی کی صرف و نحو پڑھتے رہے۔ موزونی طبع اور شاعرانہ مذاق ازل سے اپنے ساتھ لائے تھے اِس لیئے تعلیم و مطالعہ میں اکثر نظم اور فنِ نظم ہی کی کتابیں رہیں۔ مولٰنا جامی۔ حضرت نظامی۔ امیر خسرو۔ اور علامۂ فیضی کے علاوہ دیگر باکمال

اساتذہ اور مشاہیر شعرائے اُردو کی تصنیفات سے بھی استفادہ کرتے رہے۔ اِس اثناء میں جب کبھی آپکا فطری جوش اُبھارتا تھا تو فارسی یا اُردو کچھ کہہ بھی لیتے تھے۔ مگر بزرگوں کے خوف اور لوگوں کی ہانسی کی شرم سے جو کچھ کہتے تھے اُسکو مخفی رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ بزرگوں کی چشم پوشی اور ہمنشینوں کی تحریک سے وطن کے مشاعروں میں جانے لگے۔ مگر کیفیت یہ رہی کہ اپنی غزل جو بڑے ذوق و شوق سے لکھتے تھے وہ یونہی یونہی بغیر پڑھے واپس لے آتے تھے۔ تاہم اِن جلسوں کے اثر سے روز بروز اِس شوق کو ترقی ہوتی گئی۔ طبیعت فطرتی طور سے تشبیہ و استعارہ سے بے لگاؤ تھی اور زبان کی سادگی۔ بندش کی چستی اور محاورات کی چپیدگی پر مٹی ہوئی تھی۔ لہٰذا جو کچھ کہتے تھے اپنے رنگ میں کہتے تھے اور خود ہی کہکر اپنا دل خوش کر لیتے تھے یہ طریقہ بہت دن تک جاری رہا۔ پھر بعض شفیق دوستوں کے اُبھارنے سے مشاعروں میں غزل پڑھنی شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد آپ بہ تلاشِ روزگار عازم گوالیار ہوئے اور منشی سوہن لال صاحب چیف جسٹس کی عنایت سے صدر عدالت گوالیار میں ملازم ہو گئے انھیں ایام میں آپکے دوست مولوی غلام غوث صاحب توحید اور منشی کفایت علیخاں صاحب رُسوا نے انھیں ایک باقاعدہ اور بالالتزام شاعر بننے کی صلاح دی اور نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغ دہلوی کا کلام بھی اکثر سُنایا۔ آپ اِس طرزِ ادا کے دلدادہ تھے ہی بلا تامل حضرت ممدوح کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ۱۸۹۳ء میں اصلاح کے لیئے غزل بھیجی اور تلامذہ کی فہرست میں نام درج ہونے کا فخر حاصل کیا۔ دربار تاجپوشی ۱۹۰۳ء کے موقع پر آپ دلّی بھی تشریف لائے تھے۔ اور منشی رام پرشاد صاحب ظاہر دہلوی کے ہمراہ راقم سے ملاقی بھی ہوئے تھے۔ اُن ایام میں حضرت داغ بھی دلّی میں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ آپ روزانہ حضرت داغ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور بڑی عقیدت و ارادت مندی سے پیش آتے تھے۔ آپنے ۲۰ سال کامل مشق سخن کی اور فطری ذہانت

کبو جو سے بہت اچھا ملکہ پیدا کر لیا تھا۔ مشہور زمینوں میں ایسے ایسے شعر نکال لیجاتے تھے کہ مستند اُستادوں کے کلام میں ملا دیتے تھے۔ تقریباً ۵ا غزلیں اور متفرق قطعات رباعیات۔ مسدسات اور مخمسات حضرتِ اُستاد کی نظر سے گزرے ہوئے اور اصلاح شدہ آپکے پاس موجود تھے۔ روزمرہ کی صفائی۔ مذاق اور خیال دونوں پاکیزہ۔ مضمون کیطرف بھی میلانِ خاطر تھا اور بندش کی ندرت اور چستی آپکے کلام کا خاص جوہر تھی۔ مگر افسوس صد افسوس بعالم شباب ۳۷ یا ۳۸ سال کی عمر پاکر سنہ ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا۔ دس بارہ برس ہوئے آپنے اپنے دیوان کا انتخاب راقم تذکرہ کو بھیجا تھا اُس میں سے مفصلۂ ذیل شعر انتخاب کرکے پیش کش ناظرین کیے جاتے ہیں +

ہم سے تو شکر بھی ہے ہوتا محال تیرا
وہ لطف وہ کرم ہے اے ذوالجلال تیرا

تو جان کا بھی مالک ایمان کا بھی مالک
یہ بھی ہے مال تیرا وہ بھی ہے مال تیرا

آنکھوں کو نور بخشے دل کو سرور بخشے
کیا جلوہ جانفزا ہے اے ذوالجلال تیرا

کیفیتیں طلب کی اس دل سے کوئی پوچھے
جس دل میں بس رہا ہے شوقِ وصال تیرا

ہر شے میں دیکھتے ہیں تیری تجلیاں ہم
آنکھوں کے سامنے ہے ہر دم خیال تیرا

حیرت کی یہ دعا ہے جبتک جیوں الٰہی
ہر وقت دُھن ہو تیری ہر دم خیال تیرا

خانۂ دلمیں نہ ڈھونڈا یونہیں بھٹکے گھر گھر
لگ چکا تم کو پتہ شیخ وہ ہمیں اُنکا

کیا قیامت تھا وعدۂ دیدار
مدت العمر میں وفا نہ ہوا

غمِ عشق راحت فزا ہوگیا
مرا درد میری دوا ہوگیا

ستم کرکے اب دلمیں نادم ہو
مریجان جو کچھ ہوا ہوگیا

ہوا غیر جب سے شریک ستم
تمہارا ستم بے مزا ہوگیا

وہ جادو بھری ہے کسیکی نگاہ
جدھر پھر گئی فیصلہ ہوگیا

حسین آشنا اپنے مطلب کے ہیں
ہمیں خوب یہ تجربا ہوگیا

کیوں کیا تم نے نہ آ کر پائمال
میرا لاشہ خاک پر لوٹا کیا

ذبح تو کر ڈالا تیغ ناز سے
اور پھر کہتے ہو میں نے کیا کیا

آہ وہ بیکار ہی نکلی آخر
دلِ ناکامیاب دیکھ لیا

آپ پی کے حضرت واعظ
لطف جام شراب دیکھ لیا

بیخودی کیوں ہے او دلِ ناداں
کس کو خانہ خراب دیکھ لیا

آرزوؤں سے جو خیبر ہے وہی جہاں اچھا
دشمنِ جان بھی غارتگرِ ایمان بھی ہیں
وہ اگر تیر کیے بیٹھے ہیں خنجر اپنا
مژدۂ قتل مبارک ہو مرے دشمن کو
قتل نامہ مرا یوں تو نہ مکمل ہوگا
ابھی ٹھہرو کہ ابھی باقی ہے بیتابیِ دل
تم سمجھتے ہو کہ محشر میں رعایت ہوگی
ہوگئی محشر میں سب خلقِ خدا انکی طرف
اور وہ ملکر رہے مصروف تماشا قاتل
اُسنے پہچان لیا بزم میں ہمکو حیرت
ستم کر گیا اور بھی وقتِ رخصت
میرے مرنے کا یقیں جب انکو پورا ہوگیا
سرگزشتِ ہجر میں بھی تو مزا آنے لگا
شوق کے پہلو بچا کر اُنسے کی مخفی گفتگو
کیا کہیں کس سے کہیں غمخوار اپنا کون ہے
کیوں بگڑتے ہو نہیں تھے غیر کے ہمراہ تم!

تو مصیبت بنکر نہیں رہنا شبِ ہجران اچھا
ان بتوں سے جو رہے دور وہ انسان اچھا
ہم بھی پھرتے ہیں ہتھیلی پہ لیے سر اپنا
آپ احسان نہ رکھیے مرے سر پر اپنا
پہلے تم نام تو لکھو سرِ محضر اپنا
ابھی رہنے دو ذرا ہاتھ جگر پر اپنا
گر خطر [illegible] ہوا اور [illegible] اپنا
ہائے کوئی بھی نہیں ہے سرِ محشر اپنا
دو گھڑی اور بھی تڑپے دلِ مضطر اپنا
کیا پشیمان ہوئے ہیں نہیں [illegible] اپنا
وہ مڑ مڑ کے انکا ادھر دیکھ لینا
ہاتھ مل مل کر کہا افسوس یہ کیا ہوگیا
ہم مصیبت کہنے بیٹھے انکو قصہ ہوگیا
چھپ سکا لیکن نہ اظہارِ تمنا ہوگیا
ایک دل اپنوں میں تھا وہ بھی پرایا ہوگیا
میری ہی تقصیر ہے مجھکو ہی دھوکا ہوگیا

ماں ہی کیا تھا جو تم دلکو اڑا کر لیگئے
انتظار اس کا تھا ہم کو اسی میں بس تمنا ہو گیا

انکو جاتا تم نے حیرت کو وفادار نہیں فرد
امتحاں کا تھا ارادہ وہ بھی پورا ہو گیا

حالِ دلِ مہجور کا نقشا نہیں دیکھا
دیکھو تو ادھر پھر تو کہو کیا نہیں دیکھا

کیا لاکھوں حسیں اپنی نظر سے نہیں گزرے
اس وضع کا اس طرز کا ایسا نہیں دیکھا

دشمن کی مدح اور ہماری مذمتیں
لے کے سوا ہے اور تمھارے دہن میں کیا

ظالم کی جو ادا ہے غضب دلفریب ہے
شوخی میں کیا ہے ناز میں کیا سادہ پن میں کیا

جھوٹے غضب کے تھے مجھے بیچین کر گئے
یارب بھرا ہوا تھا ہوائے وطن میں کیا

مجھ میں بہت ہے دم ترے خنجر کیواسطے
اتنی بھی جان اب نہیں مجھ خستہ تن میں کیا

یہ کہکے وہ تو داورِ محشر سے چلدیئے
کیا جانے بک رہا ہے یہ دیوانہ پن میں کیا

مایوس ہوکے پوچھتے ہیں مجھ سے اہل شہر
حیرت جناب داغ ہے اب کس میں کیا

تقصیر وار کون ہے انصاف سے کہو
مجھ پر غضب ہے کہ دلِ بیقرار پر

نہ قبضہ دل پہ ہے اپنا نہ قابو جانِ مضطر پر
الٰہی کیا کروں دل لوٹ کر آیا ہے دلبر پر

ترے بیمار غم کے واسطے آب بقا سم ہے
کہ اسکی زندگی تو منحصر ہے آب خنجر پر

یہ جھگڑا تو ہمیں کا تھا ہمیں اسکو مٹا دیتے
ہمارا فیصلہ کیوں منحصر رکھا ہے محشر پر

خیالِ چشم میگوں میں یہ کیفیت ہے حیرت کی
کبھی گرتا ہے شیشہ پر کبھی گرتا ہے ساغر پر

جلوۂ یار عجب شان سے ہم دیکھتے ہیں
صورتِ آئینہ حیران سے ہم دیکھتے ہیں

ترک الفت تو کرے سیر سے ممکن ہی نہیں
یہ تو باہر ترے امکان سے ہم دیکھتے ہیں

سینہ و دل کبھی آباد تھے ارمانوں سے
اب وہی گھر ہیں کہ ویران سے ہم دیکھتے ہیں

خنجر قاتل سے کوئی دم میں ہوا ہوتا ہے
پاؤں اکھڑے ہوئے میدان سے ہم دیکھتے ہیں

اے اجل اب تو ہمیں ڈھیر ہمارا ہو گا
پاؤں اٹھتا نہیں میدان سے ہم دیکھتے ہیں

دیکھنے دو ہمیں چہرے کو چھپاتے کیوں ہو
کیا خبر تمکو کس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

وہ ترے شعر سنا کرتے ہیں اکثر حیرت   ذوق ہے کچھ ترے دیوان سے ہم دیکھتے ہیں

وصل کے وعدے پہ وہ اچھی طرح جمتے نہیں   عہد کچھ یونہی سے ہیں پیمان کچھ یونہی سے ہیں

ذاتِ والا ہیں تو ہیں سارے فرشتوں کے صفات   شیخصاحب آپ تو انسان کچھ یونہی سے ہیں

اپنا یہ حال جان چلی اضطراب میں   اُنکا یہ قول ٹالیئے برسوں جواب میں

بے التفاتیوں کا گلہ اُن سے کیا کروں   کیا کم عنایتیں ہوئیں مجھ پر عتاب میں

عاشق بھی کہتے مجکو کہا ہے جو نامُراد   اتنا اضافہ اور ہو میرے خطاب میں

ہر روز ایک کشمکشِ تازہ پیش ہے   حیرت کی جان عشق نے ڈالی عذاب میں

نکلنا دل سے تیروں کا ترے مشکل سمجھتے ہیں   بتِ ناوک فگن ہم انکو جزوِ دل سمجھتے ہیں

دمِ تقریر سو پہلو بچاؤں میں تو مطلب کے   غضب یہ ہے وہ میرا مدعائے دل سمجھتے ہیں

بڑے نیلوٹ ہیں ہنستے چڑھا جو انکے اُنکا ہے   برا با دل سمجھتے ہیں نہ اپنا دل سمجھتے ہیں

تمھاری طرح یہ بھی خون ارمانوں کے کرتا ہے   تمھیں قاتل نہیں ہم دلکو بھی قاتل سمجھتے ہیں

تجھی کو مانگتے ہیں تجھسے تیرے مانگنے والے   حقیقت دو جہاں کی کیا ترے سائل سمجھتے ہیں

بڑی بیڈھب جگہ اٹکے ہوا کی بار لے حیرت   تمھارے داؤں میں وہ آئے ہم مشکل سمجھتے ہیں

سینہ و دل میں چلا کرتی ہیں چھریاں کیا کیا   جبدم آتا ہے خیالِ خمِ ابرو دل میں

ناوک انداز ہیں قربان تری آنکھوں کے   تیر تیرے ہوئے سب آکے ترازو دل میں

نہ وعدوں ہی سے ملتے ہیں نہ اقراروں سے ملتے ہیں   خدا جانے یہ بت کیونکر طلبگاروں سے ملتے ہیں

جناب شیخ اب چھپ چھپکے میخواروں سے ملتے ہیں   یہ اپنی وضع کے پابند ہیں یاروں سے ملتے ہیں

ملاقاتوں سے نیت کوئی مشتاق کی بھرتی ہے   تمنا اور بڑھتی ہے جو دلداروں سے ملتے ہیں

مزا ملتا ہے داسمیں دے کسیکو بے طلب کوئی   یہ کیا ملتا ہے دو بوسے جو تکراروں سے ملتے ہیں

یہ حسن و عشق کی دولت ہے جتنے فراغ ہیں دلپر   یہی انعام ان فیاض سرکاروں سے ملتے ہیں

نہ جلوہ دلربا تجھسا نہ ہوئے جانفزا تجھ سی   یہ گل رنگت میں کچھ کچھ تیرے رخساروں سے ملتے ہیں

مزے کی چھیڑ ہوتی جاتی ہے صحرا نوردی میں
مری حالت پہ وقتِ واپسیں کیا اُنکو رحم آیا

اے چارہ گر نہ پوچھ کہاں ہے کہاں نہیں

تھا اُن شرارتوں کا مزہ کمسنی کے ساتھ
بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتے ہیں ہم

اُمیدِ لطف تم سے نہو تو کسی سے کیا
حیرت کسی نے یاد کیا ہے تمہیں ضرور

مری تصویر کا سر کاٹنے بیٹھے ہیں خنجر سے

جفائے غیر کا شکوہ کیا میں نے تو وہ بولے
مرے نالے وہ سنکر حشر میں کہنے لگے چپ چپ

قدم کے آبلے سب پھوٹکر خاروں سے ملتے ہیں
کبھی غیر وہ کیوں میرے غمخواروں سے ملتے ہیں

قابل علاج ہی کے یہ دردِ نہاں نہیں
پہلے جو شوخیاں تھیں وہ اب شوخیاں نہیں

یوں آپ لاکھ کہیے کہ ہم بدگماں نہیں
کون اپنا مہرباں جو تمہیں مہرباں نہیں

پیوستہ تیرِ یار ہیں یہ ہچکیاں نہیں

انھیں ہر دم یہی دھن ہے کہ ستم ہو اور نرالا ہو
ہمارے چاہنے والے کا پتھر کا کلیجا ہو
یہ کیا کہتا ہے ظالم داورِ محشر نہ سنتا ہو

نگہِ یاس بھی قیامت تھی
آج دیکھا تھا بے حجاب اُنھیں
دردِ الفت کی سختیاں اُف اُف
ہوش جاتے رہے خدا کی قسم

کچھ نہ پوچھو جو اُنکی حالت تھی
ہائے کیا دلفریب صورت تھی
رات بھر نزع کی سی حالت تھی
اُنکا جلوہ تھا یا قیامت تھی

کون کرتا ہے گلا تم سے شکایت کیسی
بات میں بات نئی فتنہ پہ فتنہ تازہ

اُن سے پوچھا کہ تمہیں رسمِ وفا آتی ہے
جلوۂ روئے بتاں ہے وہ جواب زاہد

شبِ غم نالہ ہو۔ فریاد ہو۔ یا آہ و فغاں

شکوۂ رشکِ عدو پر یہ ملا ہمکو جواب
ہمارے حق میں جہاں تک ہو آپ سے ہرگز

مہرباں خوب کرو ظلم رعایت کیسی
چلبلی پائی ہے ظالم نے طبیعت کیسی

ہنسکے فرمایا نہیں ہمکو جفا آتی ہے
جسکے نظارے سے آنکھوں میں حیا آتی ہے

شغل ہو کوئی غرض دل کے بہلنے کے لیے
تجھے اللہ نے پیدا کیا جلنے کے لیے

اُٹھا نہ رکھنا کوئی بات مہرباں باقی

جلوۂ ہوش رُبا دیکھ کے اوسان گئے
کلمہ پڑھتے ہوئے اُس بُت کا مسلمان گئے

ہائے کیا بزم تھی کیا لوگ تھے کیا جلسے تھے
یا الٰہی وہ کدھر عیش کے سامان گئے

منصف ہو تو دشمن کے طرف دار نہ ہونا
انصاف وہ کیا جس میں رعایت ہو کسی کی

ظالم تری تصویر میں جادو کا اثر ہے
جچتی ہی نہیں آنکھ میں صورت ہو کسی کی

گھبرا کے وہ کہنے لگے فریادِ ستم پر
اچھا جو ستانے ہی کی عادت ہو کسی کی

تغافل کی ادا ظالم کی دنیا سے نرالی ہے
قیامت توڑ دی ہے جب نظر چل پھر کے ڈالی ہے

الٰہی خیر ہو ہل چل مچی ہے کسکے آنے کی
سرِ گورِ غریباں کیا قیامت اُٹھنے والی ہے

کیا اپنے فن میں دزدِ حنا کو کمال ہے
چُھو کی ذرا نگاہ کہ یاروں کا مال ہے

افسانۂ عدو میں یہ دلچسپیاں کہاں؟
آپ اسکو سُنیئے سننے کے قابل یہ حال ہے

کسکی اُڑائی طرزِ روش تو نے فتنہ گر
یہ تو نہ چرخ کی نہ قیامت کی چال ہے

کچھ بھی پلّے نہ پڑا اور بجز تمنا کے سوا
ایسی کمبخت تھی پھوٹی ہوئی قسمت دلکی

مہرباں بوسۂ لب کوئی بڑی بات نہیں
آپ گھبرا گئے کیوں سُنتے ہی قیمت دلکی

مختصر جملے ہیں وہ شوق کی تحریروں کے
شکر یہ آپ کا ہے اور شکایت دلکی

کیا کہیں آپ سے حیرتؔ کا بُرا حال ہے کیوں
کچھ کرم آپکا ہے کچھ ہے عنایت دلکی

ہزاروں میں نکلتا ہے کوئی شخص
ہوا خواہاں وفا کے ہر بشر سے

مزے دیتا ہے کیا کیا خارِ اُلفت
کھٹک اسکی کوئی پوچھے جگر سے

میرے جھگڑوں کے لیئے کافی نہیں روزِ جزا
یا الٰہی دوسرا اک اور محشر چاہیئے

غیر ہے تجھ سے زیادہ باوفا یہ کیا کہا
دل میں کچھ انصاف بھی اے بندہ پرور چاہیئے

حیرتؔ اُسکے چاہنے والے ہزاروں ہوں تو ہوں
اپنی قسمت چاہیئے اپنا مقدر چاہیئے

یہ شباب یہ حُسن یہ حسنِ شباب
حشر تک تجھ پر یہی عالم رہے

ایک دن دو دن نہایت تین دن
عمر بھر کیوں غیر کا ماتم رہے

حیرت

حیرت منشی نور احمد خان دہلوی محرر سارجنٹ پولیس زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔ چند شعر ملے درج کیے جاتے ہیں ÷

منظور اگر ترکِ ملاقات ہے بہتر	حاصل تمھیں کیا روز کے بیفائدہ شر میں
چھائی ہے گھٹا سر پہ غم و رنج و الم کی	ہر روز برستی ہیں بلائیں مرے گھر میں
عاشق ہو کہ معشوق اسے مان لو حیرت	ہے جلوۂ ذات ایک جو آتا ہے نظر میں

حیرتی

حیرتی منشی محمد علیخان باشندۂ عظیم آباد پٹنہ۔ راجہ پیارے لال الفتی دہلوی مقیم پٹنہ اور میر وزیر علی حیرتی سے فن سخن میں فیض پایا تھا۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ یہ انکا کلام ہے

نہ پوچھو ہمسے نام و نشاں میرا بتاؤں کیا	میں اک لیلی کا مجنوں ہوں بیاباں ہے وطن میرا
ہمارے لختِ دل ہیں اسطرح اشکِ مسلسل میں	پڑے ہوں دانۂ یاقوت جیسے سلکِ گوہر میں
اے ماہ جب آنکھوں میں تو ہی جلوہ نما ہو	پھر مردمِ دیدہ کی کہاں آنکھوں میں جا ہو
اِس طرح مری پیاس بجھا اے مرے قاتل	آبِ دمِ شمشیر ہو اور میرا گلا ہو
کس طرح دکھائے وہ کسی غیر کو صورت	آئینہ نہ دیکھا کبھی جسنے یہ حیا ہو
اِدھر تو کشورِ دل لوٹتا ہے ترکِ نگاہ	اِدھر ہے لشکرِ مژگاں پرا جمائے ہوئے

حیف

حیف۔ میر چراغ علی حیف لکھنوی شاگرد میر شیر علی افسوس۔ آخر اٹھارھویں صدی کے شعرا میں تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ÷

جسکی ہر اک امید مبدّل بہ یاس ہو	کیا اُس مریضِ عشق کے جینے کی آس ہو

ق

ملنے بھی نہ پائی اُس جواں سے	حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے
کافی ہے ترا ہی دید مجکو	کیا کام بہار و بوستاں سے
کیا پوچھے ہے حیف کی حقیقت	ناشاد گیا وہ اس جہاں سے
وہ مہر جہانتاب اگر بام پر آوے	تابندگی نیّرِ اعظم نظر آوے
ہے اپنے تو نزدیک وہ فاخوب لیکن	ہو لطف جو تیری بھی طبیعت ادھر آوے

کہتا ہے کوئی بال اُسے کوئی رگِ گُل
کانوں میں مینا ہیں اُسکے بالے

کچھ میں بھی کہوں تیری کمر جو نظر آوے
اِک چاند کے دو ہوتے ہیں ہالے

حیف

حیف شیخ محمد حاجی متوطن شاہجہان آباد متخلص بہ حیف - آخر اٹھارہ صدی میں حیات تھے شوق نے اپنے تذکرہ میں انکا ذکر کیا ہے - یہ کلام کا خلاصہ ہے ۔

نظر آیا جو سمجھ رات کو اس مہرِ تاباں کا
خجل ہو ماہ نے منہ چادرِ مہتاب میں ڈھانکا

اکیلا بیٹھا روتا ہوں سرِ زانو پہ رکھ ہمدم
اُٹھانا یا جب آتا ہی مجھکو اُسکے داماں کا

اُسنے چھپا کر مجھے لکھی تھی حقیقت جس میں
وائے قسمت وہ کتابت لگی اغیار کے ہاتھ

حیف کا قتل ترے ہاتھ سے ہوگا ظالم
یہ کہا دیکھ برہمن نے مرے یار کے ہاتھ

آتا نظر نہیں کوئی ہمدرد یاں مجھے
اے گردشِ سپہر لے آئی کہاں مجھے

حیف

حیف منشی عبدالمجید حیف باشندۂ خان پورہ شاگرد شوکت - کلام صاف ستھرا ہے استعداد بھی خاصی معلوم ہوتی ہے - طبیعت میں جدت ہے اور مضمون پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں - چند شعر حاضر ہیں ۔

کیوں بارِ عشق تونے رقیبوں کے سر دھرا
اِتنا تو ناتواں یہ ترا ناتواں نہ تھا

سبک کر بارِ احساں سے بہت بھاری ہے سر تیغ پر
وگرنہ بوجھ محشر تک رہیگا تیری گردن پر

ہو تسلی دلکو اے وعدہ شکن اقرار میں
فرق جب معلوم ہوا اقرار اور انکار میں

اللہ اللہ کیا ہے لذت آب پیکاں میں ترے
تیر کی جا آرہے کے دل خود جالگا سوفار میں

نوکِ مژگاں گھات میں ہے تیغِ ابرو تاک میں
دلکی کچھ بحث آپڑی ہے تیر اور تلوار میں

اُسمیں مسجود تو اِس میں ہے خدا جلوہ گر میں
تو نے اس کعبہ کا باندھا کبھی احرام نہیں

کیا تعجب گر نہ ہوں گردشِ قسمت اِسکو
جوشِ پیاس سے گردش میں مگر جام نہیں

دیکھا اثر دل میں جو دل نے آکر سما جاؤ
ممتحن تم ہو جدھر دیکھوں حرم ہو یا کلیسا نہیں

تو دیکھتے ہیں قیامت پہلے آئے تو ہم آئینگے
وفا نے عدو کے حق میں جو فقرہ ہو تو ایسا ہو

ہماری تشنہ کامی کو ہے کافی تیغ لب قاتل	دکھا خنجر اُسے جو آب خنجر کا پیاسا ہو
تماشائے جمال یار پر غش ہیں تماشائی	تماشا اسکا خود محو تماشا ہو تو پھر کیا ہو
کہاں سے بھر گئیں نوک سناں میں لذتیں ایسی	کہ اب تک ہر لب زخم جگر کو کاٹنا دل ہے
ہیں کیوں مجنوں صفت وحشت میں صحرا کو نکلجاؤں	کہ میرے خلوت دل لیلئ عرفاں کا محل ہے

حیف - وجیہ الدین احمد خان ولد سعید الدین احمد خان - ریاست رامپور کے رہنے والے ایک خوشخو اور خوش رو نوجوان ہیں - آبائی پیشہ مالگذاری تھا - مگر آپنے اُسے ترک کر کے چندوسی ضلع مراد آباد میں شکر کا کارخانہ جاری کیا - گردش زمانہ سے وہ بھی نہ چلا پھر ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۱ء تک جھالاواڑ کی ریاست میں امیدوار ملازمت رہے - محض غزل گوئی اور مدح سرائی سے شغل رہا پھر ریاست کوٹہ میں ملازمت اختیار کی اب وہاں سب انسپکٹر ہیں - شروع مشق میں مولوی عبد النبی خانصاحب جاوید تلمیذ منیر سے اصلاح لیتے رہے اُنکے انتقال کے بعد امیر مینائی کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہوگئے - کلام اچھا ہے صفائی سادگی بندش ہر ایک صنعت ایک حد تک موجود ہے - انتخاب ملاحظہ ہو ٭

ہرا دا یار کی ہے دل کی اُمڑانے والی	چور ہیں گھات میں مشکل ہے بچانا دل کا
کیا بُرا حال ہوا عشق بتاں میں اے حیف	ہم نہ کہتے تھے کہ اچھا نہیں آنا دل کا
اور کس سے ہو امید دوستی	دل جو اپنا تھا پرایا ہو گیا
واں شام شب وعدہ لگی پاؤں میں مہندی	یاں زنگ اُڑا روئے دعائے سحری کا
لاتے ہیں مجھے ہوش میں یہ کہکے وہ آئے	ممنوں ہوں احباب کی اس چارہ گری کا
وہ آکے گئے بھی تجھے کچھ ہوش نہ آیا	اے حیف ٹھکانا ہے تری بے خبری کا
ہماری چال ہم سے چلگئے وہ	ہمیں کو دیگئے فقرہ ہمارا
کچھ اشارہ میں بتایا کچھ نگاہوں میں کہا	کہا یا سب کچھ مگر منہ سے کہا کچھ بھی نہیں
غیر کی جان ہے یوں ہجر کے صدمے جھیلے	میری ہمت - مرا دل - میرا کلیجا دیکھو

آپنے اپنے ہی خنجر کی روانی دیکھی
ٹھیرو ٹھیرو تنِ بے سر کا تماشا دیکھو

پرتوفگن جو سبزۂ رخسارِ یار ہو
لوحِ زمرّدیں مری لوحِ مزار ہو

پسند آیا لباسِ خاکساری
مجھے ریگِ رواں آبِ رواں ہے

نگوں بختِ ازل سے کیا ملے گا
بہت اونچا مزاجِ آسمان ہے

ہر سعادت کا مری چہرہ سیہ ہو جائیگا
تیرہ بختی یہ ترا کاجل سلامت چاہیئے

لڑکھڑاتے ہیں رہِ شوق میں جب پائے طلب
تھامنے مجکو مری لغزشِ پا آتی ہے

شوخی کی چھیڑ چھاڑ ہے شرم و حجاب سے
اُلجھا ہوا ہے اُنکا لڑکپن شباب سے

حیفی

حیفی منشی محب الدین احمد دہلوی خلف منشی چندن لال کایستھ تحصیلدار تخلص حیفی تلمیذ منشی ہرگوپال تفتہ۔ سابق میں نواب کلب علیخان والی رامپور کے ملازم تھے۔ اور وہیں مذہب آبائی کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے اب خانہ نشین ہیں۔ فارسی میں بھی سخن طرازی کرتے ہیں اور اردو میں بھی۔ دونوں میں صاحب دیوان ہیں۔ قصیدہ و تاریخ گوئی میں بھی مہارتِ تامہ حاصل ہے اب ۷۰ برس کی عمر ہے یہ چند شعر اُنکے ہیں *

مثلِ نکہت جب وہ گلرو زیبِ گلشن ہو گیا
خندۂ شادی ہر اک بلبل کا شیون ہو گیا

غیر اُس بزم سے ہو کر جو پشیمان نکلا
حسرتِ دل یہ پکاری مرا ارماں نکلا

کُشتہ سمجھ کے گردشِ چشمِ نگار کا
آہو طواف کرتے ہیں میرے مزار کا

افسردہ دل کو وہ ہی جلن بعد مرگ ہے
گل بھی ہوا نصیب تو شمعِ مزار کا

دجلہ بار آج ہے پھر دیدۂ حیفی افسوس
ساتھ غیروں کے وہ شاید لبِ دریا پہنچے

مانگیئے گر شوقِ جفا مانگیئے
چاہیئے گر دردِ جگر چاہیئے

پوچھتا قسّامِ ازل ہم سے گر
کیا تجھے اے خاک بسر چاہیئے

ہم بھی کہتے بدمِ سرد آہ ق
داغِ دل و داغِ جگر چاہیئے

میں اک عیسیٰ نفس پر مر گیا ہوں
مرے جینے میں عمرِ جاوداں ہے

آج اِک آئینہ رو بھی خود آرائی سے ہے	دیکھئے خاک میں کس کسکو ملائے تقدیر

مندرجۂ ذیل شاعر کا کلام بعد ترتیب بہم پہنچا اسلئے آخر میں درج کیا گیا

حیا

حیا۔ منشی عبد الغفور باشندہ علیگڑھ حال مقیم اجمیر۔ آپکی عمر ۳۰ برس کے قریب ہی اور کئی برس سے منشی امیر مرزا زاہد اکبر آبادی کے شاگرد ہیں۔ عین ہنگام کتابت میں چند غزلیں ملیں اُن میں سے اشعار ذیل منتخب ہوئے۔

جب نہ کچھ باقی رہا بیمار میں	اب کیا وعدہ وفا تم نے تو کیا
اداسے جب وہ کہتے ہیں پرے ہو دور ہو سرکو	میں رہ جاتا ہوں اسدم کو سکر اپنے مقدر کو
پھر اسپر کہتے جاتے ہیں بڑھاتے ہو مجھیں شرکو	کبھی منا کبھی بنکر بگڑ جانا تماشا ہے
جب وہ صورت ہی دکھانیکا روادار نہو	حالِ دل اُسکو سنانے کی بنے کیا صورت
خواب میں بھی جو میسر ترا دیدار نہو	دلِ بیتاب کو کیونکر ہو تسلی ظالم
دل میں کیا جانے کیا سمائی ہے	آج بیٹھے وہ بگڑے بیٹھے ہیں
واہ کیا خوب پارسائی ہے	چھپکے پینا شراب کا زاہد
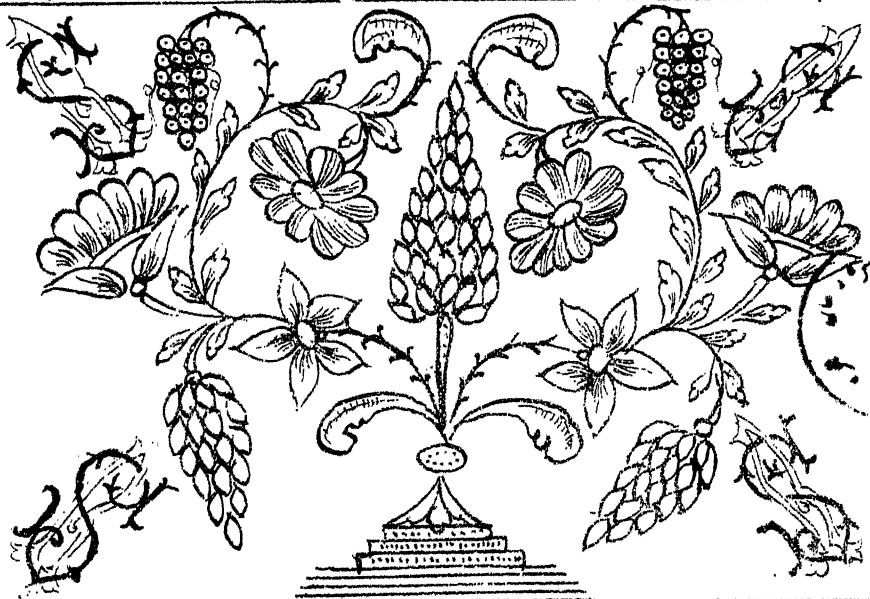
تقریظ از نتائج افکارِ گہربار فخر شعرائے زمان سعدی ہندوستان سلطانِ قلم و فصاحت موجد طرزِ نوی شمس العلما مولنا الطاف حسین حالی مدظلہ از ارشد تلامذہ حضرت غالب مرحوم

خمخانۂ جاوید یعنی تذکرۂ شعرائے اُردو زبان مرتبہ جناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے رئیس دہلی خلف الصدق جناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب سرگباشی

اِس تذکرے کی جو اہمیت میرے دل میں ہے اور جو خصوصیت مجکو صاحب تذکرہ اور اُنکے معزز خاندان سے حاصل ہے اُسکے لحاظ سے مجکو اُسکی پہلی جلد پر سب سے پہلے اپنے خیالات ظاہر کرنے چاہئیں تھے۔ مگر بدقسمتی سے ایسے مکروہات پیش آتے رہے کہ مَیں اطمینان کے ساتھ اُسکی نسبت کچھ نہ لکھ سکا۔ اگرچہ کافی اطمینان اب بھی میسّر نہیں ہے لیکن چونکہ تذکرے کی دوسری جلد بھی عنقریب چھپکر شائع ہونے والی ہے اسلیے مَیں نے خیال کیا کہ مبادا اس اہم تالیف کی نسبت پھر مجکو اپنے دلی خیالات ظاہر کرنے کا موقع نہ ملے لہذا مَیں نے نہایت ضروری سمجھا کہ اپنی ناچیز رائے اُسکے متعلق ظاہر کرنے میں اب دیر نکروں *

اس تذکرے کی پہلی جلد کو چھپے ہوئے تین برس گزر چکے ہیں۔ دہلی و لکھنؤ و اطراف

ہندوستان کے بڑے بڑے نامور شعرا اور اہلِ کمال نے اُس پر نہایت عمدہ رائیں ظاہر کی ہیں جس صفائی اور سلاست سے اُس میں شعرا کے تراجم لکھے گئے ہیں اور جس سلیقہ سے اُن کا کلام انتخاب کیا گیا ہے اور جس کوشش و جانفشانی سے اُنکے حالات اور اُن کا کلام بہم پہنچایا گیا ہے اور جس ادب و احترام کے ساتھ قدما سے لیکر معاصرین تک سب کا نام لیا گیا ہے اِن سب باتوں کو تقریباً تمام تقریظ نگاروں نے تسلیم کیا ہے اور سب سے بڑھکر میں نہایت صدق دل سے تسلیم کرتا ہوں۔ پس تذکرہ یا تذکرہ نویس کو پبلک سے روشناس کرانے کی اب زیادہ ضرورت نہیں ہے میں اس موقع پر صرف تذکرے کی جامعیت کی نسبت چند الفاظ لکھنے چاہتا ہوں ؀

اب تک اِس تذکرے کی صرف پہلے جلد راقم کی نظر سے گزری ہے جو ۶۸۹ صفحوں پر ختم ہوئی ہے۔ اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس جلد میں صرف اُن شاعروں کا کلام اور اُنکے حالات درج ہوئے ہیں جن کا تخلص الف یا بے سے شروع ہوتا ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ منجملہ تیس کے صرف دو ردیفیں اِس جلد میں قلم بند ہوئی ہیں اور کم سے کم ۲۸ ردیفیں باقی ہیں۔ اِس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر سب ردیفیں اِسی شرح وبسط کے ساتھ لکھی گئیں جیسی کہ الف اور بے کی ردیفیں لکھی گئی ہیں تو یہ تذکرہ جامعیت کے لحاظ سے بلامبالغہ شعرائے اُردو زبان کی ایک ایسی سائیکلوپیڈیا ہوگی جسکی نظیر اُردو تذکروں میں نایاب سمجھی جائیگی۔ اور اُردو زبان میں یہ ایک ایسا اضافہ ہے جس کا تمام اہل ملک کو ممنون ہونا چاہیئے۔ آجکل اہل ملک کی بدقسمتی سے جو اختلاف ہندو مسلمانوں میں اُردو زبان کی مخالفت یا اُسکی حمایت کی وجہ سے برپا ہے اُسکی رفعدا اگر ہوسکتی ہے تو اِسی طریقے سے ہوسکتی ہے کہ ہندو تعلیم یافتہ اصحاب کشادہ دلی اور فیاضی کے ساتھ اُردو زبان میں جو درحقیقت برج بھاشا کی ایک ترقی یافتہ صورت اور اُسکی ایک پروان چڑھی ہوئی اولاد ہے اِسی طرح تصنیف و تالیف کریں جس طرح ہمارے ہردلعزیز ہیرو نے اِس

طولانی تذکرے کو ختم کرنے کا ارادہ کیا ہے اور مسلمان مصنفین بے ضرورت اُردو میں عربی فارسی کے غیر مانوس الفاظ استعمال کرنے سے جہانتک ہوسکے پرہیز کریں اور اُنکی جگہ برج بھاشا کے مانوس اور عام فہم الفاظ سے اُردو کو مالا مال کرنے میں کوشش کریں۔ اور اس طرح دونوں قوموں میں آشتی اور صلح کی بنیاد ڈالیں اور ایک متنازع فیہ زبان کو مقبولۂ فریقین بنائیں۔ جیسی کہ لکھنؤ جانے سے پہلے تقریبًا اہل دہلی کی زبان تھی۔ مذکورۂ بالا اختلاف کے متعلق جو تعصب اور ناگواری کا الزام ہندوؤں پر لگایا جاتا ہے اسی قسم کا بلکہ اس سے زیادہ سخت الزام مسلمانوں پر لگایا جاسکتا ہے کون نہیں جانتا کہ مسلمان باوجودیکہ تقریبًا ایک ہزار برس سے ہندوستان میں آباد ہیں مگر اس طول طویل مدت میں اُنھوں نے چند مستثنیات کو چھوڑ کر کبھی سنسکرت یا برج بھاشا کی طرف باوجود سخت ضرورت کے آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ جس سنسکرت کو یورپ کے محقق لاطینی و یونانی سے زیادہ فصیح زیادہ وسیع اور زیادہ باقاعدہ بتاتے ہیں اور جسکی تحقیقات میں عمریں بسر کردیتے ہیں مسلمانوں نے عام طور پر کبھی اسکو قابلِ التفات نہیں سمجھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ سنسکرت کا سیکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے تو برج بھاشا جو بمقابلہ سنسکرت کے نہایت سہل الوصول ہے اور جسکی شاعری نہایت لطیف شگفتہ اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے اُسکو بھی عمومًا وہ ہمیشہ بیگانہ وار نظروں سے دیکھتے رہے حالانکہ جو اُردو اُن کو اسقدر عزیز ہے اُسکی گرامر کا دارومدار بالکل برج بھاشا یا سنسکرت کی گرامر پر ہے عربی۔ فارسی سے اُس کو صرف اسقدر تعلق ہے کہ دونوں زبانوں کے اسمار اُس میں بکثرت سے شامل ہوگئے ہیں۔ باقی تمام اجزائے کلام جنکے بغیر کسی زبان کی نظم یا نثر مفید معنی نہیں ہوسکتی۔ برج بھاشا یا سنسکرت کی گرامر سے ماخوذ ہیں۔ سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں رہنا اور سنسکرت یا کم سے کم برج بھاشا سے بے پروا یا متنفر ہونا بالکل اپنے تئیں اس مثل کا مصداق بنانا ہے کہ "دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر"

قصہ مختصر جس ذوق و شوق سے معزز مؤلف نے اِس تذکرے کے لکھنے پر کمر باندھی ہے اور جس استقلال کے ساتھ وہ طالب علمی کے زمانے سے لیکر آج تک اُن تمام مشکلات پر غالب آتے رہے ہیں جو اس مفید کام کے انجام دینے میں اُن کو پیش آئیں اُس سے اِس عام خیال کی بوجہ احسن تردید ہوتی ہے کہ انگریزی تعلیم بجائے اِسکے کہ قومی تعصبات سے دلوں کو پاک کرے اور اُلٹی تعصب و ناگواری کی آگ ملک میں مشتعل کرنے والی ہے۔

بہرحال ہم دل سے دُعا کرتے ہیں کہ جو مفید کام ہمارے دلی دوست مسٹر سری رام صاحب نے شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بخیر و خوبی انجام کو پہنچائے اور اس تصنیف کو قبولِ عام کے زیور سے آراستہ فرمائے۔

آخر میں ہم معزز مصنّف کی خدمت میں اِس بات کے عرض کرنے کی معافی چاہتے ہیں کہ صفحہ ۳۰۸ پر جہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا حال لکھا گیا ہے اُس میں چند فروگذاشتیں ہوگئیں ہیں۔ اول تو شاہ صاحب ممدوح کا اردو زبان میں شعر کہنا اور اشتیاق تخلص کرنا ثابت نہیں ہوا۔ دوسرے اُن کا وطن سرہند اور مجدد الف ثانی کی نسل سے ہونا اور فیروز شاہ کے کوٹلہ میں سکونت پذیر ہونا غلط معلوم ہوتا ہے۔ کسی طریقہ سے اِس غلطی کی اصلاح فرما دیجائے +

راقم۔ خاکسار **الطاف حسین** حالی۔ از پانی پت

تقریظ دلپذیر از فکر ارجمند آسمان پیوند نخلبند گلستان معانی واقف رموز شیرین بیانی سخن طراز جادو نگار افسر الشعرا حضرت آغا شاعر دہلوی از ارشد تلامذہ حضرت فصیح الملک مرزا داغ مغفور

یا مالکِ کلِ جس چیز پر میں اسوقت قلم اُٹھا رہا ہوں وہ خمخانہ جاوید کی ایک تقریظ

ہے گو اسکی بابت ایک عرصے سے مجھپر تشدد ہو رہا تھا مگر افسوس میں ایسا بدنصیب
تھا کہ کسی طرح بھی اپنی بیقاعدہ زندگی میں سے کوئی وقت اس لاثانی کتاب کے لیئے
نہ نکال سکا۔ آج اتفاق سے میں نے برسوں کے بعد پھر اِس جلد کو اُٹھا لیا اور اب
جو کچھ میں دیکھتا جاتا ہوں حوالۂ قلم کرتا ہوں۔

"خمخانہ جاوید یا تذکرہ ہزار داستان کی یہ پہلی اشاعت ہے جو تقریبًا ۷۰۰
صفحوں پر ختم ہوتی ہے۔ لکھائی چھپائی سب قابل تعریف۔ مگر سرورق کے بعد جو صفحہ
ہے اُسے دیکھ کر تو بے اختیار کاغذ پر باغ و بہار کا دھوکا ہوتا ہے۔ واقعی یا تو میری
نگاہوں نے آجتک اس سے بہتر نقاشی لیتھو پریس پر نہیں دیکھی۔ یا خمخانہ جاوید کا حجاب
ہی ایک نرالا سین ہے جو اُردو کی کسی کتاب پر اِس شان سے نہیں کھینچا گیا۔ آگے چلکر
اِس تذکرہ کا ڈیڈیکیشن بھی خاص نوعیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اِس بیش بہا تالیف کو
ہز ہائنس بندگانِ عالی حضرت آصفجاہ خلد اللہ ملکہٗ فرماں روائے دکن کے نام
نامی سے معنون کیا گیا ہے۔ یہ صفحے جہاں اُلٹے پھر ایک دریائے ذخار موجزن
تھا اور اُس میں غوطہ لگانا مجھ جیسے ناآشنائے شناوری کا کام نہیں مگر پھر بھی اِتنا
ضرور کہونگا کہ اُردو دان پبلک کے لیئے یہ کتاب یقینًا غیر معمولی نعمت ہے۔ جسے
دلّی کے ایک لبا قابل۔ بیدار مغز سخن فہم بلکہ فنا فی الشعر شخص نے اپنی ۱۷ سال کی
محنت۔ کاوشِ دل و دماغ اور صرف زر کثیر سے ترتیب دیکر ملک میں مفت تقسیم کردیا ہے
رہا انتخاب کلام اور شعرا کی تعداد۔ اسکے لیئے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں
محاسب نہیں اور بقول لارڈ ٹینسن ایک شاعر کو حساب سے کچھ تعلق بھی نہیں ہوسکتا
بریں وجہ یہ لکھدینا کافی ہوگا کہ میری رائے میں خمخانۂ جاوید ایک ایسی جامع فرہنگ ہے
جو فرہنگ آصفیہ سے پہلو مارتی ہے۔ مولوی سید احمد صاحب دہلوی نے اگر ۵ دماغوں
کے برابر ایک دماغ سے کام لیا ہے تو میرے معزز دوست لالہ سری رام صاحب ایم اے

نے بھی اس تذکرے کی تالیف سے اپنے آپ کو غیر معمولی انسان ثابت کر دینے میں ذرّہ برابر کمی نہیں کی ؂

آخر میں اقسامِ شعر اور ہر شاعر کی قدرتِ دستگاہ پر بحث کرنا یا مؤلف کے ذاتی ریمارکس پر روشنی ڈالنا یہ ملکی نظر بازوں پر موقوف ہے کیونکہ ؂

نظر کا کھیل ہے ہمنو نظر بازوں پہ مرتے ہیں		پرکھنا شعر کا ہیرا پرکھنے سے زیادہ ہے

با ایں ہمہ خمخانۂ جاوید زمانۂ حال کی ایک بہترین ایجاد ہے۔ اُردو علمِ ادب کا ایک گنگا جمنی زیور ہے۔ اور شعرا جیسے معدوم فرقے کے لئے اِس سے بہتر بقائے دوام کا اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہو سکتا۔

کاغذ پہ رکھدیا ہے کلیجا نکال کے		سچ یہ ہے آنکھ ہو تو ہیں جوہر کمال کے

آثم۔ افسر الشعرا۔ آغا شاعر۔ قزلباش دہلوی

از رشحۂ قلمِ جادو رقم ماہر کامل فن محقق والا نظر سخن گستر منشی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ و دیگر کتب متعدد وظیفہ خوار سرکار نظام

اِس تذکرہ کی اول جلد کو بھی ہمنے پڑھا اور ریویو لکھا تھا۔ اب دوسری جلد پر بھی سرسری نظر ڈال کر دونوں کے فرق و امتیاز کو ظاہر کرتے ہیں

یہ ایک مشہور کہاوت چلی آتی ہے کہ " نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول " یہ مثل سُنا کرتے تھے مگر پوری پوری تصدیق جلد ثانی کو دیکھکر ہوئی۔ لالہ سری رام صاحب جیسے معدوم الفرصت کا ہر ایک شاعر کے کلام پر اسقدر نظر غائر ڈالنا۔ کلام کا ایسا لاجواب انتخاب کرنا جس سے شاعر کی عظمت۔ وقعت اور طبیعت بڑے معترضوں کے اعتراض کا مان گھٹے۔ اِس پہ پروف نیز کاپیوں کی صحت کا خود ہی ذمہ دار ہونا کچھ آسان کام نہیں ہے بلکہ " کارے دارد " کہنا چاہیئے ؂

اکثر ڈوبے ہوئے ناموں کو اچھال دیا۔ اور دبے ہوئے کلاموں کو ابھار دیا۔ شوق کا یہ کیں گر مشاطۂ حسن افزائے دلبر بحن کر + نکتہ چینیاں فرمائیں مگر نکتہ داں۔ نکتہ رس نکتہ شناس۔ نکتہ پرور بحن کر + اگر کسی کوردہ کا ماہ تاباں یعنی گودڑ کا لال ہے تو کیا مجال کہ اُسکے کلام پر صاد نہو۔ اور جو کسی نامی شہر کا آفتاب جہانتاب پُر از جاہ و جلال ہے تو کیا ممکن کہ تذکرہ میں اُسکی داد نہو۔ نہ اہل دہلی کی طرفداری ہے۔ نہ اہل لکھنؤ کی غمگساری۔ اُنکے نزدیک ایک باپ کے دو بیٹے ہیں۔ جن میں سے ایک تو باپ کے ساتھ سیاحت و سفر میں شریک و دلبر ہے دوسرا ماں کیخدمت میں اپنے ہی گھر پر شبیر ہے +

جس ذکر کو لیا تنقید یا محاکمانہ نظر سے لیا۔ جس تذکرہ کو چھیڑا منصفانہ دلائل سے فیصلہ کیا۔ آخر تھے بھی تو منصف ؟ وہ فیصلہ کیا جو آگے جاکر نہ ٹوٹ جائے اور وہ انصاف فرمایا جس کا کوئی پہلو نہ چھوٹ جائے۔ یہ صرف تذکرہ شعرائے ہند ہی نہیں بلکہ ایک قسم کی شاہانہ تاریخ بھی ہے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ او دھ متخلص بہ بادشاہ کے ذکر کو پڑھو۔ جہاندار شاہ۔ جہاندار۔ مرزا جہانگیر متخلص بہ جہانگیر وغیرہ کے حالات ملاحظہ فرماؤ۔ کیسا تاریخی لطف دکھا رہے ہیں +

دیگر نامی شعرا میں سے کس کس کا حوالہ دوں۔ اِن پانسو صفحوں میں کئی سو شعرائے ذوی القدر موجود ہیں اوروں کی تو گنتی ہی نہیں۔ بائے فارسی سے لیکر حائے حطی تک مجلس ہزار داستاں جمع ہے۔ مشاعرہ ہو رہا ہے۔ شہر خموشاں کے سخن سنج اِس میں گونج رہے ہیں۔ اور شہر گویا کے خوشنوا اِس میں چہک رہے ہیں۔ شمع ہزار داستان شمعدان ہزار فتیلہ بن کر انھیں روشنی دکھا رہی ہے۔ واہ واہ کی صدا پر صدا آرہی ہے سخن فہم اُچھل اُچھل کر داد دے رہے ہیں نیچرل شاعری کے دل دادہ اُس میں جلوس فرما ہیں اور خیالی ذہن رسا کے روشن دماغ۔ روشن خیال

بلند پرواز- زمزمہ پرداز اس میں کرسی نشیں ہیں- حضرت حالی مدظلہ العالی کی نیچری وایشیائی شاعری کا لطف اِس میں ہے- عبدالحی تاباں کا دلربا جمال اس میں ہے- جرأت کی عاشقانہ جرأت و دردانگیز اظہارِ کمال اس میں ہے- مرزا اسمٰعیل تپش- غلام محمد خاں تپش بادلِ تپیدہ اپنا اپنا ذاتی جوہر لیئے ہوئے اِس میں حاضر ہیں- الغرض شاہ تراب کی منکسرانہ خاکساری- میر حسین تسکین کی تسلی بخش شیرین بیانی- امیراللہ تسلیم کی سلامت روی- محمد علی تشنہ کے کلام پرالعطش کی پکار نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب کے حُسنِ بیان پرنورانی بہار حسبِ موقع عجیب عجیب لطف دکھا رہی ہے- ہمارا شاہد ہمارا گواہ اگر درکار ہے تو یہی تذکرہ ہزار داستان ہمارا سچا اور بلا تصنع اظہار رہے- فقط ✤

سیّد احمد دہلوی- مؤلف فرہنگ آصفیہ- ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء

قطعات تاریخ اشاعت خمخانہ جاوید از نتائج افکار ماہر باکمال مشّاق عدیم المثال مولوی حامد حسین صاحب قادری بچھرایونی مقیم رامپور

کیا خوب یہ تذکرہ ہے سبحان اللہ
تاریخ کی فکر ہے تو حامدؔ لکھو
روشن ہوا سب ہیں اس سے نامِ شعرا
بے مثل ہے خزانۂ کلامِ شعرا
۱۹۱۱ء

دیگر

تذکرہ لکھا ہے بے مثل و نظیر
اِک نظر جس نے اسے دیکھ لیا
تذکرے طبع ہوئے بہتیرے
تذکرہ کیا ہوا ہے اسے حامدؔ
سب میں مشہور یہ افسانہ ہوا
عاشق و والہ و دیوانہ ہوا
سچ تو یہ ہے کوئی ایسا نہ ہوا
بادۂ شعر کا خمخانہ ہوا
۱۹۱۱ء

دیگر

خوش سلیقہ ہیں بڑے لالہ سری رام ایم اے
یوں تو لکھے ہیں بہت تذکرے لوگوں نے مگر
یہ کتاب آپ نے لکھی ہے بہت ہی اچھی
ہمنے تالیف نہ دیکھی کوئی ایسی اچھی

اِس میں حالات کیے جمع سب عمدہ عمدہ — اور غزلیں بھی لکھیں چھانٹ کے اچھی اچھی
ایسی ہی طبع ہوئی جیسی کتاب اچھی ہے — کاغذ اچھا ہے قلم اچھا چھپائی اچھی
چاہتے ہو تم اگر سالِ اشاعت حامد — کہہ۔ و تاریخ لکھی ہے شعرا کی اچھی
۱۹۱۱ء

دیگر

تاریخ شاعروں کی ہے یہ یا مشاعرہ — یہ تذکرہ ہے یا شعرا کی ہے انجمن
ہر نقطہ اس کتاب کا ہے رشکِ آفتاب — ہر لفظ اس کتاب کا ہے غیرتِ چمن
پھیلی ہوئی کہیں ہے بلاغت کی چاندنی — دریا کہیں ہے اسمیں بلاغت کا موجزن
کیوں آفتاب بن کے نہ چمکے جہان میں — ہیں قدر دانِ تذکرہ شاہنشہ دکن
ترتیب جلد دوم کا حامد یہ سال لکھ — چھاپا گیا ہے خوب یہ گلدستہ سخن
۱۹۱۱ء

دیگر

ہیں جلوہ گر قرینہ سے سب شاعرانِ دہر — ہے یہ نمونہ انجمن اہلِ ہند کا
حامد نے جلد دوم کی تاریخ یہ لکھی — یہ انتخاب ہے سخن اہلِ ہند کا
۱۹۱۱ء

دیگر

سچ تو یہ ہے حق میں اُردو شاعری کے یہ کتاب — رحمتِ پروردگارِ خالقِ مطلق ہوئی
سالِ ہجری کی اگر ہے فکر لے حامد حسن — کہدو اُردو شاعری کو اس سے اب رونق ہوئی

قطعہ تاریخ نوشتہ مولینا مولوی حاجی محمد فیاض الدین صاحب رامپوری

سخن پروران فیض حاصل کنند — کہ ایں تذکرہ ہست محبوب طبع
بگوشم ندا از سروش آمدہ — بگو سال فیاض ۔ مرغوب طبع
۱۳۲۹ھ

تقریظ و تاریخ ریختہ کلک جواہر سلک سخنور یکتا شاعر بے ہمتا رشکِ عرفی و خاقانی جناب مولوی عبد الحی صاحب تجو بدایونی مجسٹریٹ ریاست جودھپور فخر تلامذہ حضرت فصیح الملک داغ مرحوم

ناظرین! ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک سیکڑوں علوم ہزاروں فنون ایجاد

ہوکر اس طرح معدوم ہوگئے کہ اُن میں سے اکثر کا اب کوئی نام بھی نہ جانتا ہوگا۔ اور جانتا بھی ہو تو اُن کا تحصیل کرنا سعی بے حاصل سمجھا جاتا ہوگا ٭

اس پیہم اختراع اور بالآخر اسکی فنا کا باعث بجز اُسکے کیا سمجھا جائے۔ کہ انسانوں کی طبیعت ۔ اُنکے مذاق ۔ اُنکے خیالات ۔ اُنکے مشاغل ایک دوسرے سے جُدا رنگ رکھتے چلے آئے ہیں ۔ اور اس دہر فانی میں خواہ کوئی کمال ہو یا اہل کمال کسیکو ثبات ہے نہ قیام ۔ معہذا انسانی خصلت و ضرورت کو بھی آج نہیں تو کل تغیّر و تبدّل لازمی و لابدی ہے ٭

انسان کی حالت بھی بدل جاتی ہے	اور اُسکی طبیعت بھی بدلجاتی ہے
صورت ۔ سیرت ۔ مزاج ۔ کسکا ہےجود	بس حد ہے کہ قسمت بھی بدلجاتی ہے

دیکھئے سنسکرت کی عملداری میں اہل عرب ایران کے قدم آئے تو اُسی ضرورت و مذاقِ طبیعت کی بدولت اہلِ ہند عربی و فارسی میں تکمیل کرکے عالم بنے منشی کہلائے عرب ایران کے باشندے سنسکرت کی وسعت و حلاوت دیکھکر اسکے ایسے ماہر ہوئے کہ بجائے خود پنڈت بن بیٹھے ۔ لیکن یہ حالت خواص سے متجاوز ہوکر عوام تک نہ پہنچی نہ پہنچ سکتی تھی ۔ اور ضروریاتِ دینی و دنیاوی کے ہاتھوں ایک کو دوسرے سے سابقہ پڑنا ضروری تھا ۔ لہذا تازگی و جدّت پسند ۔ ایجاد و اختراع دوست طبائع کے میل جول سے ایک نئی زبان پیدا ہوئی جو لفظ اُردو سے منسوب اور مسمّی تھی اور ہے

یہ زبان اوّل اوّل تو صرف ضروریات و معاملات میں مستعمل رہی ۔ مگر اسکی دل کشی ۔ اسکی وسعت اِسکی حلاوت ۔ اسکی آسانی سے یوماً فیوماً اسکی ترقی اور قدر بڑھتی گئی ۔ یہاں تک کہ انشاپردازوں سخن طرازوں نے اوائل عمر ہی میں اسکو اپنے آغوش میں اُٹھا لیا ۔ اور دلی جذبات و خیالات کا اسی کے ذریعے سے اظہار شروع کر دیا ۔ آخر الامر نظم و نثر کے ارباب کمال و نازک خیال حضرات کی

بدولت نوبتِ کار یہانتک پہنچی کہ قصّوں کہانیوں میں اسی کا جلوہ۔ مکاتب ومدارس میں اسی کا جلوس۔ سرکاری و پرائوٹ مطابع۔ اہلِ شرافت وتہذیب کے مجامع میں بلا امتیازِ مذہب۔ اسیکا نور وظہور۔ دفاتر ومجالس میں اسی کا دور دورہ نظر آنے لگا۔ دینی ودنیاوی۔ تاریخی ومذہبی۔ علمی وعملی کتابیں اسی میں لکھی اور ترجمہ کی جانے لگیں۔ علم کی مسندِ حکومت کی کُرسی۔ تجارت کی دوکان پر بھی یہی متمکّن ہوئی ٭

جب انگریزی حکومت وزبان کا عہد آیا تو بھی زمانہ دراز ومدّت مدید تک ہر ایک علم وفن۔ اور یورپ کے اعلیٰ سے اعلیٰ انشاپردازوں۔ مستند سے مستند مورخوں کی عمدہ ترین تصانیف کے ہزارہا ترجمے۔ ذی استعداد اہلِ قلم نے اسی زبان میں کیے۔ جو مقبولِ خاص وعام ہوئے اور اتبک ہیں ٭

الحاصل سالہاسال نہیں بلکہ قرناًبعد قرنٍ اطرافِ عالم میں اسی کا آوازہ رہا۔ کوسِ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ اسی نے بجایا۔ قوانین واخبار۔ گزٹ واشتہار اسی زبان میں شائع ہوئے۔ حضور معدلت ظہور۔ ملکہ معظمہ امپرس وکٹوریا مرحومہ جیسی بیدار مغز رعایا پرور۔ ذی فراست شہنشاہ نے ایشیائی زبانوں میں اِسی کو قابلِ ترجیح تصور فرماکر تحصیل فرمایا ٭

یہ واقعہ ترقیِ اُردو کے لیے معراج تھا اور ہر ترقّی کی ایک غایت ہر عروج کی ایک نہایت مقرر ہے چنانچہ اب ادھر تو اکثر معترضین میں اسی اُردوئے معلّی کے خلاف ایک جوش پیدا ہوا اور خلافِ اصلیت اِسکو صرف مسلمانوں کی زبان ٹھیراکر ترک واجتناب کے قابل قرار دینا شروع کردیا۔ ادھر نئے مذاق نئے فیشن نے جہاں اور قدیمی رسم ورواج وضع ولباس سے اہلِ زمانہ کو نفور وبیزار کردیا۔ وہاں موزوں طبع حضرات نے شاعری کی روشِ قدیم کو بھی چھوڑکر ایک اَور ہی آہنگ اختیار کی جو نیچرل یا مہذّب یا سچّی شاعری کے معزّز نام سے مسمّٰی ہوئی ہے اور زبانِ اُردو

کی طرح اساتذۂ متقدمین کی طرز روش کو بھی بغیر استثنا کے واجب الاحتراز قرار دینے میں ساعی و کوشاں ہوئے +

واہ رے جوش ترا فصلِ خزانِ اُردو
وہ بتاتے ہیں زباں اپنی غضب ہے ہندی
اہلِ اُردو ہی مٹاتے ہیں نشانِ اُردو
جنکے اجداد تھے سب مرتبہ دانِ اُردو
گو ہر اک گھر میں ہے اخبار و کتب کا انبار
جس سے ہر طرح نمودار ہے شانِ اُردو
اُنکو رہتی ہے مگر اب یہی کوشش شب و روز
کہ فنا وقت سے پہلے ہو زبانِ اُردو

اس پُر آشوب اور سراپا شورش زمانے میں مکرم سراپا اکرام گرامی منش عالی مقام زیبا خیال رنگیں کلام **لالہ سری رام** صاحب ایم اے کی ذات والا صفات مغتنمات سے ہے۔ جنھوں نے اپنا بیش بہا وقت اور بہت سا روپیہ خرچ فرما کر اُردو علم ادب کی ایک بسیط کتاب یعنی تذکرہ شعرا کی تالیف کا ارادہ اور پھر اُس ارادے کو پورا کیا +

بیخودِ ہیچمدان کو مؤلفِ ممدوح سے حصولِ نیاز یا ہمکلامی کا موقع آجتک نہیں ملا ہے مگر بمصداق اسے اِذَا عَدَمَ المَاءُ فَالتَّیَمُّمُ جَائِزٌ مراسلت کی نوبت بارہا آئی اور آتی رہتی ہے۔ اسکے سوا خمخانۂ جاوید یعنی تذکرہ موصوف کی جلد اول من اوّلہٖ الی آخرہٖ کرّتاً بعد اُخریٰ دیکھ چکا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَعَلَیۡہِ عَیۡنُ اللّٰہِ۔ کیا زبان ہے اور کس درجہ صفائی اور روانیِ بیان۔ ہر ایک شاعر و ناظم کے بیانِ حال میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے وہ بیساختہ اور ایسی مطبوع و مرغوب کہ آنکھ پڑتے ہی دل میں گھر کیے بغیر نہ رہے سب کا کلام اس طرح منصفانہ و بے تعصب منتخب و درج فرمایا ہے جس سے صاحب کلام کو شکایت یا ناظرین کو بے دماغی و سرگرانی کا موقع نہ ملے۔ شعرا کے مذاقِ طبیعت و رنگ سخن۔ یا اُنکے کلام کی دلکشی و دلنشینی کی نسبت جو رائے ظاہر یا قائم کی ہے وہ راستی و صداقت سے اسقدر دوشادوش ہے کہ ہر ایک کا کلام

زبانِ حال سے مؤلفِ زید مجدہٗ کی ہمکلامی اور ہم خیالی کر رہا ہے۔
اس میں کچھ شک نہیں کہ شعرائے اردو زبان کے تذکرے قبل ازیں بہت سے تالیف ہوکر شائع ہو چکے ہیں۔ اور اُن میں سے اکثر کے سر پر اولیت کا تاج یا اولویت کا سہرا بھی نظر آتا ہے۔ لیکن جامعیت و تعمیم و شرح و بسط کا زیبا اور موزوں خلعت جو خمخانۂ جاوید کو میسّر ہوا ہے یہ اسی کا حصّہ تھا اور ہے۔
اور تذکروں کے مصنّفین نے زبانِ اردو کی طفلی یا شباب و کمال کے زمانے میں شعرا کی مدح سرائی کی تھی۔ اسکے تاز کجیال سے بےتعصب سنجیدہ مذاق۔ کامل الاستعداد مؤلف نے بیمارِ اردوئے معلّی کے آخر وقت میں چارہ فرمائی و مسیحائی کی ہے ویعدّہ میرے اُستادالاستاد نجم الدولہ حضرت غالب دہلوی مرحوم نے ایک قصیدے کی تشبیب میں جہاں شاعرانہ تعلّی اختیار کی ہے وہاں فرماتے ہیں کہ۔

گوہر نہ بکان۔کاں بگہر روی شناس ست	بر فرّخی ذات دلیلم اب وعم را

اِس دور اور اس عہد میں اِس مضمون کے مصداق تام وہی مخدوم الانام جناب لالہ سری رام صاحب ہیں کہ آجکے دن یگانۂ عصر و مشہورِ اُنکے جدّ امجد عالیجناب راجہ ٹوڈرمل بہادر زندہ ہوتے تو یکتائے روزگار نبیرۂ لیاقت شعار کی ذات ستودہ صفات پر فخر و مباہات کرتے ÷

مرجع علم و ہنر لالہ سری رام ایم اے	دہلوی مسکن و رنگیں رقم و سحر بیان
صاحب جاہ و حشم منبع احسان و کرم	فلک مہر و عنایات کے مہر تابان
جن کا ہر ایک یہ ظاہر ہے حسب اور نسب	جنکے اوصافِ گرامی ہیں زمانے میں عیان
نیک خو نیک سیر نیک منش نیک نہاد	اہلِ دل اہلِ وفا اہلِ ولا اہلِ زبان
برتتے برتائے ہوئے شیوۂ ارباب کمال	دیکھے بھالے ہوئے اصحاب سخن کے دیوان
اُنکی تصنیف نہ ہر شخص کو ہو کیوں مطبوع	اُنکی تالیف ہو کس طرح نہ مقبولِ جہان

دہر فانی سے فنا ہو گئے جتنے شعرا — اُنکی ناموں کی بقا کا ہے یہ اچھا سامان
جنکو مہلت ہے ابھی خلق میں زندہ ہیں وہ لوگ — اُنکو یہ جنس گراں مایہ مبارک ارزاں
اندراج اسقدر اشخاص کا کچھ سہل نہ تھا — انتخاب اسقدر اشعار کا کب تھا آسان
نظم سے رائے زنی اہلِ سخن کی نسبت — وہ بھی اس طرح کہ جو راست ہو بے ریب گمان
کہنے کی جس سے ہُوا ہو نہ کسیکو شکوہ — کہنے کی جس میں تصنّع کا نہ ہو نام و نشان
نثر دلچسپ وہ جسپر دلِ نثار نثار — منتخب شعر وہ جس پر شعرا خود قربان
خوبیاں سب یہ مؤلف ہی کا حصّہ تھیں غرض — ہیں یہی معرکۂ نظم کے مردِ میدان
کسکو فرصت ہے زمانے میں جو اسطرح رہے — سالہا درپئے تالیف عیاں اور نہاں
کسکو ہمّت ہے زمانے میں جو یہ صرف اُٹھائے — اور ہمّت بھی اگر ہو تو یہ مقدور کہاں
کیا لکھے بیخودِ مغموم صفت در خورِ شوق — کہ نہ قابو میں طبیعت ہے نہ کہنے میں زبان
وہ طبیعت ہو نہ وہ دل نہ وہ دن ہیں نہ وہ سن — جن میں دشوار بھی مشکل تھی نظر میں آساں
اب تو بس ترکِ سخن عین سخن فہمی ہے — ابتو لسّان وہی ہے جو کرے کفِ لسان
یہ دعا ہے کہ رہے شاد مؤلف اس کا — اور یہ خمخانہ رہے دہر میں با مہر و نشان
فکرِ تاریخ اگر ہے تو یہ لکھدے بیخود — کہ ہے خمخانہ یہی فرح دہ پیر و جوان

۱۹۱۱ء

دیگر

سراپا لطف مخدومی سری رام — ہر اک جانب ہے جن کا آج شہرا
خیال آیا اُنھیں تالیف کا جب — تو لکھا تذکرہ یہ شاعروں کا
بظاہر سہل تھا یہ کام لیکن — سمجھ ہو تو یہی دشوار بھی تھا
ہزاروں شاعروں سے خط کتابت — ہزاروں پر جوابوں کا تقاضا
جوابوں کی رسیدیں سب کو دینی — کلاموں کا پرکھنا جمع کرنا
ہر اک شاعر کے کچھ حالات لکھنے — بہ آئینِ خوش و الفاظِ زیبا
مرے مخدوم والا منزلت نے — یہ سب کچھ کر دکھایا اور سب اچھا

لکھوں سالِ اشاعت اس کا میں بھی	یہ میرے دلمیں بھی رہ رہ کے آیا
تو نکلے تین سنہ اک ماڈے ہیں	یہ خمخانہ ہے اب۔ بےمثل لکھا

یہ خمخانہ ہے اب۔ یہ خمخانہ ہے اب بےمثل۔ یہ خمخانہ ہے اب بےمثل لکھا۔

سنہ ۱۳۲۹ ہجری سنہ ۱۹۱۱ء سمت ۱۹۶۷ بکرمی

اقتباس از تحریر و قطعہ تاریخ از سخنور شیریں زبان فصیح اللسان منشی محمد نوح صاحب رئیس قصبہ نارہ ضلع الٰہ آباد از تلامذہ حضرت فصیح الملک مرزا داغ دہلوی مرحوم

میں نے تذکرہ ہزار داستان کو دیکھا حسقدر آپکی محنت کی داد دیجائے وہ کم ہے آپنے تمام شعراء کا حال لکھکر اردو زبان پر بڑا احسان کیا اور سب کے کلام کو از سر نو زندہ کردیا میں سچے دل سے آپکی اس گرانمایہ تالیف کی قدر کرتا ہوں۔ خدا اس کا اجر آپ کو عطا کرے۔ تاریخ حاضر ہے۔

کیا کروں وصف سربراہم کا میں	تذکرہ ہے کہ کوئی افسوں ہے
نوح خمخانۂ جاوید کا سال	ساغر بادۂ نو۔ موزوں ہے
	۱۳۲۹ھ

اقتباس از عنایت نامہ مہر رہ شاعر نازک خیال رنگین مقال منشی افضل حسین ثابت لکھنوی ریڈر ڈویژنل کورٹ ریاست کوٹہ راجپوتانہ

مخدومی! ادمحسن شاعران ہندوستان! از د عنایتکم تسلیمات۔ تذکرہ ہزار داستان مرسلۂ جناب میں نے وقتاً فوقتاً جابجا سے اور پھر شروع سے اخیر تک دیکھا حقیقت میں آپنے بڑا کام کیا ہے اور بڑی بےتعصبی سے لکھا ہے۔ تقریظوں میں جو کچھ تعریفیں بعض معاصرین نے فرمائی ہیں۔ وہ بالکل سچ ہیں۔

اقتباس از تحریر عالم سعید بیل فاضل نبیل مولٰنا غلام نبی صاحب امرتسری

لالہ سری رام صاحب ایم اے۔رئیس دہلی۔ میں نے تذکرہ خمخانۂ جاوید کو سرسری نظر سے مطالعہ کیا۔نہایت ہی دلچسپ عجیب غریب اور اپنے نرالے ڈھنگ میں یکتا ہے میں اس پر ریویو نویسی کا مدعی نہیں۔یہ بڑا کام میری لیاقت۔طاقت اور حیثیت سے باہر ہے اور یہ کام آسان امر نہیں۔نہ ہی بازیچۂ طفلاں ہے۔اس پر جو کچھ لکھنا چاہیئے تھا وہ بڑے بڑے چیدہ سخن سنج اصحاب لکھ چکے ہیں۔جو نادر رائیں منظوم اور منثور اس جلد اوّل کے آخر میں چھپاں ہیں۔واقعی جو کچھ ان صاحب قلموں نے اس بے نظیر کتاب پر ارقام فرمایا ہے وہ نہایت ہی موزوں اور مستحسن ہے ÷

اس مبسوط اور معقول کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے واسطے مصالحہ فراہم کرنے کے لیئے بہت محنت شاقّہ برداشت کی ہے۔ ہر ایک شاعر کے کلام سے اُس کا چیدہ کلام نقل کر کے انگریزی قاعدے کے مطابق اُسکی بایوگرافی یعنی مختصر تذکرہ بھی ساتھ ساتھ دیا ہے۔اور اُسے اس طور سے لکھا ہے کہ اُسکے کلام کی وقعت اور توقیر بھی مشرقی مذاق کے ساتھ قائم رہے۔ اور ایسی حیرت انگیز عبارت لکھتے ہیں کہ پڑھنے والے پر دوچند اثر کرتی ہے۔اگر میری رائے غلط نہیں ہے تو ہندوستان کی ہر ایک بڑی لائبریری میں یہ کتاب ہونی چاہیئے۔اور باقی سکولوں میں اسکی ایک ایک جلد گورنمنٹ انڈیا کی سفارش سے رکھی جانی چاہیئے۔کیونکہ اُردو میں اس مضمون کی بڑی کتاب ابتک نظر سے نہیں گزری ÷

راقم۔غلام نبی امرتسری

قطعاتِ تاریخ ریختۂ قلمِ مشکیں رقم جناب خواجہ میرزا قمر الدین خاں صاحب راقمؔ دہلوی

خلف الصدق ناظمِ بے نظیر و ناثرِ بے عدیل جناب خواجہ بدر الدین خان المعروف بہ خواجہ امان دہلوی مترجم بوستان خیال ہر ہشت جلد و نبیرۂ نجم الدولہ دبیر الملک میرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی مرحوم و مغفور

تذکرہ کے لیے تاریخ نئی کیا لکھوں
خاطرِ دوست کا ایما کہ ادا ہو پیغام
چار و نا چار قلم سے یہی نکلا راقمؔ
کیا تذکرہ لکھا ہے سرِ رام آپ نے

کیا دہلوی زبان ہے کیا ریختہ کلام
ہر نثر دلفریب ہے ہر نظم دلربا
مضموں کو دیکھئے تو مذاق آفریں خیال
بے مثل و لاجواب ہے راقمؔ یہ تذکرہ
کم کردو قافیہ سے الف تار ہے مدام

تذکرہ کیا تذکرہ ہے یادگارِ شاعراں
جتنی تاریخیں ہیں تقریظیں ہیں معنی آفریں
نظم رنگیں نثر رنگیں۔ وہ دل آرا دلفریب
فقرہ فقرہ میں ہے اعجاز مسیحائی اثر
ہے کمالِ شاعری رنگِ عبارت دیکھئے
سلکِ معنی میں مصنف نے پروئے ہیں گہر
لاؤ گلچیں کو کہاں ہے؟ چن لے دامن میں گل

دیگر

فکر سالم نہیں مشکل مجھے پوری یہ ہے
کہ فرمائشِ مخدوم ضروری یہ ہے
نثر زیبائی میں ہے نثرِ ظہوری یہ سچ ہے
قاصر ہے جسکے وصف میں کلکِ گہرفشاں
پیدا ہیں فقرہ فقرہ سے ہر رنگ شوخیاں
دلکش سخن سخن ہے دل آرا زباں زباں
ہر لفظ رنگِ حسن میں ہے حسنِ شاہداں
خمخانہ میں رہے گا یہی جامِ جاوداں

دیگر

صورت کدہ ہیں وہ ہر کے تصویرِ شاعراں
کارنامہ ہے سخن کا۔ یا زبانِ ریختہ
پیدا اک اک لفظ سے ہے داستانِ ریختہ
ہر نقطہ کا سرمہ ہے فیضِ زبانِ ریختہ
جان میں اردو کے آئی تازہ جانِ ریختہ
صفحہ صفحہ میں بہارِ بوستانِ ریختہ
کانِ گوہر ہے یہی زیبا زبانِ ریختہ
بکھرے صفحوں پر ہیں گلہار بیانِ ریختہ

قفل ہے کنجی نہیں۔ کیونکر کھُلے بابِ سخن	بند ہے گنجینۂ رازِ نہانِ ریختہ
کہدو راقم رازِ تاریخ از سرِ بابِ سخن	بحرِ معنی ہے زباں۔ قلزمِ زبانِ ریختہ
	۱۹۰۹ء

تقریظ دلپذیر از علامۂ عصر فضیلت مآب جناب سید کرار حسین صاحب روحانی میرٹھی سپرنٹنڈنٹ دفتر صاحب کمشنر الہ آباد

گزارش بصد تسلیم و تعظیم۔ بخدمت جناب رائے سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی و منصف لاہور۔ خلف الصدق آنریبل جناب رائے بہادر مسٹر مدن گوپال صاحب ایم۔ اے۔ ممبر کونسل و بیرسٹرایٹ لا دہلوی مرحوم۔

کل کیا اچھی صبح تھی کہ آپکے تذکرۂ ہزار داستاں یعنی "خمخانۂ جاوید" کی جلد اول جسمیں ردیفِ الف و بے کے تمام شاعرانِ اُردو مندرج ہیں۔ اِس خاکسار کے پاس پہنچی۔ علی الفور میں اُسکے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ جستہ جستہ دیکھا۔ اُسکی مسرت اور شوق مطالعہ میں ایسا محو ہوا کہ جملہ ضروریات سہو ہو گئیں۔ آپکے خاندان کے مورثِ اعلیٰ راجہ ٹوڈرمل نے جو کارنامے سلطنتِ اکبری میں کیئے۔ اور آپکے والدِ مرحوم نے علومِ قوانین میں جو مرتبۂ بلند حاصل کیا۔ اُس سے آپکی یہ تذکرہ نگاری کسی طرح کم عظمت نہیں رکھتی۔ سترہ سال تک جو محنتِ شاقہ آپنے کی ہے۔ سفر کیئے ہیں صحت کھوئی ہے۔ روپیہ خرچ کیا ہے۔ نہایت ادب اور تہذیب سے ہر شاعر کا تذکرہ لکھا ہے۔ اور بڑے اہتمام صفائی اور عمدگی سے اُس کو چھپوایا ہے۔ اور اس شغل سے دیگر مشاغل کو جو زیادتیِ جاہِ دنیوی کا باعث ہوتے ترک کیا ہے۔ اور شعرائے اُردو کے تمام ناموں اور حالات کو جو ہنوز کسی نے پورے یکجا نہ کیئے تھے۔ اِس کتاب میں آیندہ نسلوں کے لیئے محفوظ کیا ہے۔ وہ واللہ آپ کو درجۂ بلند میں قائم کرتا ہے۔ خلعتِ جاوید پہناتا ہے۔ خدا آپ کو جزائے کثیر دے۔ بغیر ایسی ہمتِ مستقل اور محنتِ جان گسل اور ذوقِ فطرتی اور شوقِ قدرتی اور تائیدِ ایزدی کے یہ کام

کسی سے ہونے والا نہ تھا۔ ایبن کی تاریخ انقلاب یورپ اور سپہر کی ناسخ التواریخ کو۔ جو جامعیت کا سہرا حاصل تھا وہی آپکے تذکرے کو تاج ملنا چاہیئے۔ مجکو اس امر کی تصدیق کا کامل موقعہ ہے کہ جو حالات شعرا کے لکھے گئے ہیں وہ صحیح اور تاریخی ہیں۔ مثلاً اُن لوگوں کے حالات سے میں اِس امر کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہوں جنسے میں بذاتہٖ واقف ہوں +

(۱) مرزا ارشد گورگانی صفحہ ۲۶۲ میرے والد مرحوم کے بڑے دوست تھے مہینوں میرٹھ میں والدِ مرحوم کے پاس رہے۔

(۲) میر اکبر حسین صاحب جج الہ آبادی۔ کہ میرے بڑے مکرّم ہیں صفحہ ۳۸۱

(۳) برادر عم زاد مرحوم سید محمد مرتضیٰ بیان ویزدانی کہ والدِ مرحوم کے شاگرد ہی تھے۔

(۴) مرزا محمد جعفر اوج خلفِ میرزا دبیر کہ اُن سے نیاز موروثی حاصل ہے۔

مَیں چونکہ میرٹھ کا رہنے والا ہوں اور دادا صاحب مرحوم سید کفایت علی صاحب قبلہ ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۹ء تک دہلی میں سرکاری عہدوں پر ممتاز رہے۔ مَیں وہیں پیدا ہوا وہیں تربیت پائی اور جناب والد مرحوم کی صحبت میں ہمیشہ دہلی کے عمائد و اکابر رہتے تھے اِس کتاب میں اُن سب کو دیکھتا ہوں کہ مر گئے تھے۔ پھر زندہ ہو کر آ بیٹھے۔

حسن سیرت کے علاوہ کتاب میں حسن صورت بھی ہے۔ عمدہ جلد ہے۔ جلد پر طلائی نام لکھا ہے۔ ٹائٹل پیج نہایت لاجواب مطلّا۔ رنگین۔ اور خوشنما۔ تصویریں آپ کی نہایت دلاویز۔ خط آپ کا نہایت پاکیزہ۔ چھاپہ نہایت رُوشن صاف۔ کاغذ اعلیٰ ولایتی شفّاف تقریظیں بڑے بڑے باکمالوں کی۔ غرض کوئی دقیقہ اُسکی خوش اسلوبی اور محبوبی میں باقی نہیں۔ مَیں نے چونکہ والدِ مرحوم کے کلیات کی تدوین میں ۲۳ سال محنت کی۔ فراہمی کلام اور عمدہ چھپوانے کا انتظام ایک بلائے عظیم تھا۔ لہٰذا مَیں آپکی مستقل محنت گرد آوری تذکرہ کا پورا پورا اندازہ کر سکتا ہوں۔ آخر میں آپ کو دُعائے خیر دیکر رخصت ہوتا ہوں۔

سیّد کرامت حسین۔ ۱۷ر جولائی ۱۹۰۹ء

تقریظ ریختۂ کلک جواہر سلک شاعر شیریں مقال ناظم باکمال جناب ارشاد نبی صاحب ارشاد - وکیل بہادلپور متعینہ ریاست پٹیالہ

رع "ہر دسے از غیب بروں آید و کارے بکند"

یہ مصرع اگرچہ مدت سے سنتے چلے آتے ہیں - اور شاید پہلے سیکڑوں کی حالت پر منطبق بھی ہوا ہوگا - مگر فی زمانہ جیسا کہ لالہ سری رام صاحب ایم - اے - دہلوی کی شان میں صادق آیا ہے - شاید ہی کسی کے لیئے اسیا موزوں ہو - "خمخانۂ جاوید" کی تالیف کا وہ کار اہم انھوں نے انجام دیا ہے کہ جسکی نظیر زمانۂ موجودہ میں تو کیا شاید زمانۂ آیندہ میں بھی نہ ملے -

ان دنوں میں جبکہ زبان اُردو کی کشتی گرداب میں پڑی ہوئی تھی اور باد مخالف کے جھونکوں سے ڈگمگا رہی تھی - لالہ صاحب موصوف نے ناخدائی کی اور خمخانۂ جاوید کی تالیف سے اُردو کو تباہی سے بچا لیا - اور اس ناؤ کو ڈوبنے نہ دیا ؎

مغربی تعلیم کا اُردو پر خراب اثر پڑا - اور نئے تعلیم یافتہ صاحبوں نے اُردو کی اصلیت کو چھپا دیا - خواہ مخواہ بلا ضرورت انگریزی کے الفاظ اُردو میں داخل کرکے ایک نرالی زبان بنالی جسکو عوام الناس تو کیا سمجھیں - تھوڑی بہت انگریزی پڑھے ہوئے بھی اچھی طرح نہیں سمجھتے - بیچارے متکلم کا مُنہ تکتے ہوئے رہ جاتے ہیں ؎

لالہ سری رام صاحب ایم - اے نے باوجود گریجویٹ ہونے اور زبان انگریزی کی معراج پر پہنچ جانے کے ایسی پاکیزہ اور سلیس اُردو لکھی ہے کہ دوسرے گریجویٹ سے دشوار ہے جو تمہید لالہ صاحب نے لکھی ہے اُسکو پڑھکر پچیس تیس برس پیشتر کا زمانہ یاد آجاتا ہے - اُس وقت کی مجالس و محافل کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے - مؤلف نے کتاب لکھنے میں اس امر کا التزام رکھا ہے کہ حتی الوسع کوئی لفظ انگریزی زبان کا نہیں آنے دیا ہے وہ ٹھیٹھ اُردو لکھی ہے جسکو اُردوئے معلّی کہنا بہت موزوں ہوگا ؎

آجکل جبکہ اُردو کی فصاحت اور دیگر خوبیوں پر خاک ڈالی جا رہی ہے۔ اور صرصرِ مخالفت اُسکو بدنما صورت میں دکھا رہی ہے۔ مؤلف نے اپنی وضع قدیم کو قائم رکھا۔ اپنی مادری زبان میں سرِ مُو فرق نہ آنے دیا اور اُردو کی اصلی خوبی و خوبصورتی و وسعت کو دکھا دیا ؁

"خمخانہ جاوید" کی تالیف سے مؤلف نے ایک قسم کی کرامت دکھائی ہے جو بلا تائیدِ ایزدی انسان سے ظاہر ہونی دشوار ہے۔ مُردوں کو جو ہر مسیحائی دکھا دیا اور زندوں کو خضر صفت آب حیات پلا دیا۔ متقدمین کے نام کو زندہ کر دیا۔ اور شعرائے حال کے نام زندہ رہنے کا سلسلہ کر دیا۔ وہ کام کیا کہ مدعیانِ مسیحیت سے بھی اس کا پاسنگ نہ ہو سکا "خمخانہ" کو اگر "حیاتِ جاوید" کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا ؁

اہلِ ہند کو مؤلف کا دل و جان سے مشکور ہونا چاہیئے۔ شائقینِ اُردو کو "خمخانہ" زیرِ مطالعہ رکھنا چاہیئے۔ تصانیفِ جدیدہ میں وہ خمخانہ سے بہتر کوئی کتاب نہیں پا سکتے۔ اگرچہ اُردو زبان میں اخبار رسالے۔ اور ناول بکثرت شائع ہوتے ہیں۔ مگر اُن میں یہ خوبئ زبان کہاں؟ بعض کی زبان تو پایۂ فصاحت سے ایسی گری ہوئی ہوتی ہے۔ گویا کہ انگریزی کا لفظ بلفظ ترجمہ کیا گیا ہے۔ چند ہی سطور پڑھ کر دل اُکتا جاتا ہے۔ برعکس اسکے "خمخانہ کی" ایک ہی سطر میں وہ لطف و سرور حاصل ہوتا ہے کہ کتاب چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا ؁

اُمید ہے کہ ایسے گوہرِ بے بہا کو صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب بھی ہاتھ سے نجانے دینگے اور اُردو کورس میں اس کا بھی کوئی حصہ داخل کر کے بچوں کو بھی اس سے فائدہ اُٹھانے دینگے ؁

"خمخانۂ جاوید" ایسا بسیط تذکرۂ شعرا ہے کہ اسکی موجودگی اور تذکروں کی تلاش سے مستغنی کر دیتی ہے "خمخانۂ جاوید" ہمہ صفت موصوف۔ سلاستِ عبارت۔ پاکیزگی خط و عمدگی کاغذ کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی تلاش

جانفشانی۔ لیاقت ثابت قدمی کی جو تالیفِ خمخانہ میں اُن سے ظاہر ہوئی ہے دل سے داد دیتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی تائید تالیفِ تذکرہ میں مؤلف کے شامل حال فرمائی تھی اُسی طرح اشاعت میں بھی امداد فرمائے تاکہ کوئی گھر خمخانہ سے خالی نہ رہنے پائے۔ بادہ کشوں کے ہاتھ میں بجائے ساغرِ شرابِ انگوری کے خمخانہ سیرابی ہو

کہاں نسبت ہے خمخانہ سے میخانے کو ای ساقی!	جِلائے فہم ہو اِس سے نہ رکھے ہوش وہ باقی

قطعات تاریخ تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خمخانہ جاوید جلد دوم از رشحۂ قلم جواہر رقم منشی فیاض احمد فاروقی کورٹ انسپکٹر جودھپور مارواڑ تلمیذ حضرت داغ دہلوی مرحوم

دولت ہے حقیقت میں بڑی فنِ سخن بھی	تقدیر سے دے جسکو خداوندِ تعالیٰ
محفوظ ہے ہر حال میں واللہ یہ پونجی	صندوق کی حاجت ہی نہ درکار ہے تالا
اِس فن کی زمانے میں کبھی قدر تھی ایسی	ہر شخص سمجھتا تھا اِسے گھر کا اُجالا
ہر ایک کو تھی اسکی طلب اسکی تمنّا	گو مشغلۂ شعر نہیں مُنہ کا نوالا
لوگ آتے تھے خوش محفلِ اشعار سے ایسے	پی آئے ہیں گویا مئے خالص کا پیالا
جی کھول کے کی قدر شریفوں نے سخن کی	اِس فن کو بڑے شوق بڑے پیار سے پالا
آنکھوں پہ جگہ دیتی تھی دنیا شعرا کو	تھا مرتبۂ اہلِ سخن برتر و بالا
وہ کونسا میدان ہے جو اِن سے بچا ہو	کس معرکہ میں اِنکے رہا ہاتھ نہ پالا
ہر انجمن و بزم میں ممتاز یہی تھے	بول اِن کا رہا دہر میں ہر طرح سے بالا
اچھے ہی لیئے کام طبیعت سے اِنھوں نے	سکہ نہ نکمّا کوئی اِس سانچے میں ڈھالا
یہ لوگ گر اِسکے مددگار نہ ہوتے	اُردو کا نکل جاتا حقیقت میں دوالا
ہوتی نہ کبھی صحبتِ الفاظ پہ تسکیں	ملتا نہ اگر قولِ سخنور کا حوالا
اب کوئی نہیں پوچھتا اربابِ سخن کو	اب انجمنِ شعر و سخن ہے تہ و بالا

اِس درجہ نحوست نے انھیں گھیر لیا ہے
تاریک اگر رات ہے تو دن بھی ہے کالا

بے شبہہ وہ بیقدریٔ ابنائے زماں ہے
ان لوگوں کو جس چیز نے پستی میں ہے ڈالا

کچھ ایسی گئی گزری تھی حالت شعرا کی
ہر شخص سے آسان نہ تھا اس کا ازالا

ہوتا نہ کسی طرح فروغ اہلِ سخن کو
لیتا یہ گروہِ متبرک نہ سنبھالا

مٹجاتا زمانے سے نشانِ شعرا ہی
رہتی یہی حالت اگر اے حضرت والا

صد شکر کہ کی لالہ سری رام نے ہمت
ترتیب دیا تذکرۂ خوب۔ نرالا

اس شخص نے بر وقت خبر لی شعرا کی
ہر طرح مصیبت سے پڑا تھا انھیں پالا

حالاتِ سخن گویاں پہ وہ روشنی ڈالی
آنکھوں سے نظر آیا اندھیرے میں اُجالا

چھوڑا کسی شاعر کو نہ۔ زندہ ہو کہ مُردہ
ہر اک پہ ہوا ہے کرم حضرت والا

اس بزم میں ہیں ہندو مسلمان برابر
ہے ایک یہاں۔ خواہ ہو تسبیح۔ کہ مالا

اب آتی ہیں آنکھوں سے نظر انکی شبیہیں
جن لوگوں کو ہمنے کبھی دیکھا ہے نہ بھالا

پائینگے عروج اہلِ سخن دیکھنا کیا کیا
گمنامی و پستی کو ملا دیس نکالا

بے فکر رہیں اب شعرا خوب سمجھ لیں
یہ تذکرہ عمرِ ابدی کا ہے قبالا

یہ چیز بڑے کام کی ہے غور سے دیکھو
سمجھو نہ اسے تم کوئی بے کار رسالا

ہے دلکش و دلچسپ و دل آویز یہ دفتر
پائیگا عجب لطف ہر ایک دیکھنے والا

کیوں روح تر و تازہ نہ ہو دیکھکے اسکو
یہ تذکرہ گلہائے شگفتہ کا ہے تھالا

ہے اسکی بہار ایسی کہ غیرت سے چمن میں
بیمار جو نرگس ہے تو پُر داغ ہے لالا

کیا خاک نظر آئیں انھیں خوبیاں اسکی
ہر حاسد و بدخواہ کی ہے آنکھ میں جالا

نیت ہو اگر نیک تو ہر کام ہے اچھا
مسجد کوئی بنوائے کہ بنوائے شوالا

لیکن ہے حقیقت میں بڑی سب سے یہ نیکی
اک ڈوبے ہوئے فرقے کو پستی سے نکالا

گو کام تھا یہ سخت مگر کرکے ہی چھوڑا
اکتائی طبیعت نہ۔ زہے ہمت والا

کس طرح نہ ہم اِسکے مصنّف کو سراہیں
تھا شوق لڑکپن سے اِسی کام کا اُسکو
اِسکے لیئے کوسوں کا سفر اُسنے کیا ہی
دن رات کی جاں کاہی و محنت کا ثمر ہو
یہ لالہ سری رام کا اِحسان ہے بھاری
یہ تذکرہ مطبوعِ خلائق ہوا آہی
فیاض نے تاریخ کہی تذکرہ پاکر
اِحسان مند لالہ سری رام کیوں نہ ہوں
فیاض کہہ دو مصرعۂ تاریخِ طبع تم

دیگر

کام آ نہیں سکتا ہے کوئی حیلہ حوالا
تھی تہ نظر دُھن ہی جب ہوش سنبھالا
ہارج ہوا دریا نہ کوئی راہ میں نالا
کچھ سہل نہیں جمع ہوا ہے یہ مسالا (مصالحہ)
جو شخص نہ مانے وہ ہے لاریب رذالا
ہر سمت سے آواز ہی آئے کہ لالا
پایا ہے مُرقّعِ شعرا کا یہ نرالا
دلچسپ و دلپذیر ہے چھپا پایہ تذکرہ (۴۸ ۱۳ ۵)
لاریب بے بدل ہے سراپا یہ تذکرہ (۶۱۹ ۱۰)

تقریظ دلپذیر از نتائجِ اعجاز رقم منشی دیا نراین نگم بی اے اڈیٹر رسالۂ "زمانہ"

"تذکرۂ ہزار داستان" کی جلد اوّل بھی کل مل گئی - اِس ہدیہ کے لیئے میرا دلی شکریہ قبول فرمایئے - مَیں تہِ دل سے اِسکی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں - شکر ہے کہ آپکی سترہ سال کی محنت ٹھکانے لگی - اور تذکرہ جسکے لیئے آنکھیں ترس رہی تھیں بالآخر شائع ہو گیا - بیشک آپنے زبانِ اُردو پر جو احسان کیا ہے اُس کا شکریہ ممکن نہیں ہے - آج اور کل کے درمیان میں اِسے اکثر دیکھ گیا ہوں - "زمانہ" میں بہت جلد ایک بسیط تنقید شائع ہوگی جسے پڑھکر یقیناً آپ خوش ہونگے - اِس جلد کے آنے سے قبل ہی میں نے ایک لائق دوست سے تنقید لکھوانا شروع کر دی ہے - بیشک آپنے اسکی ترتیبِ تالیف میں ہزارہا روپیہ اور اپنے بیش بہا وقت کا خاصہ سرمایہ صرف کیا ہے - ملک اور اُسکے علمی قائم مقاموں کو دل کھولکر اس محنت اور محبت کی داد دینا چاہیئے ؞

اِتنے بڑے تذکرے میں چند فروعی اَغلاط کا رہجانا غیر ممکن نہیں ہے - مگر پھر بھی

آپکی جستجو۔ آپکی تحقیقات اور محنت ہر طرح سے قابل داد ہے۔ فروعی غلطیوں سے میری مُراد حالات شعراء سے مثلاً غلام یٰسین آہ کے متعلق رسالۂ الصدق وغیرہ کے اجراء کا ذکر۔ انکے بھائی آزاد سے تعلق رکھنا ہے۔ مگر یہ باتیں اتنی ضخیم کتاب میں ناگزیر ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی تذکرہ نہایت خوش اسلوبی اور بڑی لیاقت کیساتھ لکھا گیا ہے۔ اور اس پر ہم سب کو ناز کرنا چاہیئے خدا کرے بقیہ جلدوں کی اشاعت میں بھی زیادہ تعویق نہ ہو۔ کیونکہ اس جلد نے شوق مطالعہ کو اب دوبالا کر دیا ہے۔ مرقوم ۳۱ جولائی ۱۹۰۸ء

تقریظ از قلم مرصع نگار ناظم با کمال و ناثر بے مثال جناب منشی رام رچھپال صاحب شیدا دہلوی اڈیٹر آرمی نیوز لدھیانہ

مطبوعہ ۸ اگست ۱۹۰۸ء

تذکرۂ ہزار داستان یعنی اُردو شعراء کا تذکرہ جس کا تاریخی نام "خمخانۂ جاوید" ہے۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے منصف دہلوی۔ خلف الصدق آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا مرحوم کی تصنیف سے ہے۔ اسکی پہلی جلد جسکی ضخامت ۸۰۰ صفحہ کے قریب ہے چھپکر تیار ہوئی ہے اور وہ اس وقت ہماری میز کو زینت دے رہی ہے۔ یہ تذکرہ پانچ جلدوں میں ختم ہو گا۔ فاضل مصنف کی سولہ سال کی محنت اور صدہا مرتبہ کی نظر ثانی اور ہزارہا روپیہ کے صرف کے بعد یہ نادر کتاب ظہور میں آئی ہے۔ تذکرے یوں تو صدہا لکھے گئے ہیں اور ان سب میں باتفاق اہل نظر "آب حیات" کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ مگر آب حیات میں صرف چند نامی گرامی اُستادوں کا ذکر ہے۔ اگرچہ جو کچھ ہے اُردو زبان کے لیئے مایۂ ناز ہے تاہم شائقین سخن کی پیاس بُجھانے کو کافی نہیں۔ "خمخانۂ جاوید" گویا آب حیات کی تفسیر ہے جو نہایت مکمل اور واضح ہے۔ اعلیٰ حضرت آصفجاہ نظام دکن نے جو اُردو زبان کے سب سے بڑے سرپرست اور اقلیم سخن کے بھی تاجدار ہیں "خمخانۂ جاوید" کو اپنے نام نامی سے معنون کرنے کی اجازت دیکر مصنف کی عزت

افزائی کی ہے ہمیں ذاتی علم ہے کہ مصنف نے اِس بےنظیر کتاب کی تصنیف میں کسقدر خونِ جگر کھایا ہے۔ کسقدر سفر کئے ہیں اور کس طرح روپیہ پانی کی طرح بہایا ہے۔ ایک ایک شاعر کے حالات دریافت کرنے میں کسقدر تحقیقات اور تجسس اور چھان بین کی ہے ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں کوئی کتاب آجتک ایسے عاشقانہ شوق اور محنت سے نہیں لکھی گئی ؛

شمس العلمار مولانا آزاد کا یہ قول سچ نکلا کہ زبانِ اُردو کو وہی لوگ ترقی دے سکتے ہیں جو مغربی اور مشرقی علوم میں یکساں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کوئی محض فارسی خواں کبھی اِسقدر سردردی نہ اُٹھاتا جو لالہ سری رام نے (جو زبانِ انگریزی کے بھی ماہر کامل ہیں) ایک محقق کی حیثیت سے شعرار کی یہ جامع تاریخ لکھی ہے۔ اِس کتاب کی معنوی خوبیوں پر تو ہم کبھی آیندہ مفصل بحث کرینگے۔ سردست اسکے حسنِ صوری کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کیا کاغذ۔ کیا لکھائی۔ کیا چھپائی۔ اور کیا جلد ایسی اعلیٰ درجے کی ہے کہ اِس ملک میں اِس خوبی کے ساتھ شاید گنتی کی ہی دو چار کتابیں آجتک چھپی ہونگی ؛

تقریظ از فکر لطیف شاعر خوش بیان وسخنور نکتہ دان جناب سید مظفر علی صاحب کوثر۔ رئیس جانسٹھہ ضلع مظفر نگر

حقیقت یہ ہے کہ آپنے زبانِ اُردو پر ایسا اِحسان کیا ہے کہ ہر شخص پر جو اُردو بولتا ہے آپکا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ ملک میں سیکڑوں تذکرے موجود ہیں۔ مگر آپکا تذکرہ اپنا آپ ہی نظیر ہے خصوصًا ایسے زمانے میں جبکہ زبانِ اُردو کے مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ آپ کا زبانِ مذکور کی حمایت پر کمربستہ ہونا۔ اور دامے۔ درمے۔ قلمے اس غریب زبان کی مدد فرمانا ایک ایسا مستحسن فعل ہے کہ جس کا شکریہ تمام ملک سے ادا ہونا محال ہے۔ گو جناب کی خدمت میں کمترین کو ظاہری نیاز حاصل نہیں ہے۔ مگر مکرمی

جناب حکیم رضی الدین خان صاحب رئیس دہلی کی زبانی آپکے اوصافِ حمیدہ و خصائل پسندیدہ سُنکر غائبانہ سلسلہ نیازمندی میں داخل ہوں۔ خداوند عالم سے دعا ہے کہ آپکی صحت و سلامتی میں یہ تذکرہ مکمل ہوکر شائع ہو اور ایسا درجۂ قبولیت حاصل کرے کہ آپ کے سامنے ہی متعدد مرتبہ طبع ہو ٭

تقریظ از فکرِ گہربار و قلمِ جادو نگار منشی احسن مرزا صاحب ناشر لکھنوی خویشِ سید مہدی حسن احسنؔ

نقش فریادی ہے کسکی شوخیٔ تحریر کا	کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

آج میرے سامنے وہ ضخیم کتاب موجود ہے جسکی آبی رنگ کی جلد پر سُنہری حرفوں میں جلی قلم سے لکھا ہوا ہے "تذکرۂ ہزار داستاں المعروف خمخانۂ جاوید" سرورق پر انگریزی وضع کی سُنہری بیل اور رُوپہلی حرفوں میں "تذکرۂ ہزار داستان" خطِ گلزار میں خمخانۂ جاوید تحریر ہے۔ ٹائٹل پر سُرخ حرفوں میں پھر اس تذکرے کا نام اور ملان کے کام کی ایک رنگین خوشنما بیل دی گئی ہے۔ اسکے بعد ایک ورق اور ہے جس میں بحضور نظام دکن اس کتاب کے معنون ہونیکا تذکرہ سبز اور سنہری حرفوں میں معہ ایک خوبصورت حاشیہ کے ہے بعد اسکے دو تصویریں ہیں۔ جو اپنی وضع میں مختلف ہیں۔ ایک انگریزی پوشاک میں ہے جسکے نیچے لکھا ہوا ہے "سری رام ۱۸۹۲ء" دوسری ہندوستانی پوشاک میں ہے جو اس سے بھی زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی تصویر کمسنی اور طالبعلمی کی خبر دیتی ہے۔ دوسری لیاقت اور جوانی کی۔ اب گیارہ صفحوں کا ایک دیباچہ ہے جسکی ابتدا اس شعر سے کی گئی ہے۔

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ	شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

اس دیباچہ میں مؤلفِ تذکرہ نے اپنی زندگی کے مختلف واقعات۔ اپنے تعلیمی زمانے کے مختصر حالات اور اُسی کے ساتھ ساتھ اس کتاب کا مواد جمع کرنے کی کاوشیں اور بعض دقتیں عذر حوالۂ قلم کیے ہیں۔ بارھویں صفحہ کے تمام ہونیکے بعد تذکرۂ ہزار داستاں آباد مرزا

مہدی حسن خان خلف مرزا جعفر خان لکھنوی کے نام سے شروع ہوتا ہے صفحہ ۶۸۹ میں بیہوش
لالہ گردیال صاحب وکیل عدالت لکھنؤ کے نام پر تمام ہوتا ہے۔ اسکے بعد چھ صفحوں کا
ایک صحت نامہ دیا گیا ہے۔ ایک جزو میں فہرست اسماء شعراء مندرجہ تذکرہ ہے۔ پھر صفحہ
ایک سے ۷۸ تک میں تقاریظ و قطعات تاریخ لکھے گئے ہیں +

اس بڑے تذکرے کے چند جزو میری نظر سے اُس وقت بھی گذرے تھے جس وقت
یہ تذکرہ زیر طبع تھا۔ اسکے اعلیٰ پیمانہ پر چھپنے کی خبر نے اور اسکے پروف کے چند اوراق
نے جب ہی سے مجکو اس کتاب کا مشتاق بنا رکھا تھا۔ آج وہ مبارک دن ہے کہ میری
مشتاق نگاہیں اسکے اہتمام و انتظام کی بہار لوٹنے کے بعد نثر و نظم کی دلچسپیوں سے
ہم آغوش ہیں۔ میری پُرشوق آنکھیں ہر ہر سطر کو بہت غور سے دیکھ دیکھ کر بجائے خود مؤلف
تذکرہ کو اُسکی کامیابی پر مبارکباد دیتی جاتی ہیں اور میں شعرائے ماضی کی جیتی جاگتی تصویروں
سے اُنکے واقعات سُن رہا ہوں۔ کہیں اُنکی زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہی حاصل
کر کے چپ ہو جاتا ہوں۔ کبھی شعراء حال کی دل آویز نظمیں۔ اور مؤلف صاحب کی وقایع
نگاری میرے دل پر ایسا گہرا اثر ڈالتی ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیئے میں بالکل محو
ہو جاتا ہوں علی الخصوص وہ بعض خیال جنکو میں اب لکھنے والا ہوں مجھپر حیرت کا عالم
طاری کر دیتے ہیں اور وہ تخیلات مصنف دہلوی لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کے حالات زندگی
سے وابستہ ہیں۔ ایک ایسے شخص کا جو آبائی تموّل کے سبب آرام کا عادی ہو بستر راحت
سے اُٹھ بیٹھنا۔ خواب شیریں کو ٹھوکر مار کر زندگی کی پیاری راتیں تعلیم انگریزی کی جی توڑ
محنت میں گزارنا۔ ایم۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کر لینے کے بعد اپنے منصبی فرائض کی
انجام دہی میں سرگرم ہونا۔ اپنے ذاتی کاروبار اور صحت قائم رکھنے کے ذکروں سے جان
چھڑا کر ایک ایسے بڑے کام کے لیئے مستعد ہو جانا کسی طرح تعجب سے خالی نہیں +

یہ تذکرہ جو پانچ جلدوں پر منقسم ہے اور جسکی پہلی جلد میرے سامنے موجود ہے جسطرح

شعرائے ماضی و حال کی دل آویز نظموں سے بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح مؤلف تذکرہ کی خوبیوں سے مملو نظر آتا ہے۔

ایک مورخ کے فرائض کی اہمیت کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں اور وہی قدر کر سکتے ہیں جنھوں نے کبھی ایسے مشکل کام کے لیئے قلم اٹھایا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ لالہ سری رام صاحب نے اپنی خداداد قابلیت سے پہلے ہی وہ فرائض چن چن کر اپنے دماغ میں محفوظ کر لیئے ہیں اسکے بعد شاید ایسی دشوار گزار راہ میں قدم رکھا ہے۔ انکے لکھے ہوئے ہر ذکر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ لکھنے کے وقت انھوں نے کسی کی جانب داری نہیں کی۔ کسیکی رعایت سے کام نہیں رکھا۔ مروّت کو بالائے طاق رکھا۔ اپنے ارادوں سے سر مو تجاوز کرنے کو عیب جانا۔ اپنی مجوزہ حدود پر نظر برابر جمائے رہے ہیں بلکہ جو خیال دل کی تہ سے نکلا ہے اس کو بے کم و کاست حوالۂ قلم کر دیا ہے۔ انکے قلم کی آزادانہ روش بتا رہی ہے کہ جو کچھ کیا ہے نیک نیتی سے کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے سچائی سے لکھا ہے۔ مگر اسے وہ کیا کریں کہ ایک شاعر شہرت سے ہی بے نیاز ہو کر محض اپنے نہ رکنے والے جذبات سے مجبور ہو کر کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہے اور اسی وجہ سے تذکرہ نویسوں کی درخواست کو بھی نامنظور کر دیتا ہے۔ تذکرہ نویس چاہتا ہے کہ جہانتک ممکن ہو سچے واقعات قلمبند کروں۔ مگر جب اسکو وہ واقعات جو صحت پر مبنی ہیں دستیاب ہی نہوں تو وہ کیا کرے۔ لیکن یہ عجب دلشکن مشکل ہے کہ قلم سے نکلنے کے بعد ان مشہرہ حالات کی صحت و غیر صحت پر ضرور نظر ڈالی جاتی ہے اور یہی باتیں مابہ الامتیاز فرق پیدا کرنے والے اہل قلم کے لیئے مدح و ذم کی باعث ہوتی ہیں۔ ماوراء اسکے بعض ایسی پیچیدہ رہجانے والی باتیں ہوتی ہیں جو اپنی طرف توجہ دلانے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ چنانچہ موجودہ تذکرے کو دیکھتے دیکھتے میں صفحہ ۲۸۵ تک پہنچا تھا کہ یکایک چونک پڑا اور حکیم مرزا آغا حسن صاحب آزل مرحوم خلف میرزا عباس صاحب کے ذکر میں جو میرے قرابت داروں میں سے ایک بزرگ تھے، بعض ایسے غیر واقعی حالات دیکھنے میں آئے کہ

مجکو ایک اچمبہ سا ہو گیا۔ اِسی صفحہ کی سترھویں سطر میں مسطور ہے کہ جناب ازلؔ اصلی امامیہ مذہب تھے مگر کسی وجہ سے قیامِ بہار کے زمانے میں تبدیلِ مذہب کر کے سُنی ہو گئے تھے۔ مگر مرض الموت میں مذہب امامیہ کا اعلان کر کے انتقال کیا" یہ امر ایسا خلافِ واقع معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح دل نہیں چاہتا کہ ایک یادگار تذکرے میں ہمیشہ کے لیئے ایسی فاش غلطی نظر انداز کی جائے بلکہ اِس کا کسی طور سے اعلان کر دینا مرحوم شاعر اور مہتمم بالشان تذکرے کے حق میں بہر صورت بہتر و انسب معلوم ہوتا ہے۔ صحت نامے میں "آغا حسن" کی جگہ "آغا حسین" لکھا گیا ہے۔ حالانکہ صحیح آغا حسن ہی ہے۔

اب میری نظر صفحہ ۶۵ہم کی آخری سطر سے چلکر صفحہ ۶۶ہم کی دوسری سطر پر رُک گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جناب اُنسؔ میر مہر علیصاحب مرحوم کے حالات میں ایک سخت غلطی نظر آئی ہے جس کا اعلان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مرحوم کے واقعات کی عبارت یہ ہے۔ "اُنسؔ۔ میر مہر علی لکھنوی۔ خلفِ میر مستحسن خلیقؔ فرزند میر حسن صاحب بدرِ مُنیر۔ اپنے والد مرحوم کے شاگرد اور اکثر مرثیہ کہتے تھے۔ آپ میر انیسؔ مغفور کے حقیقی بھائی تھے اِنکے بیٹے میر حیدر اور میر تعشقؔ بڑے خوش فکر اور شیریں زبان شاعر گزرے ہیں۔" "اُنکے بیٹے میر وحید" یہاں تک تو میری نظر برابر جمی رہی لیکن "میر تعشقؔ" کا نام آتے ہی کچھ میری نگاہیں منتشر سی ہو گئیں اور میں ہکا بکا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کیونکہ تعشقؔ جناب سید صاحب مرحوم کا تخلص ہے جو محمد مرزا صاحب اُنسؔ کے بیٹے اور میاں (عشقؔ) کے بھائی اور پیارے صاحب رشیدؔ مدظلہ کے حقیقی چچا تھے اور مرثیہ گوئی میں ان کا بھی ایک رنگ خاص تھا۔ اسکے بعد بہت تعجب کے ساتھ اس بات کا افسوس ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ باوجود تلاش صرف چند شعر غزل ہی کے صاحب تذکرہ کو دستیاب ہوئے۔ حالانکہ جناب اُنسؔ مرحوم کے کلام کا ایک معتدبہ حصہ مثل مرثیوں۔ سلاموں۔ رباعیوں کے

---

* مؤلف تذکرہ نے آزلؔ صاحب کے شاگرد رشید مولانا شاہ حفیظ رئیس پٹنہ سے آزلؔ مرحوم کے حالات دریافت کیئے تھے چنانچہ انھیں کے مرسلہ حالات سے جناب ازلؔ کے حالات اقتباس کر کے درج تذکرہ کیئے گئے ہیں۔

ہندوستان کے متعدد شہروں میں پھیلا ہوا ہے۔ علی الخصوص پٹنہ عظیم آباد میں ❖

اب میں صفحہ ۶۶ ۴ کے لب جستہ جستہ کلام دیکھتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اور ورق گردانی میں مصروف تھا کہ صفحہ ۵۲۸ پر آکر الف تمام ہوگیا اور آمین حکیم حافظ مولوی محمد احمد سکندر پوری کے اس آخری شعر نے اس حصے کو علیحدہ کر دیا۔ ؎

تو ہی اے دیدۂ تر اب کوئی تدبیر بتا	لگ گئی آتشِ غم دل میں بجھائیں کیونکر

اسی صفحہ کا باقی حصہ ایک گلدستے اور چار گوشوں سے مزین کیا گیا ہے۔ جو مورخ اور مہتمم تذکرہ کی خوش سلیقگی کی خبر دینے سے خالی نہیں۔ اور جس سے یہ بات ثابت ہے کہ تذکرہ کو بہمہ وجوہ خوشنما بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔

صفحہ ۵۲۹ کی ابتدا حرف (ب) سے ہوتی ہے اور میر بادشاہ علی کے اس شعر سے تذکرہ پھر شروع ہوتا ہے۔ ؎

بلبلِ شیدا نے پوچھا گل سے یوں روزِ بہار	اے گلِ رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار

تذکرے کی خوبیاں ہمکو اسکے معائب کیطرف نظر اٹھانیکو مانع ہیں بلکہ گناہ ثابت کر رہی ہیں لیکن افسوس تو یہی ہے کہ گناہ سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جنکو دنیا کی دلچسپیوں سے کوئی کام نہو اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم "خمخانۂ جاوید" کے متوالے نہ بنیں اور اسکی جرعہ کشی سے دست بردار ہو جائیں۔ جب ہم تمام ہندوستانی شاعروں کا کلام ایک جگہ مدون ہونا خیال کرتے ہیں اور مورخ کی وہ محنت اور وہ جانفشانیاں جو کسی طرح خیال میں آنے والی نہیں۔ ہمارے سامنے آتی ہیں تو خود ہمکو ہمارے ارادے اور ہمت پست نظر آتی ہے۔ نگاہوں میں حیرت اور دلمیں رشک کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اس وزنی احسان سے سبکدوش ہونیکا جب کوئی پہلو نظر نہیں آتا تو مجبور ہوکر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کاش زبانِ اردو سے ہمکو کوئی تعلق نہوتا اور یہ زبان ہماری زبان نہوتی واقعی اردو لٹریچر میں یہ پہلا معتدبہ اضافہ ہے۔ جسنے ہمکو گھر بیٹھے ہندوستان کے تمام شاعروں سے ملنے کا موقع دیا۔ ہم بہت خوشی اور نہایت شکرگزاری کے ساتھ اس احسان کا

بار اپنے سر پر لیتے ہیں۔ کیونکہ بہت سے ایسے خوش فکر شاعروں کا کلام دیکھنے میں آرہا ہے جنکے کلام سے اِسکے قبل فیضیاب ہونے کا کبھی موقع نہ ملا تھا۔

مجھے اُمید ہے کہ مؤلف صاحب مجھے اپنا ایک سچا بہی خواہ تصوّر کرکے اِن اغلاط سے متنبہ کر دینے سے کوئی بُرا اثر نہ لینگے ؎

تقریظ خمخانہ جاوید نتیجۂ قلم جادو رقم جناب محمد قطب الدین خاں طالبؔ وکیل ریاست گوالیار و حاضر باش محکمہ رزیڈنسی میواڑ

ہست نہالِ ریاضِ قدیم		بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	

اِس وقت میرے ہاتھ میں ایک ایسی کتاب ہے کہ باعتبارِ صورتِ ظاہری فقط ایک خوشنما جلد میں مجلد ہے اور اعلیٰ قسم کے کاغذ پر خوشخط لکھی ہوئی ہے لیکن بلحاظ خوبی ہائے باطنی و دلفریبی ہائے معنوی ع "اپنی نظیر آپ ہے اپنی مثال آپ" کیوں نہو کیسے لائق و فائق بہترین افاضل فخر اماثل لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی مصروفیت و عرق ریزی سالہا سال کا برترین نتیجہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جس فن کو لالہ صاحب ممدوح نے لباسِ جاوید پہنایا ہے مدت ہوئی کہ روشِ زمانہ سے نہ صرف عریاں ہی ہوا تھا بلکہ بعض خیالات میں تو اس کا وجود بھی قریباً درجۂ عدم تک پہنچ چکا تھا۔ ایسی سرد بازاری و گمنامی کے وقت میں لالہ سری رام صاحب کی مثل قابل و فاضل و عالی دماغ کا متوجہ ہونا اور اِنتہائے بالغ نظری سے اِس ضرورت کا احساس کرکے بصرفِ اوقات و اموال اس گرانقدر سرمایہ کا جمع فرمانا واقعی آسان کام نہ تھا ع

"صد آفریں مؤلف عالی دماغ پر"

آنے والی نسلیں جہاں تک مؤلفِ گرامی کی شان اِس جلیل القدر احسان کی شکر گزار ہوں اور خوش دماغانِ سخن جس حد تک اِس سرمایہ پر فخر کریں حق بجانب ہیں۔ کیونکہ ہر انسان طبعاً قدرتاً

فطرت نظم پر بالطبع مائل ہے کوئی ملک عرب ہو یا عجم۔ ہند ہو یا فارس۔ کوئی قوم جرمنی ہو۔ یا روسی۔ ترکی ہو یا تاتاری لطفِ کلام و مذاق سخن سے بے بہرہ نہیں۔ بلکہ حقیقتاً ہر فرد بشر مانوس ہے۔ اِس اِستدلال پر حضرت متقدمین کا کلام شاہد ہے۔ خسرو۔

ما ہمہ در اصل شاعر زادہ ایم	دل بہ ایں محنت نہ از خود دادہ ایم

پس جب یہ مسلّم ہے کہ سخنگوئی لوازم انسانیت سے ہے تو ایک ایسی زبان کے لیئے جس کا کوئی مدد و معاون نہیں لالہ صاحب کا ایسا منفعت بخش حامی و سرپرست ہونا اُنکے و نیز ملک و قوم کے لیئے کیسا کچھ موقع مسرّت و مبارکباد ہے اِس لیئے میں اپنی مختصر تقریظ کو اِس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ لالہ سریرام صاحب کو تندرست و ذی اقبال رکھے اور توفیق عطا فرمائے جس تمہید و بدایت کے ساتھ خمخانۂ جاوید کا آغاز کیا ہے۔ اُسی تکمیل و نہایت کے ساتھ وہ انجام کو پہنچائیں۔ آمین ثم آمین

قطعۂ تاریخ طبع جلد دوم خمخانۂ جاوید

اے سریرام۔ ایم۔ اے منصف	عدل و نصفت میں تم بھی یکتا ہو
خلق و تہذیب و قابلیت میں	آپ ہی تم جواب اپنا ہو
تم ہو اہلِ مذاق کے محسن!	کیوں نہ ممنوں ہر اک تمہارا ہو
نام زندہ کیئے ہزاروں کے	عہد کے اپنے تم مسیحا ہو
کیا مرتّب کیا ہے خمخانہ	وصف کیا کیا زباں سے اِسکا ہو
بس دُعا ہے کہ یہ رہے آباد	اِس کا ہر چار سمت چرچا ہو
میکشوں کا ہجوم ہو اس میں	جام ہر رنگ کا چھلکتا ہو
ہے تمہاری جو ہمّت و کوشش	اس کا حاصل ثمین نتیجہ ہو
قطعہ اب ختم کیجئے طالب!	لُطف صنعت ولیکن ایسا ہو
سالِ ہجری بھی عیسوی سن میں	سن و تاریخ سے نکلتا ہو

۱۳۲۷ھ ۹ ۱۹۰۹ء

تقریظ
نتیجۂ طبع وقاد جناب سید آغا حیدر صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی سہارنپور

اگرچہ مجھے خدمتِ سامی میں حصولِ نیاز کا شرف نہیں لیکن غائبانہ معرفت ضرور ہے۔ آج حسنِ اتفاق سے ایک صاحب کے پاس جناب کے تذکرۂ شعرار کی جلد اول دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ فی الحقیقت جناب نے بڑی محنتِ شاقہ اور دردسری کو اپنے سر لیا جس میں بہت کچھ دماغ سوزی کرنی پڑی ہوگی اور بہت سا وقتِ عزیز صرف ہوا ہوگا۔ ملک اور زبان دونوں پر آپ کا احسان ہے جسکی اہلِ ملک کو تہِ دل سے شکرگزاری کے بعد قدر کرنی چاہیئے زیادہ قابلِ قدر اور مسرت انگیز یہ امر ہے کہ آپ جیسے ایجوکیٹیڈ جنٹلمین نے اس طرف توجہ کی اور اپنے ملک کے مُردہ وازیا ورفتہ باکمالوں کو جنکے رنگ کو رنگ زمانہ تقریبًا مٹا چکا تھا۔ نئے سرے سے حیاتِ جاوید بخشی۔ سچ یہ ہے کہ ایسا جامع تذکرہ جسکو شعرائے ہند کا انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہیئے ابتک نہیں لکھا گیا تھا۔ علاوہ بریں حسنِ تحریر وخوبی کاغذ اتفاقًا دلکش ودلفریب ہے کہ بیساختہ دلکو اپنی طرف کھینچے لیتی ہے۔ اس لیئے امید کی جاتی ہے کہ حسنِ قبول وپسندِ عام سے بھی یہ تذکرہ ممتاز ہوگا۔ ساتھ ہی مجکو افسوس ہے کہ ایسا جامع وحاوی تذکرہ ہمارے سہارنپور کے بعض برگزیدہ اور مقتدر شعرائے ماضی وحال کے اسمار گرامی سے معرّا وخالی ہے۔ لیکن اُس شکایت ومعذرت سے جو ابتدائے کتاب میں جناب نے بعض حضرات کی بے پرواہی وغفلت شعاری سے جواب خطوط تک نہ دینے کی تحریر کی ہے ضرور تلافی ہوتی ہے ؎ مرقومۂ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۸ء

قطعہ تاریخ ترتیب تذکرہ ہزار داستاں المعروف بہ خمخانہ جاوید از طبع وقاد پنڈت سکھدیو پرشاد صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ریاست بھرتپور

عجب ہے مہر یہ خمخانہ نسخہ نایاب	کہ جسکی تاب سے آنجہانی ہوئے آب

نظیر آپ یہ اپنی ہے آج دنیا میں
نئی صدی کی ہے واللہ یہ نئی سوغات
نگاہِ لطف سے اب دیکھیں دیکھنے کے مشتاق
مہک جہان میں پھیلی گلِ مضامین کی
کھو یہ پھر طبعِ سخن عیسوی سے پھر
یہی ہے صلۂ محنتِ شاقہ کا
ہوا غیب سے مادہ مہرِ تصدیق

دیگر

نہ اس کا دلّی میں ہے اور نہ لکھنؤ میں جواب
یہ انتخاب حقیقت میں ہے بڑا خوش آب
نقاب رخ سے اٹھا تا ہے مہرِ عالمتاب
رہے یہ باغِ سخن ہند کا سدا شاداب
لکھی ہے رائے سر رام نے یہ خوب کتاب
۱۹
کہ جب بار ہر سمت سے داد کی ہے
یہ تالیف خود مہرِ استاد کی ہے
۱۹

تقریظ نظم از کلک گہر سلک شاعر شیریں بیان ناظم نکتہ دان پنڈت جواہر ناتھ صاحب کول عمخوار دتا تریہ بسوہ دار متخلص بہ ساقی دہلوی

ہو رہا ہے بلبلانِ نغمہ زن میں تذکرہ
کیوں نہ ہو معروف یہ ہر انجمن میں "تذکرہ"
حال کا یہ حال ہے ماضی کا استقبال ہے
شہرت اسکی ہوگئی پنجاب میں بنگال میں
اتحاد و وحدت و کثرت سری ہیں رام ہیں
دیکھ کر حسنِ ادا سب اسکے شیدا ہوگئے
بلبلِ شیدا بنا ہے باغ میں ہر ایک گل
اس کا آوازہ ہوا فردوس میں فردوس گوش
ساقیؔ خلوت نشیں ہم بھی ہوئے ہیں شادماں

یہ گلِ رعنا ہے معنی کے چمن میں "تذکرہ"
ہوگیا مشہور یہ اہلِ سخن میں "تذکرہ"
یادگارِ گو ہے یہ دورِ کہن میں "تذکرہ"
شرق میں چرچا ہے اسکا ہے دکن میں تذکرہ
شوق و رم کا رنگ ہے مترو علن میں "تذکرہ"
ہوگیا محبوبِ عالم حسنِ ظن میں "تذکرہ"
ہو رہا ہے اسکا سیرانِ چمن میں "تذکرہ"
قدسیوں میں بھی ہوا باغِ عدن میں تذکرہ
جلوہ آرا یہ ہوا اپنے وطن میں "تذکرہ"

اقتباس از تحریر جناب پنڈت اندر پرشاد صاحب دہلوی وکیل عدالت ضلع مظفرنگر

اتفاقیہ ایک دوست کی عنایت سے آپ کا مؤلفہ "خمخانۂ جاوید" دیکھا۔ اور خوب اچھی طرح دیکھا

اُسکے دیکھنے سے جسقدر مجکو مسرّت ہوئی ہے اُسکو میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ جزاک اللہ آپنے
نہ صرف اُردو شعرا پر بلکہ اُردو زبان پر جو احسان کیا ہے اُس احسان کے بارگراں سے کبھی
اُردو زبان سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ یہ کام آپ ہی ایسے عالی ہمت مذاق زبان رکھنے
والے عالم باعمل شخص کا کام تھا جو آپنے پورا کیا خدا کرے پبلک آپ کی ایسی ہی قدر دانی
کرے جسکے آپ ہر گونہ مستحق ہیں ؀

تقریظ دلپذیر از تحریر شاعر سخن ساز معنی طراز منشی چندی پرشاد شیدا دہلوی
تلمیذ حضرت مولنا عبد الرحمن صاحب راسخ دہلوی

اودھ پنچ جلد سی و سوم نمبر مطبوعہ ۱۱ فروری ۱۹۰۹ء میں اع-م- کے پردہ نشین نام سے
خمخانہ جاوید کے متعلق ایک طول طویل مضمون نظر سے گزرا جس کا ذکر ریاض الاخبار گورکھپور کے
لائق ایڈیٹر نے بھی اپنے اخبار میں کیا ہے۔ واقعی اُنکی رائے صُلح کل کا پہلو لیے ہوئے ہے
اودھ پنچ کے قابل نامہ نگار نے جو کچھ لکھا ہے وہی خود ذرا انصاف کی عینک لگا کر
دیکھیں کہ تمام مجال راست راست اور بے کم و کاست شاعروں کے کلام کا موازنہ کیا ہے
اگر ایسا نہیں ہے تو اُنھیں کہاں سے یہ حق حاصل ہو گیا کہ دوسروں پر یک طرفہ رائے زنی
کریں۔ لالہ سری رام صاحب نے سترہ برس محنتِ شاقہ اُٹھا کر اور زرِ کثیر خرچ کرنے کے بعد
یہ شعرائے ماضی و حال کا تذکرہ لکھا ہے۔ اگر احیاناً بعض شاعروں کا حال اُس میں صحیح درج
ہونے سے رہ گیا ہے تو اُس کا بار لالہ صاحب موصوف پر ہرگز نہیں آسکتا۔ جن ذریعے سے
اُنکو حالات معلوم ہوئے ہیں یہ اُس خبر رسان کی غلطی پر محمول ہو سکتا ہے۔ اِسکی نسبت مجھے
زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کمی ایسی ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں پوری ہو سکتی ہے
کیونکہ اُن کا یہ دعوی بھی نہیں ہے کہ جو کچھ اس تذکرے میں لکھا گیا ہے اُس میں ترمیم و تنسیخ
ہو ہی نہیں سکتی۔ اِتنے بڑے تذکرے کا لکھنا آسان کام نہیں ہے۔ تحقیق کے واسطے ناگزیر

اَیسے وسائل اختیار کرنے پڑتے ہیں جن میں فروگزاشت ہوجانا ممکنات سے ہے۔ پس آپ کی لعن وطعن آپ کے لیئے ہی موجب شرمساری ہوسکتی ہے ورنہ اتنی محنت اور زرکثیر خرچ کرکے تمام ماضی وحال کے شاعروں کا صحیح صحیح تذکرہ خود ہی لکھکر دکھایئے۔ بات کہدینا آسان ہے اور کچھ کر دکھانا مشکل ہے۔

حضرت داغ اور جناب امیر لکھنوی کی نسبت جو آپنے اِرشاد فرمایا ہے کہ امیر مرحوم کے شاگرد داغ مغفور کو اُن کا ہمپلہ نہیں سمجھتے تھے تو یہ اُنکی لیاقت اور ادب شناسی کی بات تھی حضرت ریاض اور جلیل کی بابت جو حضرت داغ کا مقابلہ کرنے کا بے سروپا قصّہ گھڑ لیا گیا ہے اُس سے حضرت داغ کی شان میں کچھ فرق نہیں آتا گستاخی معاف یہاں کے بعض نوشق شعرا کی بعض بعض غزلیں حضرت امیر کی غزلوں سے بڑھ گئی ہیں تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ حضرت امیر کی اُستادی میں فرق آگیا۔ یا وہ کچھ نہ رہے۔ اگر حضرت ریاض و حضرت جلیل نے جناب داغ کے مقابلے میں بیٹھکر لکھنے کا چیلنج دیا تو یہ اُنکی اخلاقی کمزوری تھی کہ ایک مسلم الثبوت اُستاد کا اِس شوخ چشمی سے ترک ادب کرتے تھے۔ شاعری کا فن کسیکی میراث نہیں۔ اگر حضرت داغ کے شاگرد اسی طرح جناب امیر لکھنوی سے کہہ بیٹھتے تو کیا امیر مرحوم اُسی وقت اُنکے مقابل لکھنے بیٹھ جاتے؟ اور اپنے پیرِ نابالغ ہونے کا ثبوت دیتے؟ درحقیقت جو صفائی زبان شوخی بیساختہ پن اور آمد میرزا داغ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ وہ جناب امیر کے ہاں موجود نہیں ہے۔ گو وہ اشعار بہ لحاظ دیگر اُمور بہت اچھے سہی لیکن دعوی تو یہی ہے کہ صفائی زبان۔ الفاظ کی برجستگی۔ بندش کی چستی اور سادگی ایسی ہے کہ اُن کا کلام مقبولِ عام ہوگیا صبا۔ سحر۔ وفا۔ فدا۔ آہ۔ بیخود۔ اور گوہر۔ انتخاب۔ کے اشعار جو نقل کیئے گئے ہیں۔ یہ زبان کی صفائی دکھائی گئی ہے۔ لیکن نظر انصاف سے دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت داغ کے شاگردوں کے کلام میں اس سے بہتر صفائی پائی جاتی ہے۔ اِن مرحوم شاعروں کے دیوان میں فیصدی بہت ہی کم شعر نکل سکیں گے۔ جبکہ جناب میرزا داغ مرحوم کے ۳ دیوان

موجود ہیں آپنے داغ صاحب کے اِس شعر پر تمسخر اڑایا ہے۔

دیکھنا پیرِ مغاں حضرتِ واعظ تو نہیں	کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پسِ خم مجکو

واقعی آپکی آنکھیں عینک دار نگاہ میں اِس شعر سے کوئی بات نہیں نکلتی لیکن ریاض گورکھپوری جو آپکے ممدوح ہیں اُنکے اِس شعر میں تمام علوم کا خزانہ بھرا ہوا ہے۔

کوچے میں اُنکے پھرتے تھے کل اِس طرح ریاض	اِک پشت خار ہاتھ میں اور سر مُنڈا ہوا

اگر داغ مرحوم نے متقدمین کی تقلید کی تھی تو ہم حیران ہیں کہ امیر مرحوم کا ایجاد بھی ہمیں کہیں نہیں پاتا سوائے امیر اللغات کے جسکی بابت زمانہ جانتا ہے جیسی کہ وہ ہے سبحان اللہ آپنے صاف و شستہ اشعار کو تو بازاری زبان فرمادیا لیکن اُلجھے ہوئے ریشم کو کس مقام کی بولی کہوگے۔ یہ شاید خانگی زبان میں داخل کیجائے گی ؎

معلوم ہوتا ہے حضرت کو خبر نہیں کہ زمانے کے ساتھ مذاق بھی بدلتا جاتا ہے۔ پہلے دور اور اِس زمانے کی شاعری میں زمین و آسمان کا فرق ہوگیا ہے۔ کوہ کن۔ ن و کاہ بر آوردن جسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں اب موزوں نہیں سمجھا جاتا۔

فہم کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دلگیرا	اور یہاں قدر شناسانِ سخن تھوڑے ہیں

کسی شخص کی محنت پر خیال کرکے حوصلہ افزائی تو درکنار بلکہ بے حصول نکتہ چینی کا شعار لوگوں نے لیاقت کا تمغہ سمجھ رکھا ہے۔ لیکن انصاف پسند حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جسقدر آپکی لیاقت ہے کسی سے پوشیدہ نہیں اخبارات کے قیمتی اوراق ایسے بے نتیجہ مضامین سے سیاہ کرنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔ اتنا وقت کسی اور کام میں صرف کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ آیندہ نامہ نگار صاحب اِس مضمون کو طول نہ دیکر کسی مفید مشغلہ میں اپنا وقت صرف کرینگے۔ ورنہ

مصلحت پردہ دری میں نہیں ہرگز ورنہ	آپکے گھر کے ہیں نظروں میں مری سَو سوراخ

ریاض الاخبار کے فاضل اڈیٹر حکیم برہم نے بھی اپنی پوری زبان میں خمخانۂ جاوید

کی نسبت اپنے تخلص کی رعایت سے کچھ برہمی کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں ؎

نیشِ عقرب نہ از پئے کین است	مقتضائے طبیعتش این است

اور خاموش ہو رہتے ہیں۔ انکی رائے کے موافق اودھ پنچ کے نامہ نگار نے خمخانہ کی مٹی تو کیا پلید کی ہے بلکہ اپنی بھدی لیاقت اور بھونڈی سمجھ کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم	چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اتنا مختصر مگر صفائی اور سچائی کے ساتھ کہ یاوشع گستاخی کرنا اور اسکی ناشایستگی اسے واضح کرکے بتا دینا انسانیت کا فرض ہے اِس پر بھی اگر کوئی ناراض یا رنجیدہ ہو تو اسکی محرومی قسمت۔ تقدیر بنانا خدا کا کام ہے۔ ہمارا کام نہیں کیسیکی تذکرہ نظر سے نہ گزرنے کی شکایت اسکے افلاس کا ثبوت یا بخل کی دلیل ہے اور محض سنی سنائی باتوں پر مؤلف کی لیاقت کا اندازہ کر لینا بیوقوفی اور حماقت کا نشان +

تذکرے کی خوبیاں خود تذکرے سے ظاہر ہیں اور دنیا ابھی جوہر شناس نگاہوں سے خالی نہیں ہوئی ہے۔ جیساکہ دیگر ارباب کمال اور اہلِ فن حضرات کی تقاریظ اور بے ریا نگارشوں سے ظاہر ہو رہا ہے +

فی الحقیقت مؤلف کی محنت اور جانکاہیوں کی جسقدر داد دیجائے تھوڑی ہے۔ یہ درد سر اور صرف زر لالہ سری رام صاحب کے سوا دوسرے کے بس کا نہ تھا۔ سچ پوچھو لالہ صاحب نے ملک اور ملک کی زبان پر جو احسان کیا ہے اُس کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا۔ حیف ہے اگر اہلِ بینش لفظی ستایش اور زبانی داد سے بھی دریغ کریں۔ میں دلی شکریہ کے ساتھ لالہ صاحب کو اس عظیم الشان تالیف پر مبارکباد دیتا ہوں اور بقیہ جلدوں کی تکمیل واشاعت میں کامیابی کے لیئے دست بدعا ہوں اور جانتا ہوں کہ بافضال ایزدی لالہ سری رام صاحب کو اسکے علاوہ کسی دوسرے صلے یا معاوضے کی پروا بھی نہیں ہے۔ ؎

طمع گوشۂ چشم است ز ارباب خرد	ورنہ مستغنیم از مال و منال زر و سیم

اقتباس از نگارش گرامی دریائے شاعری کے بے بہا گوہر جناب حکیم معشوق علی صاحب جوہر شاہجہانپوری وکیل بھوپال رئیس بلدہ شاہجہانپور روہیلکھنڈ

پیارے سیرام! آمیں تم پر نثار میں تم پر صدقے۔ اللہ تم کو چشم زخم۔ نظر بد۔ نگاہ حاسد۔ دیدۂ زمانۂ غماز و نمّام کی تاک جھانک سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔ میرے اس خط میں جو فقرے روش قدیم کے خلاف بطرز جدید پاتے ہو اس کی وجہ محض اس وقت کی میری از خود رفتگی ہے۔ مجھپر جو عالم طاری ہے میں اسکی تفصیل نہیں کرسکتا بلکہ اجمالاً بھی بیان نہیں کرسکتا۔ بلکہ ایک شمّہ بھی ادا نہیں کرسکتا ہوں۔ آج یکایک اس شاہد رعنا نے جلوہ دکھلایا جس کا اشتیاق مدّتوں سے تھا۔ الحمد للہ کہ ع اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم، کیا کہوں کہ کیا عالم اسنے طاری کردیا کہ نہ اپنے ہوش میں ہوں نہ حواس میں۔ ٹھیک ایک بجے ڈاکیہ نے جلد تذکرہ ہزار داستان دی نماز ظہر کے ارادے سے بیٹھا تھا کہ وضو کرکے نماز ظہر پڑھوں اور اسکے بعد یہ وقت تا بمغرب تلاوت قرآن کا ہے۔ مگر اس وقت کہ چار بجا چاہتے ہیں نہ وضو کیا ہے نہ نماز پڑھی ہے سوائے اسکے کہ تمھاری ترقی عمر و اقبال کی دعائیں مانگ رہا ہوں اور تمھارا نادیدہ مشتاق ہوگیا ہوں۔ جو کچھ میرے قلب کی حالت ہے میں اسکو ظاہر نہیں کرسکتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو فنائے سخن سمجھتا تھا اور یہ دعوی تھا اس وجہ سے کہ نہایت غریب کا بیٹا۔ نہایت غریبی میں زندگی کٹی۔ افکار و مہمّات کا ہمیشہ سامنا رہا مگر کبھی دامن مذاق سخن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ مگر بھائی تمھاری حالت اور تمھارے تذکرے کا دیباچہ پڑھکر جس میں ایک حرف بھی تصنع کا نہیں ہے دل بے قابو ہوگیا۔ اور خفقان کی سی حالت ہوگئی۔ افسوس کہ تم نے لکھنؤ سے واپسی کے وقت مطلع نہ کیا ورنہ میں اسٹیشن پر ضرور ملتا۔ اور تمھارے دیدار سے آنکھیں منور کرتا۔ تمھارے پہلے خط کے آنے پر اور میرے کلام کی طلبی پر میں نے اغماز کیا تھا۔ کیونکہ میری عادت ہی نہیں کسی گلدستے میں غزل نہیں بھیجتا

کسی کتاب کی تقریظ نہیں لکھتا۔ تاریخ نہیں لکھتا کیونکہ میں دیکھتا ہوں ان میں ایسے لوگوں کی تاریخیں تقریظیں بھی شامل ہوتی ہیں جن کو موزوں اور ناموزوں میں بھی امتیاز نہیں ہوتا ہے۔ گلدستوں کا خاص ڈھنگ یہ ہے کہ ایک موزوں طبع نے چند غزلیں لکھکر اُن اطفال کے نام سے گلدستوں میں بھیجدیں جن کو نظم و نثر کا فرق بھی معلوم نہیں۔ کچھ اپنی استادی کی شہرت اور کچھ اُن کی شاعری کی شہرت کی غرض ہے۔ مجھے اُنکی مجلس میں اپنا وجود ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آموں میں گولر۔ چنانچہ اسی بنا پر کہ ایسا ہی یہ تذکرہ ہوگا۔ میں نے اپنا کلام بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن بھائی آج جو تذکرہ دیکھا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل کی کیا حالت ہوگئی ہے +

تقریظ جو میں نے بھیجی تھی تو مجھے نہایت تردّد تھا کہ کتاب کے صرف چند جزو دیکھے ہیں اور تقریظ لکھدی۔ تقریظ اُس خاص مضمون کا نام ہے جو بلا افراط و تفریط کتاب اور مصنّف کی حالت کو عیاں کردے۔ بارے الحمد للہ کہ تقریظ کے مضمون سے کتاب وصاحبِ کتاب بدرجہا بہتر ہے۔ کوئی لفظ میری تقریظ کا اغلاق و غلو یا تعلّی شاعرانہ میں داخل نہیں ہے۔ اب میں اس تذکرہ کے متعلق ایک خاص کام کرنے کی ہمت بڑھاتا ہوں۔ اور جہاں تک مجھ سے اسکی خدمت کیجائیگی کرونگا۔ میری نظر و خیال میں جو حالات و خیالات اس تذکرے کے لائق ہیں وقتاً فوقتاً آپکی خدمت میں بھیجونگا۔ میرے اس خط میں جو کچھ بے اعتدالی اس وقت ہوا اُس کو معاف کردینا۔ کبھی "تم" اور "تمکو" اور کبھی "آپ" اور "آپ کو" مختلف الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔ یہ محض میری محبّت اور بیخودی ہے اِسی کو آپ ادائے شکریہ اور مبارکباد سمجھیں جو آج اس تذکرہ کو دیکھ کر میرا فرض ہے۔ اب تیاو کا تذکرہ تو دیکھنے کو مل گیا مگر تم کیونکر دیکھنے کو ملوگے! اور یہ نہ دکھا اور کس طرح پوری ہوگی

تمہارا نادیدہ مشتاق

معشوق علی۔ جوہر۔ مرقومہ ۸ ستمبر ۱۹۰۸ء از شاہجہانپور

اقتباس از عنایت نامہ مکرمی محمد رئیس الزمان صاحب سکرٹری آنریبل راجہ صاحب بہادر والئ محمود آباد

جناب معظم مخدوم مکرّم دام مجدکم۔ تسلیم و نیاز۔ "خمخانہ جاوید" کی جلد اول خوبصورت موصولِ سرکار ہوئی۔ عنایت کا شکریہ قبول فرمائیے۔ اور مجھے اس اعتراف کی اجازت دیجئے کہ اس صدی میں بے یار و مددگار اُردو زبان پر آپنے جو احسان کیا وہ یادگار احسان ہے انصاف یہ ہے کہ آپنے اس زبان کے حق میں مسیحائی کی۔ آپ کی ہمت اور دلی توجہ کا نتیجہ ضرور ہوا کہ اُن لوگوں کی دماغ سوزی اور بلند خیالی۔ بلند پروازی اور سخن سنجی کے منتخب نمونے اس زمانے میں قدرشناس اور سخن سنج حضرات کے رُوبرو ایک مجموعے کی صورت میں نہایت حسن و خوبی سے پیش ہو گئے۔ جنکی یاد دلوں سے محو ہو رہی تھی ۞

ہندوستان میں آپکی تالیف قدر کے ساتھ مدت ہائے دراز تک محفوظ رہیگی۔ میں نے اس قسم کی تالیفات میں صرف تذکرہ "آبِ حیات" کو اس دورِ آخر میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ اُس تالیف میں جو بہت بڑی کمی تھی وہ آپنے پوری کر دی۔ جو گو حق تلفی کے ساتھ اس کتاب میں باریاب نہیں ہوئے تھے۔ یا جنکی باریابی کا اہل نہ تھی اُسکی آپنے بہت اصلاح کر دی۔ اور اس سے اُنکی اچھی اشک شوئی ہو گئی ۞

یہ خداداد ہمت تھی جو مدتِ مدید سے آپکے قلب سلیم میں ودیعت ہوئی تھی۔ آپنے نہایت استقلال سے اُس سے کام لیا اور موجودہ تالیف اُس کا خوشگوار ثمر ہے۔ آپکی محنت اور دلسوزی کا شکریہ اُردو داں پبلک کی زبانی ادا نہیں ہو سکتا۔ میں نے ہنوز اس کتاب کو بالاستیعاب نہیں دیکھا ہے۔ مگر کچھ زمانے کے بعد میں اپنی ناچیز رائے نہایت تفصیل کے ساتھ بے تکلف عرض کرونگا۔ مجھے نہایت مسرت ہو گی اگر آیندہ حصص کی تالیف میں کوئی خدمت آپکی کر سکوں گا۔ آپ نے اُردو زبان کے ساتھ بڑا احسان کیا۔ خداوند عالم آپکو اسکی

جزائے خیر دے۔ سرکار والاتبار حضرت آصفجاہ خلد اللہ ملکہٗ کی بڑی عنایت ہوئی کہ انھوں نے بکمال ہنر پروری و قدرشناسی کتاب کو آپنے نام سے معنون کرنے کی اجازت دی۔ یہ آپکی ایسی کامیابی ہے جسکی مبارکباد دیتا ہوں۔

بکمال اخلاص و نیاز آپکا ولی خیر طلب محمد رئیس الزمان سکرٹری راجہ صاحب محمود آباد قیصر باغ

ریویو

از جناب منشی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

"تذکرہ ہزار داستان" یہ وہ کتاب ہے جس کا پبلک کو کئی سال سے انتظار تھا یعنی لالہ سری رام صاحب ایم۔اے دہلوی کا تذکرہ شعرائے اردو۔ اِس تذکرہ میں مؤلف نے یہ التزام کیا ہے کہ قدیم و جدید جتنے شعرائے اردو زبان کے ہیں اُن سب کا تھوڑا بہت حال معہ نمونہ کلام آجائے۔ اور اس غرض کو حاصل کرنے کے لیئے مؤلف صاحب نے نہایت تلاش و کاوش سے قابلِ قدر سواد فراہم کیا ہے۔ کتاب کا تاریخی نام "خمخانۂ جاوید" ہے جس سے ۱۳۲۵ھ ہجری نکلتے ہیں۔ ناموں کی ترتیب تخلص اور حروف تہجی کے لحاظ سے رکھی گئی ہے پہلی جلد جو حال میں چھپ کر تیار ہوئی ہے۔ اِس کے اصل مضمون کے ۶۹۰ صفحوں میں صرف ردیف الف اور بے کے تخلص ہیں۔ حضور نظام نے اِس تالیف کو اپنے نام نامی سے معنون کیا جانا منظور فرمایا ہے۔ ٹائیٹل پیج دو ہیں۔ اندر کا ٹائیٹل پیج رنگین اور نہایت خوشنما چھپا ہوا ہے شروع میں مؤلف نے اپنی دو تصویریں بھی دی ہیں۔ ایک عنفوان شباب ۱۸۹۲ء کی ہے اور ایک تازہ لکھائی چھپائی میں خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اگرچہ کتاب میں بعض بعض فرو گذاشتیں ہیں۔ بعض بعض شعراء کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ بعض کے حالات میں کسیقدر غلطی ہے۔ مگر ایسی باتیں ناگزیر ہوتی ہیں۔ چھپائی میں جو غلطیاں رہ گئی

اُس کے لئے غلط نامہ لگا دیا گیا ہے۔ جن شعراء کا پہلی جلد میں تذکرہ ہے اُنکی فہرست بھی آخر میں دیدی ہے۔ آخر میں متعدّد اصحاب کی تقریظیں درج کی گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کتاب فی نفسہ نہایت مفید اور بڑی عرق ریزی اور مشقت کا کام ہے اور اس سے اُردو لٹریچر میں قیمتی اضافہ ہوا۔ مطبوعہ پیسہ اخبار مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۸ء

تقریظ منظوم و قطعہ تاریخ از منشی للتا پرشاد صاحب شاؔد میرٹھی سابق اڈیٹر اخبار دلشاد و نظم الہند وغیرہ و مصنف کتب متعدّدہ

پلا مجھکو اے ساقیٔ خوش جمال
رلا برف میں بادۂ کُہنہ سال

چمن ہے۔ شبِ ماہ ہے۔ ابر ہے
خدا کے لئے اب نہ کر قیل و قال

مری آج حالت جو دیکھے کوئی
تو حیرت میں آکر کرے یوں سوال

کہ کیوں اسقدر خوش ہے اے شاؔد تو
کہیں سے لگا کچھ ترے ہاتھ مال

کوئی تُو نے جیتا ہے پالا کہیں؟
نکالی ہے شطرنج کی کوئی چال؟

کہیں مل گیا کوئی محبوب۔ یا
کسی نے پلا دی شرابِ وصال؟

بتا تو سہی ماجرا کیا ہے یہ
کدھر جا پڑا دھیان کیا ہے خیال؟

ابھی کل ہی کی بات ہے یاد ہے!
کہ تُو پھر رہا تھا یونہی خستہ حال

زمانے نے دیکھی ہے حالت تری
کبھی خشک لب تھے کبھی زرد گال

جو ارزاں تھی وحشت ترے واسطے
تو عشرت کا تھا گُل زمانے میں کال

ٹپکتا تھا چہرے سے رنج و قلق
طبیعت میں تھے جاگزیں صد ملال

مگر آج کچھ اور ہی شان ہے!
مسرّت سے چہرہ بھی ہے لال لال

کبھی لیمنیڈ۔ برف کی مانگ ہے
کبھی خواہشِ بادۂ پرتگال

یہ کیا بات ہے یار کیا راز ہے؟
سمجھ میں نہ آیا مری کچھ یہ حال

یہ سُنکر کلام اُس سے مَیں نے کہا — کہ او بے ادب! بس زباں کو سنبھال
تجھے کیا خبر ہے کہ غافل ہے تو — یہ باتیں ہیں تیری حماقت پہ دال
مجھے رنج تھا اس لئے پیشتر — کہ آیا ہے فنِّ سخن کو زوال
کہیں شاعری کو کہ منحوس ہے — بہت ایسے ہیں ان دنوں بد خصال
نہیں پُوچھتا کوئی شاعر کو اب — ذرا بھی نہیں علم کی دیکھ بھال
جو فنِّ سخن موجبِ ناز تھا — ہوا آج اُلٹی چھُری سے حلال
جہاں سے گئے ذوق و داغ و دبیر — امیر و ظفر کا ہوا انتقال
بیاں ہے نہ راسخ نہ ناسخ نہ رند — ہوا ہائے فنِّ سخن پائے مال
نہ سودا نہ آتش نہ غالب نہ میر — نہیں کوئی بھی شاعرِ باکمال
بہت یاوہ گو اور تُک بند ہیں — نہیں ہیں مگر ہائے اہلِ کمال
غنیمت ہیں اس وقت مضطر رسا — ریاض اور بیخود ظہیر و جلال
مبارک ہیں حالی و کیفی ۔ اُفق — حسن شوکت احسن وجاہت کمال
مگر کوئی ان کا نہیں قدرداں — ہوا اس زمانے میں جینا وبال
غرض ہیں سخنور نہ اب قدرداں — لیاقت رہی اور نہ قدرِ کمال
کہاں ہیں وہ پہلے سے اہلِ نظر — صلہ میں جو دیتے تھے شاعر کو مال
مصیبت میں ہیں وائے سارے شریف — ترقّی پہ ہیں اب کمین و سفال
اگر قدرداں کوئی آئے نظر — تو سمجھوں میں کیونکہ مبارک فال
سُنا جب سے مَیں نے کہ اک دہلوی — تہِ دل سے کرتا ہے قدرِ کمال
اُسی وقت سے ہے مسرت مجھے — اُسی وقت سے ہوں میں فرخندہ حال
مجھے تھا الم بیشتر۔ بیشتر — بچھا تھا غم و رنج کا گرد جال
پُرانی خوشی عود کر آئی پھر — مجھے چاہیئے بادۂ کہنہ سال

اسی واسطے مے کا طالب ہوں میں | اسی واسطے یاد آیا کلال
مجھے اب یہ کہنا ضروری ہوا | کہ ہے کون وہ قدردانِ کمال
وہ مشہور لالہ سری رام ہیں | نجیب و شریف و عدیم المثال
فہیم و سخن سنج اور نکتہ داں | نثارِ کمال اور اہلِ کمال
لیاقت میں عالم زمانے کے ڈھنگ | امارت میں قاروں بھی آشفتہ حال
الٰہی وہ دائم رہیں با مراد | الٰہی وہ زندہ رہیں لاکھ سال
انھیں نے بنایا ہے یہ تذکرہ | ہر اردو کے شاعر کا لکھا ہے حال
یہ مژدہ ہے کیا کم مرے واسطے | کہ زندہ ہوا نام اہلِ کمال
بڑی عرق ریزی کا ثمرہ ہے یہ | اسے دیکھ کر میں ہوا ہوں بحال
وہ پہلی تھی یہ دوسری جلد ہے | لکھیں گے ابھی اور بھی چند سال
سخن کو اگر آسماں مان لیں | تو اسکو ابھی اس کا سمجھو ہلال
کہا ہاتفِ غیب نے شاد سے | کہ چھاپا ہے کیا تذکرہ بے مثال

۱۹۶۶ بکرمی

دیگر

منشی والا ہمم شیریں مقال | غمگسارِ نکتہ سنج و خوش خصال
عالم بے مثل و یکتا و لئیق | فاضل و اہل امارت نیک فال
کرد تالیف و رقم ایں تذکرہ | خرم و مسرور شد اہل کمال
سالِ طبعش گفت ہاتف شاد را | بیمثال و بے عدیل ست ایں کمال

۱۳۲۷ھ

دیگر

تذکرہ کس نے یہ لکھا اچھا | سب جسے کہتے ہیں اچھا اچھا
اہلِ دہلی کا بھلا ذکر ہی کیا | غیر تک کہتے ہیں اچھا اچھا
آن و انداز کے کیا کہتے ہیں | صورت اچھی ہے سراپا اچھا
کاغذ اعلیٰ ہے عبارت عمدہ | جلد و تحریر ہے چھاپا اچھا
تا ہیکل ہیچ کی جدت واللہ | مرحبا ہے رخِ زیبا اچھا

دیکھیں موسیٰ تو گریں غش کھا کر
طور سے ہے جلوہ اچھا

اہل فن آج بتاتے ہیں اسے
ساری دنیا سے نرالا اچھا

سچ تو یہ ہے کہ بہ نسبت اس کی
کوئی بھی کام نہ ہوگا اچھا

تھوڑے داموں میں یہ شے لی ہم نے
ہاں قسمت ہی سے پایا اچھا

مصرعۂ سال لکھو تم اے شاد
ہے گلستانِ سخن کیا اچھا

۱۳۲۷ھ

تقریظ مع تاریخ از فکر لطیف شاعر شیریں سخن جناب میر شرافت علی صاحب کشتہ اکبر آبادی

جہاں میں شور ہے منشی سری رام
بڑا جوہر شناس اہل فن ہے

لیاقت میں ہیں ایم۔ اے سفی پاس
سعادت جو شریفوں کا چلن ہے

فطانت اس جواں کی ہے قیامت
متانت صورتِ پیر کہن ہے

طلاقت اسکی ہے جادو کی پتلی
جوابِ سامری یہ سحر فن ہے

عبارت دیکھئے گا تذکرے کی
کہ جو میدان ہے صحنِ چمن ہے

ملاحت ہے حلاوت بھی ہے اس میں
کہ شورِ بلبلِ شیریں سخن ہے

مسجّع و مرصّع و مقفّیٰ
یہ نثرِ دلپذیرِ اہل فن ہے

سنوارا ہے ہر اک فقرے کو ایسا
کہ پہلی رات کی گویا دلہن ہے

کہیں گلہائے مضموں ہیں شگفتہ
کہیں گل چینیِ باغِ سخن ہے

کہیں چوٹی کے مضموں ہیں مسلسل
کہیں پیچیدہ زلفِ پرشکن ہے

کہیں وصفِ گل و لالہ کے مضموں
کہیں ذکرِ محبتِ غنچہ دہن ہے

کہیں شمشیرِ ابرو ہے برہنہ
کہیں وصفِ لبِ سیبِ ذقن ہے

کہیں اٹھتی جوانی کے ہیں چرچے
کہیں معنی میں کوئی بانکپن ہے

کہیں مضموں ادا و ناز کے ہیں
کہیں تیرِ نظر ناوک فگن ہے

کہیں ہجر و شبِ فرقت کے مضموں | کہیں مرغِ سحر سے کچھ جلن ہے
کہیں ہے جدّتِ حسنِ معانی | کہیں ٹکسالی سکّہ کا چلن ہے
کہیں ہے چُستی بندش کی خوبی | کہیں لفظی نشستِ اہلِ فن ہے
بھری رکھّی ہے خوشبوئے معانی | جوابِ نافۂ مشکِ ختن ہے
یہ الفاظ و معانی کہہ رہے ہیں | پری زادوں کی زلفِ پرشکن ہے
جُدا ہے الغرض ہر پھول کی بُو | عجب گلدستۂ باغِ سخن ہے
ہُوا ہے یہ بڑا کارِ نمایاں | یہ کچھ تائیدِ ربِّ ذوالمنن ہے
جِلائے سینکڑوں مُردے پُرانے | مسیحائی کا اُس کو یاد فن ہے
بہت ایسے کہ اُن کی قبر تو کیا | نہ ہڈّی ہے نہ اک تارِ کفن ہے
اُنھیں زندہ بنا کر لا دکھایا | جسے دیکھو وہ شمعِ انجمن ہے
امیر و آتش و آباد و انور | اسیرِ آرزو کی انجمن ہے
اسیرِ اکبر آبادی و آغا | جو ہے وہ انتخابِ اہلِ فن ہے
ہر اک اپنے زمانے کا وہ لائق | کہ گویا طوطیٔ شکّر شکن ہے
ہر اک یکتا وحیدِ عصر گزرا | ہر اک سلطانِ اقلیمِ سخن ہے
یہ سب جلوے نظر آتے ہیں یکجا | بڑی دلچسپ گویا انجمن ہے
کہوں تاریخ کیا اس تذکرے کی | ورق ہر اک ہزارہ کا چمن ہے
سنِ ہجری کہا ہاتف نے کشتہ | نشانِ قائمِ بزمِ سخن ہے

قطعاتِ تاریخ بطریقِ تقریظ از قلمِ گوہر رقم جناب حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب المتخلص صبر امیٹھوی ملقب بہ بلبلِ تسلیم تلمیذِ رشید منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی

ساقیٔ گل پیرہن جامِ مئے گلرنگ دے | دیکھ تو باغِ جہاں میں ہے عجب رنگِ بہار

غنچگیٔ مشاطۂ بادِ صبا گلزار میں
نرگس و سوسن کہیں پھرتا کہیں نسترن
بلبلوں کے چہچہے سن سنکے گل ہیں باغ باغ
سبزہ بھی انگڑائیاں لیتا ہے مستوں کی طرح
ساغرِ مے کی جو صورت گل میں آتی ہے نظر
اس ہوا نے سرو اس کالی گھٹا کو دیکھکر
ہاں کیا لانی ہو زہد و وعظ و تقویٰ سے چھوڑ کر
پی کے پیہم سات ساغر بھر کے دے ساقی مجھے
مجھکو لکھنا وصف ہے خمخانۂ جاوید کا
خوبیٔ قسمت سے اِک پیدا ہوئے ہیں قدرداں
بے تکلف نام نامی کو بتاؤں کس طرح
پہلے لالہ پھر سری پھر رام پھر منصف لکھو
ذی لیاقت اہلِ دولت با مروت خوشخصال
تذکرہ لکھا ہے جس خوبی سے کیا تعریف ہو
رونقِ بزمِ جہاں اک جلد چھپکر ہو چکی
کاغذ اچھا تھا چھپی تھی صاف خط پاکیزہ تھا
نقطے نقطے سے عیاں تھی صورتِ نجمِ فلک
دائروں کی گر ہلالِ عید سے تشبیہ دوں
رشکِ حسنِ کہکشاں تھا جلوۂ بین السطور
شاہدِ معنی کی وہ بانکی ادائیں دلفریب
روشنی ہر صفحہ میں ایسی کہ جسکو دیکھکر
نوجوانانِ چمن کا ہے عروسانہ سنگار
سنبل و ریحاں کہیں پر ہیں کہیں پر لالہ زار
خندۂ گل میں ادائیں دلبری کی ہیں ہزار
دیدۂ نرگس کی حیرت سے عیاں ہے انتظار
دیکھنے سے تازہ ہو جاتی ہے روحِ بادہ خوار
کیا عجب آتی ہو دلمیں شیخ کے بھی بار بار
بادہ خواروں میں چلیں پیہم پیالے میں تو کئی بار
تا دلِ بیتاب مضطر ٹھیرے دم بھر کو قرار
آ چکے ہیں خط کئی دلّی سے اب آیگا تار
تذکرہ لکھا جنھوں نے شاعروں کا باوقار
صاف آسکتا نہیں اس بحر میں ہے ریختہ بار
جمع پھر الفاظ سب ہوں نام ہو جب آشکار
کم نظر آتے ہیں ایسے زیبِ بزمِ روزگار
منہ ہے چھوٹا یہ بڑی ہے بات مشکل ہے دوچار
اِک نظر میں نے بھی دیکھی تھی کہیں اِک بار
حال ہر شاعر کا لکھا تھا قرینِ اعتبار
ہر کشش پر شیفتہ قوسِ قزح کی تھی بہار
کیا عجب ہمشکل ہونے پر ہو پیدا افتخار
زلفِ حورِ خلد الفاظِ مسلسل پر نثار
دیکھتے ہی خود بخود بے اختیار آتا تھا پیار
آفتابِ صبحِ روزِ وصل بھی ہو شرمسار

فقرہ ہر اک شکل موجِ حوضِ کوثر ہیگماں
دوسری بھی جلد چھپکر اب قریب الختم ہے
کشتیٔ مَی کی طرح پیشِ نظر جب آئیگی
دائرہ ہر ایک ہوگا ساغرِ مے سے سوا
دیکھکر اُسکے بیاضِ صفحہ کو شرمائیگی
اُسکے ہر فقرے سے پیدا ہوگا جوشِ موجِ مے
پڑھنے میں ہوگی صدائے قلقلِ مینا کی دھن
شاعروں کو چاہیئے اب شکر کے سجدے کریں
اِک قصیدہ پیش کرتا مدح میں اُسکی مگر
خوبیٔ تقدیرِ برگشتہ کو دیکھو تو سہی
کیا کہوں کیونکر کہوں دل ہی نہیں قابو میں ہے
حضرت نوح کی تاکیدوں سے عاجز ہوگیا
فکر میں تاریخ کی بیٹھا تو یہ دل نے کہا

ہر ورق میں تختۂ گلزارِ جنت کی بہار
اُسکے جلدے پر نگاہِ شائقاں ہوگی نثار
کیا عجب مشتاق ہو دنیا برنگِ بادہ خوار
دیکھتے ہی اُسکو چھک جائیگا ہر اک میگسار
پانی پانی ہوگی حسنِ دخترِ رز کی بہار
دُردِ مے کے ذرّے بنکر ہونگے نقطے آشکار
کوئی دم مسرور ہوگا جو سنے گا دلفگار
تا قیامت نام دنیا میں رہے گا برقرار
آجکل میری طبیعت میں ہے بیحد انتشار
صبر کہتا ہے زمانہ بھر مگر ہوں بیقرار
رنج مرگِ دوستاں سے چشم تر ہے اشکبار
اِس لیئے اشعار موزوں کر دیئے سی و چہار
صبر لکھدو شاعروں کی پوری یادگار
۱۳ ۲۹

ریویو قمرزدہ اڈیٹر اخبار ہندوستان لاہور

جو لوگ اُردو زبان کو اپنی قومی میراث کہا کرتے ہیں وہ چشمِ بصیرت سے دیکھیں کہ لالہ سری رام ایم اسے مصنف دہلوی نے اُردو زبان پر وہ احسان کیا ہے جو بڑے سے بڑے حامی اُردو مسلمان سے نہیں ہوسکا۔ تذکرۂ ہزار داستان جس کا تاریخی نام خمخانۂ جاوید ہے اُسکی پہلی جلد ۲۲×۲۹ کے ۶۸۹ صفحہ پر شائع ہوگئی ہے۔ جس میں اُردو زبان کے ۶۶۹ شعرائے قدیم و جدید کا کلام اور مختصر حالات درج ہیں تذکرے کی ترتیب ردیف وار ہے اور اس جلد میں صرف الف اور بے کی ردیف

آسکی ہے جس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کل کتاب ضخامت کے لحاظ سے اُردو علم ادب کے تذکروں میں سب سے اول نمبر پر ہوگی جسے اُردو لٹریچر کا انسائیکلوپیڈیا کہنا بیجا نہوگا۔ ہر دور کے شعراء کا منتخب کلام یکجا اور باترتیب دیکھنے کے مشتاق کو اسکی خریداری میں ذرا تامل نکرنا چاہیئے ؛ (اڑ پرچہ مطبوعہ ۳۰ جولائی سنہ ۱۹۰۹ء)

قطعۂ تاریخ از سید امجد علیخان صاحب نبیرۂ نواب مختار الدولہ نجم الدولہ سید ابوالقاسم خان نواسہ نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خان وزیر سلطنت اودھ

ہیں سید امجد اک رئیس ذی وقار و باکرم
کہتے ہیں "خمخانۂ جاوید" اُس تصنیف کو
گو سرور افزائے اہلِ ذوق ہوگی میکشی
جب سنے اسکے لطائف میرے گوشِ شوق نے
عیسوی سال اُس کا وا صدقے قلم برداشتہ

تذکرہ کیا خوب تالیف اُس سخنور نے کیا
نام تاریخی یہ اُس کا سالِ ہجری ہیں عیاں
شرع کے پابند کو کام ایسے میخانے سے کیا
دل میں آباد ہیاں اُسکی طبع کی تاریخ کا
اُلفتِ خمخانۂ جاوید بس ہے۔ لکھدیا
۱۹۰۸

قطعۂ تاریخ بطرز تقریظ از تصنیف لطیف ناظم بے مثال شاعرِ نازک خیال منشی پیارے لال صاحب رونق دہلوی اڈیٹر کمال دہلی تلمیذ رشید منور لکھنوی اسنخ

شکر ایزد کہ پھر بہار آئی
رشک افزائے خواب مخمل ہے
ہے ہر اک گل نمونۂ قدرت
برگ برگِ گلِ شگفتہ سے
فرقِ گل پر ہے تاجِ شاہانہ
ہے عروسانِ گل کی مشاطہ

گوہر افشاں ہے ابر نیسانی
نزہتِ سبزۂ گلستانی
ہر ورق میں ہے شانِ یزدانی
حرف حرفِ کتابِ عرفانی
زیبِ تن ہے قبائے سلطانی
موجِ بادِ نسیم نیسانی

فرقِ گل پر نسیم کرتی ہے | پنجۂ موج سے مگس رانی
سالکِ گوہر ہیں قطرۂ باران | سائباں ہے سحابِ نیسانی
دیکھ کر خندۂ لبِ گلبرگ | صدقے ہوتے ہیں لالِ رمانی
اللہ اللہ فیضِ بادِ بہار | اوس کرنے لگی دُر افشانی
پھر نوید نشاط لائی نسیم | پھر ہوئی عیش کی فراوانی
مژدۂ انبساط پھر پہنچا | پھر دلوں سے مٹی پریشانی
روزِ عید الفطر ہے پھر ہر روز | پھر مۂ نو کی ہے درخشانی
چھا گئی پھر چمن پہ گل رنگی | اُڑ گیا رُخ سے رنگِ حیرانی
بن گیا ہے ترانۂ عشرت | نغمۂ بلبلِ گلستانی
گا رہا ہے ہر اک خوشی کے راگ | دے رہی ہے مزا غزلخوانی
کچھ تو ہے اِس نشاط کا باعث | کس لیئے ہے طرب کی ارزانی
جس کا شوقِ لقا مقامت سے | جس کی تھی آرزوئے مہمانی
عالم افروز ہو گیا وہ مہر | ہر طرف اُسکی ہے درخشانی
اُسکے پر تو نے کر دیا یکسر | دلِ اہلِ سخن کو نورانی
وصف میں اُسکے ہم بھی دیکھینگے | توسنِ طبع تیری جولانی
زینتِ دہر ہے وہ میخانہ | دور جس کا شرابِ نورانی
چھپ گیا ہے وہ تذکرہ جس کا | صفحہ صفحہ ہے فیضِ رُوحانی
نقطہ نقطہ ہے گوہرِ یکتا | لفظ لفظ اُس کا لالِ رمانی
جدولیں رشکِ کہکشانِ فلک | غیرتِ آفتاب پیشانی
حسن بین السطور سے اظہر | جلوۂ موجِ بحرِ نورانی
لمعۂ حسن سے خجل الماس | آب سے آبِ آئینہ پانی

کھینچنی چاہے اُسکی گر تصویر
دنگ رہ جائے خامۂ مانی

لاجواب انتخاب ہیں ہر شعر
مصرعہ مصرعہ ہر ایک لاثانی

انتخابِ سخن ہے دادِ طلب
ہے عیاں جوہرِ زباندانی

مردمِ چشم کو سوادِ خط
بن گیا سرمۂ سلیمانی

ہیں وہ اشعار صاف و پاکیزہ
جن سے حاصل ہو لطفِ روحانی

ہوں مؤلف کے کیا بیاں اوصاف
حُسن و خوبی میں فرد و لاثانی

ہیں سراپا اہم ماہر ہر فن
ختم ہے آپ پر سخندانی

ذاتِ عالی ہے مجمعِ اوصاف
اور ہر فن میں آپ لاثانی

پاسباں اُنکے گھر کے فضل و ہنر
ذی ہنر پر ہے فرض دربانی

اُن کا کوچہ ہے خاص دار العلم
اُنکی صحبت ہے فیضِ ربانی

دل نوازی شعار ہے اُن کا
اور مہماں کی فرض مہمانی

اُنکی محفل میں روز رقص و سرود
اور ہر شب ہے جشنِ سلطانی

رونقِ جلسۂ علوم و فنون
زینتِ محفلِ سخندانی

کام مشکل سے تھا جو مشکل تر
کر دکھایا ہے وہ بآسانی

وہ لکھا تذکرہ عجیب و غریب
انتخابِ جہاں و لاثانی

کھِل رہا ہے کہیں سخن کا چمن
ہے کہیں نثر کی گل افشانی

بھُولے بھٹکوں کو راہ پر لائے
شاعروں کے ہیں خضرِ دورانی

حال سے جنکے بیخبر تھا جہاں
کھُل گیا اُن کا رازِ پنہانی

آ گئی دامنِ محبت میں
تھی جو اُردو کو پرورش پانی

سچ تو یہ ہے بڑا ہی کام کیا
بات پُوچھو تو ہے یہ ایمانی

منحرف ہوں جو اسکی خوبی سے
ہے سراسر یہ اُن کی نادانی

تاقیامت رہے مؤلف کے — شاملِ حالِ فضلِ یزدانی
ختم کر بس یہیں سخن رونق — تاکہ مضمون ہو نہ طولانی
یہی تقریظ ہے یہی تاریخ — تذکرہ لاجواب ولاثانی

دیگر

ہے سری رام کا جہاں مدّاح — کیا ہی نایاب تذکرہ لکھا
خوبیاں اسکی ہوگئیں روشن — اک زمانے پہ مثلِ آئینا
واقعی تھی یہ آپ کی ہمت — سچ تو یہ ہے بڑا ہی کام کیا
بن گئے شاعروں کے خضر و مسیح — کر دیا اُن کے نام کو زندا
روح پھونکی زبانِ اُردو میں — ہر سخن بن گیا زباں گویا
شکر اس کا ادا ہو کس مُنہ سے — شاعروں پر کرم جو فرمایا
کیوں نہ مقبولِ عام ہو یہ کتاب — درحقیقت ہے تذکرہ یکتا
سُن لو تاریخ طبع رونق سے — دفترِ شاعراں چھپا اچھا

دیگر

وہ لکھا سری رام نے تذکرہ — عیاں ہوگئی جس سے شانِ سخن
نہ ہو فیض یاب اس سے کیوں اک جہاں — یہ ہے معدنِ علم و کانِ سخن
کیا ذکر ہر نغمہ گفتار کا — نہ چھوڑا کوئی خوش بیانِ سخن
کیے منتخب وہ مضامیں بلند — زمیں بن گئی آسمانِ سخن
دکھایا وہ اعجازِ حسنِ رقم — ہے نوحہ گو مدح خوانِ سخن
نہوں مست کیوں جرعہ نوشانِ علم — یہ خمخانہ ہے میکشانِ سخن
سر آنکھوں پہ رکھیں گے وہ شوق سے — جو دیکھیں گے دل دادگانِ سخن
سُنا دو یہ تاریخ رونق انھیں — جو ہیں حامی و قدردانِ سخن
گلِ معنیٔ تازہ سے سربسر — ہے آراستہ بوستانِ سخن

تقریظ دلپذیر از طبع وقاد و ذہن نقاد بابو چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی تلمیذ رشید مولانا راسخ دہلوی

نوید جانفزا ہو کر خبر لائی کس گل کی
نسیم صبح کے جلوے ہیں ہر رنگ گلستانی

الٰہی کون ہے وہ روح پرور شاہد رعنا
بنا خورشید محشر جس کا نور صبح پیشانی

ذرا دیکھو تو ہے کس اوج پر حسن فلک رفعت
کہ کرتا ہے ہلال عید جامہ کی گریبانی

بندھا پلے کا گویا سلسلہ دامان محشر سے
ہوئے عمر خضر طول امل گیسوئے طولانی

ہزاروں راز اسکی اک خموشی سے نکلتے ہیں
معمہ ہیں دہن کے بھر دیئے اسرار پنہانی

بہار بیخزاں قربان ہوتی ہے کف پا پر
رخ رنگیں پہ گلزار ارم کی ہے گل افشانی

زمانے میں ہے یہ کس شان پر حسن صفا پرور
ہمائے بخت یاور جسکی کرتا ہے مگس رانی

ہزاروں رنگ کے پھولے چمن اس میں نظر آئے
بنی ہے تختۂ فردوس منظر لوح پیشانی

مضامیں ہم زبان رشک بتان شوخ و پرفن ہیں
سحاب حسن سے ناز و ادا کا کھیت ہے دھانی

دکھائے سوز پنہاں کے کرشمے کس صفائی سے
کہ جسپر اشکی و آہی ہوئے عرفی و خاقانی

بیاں ہے سر بسر اسمیں گنہگاران الفت کا
وہ جنکے دامن تر میں نہاں ہے پاکدامانی

نظر آتے ہیں کیا کیا عاشق معشوق کے جلوے
کہیں رنگ نزاکت ہے کہیں طرز گرانجانی

کہیں تعریف حسن روح افزا کی قیامت ہے
کہیں عشاق سرگشتہ کا ہے ذکر پریشانی

کہیں فرقت کہیں عشرت کہیں خلوت کہیں جلوت
غرض ہر رنگ کی اسمیں دکھائی ہے فراوانی

کہیں رشک رقابت ہے کہیں سامان عشرت ہے
کہیں محشر کا دن ٹھیرا شب فرقت کی طولانی

حجاب چشم بد بیں سے بری ہیں خوبیاں اسکی
کسی پردے سے چھپ سکتی نہیں شعلہ کی عریانی

نکالے کیوں نہ پر پرزے غضب کے طائر مضموں
کھلایا ہے پلایا ہے نیا دانہ نیا پانی

بنے ہیں خضر رہ لالہ سری رام آج عالم میں
پلایا شاعران ہند کو آب بقا پانی

خدا کا دخل کیا خمخانۂ جاوید کے آگے
حیاتِ جاودانی کر رہی ہے گھر کی دربانی

مکمل ایک اردو شاعروں کا تذکرہ لکھا
دکھا دی خلق کو لفظ و معانی کی فراوانی

ذرا دیکھو تو اسکو ہمتِ مردانہ کہتے ہیں
اٹھایا بار اتنا دوش پر اپنے بآسانی

دسیوں برس صرف کی ہے اپنی اوقاتِ گرامی
بنے پھر کیوں نہ مہرِ نیکنامی لوحِ پیشانی

فراہم حال سارے شاعرانِ ہند کا کرنا
کچھ آساں تھا یہ ہمت ہو گئی تائیدِ یزدانی

بڑی تحقیق سے لکھا ہے ہر اک کا کلام ایسا
دکھائی اشہبِ طبعِ رواں کی خوب جولانی

چنے ہیں مثلِ افشاں واہ کیا اشعارِ برجستہ
وہ حسنِ منتخب ہے آبِ گوہر بھی بھرے پانی

سخن فہمی سخن دانی سے مشکل ہے جدا ہیں
زرِ خالص پرکھ سکتا نہیں کوئی بآسانی

غضب کا حافظہ ہے شعر ہیں نوکِ زباں لاکھوں
بجا ہے اس معانی میں جو کہدوں فیضیِ ثانی

نظر میں ہے خیالِ مختصر فکرِ سخن گستر
مشرح گر کہوں تو عرض ہو جائیگی طولانی

کہاں تو ہے کہاں یہ تذکرہ خاموش اے شیدا
کہ چھوٹا منہ بڑی باتیں کہی جاتی ہے نادانی

قطعہ تاریخ بطرز تقریظ از نتیجۂ افکار شاعرِ بے نظیر خوش تقریر جناب منشی گوری شنکر صاحب قیصر تلمیذ حضرت سید ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی

گیا ذہن اس جا سرِ راہ کا
جہاں جا نہ سکتا تھا وہم و گمان

لکھا تذکرہ اک عجیب و غریب
کہ ہے وصف میں جسکے قاصر زبان

کھلے ہیں چمن اس میں وہ تازہ تر
بنا تذکرہ رشکِ بوستان

ہر اک شعر ہے انتخابِ سخن
ہر اک مصرع تر ہوا دلستان

کشش ہے بہارِ معانی کی یہ
دل و جاں سے ہیں اہلِ قدرداں

فراہم ہے سب شاعروں کا کلام
ہر اک کا نرالا ہے رنگِ بیان

شگفتہ ہے کیا ہر غزل برمحل
کہ ہے موجِ گلزارِ باغِ جنان

خجل کیوں نہ ہو اس سے باغِ ارم
مضامین شستہ زباں صاف صاف
دکھایا وہ اندازِ نوکِ قلم
چھلکتا ہوا جامِ آبِ حیات
جھکی جس سے پیرِ فلک کی کمر
ہر اک مصرعہ تر ہے رشکِ چمن
وہیں کھنچ گیا ایک دلسوز سین
دکھائی ہے وہ سادگی میں بہار
سخنداں جہاں کے کہیں تو بجا
کہیں ذکرِ معشوقِ طناز ہے
کہیں ہیں مضامینِ سوز و گداز
یہ ہے خوان تازہ مضامین کا
دکھایا اثر وہ مئے نظم نے
نہوں اس سے سیراب کیوں تشنہ لب
ہر اک شخص کیفِ سخن سے ہے مست
کھلایا ہے سر سبز ایسا چمن
بڑے لائق و فائق و علم دوست
زمانے کو ہے جسکی شوکت پہ ناز
چھپا ہے عجب شان کا تذکرہ
کیا نام لالہ سری رام نے
ہیں لکھنے لگا اسکی توصیف جب

بھری ہیں قیامت کی رنگینیاں
یہ اردو ہے مقبولِ ہندوستاں
دلِ اہلِ عالم میں لیں چٹکیاں
یہ ہے دوستوں کے لیے ارمغاں
اٹھایا ہے وہ سر پہ بارِ گراں
ہر اک نظم ہے نظمِ گیتی ستاں
دکھایا جہاں رنگِ آہ و فغاں
نہ دیں داد کیوں اسکی پیر و جواں
سری رام کو فخرِ ہندوستان
کسی جا ہے سوز و الم کا بیاں
کہیں وصل و فرقت کی ہے داستاں
جو تھے میہماں ہو گئے میزباں
ہوا دیکھکر مست سارا جہاں
یہ "خمخانہ" ہے ساغرِ میکشاں
بنا آج خمخانہ پیرِ مغاں
نہیں جسکو تا حشر خوفِ خزاں
یہ لالہ سری رام ہیں بیگماں
یہ ہے قابلِ فخر وہ خانداں
ہوا دیکھکر ہر بشر شادماں
کہ ہے مدح خواں ان کا سارا جہاں
قلم یکقلم ہو گیا ہمزباں

مجھے فکرِ تاریخ جس دم ہوئی ہو گر عیسوی سال لیتا قصیرؔ		ندا آئی یہ غیب سے ناگہاں تو لکھ چھپ گیا تذکرہ دستاں ۱۹۱۱
	دیگر	
جناب لالہ سری رام محسنِ اُردو چو سالِ خاتمہٗ طبع آں ہمی جستند		کتاب نادر و نایاب و بے نظیر نوشت جاوید تذکرہ شاعراں قصیرؔ نوشت ۶۸ ۱۹ء

تقریظ از قلم جادو نگار منشی سیّد اصغر علی بلگرامی بی اے نائب تعلقدار ریاست حیدر آباد دکن

جلد اول خمخانہ جاوید مع سرورق مکمل ہو گئی خدا خدا کر کے برسوں کی محنت ٹھکانے لگی۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور کامران و فائز المرام کرے۔ فی الحقیقت یہ تذکرہ کیا ہے ایک باغ ہے سرسبز و شاداب جس میں گلبن ہزار در ہزار میوہ دار درخت۔ بیشمار زمین سراسر سبزہ زار۔ بہت حوض بہت نہریں۔ مٹی نظر نہیں آتی۔ سبزہ یا نہریں بلا شائبہ جنبہ داری میری رائے یہ ہے کہ آپ نے تذکرہ لکھکر ایک نہایت مستبعد اور اہم کام کو آسان کر دکھایا ہے اور قوم پر ایسا لاجواب احسان کیا ہے جس سے وہ ہرگز عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ اور جس بے نفسی کے ساتھ آپ نے اس کنٹر و دسبیل راہ میں گام فرسائی کی ہے وہ صرف آپ ہی کا حصّہ تھا۔ حسّاد تو اپنے تقاضائے طبیعت سے مجبور ہیں انھیں یونہی آتش حسد میں جلنے دیجئے وہ ہر کسے را بہر کارے ساختند حقیر آپ کا خیر سگال اور آپکی قدر دان کا دُعا گو ہے۔

اقتباس از تحریر عالیجناب چودھری خوشی محمد صاحب گورنر صوبہ کشمیر

آجکل نیاز مند خمخانہ جاوید کی جرعہ نوشی میں مصروف ہے۔ آپ نے اسنا و تصنیف

سے اہلِ ملک پر ایسا احسان کیا ہے جس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا ع آفریں باد بریں
ہمتِ مردانہ تو۔ آپکی اِس محنت کی بدولت بہت سے گمنام اہلِ کمال کی خدمت میں
نیاز حاصل ہوگیا۔ آپنے مختصر الفاظ میں نقادی اور سخن فہمی کی داد دی ہے سید
شجاع الدین انور دہلوی کے دیدار سے دیدۂ ناظر منور ہوئے ہیں۔ افسوس کہ
یہ باکمال عنفوانِ شباب میں دنیا سے اُٹھ گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بقول
آپکے اگر آج حضرت انور زندہ ہوتے تو کسی کا چراغ اُنکے سامنے روشن نہوتا
آپنے جو انکا ایک دیوان طبع کرایا ہے براہِ عنایت اُسکی ایک جلد بذریعۂ وی پی
میرے نام ارسال فرمائیں۔ حضرت انور کا کلام۔ رنگینی۔ تصوف بلند پروازی
شوکت و شیرینی کا ایک عجیب مجموعہ ہے ÷

فرمائیے اب اوقات کس طرح گزرتی ہے اور خمخانہ کے کسقدر خم اور تیار ہوگئے
ہیں۔ اور آنے والی جلدوں کی کبتک توقع ہوسکتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے۔ کہ
ناظر کا نمبر آنے تک کہیں ساقی کا نشہ ہرن نہ ہوجائے۔ آپکے استقلال پر ایسی
بدگمانی کرنا درست نہیں۔ ع مگر گردشِ فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا ÷ کیا
معلوم کہ کل کیا ہونے والا ہے ÷

ریویو رقمزدۂ کلک حکیم محمد ہدایت الحسن سند یافتہ مدرسہ تکمیل الطب لکھنؤ حال وارد کلکتہ

سرمایۂ نازش و افتخار جناب لالہ سری رام صاحب ایم اے دام بالاحترام تسلیم
مزاج مبارک۔ کل ایک دوست کے یہاں تذکرۂ ہزار داستان دیکھنے میں آیا۔
کتاب کی توصیف زبان و قلم کے احاطۂ قدرت سے باہر ہے اسکی خوبیوں کا کچھ
اندازہ دیکھنے ہی سے ہوسکتا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف اُردو لٹریچر میں ایک بہترین
اضافہ ہے بلکہ اُن اصحاب کے لیئے جو اُردو کی حمایت میں خالی تقریریں کرتے

انجمنیں قائم کرتے اور لاطائل رزولیوشن پاس کیا کرتے ہیں شرم و غیرت کا تازیانہ ہے۔ کسی زبان کی بہترین خدمتوں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس زبان کے نظم و نثر کے ماہرین کے سوانح لکھے جائیں۔ خدا آپ کی اس کتاب کو آپکے ہی ہاتھ سے تمام کرائے۔ اور آپکی عمر میں برکت دے۔ ہماری آیندہ آنیوالی نسلیں جب ہماری پولیٹیکل کشمکش کی دلچسپ تاریخ ملاحظہ کرینگی تو اُردو ناگری کی پالیٹکس پر نظر ڈالتے ہوئے خمخانۂ جاوید کے مصنف کو مسلمان نہ پاکر وہ متحیرانہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہونگی کہ ایسے زمانے میں جبکہ ہندو اقوام اُردو زبان کے مٹنے کے واسطے سر توڑ کوشش کر رہی تھیں تو اُس میدان مبارزہ میں اُردو زبان کا احیا کرنیوالا اُردو کی مدد کرنے والا اور اُردو لٹریچر اور علم اُس کے علم ادب کے ذخیرہ میں بہترین اضافہ کرنے والا بھی ایک ہندو ہی تھا۔ میں بحالت بیخودی اس قابل قدر محنت کی آپ کو غائبانہ داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ناچیز خادم حکیم ہدایت الحسن ۵ جنوری ۱۹۰۹ء

اقتباس از نگارش گرامی اکمل زمان افصح دوراں عالیجناب فضیلت مآب کمالات انتساب مخدومی و مکرمی خان بہادر اکبر حسین خان صاحب اکبر الہ آبادی۔ سابق ڈویژنل جج و رئیس الہ آباد

خمخانۂ جاوید کی تالیف سے بابو سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی نے ملک اور قوم اور زبانِ اُردو پر بڑا احسان کیا ہے۔ ایسا کوئی مجموعۂ کلام شعرا ابتک مُرتب نہ ہوا تھا جس میں ہر جگہ اور ہر درجہ کے شعرا کے کلام اور اُنکی سوانح عمری مندرج ہو۔ یہ کتاب زبانِ اُردو اور لٹریری مذاقِ ملک کا آئینہ ہے۔ بابو صاحب ہی کا کام تھا کہ اس زمانے میں اس کام کے لئے اتنی محنت اور اتنا صرف کثیر گوارا فرمایا تمام ہندو مسلمانوں اور جملہ اہلِ ملک کو بابو صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ بابو صاحب

ایک نہایت ذہین و تعلیم - خوش اخلاق - فیاض طبع - کریم النفس بزرگوار ہیں - خدا انکو صد و سی سال تک زندہ و تندرست اور خوش و خرم رکھے ✽ اکبر حسین ۱۱ / ۲

قطعات تاریخ از نتیجہ فکرِ وسادہ نشین بزم وزارت نونہال گلشن امارت مشفقی و مکرمی جناب نواب مرزا انقی علی خانصاحب بہادر مہر رئیس اعظم خلف الرشید نواب صاحب شیش محل لکھنؤ

ہیں سریرام اک کرمفرما مرے نازِ خیال — جن کا ہے زورِ قلم بھی اک زبانی تذکرہ
آئی ہاتف کی صدا مجکو کہ کہدو مہر تم — کس مزہ کا لکھدیا ہندوستانی تذکرہ
۱۹۱۱ء

دیگر

ہیں سریرام ایک دوست مرے — صاحبِ علم و واقفِ ہر فن
جو کہ برسوں سے تھا خزاں آلود — وہی تازہ کیا ہے اب گلشن
اُنکی محنت ہی کا یہ ثمرہ ہے — جو ہوا نخلِ شعر پر جوبن
بارک اللہ بڑے بڑے مضموں — اللہ اللہ نئے نئے جوبن
ماہِ کامل کی کیوں نہ آنکھ پڑے — نئی شے ہے یہ زیرِ چرخِ کُہن
یوں ہیں الفاظ میں چھپے معنی — جیسے پتّوں میں شاہدانِ چمن
فکرِ تاریخ طبع جب سے ہوئی — مہر کی ہے دُعا یہ ربِّ زمن
خوفِ حاسد ہے تخرجہ کا سبب — اور سخن سے غرض ہے باغِ سخن
اِس سے خارج رہے حسد یارب — کیا تر و تازہ ہے بہارِ سخن
۱۹۱۱ء

تقریظ بزبان فارسی از نتایج افکار جواہر نثار جناب منشی کرپارام صاحب جوہر رئیس دہلی و یادگار جناب صہبائی مرحوم

ثنا ہا ہمہ ایزدِ پاک را — خرد یاوہِ طارمِ تاک را

شراب شفق درخم شام ازوست		کہ خورشید را صورتِ جام ازوست

آما بعد بستانِ صہبائے خمخانہ سخنوری - و بادہ کشان میخانہ معنی پروری را نوید کہ دریں ایام کہ علم و ہنر را آفتاب بر سرِ دیوار بود - و تحصیل و تکمیلش را در مساوو خضر رہ گم کردگانِ سخندانی - و مسیحائے بیمارانِ الفاظ و معانی - اعنی جلد اول تذکرۂ خمخانہ جاوید زیور انطباع پوشیدہ بچشم منتظران دیدار جلوہ آرا گردید - وآں جانِ جہاں را بداوادر سیدہ مشتاقانِ سخن را نور و سرور دیدہ و دل بخشید - اگر ایں را با جام جم نسبت دہم نسبت اعلیٰ ست باسفل - وادائے تمثیل سبب محل - زیرا کہ آں محض افسانہ ایست کہ پیشنیاں رابر زباں وایں سرمایۂ ذوق و شوق بل راحتِ روح روانِ سخنورانِ زماں - آں شنیدہ است وایں دیدہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" شعرے اُردو بہ تغیر لفظی مصداق حال ایں مجموعۂ دانش بالامال است کسے کہ گفتہ درشگفتہ ؎

وابستہ ہے طلسم جہاں اسکے دم کیساتھ		تشبیہ تھی جام جم کی گئی جام جم کے ساتھ

خردمندان دانشور و دانشورانِ خرد پرور را اگر سر بزانوئے تفکر در آرند دانند کہ لالہ سری رام صاحب ایم - اے مصنف خلف الصدق آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا کوششے کہ در تلاشِ حالات و اشعار زباندانانِ اُردو فرمودہ اند وسعی مشکور کہ در تدوین ایں مجموعۂ دانش خردبجا آوردہ انداز احاطۂ نگارش بیرونست واز اندازۂ قیاس افزوں ناچار ازاں درگزشتہ بدعائے کہ گوش سامعین بصدائے غلغلۂ آمین آمین کان پُر وری ہمین و سعادت گردمی گرایم - تا نواسنج سپہر سومی بزم آرایان فلک را جرعہ بخش بادۂ نشاط و انبساط است ایزدِ توانا ایں ساقی مغبطہ سخن را تا یوم التناد بحصول آں ربّ بتقاصد دلی رسانا دو از آنچہ است بہ اعلیٰ مراتب علمی فائز گرداناد ؎

نیاز کیش مستہام کرپا رام

تقریظ ریختہ کلکِ گہر سلک جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ شاگرد رشید منشی ہرگوپال صاحب تفتہ رئیس اعظم و جاگیردار سکندرآباد و وکیل دہلی

خامہ ام آن گریہ وزاری کجاست	آں دوندہائے کہ تو داری کجاست
گشت زباں بند وصریرت چہ شد	جوشِ دل و چشمِ بصیرت چہ شد
ایں ہمہ خاموش نشستن چرا	بال و پرِ خویش شکستن چرا
چوں بکنی قصد سوئے آسمان	وقت ہم آمد کہ کشائی زباں
باز نمایم درِ باغِ سخن	رُخ سوئے "خمخانہ جاوید" کن

آوازۂ شیریں گفتاری سخن کہ بگوشِ ہوش جہانیاں رسیدہ باشد چناں نباشد کہ پردۂ چشم نیم بازِ محبوبانِ خفتگانِ ناز را برانداز د۔ و حلاوتِ چاشنیٔ قند مکرر معانی کہ زبانِ خامہ چشیدہ باشد آں نباشد کہ ہر دو بانش را کہ از عذوبت شیریں زبانی باہم چسپان گشتہ از ہم جدا سازد۔ آنست کہ از وسلسلۂ گوش و چشم را بہم پیوستند۔ و این ست کہ شیرینیش را در کاغذ بستند۔ کمالِ علم و علمِ کمال۔ و جمالِ حسن و حسنِ جمال یکجا فراہم گردید۔ تا وجو و علم و علم و جو د تابشِ آتش رخان بامتزاج باہم گردید۔ شیریں سخنی کہ بصدائے کامرانی موصوف ست و حلاوتِ چاشنی کہ باظہار معانی موقوف اگر بتوصیف حسنِ جہاں فریب کج کلہانِ دہر کامیاب گردد مجلسے فراہم آید کہ بگرد شمعش ضیار آفتاب گردد۔ ہمان ست کہ این بزم دل افروز بپیش نظر داشتہ ام۔ و از دنیا و ہر چیز یکیہ در و باشد چشم و دل بر داشتہ ام۔ آفتاب در پیش تابش شمعش ذرہ تمثال ست و ماہتاب بزیر ضیار چراغش ناقابل خیال۔ مشتری انداز دلبری از حسینانش اندوختہ و زہرۂ فلک چشم شوق بر حسن ماہ رخسارانش دوختہ۔ تیر فلک در توصیف حسن حاشیہ نشینانش قلم در کف و مریخ و زحل بارکانِ ثوابت و سیار بپیش گوشہ گزینانش

صف بہ صف چشم حقیقت بین جہانیان بنظارۂ جمال خوبرویانش مشتاق۔ و تذکرۂ مسیحا دمی شیریں لبانش شہرۂ آفاق۔ ہمانا بزمے کہ مہر و ماہ سرگردانہ خیال گوشہ نشینیش درسر دارند۔ و کواکب چرخ بہ آرزوئے نظارۂ جمال جہاں آرایش در رقابت ہمیں گلزار است کہ از باغ ارم گوئے سبقت ربودہ۔ و غنچہ ہائیش چوں دہان معشوقان از خندیدگی و شگفتگی عقدۂ ملالِ بلبل وا نمودہ۔ سبحان اللہ گلستانیست ہمیشہ بہار و بہاریست ہمیشہ گلزار۔ سنئے بہار بہ سلسلہ چاکرانش معرفت و روش خیاشاکش علامیست درم ناخریدہ و خزاں از محرومی طالع خویش بجیا بانش بار نیافتہ در مغاک عدم رسیدہ در حیرتم کہ من ہیچ خیال و خامہ ام در چہ فکر مبتلا گشتہ کہ این مجموعۂ سخن گاہے بہ بزم طرب و وقتی بہ گلزار بہار و ساختی بہ بزم دل افروز آشنا گشتہ۔ اے فروغ زولیدہ بیان نمیدانی کہ این گلستان معانی و بزم خیال چہ نام دارد کہ سخن سرایان شیریں کلام و رندان مے آشام را نور درچشم و سرور در مشام دارد۔ ہمانا نامش **خمخانۂ جاوید** و مشہور بہ تذکرۂ ہزار داستانست و ہر فرد بشر کہ بہرہ از سخن سنجی دارد خریدارش بجان ست۔ مضامینش بآں پایہ رسیدہ کہ انلاکیان را دل و جاں بجانب خود کشیدہ۔ درحقیقت شاہدیست کہ از ہر ادائے معشوقانہ و انداز محبوبانہ صفحۂ اوراق زمانہ را از ہم دریدہ۔ الفاظ مسلسلش چوں زلف مشکیں مویاں دلہا را بخود آویختہ و بین السطورش مانند رخسار خوبرویان گرد حسرت بر چہرۂ آفتاب ریختہ کیست کہ بتحریر و ترتیبش پرداختہ۔ و دل و جان را بہ نظم و انتظامش وقف ساختہ۔ خامہ اش را اگر بہ کلک عطارد متقابل ساختہ باشم سر از اوج فلک بحضیض زمین انداختہ باشم و یک نقطۂ تحریرش را اگر بہ ستیارگان چرخ بہ تقابل آوردہ باشم نظر فلک رسا را از آسمان بہ ستارۂ آب چاہ عمیق بردہ باشم۔ ہمین است کہ نگارخانہ چین ست وا ز نتائج طبع وقاد لالہ سری رام صاحب ایم اے از کتم عدم بمنصۂ شہود پدید آمدہ و کلک قضا و قدر از پئے

تحریر مضامین معانی خیزش بنامش سکّہ زدہ۔ ہر لفظے کہ از خامہ اش چکیدہ کار مسیحائی رسانیدہ ورفتگاں را کہ از دیرینہ زمان بخواب عدم چشم بستہ اند زندہ جاوید گردانیدہ منم کہ خامہ ام در تجسس الفاظ توصیفش از عدم مقدرت بر خود لرزانست۔ و خیالم از ناکامیابی تحریر مدحش بسانِ دود آہِ عاشقان بر خود پیچانست۔ انصافش بر سخن سنجان زمان وامی گزارم و اوصافش را بنگاہِ انصاف دیدہ وران می سپارم و خود بہ تحریرِ قطعہ تاریخ طبعش اکتفا می نمایم۔ و معذوری خامہ را بر عذر لاچاری واگذاشتہ بدعا می آیم الٰہی مصنفش را زندہ جاوید دار و تصنیفش را خلعتِ قبولیت سپار۔ آمین

قطعہ تاریخ طبع خمخانۂ جاوید

۶ ۱۹ ۱۱

وہ چہ آمد چیز از پابوس برام اے فروغ
گفتم از ہر مصرع سالِ طبع اش صاف و عیاں

۶ ۱۹ ۱۱

نسخۂ حیرت فزا آب حیات آمد زوے
طبع شد خمخانہ جاوید و من جامے دمے

۶ ۱۹ ۱۱

بدری کرشن فروغ

قطعات تاریخ خمخانہ جاوید از مولوی محمد عبدالحق خان صاحب حقی و قادری رامپوری تلمیذ حضرت جلال لکھنوی

شگفتہ ہیں سب شعر اس تذکرے کے
مضامین رنگیں سے رشکِ چمن ہے

بہاریہ تاریخ لکھدی صفا نے
کہ گلدستۂ بزم اہلِ سخن ہے

۱۳ ۲۹

دیگر

سخنور تذکرہ خوش جمع فرمود
صفا پرسید سالش گفت نغز
بہار نخزانش پر ز نغمہ باد
کہ این گلشن شگفتہ دائما باد

۱۳ ۲۹

دیگر

شاعر دہلی کنوں تالیف بنمودہ چہ خوب
مصرعِ تاریخ او کلک صفا بنوشت صاف
تذکرہ اہلِ سخن را از پئے نام و نشاں
خانۂ کاشانہ زیبا۔ یادگار شاعران

۶ ۱۹ ۱۱

تقریظ خمخانہ جاوید از نتیجہ طبع آگاہ مرزا ہادی حسن چغتائی رسوا تخلص ابن حاجی مرزا ولیجان بیگ صاحب ساکن پانسو بلی شاگرد حضرت اسیر لکھنوی

بیا در محفل جاناں کہ باقی صد تفاخر اینجا	زر اینجا۔ گوہر اینجا حشمت اینجا۔ افتخار اینجا

اس وقت صبح کے کوئی چھ بجے ہونگے کہ پورب سمت سے ایک روشنی پیدا ہوئی اور تیز شعاعی کرنیں جلد جلد ترقی کرنے لگیں۔ یکایک پردہ شب ہٹا کر شاہ خاور نے ظلمہ نے دریچہ مشرق سے سر نکالتے ہی سپاہ انجم کو کمر کھولنے اور بارہ گھنٹے آرام کرنیکا حکم دیدیا۔ پہاڑوں کی بلند چوٹیاں سنہری تولیں بنکر سیکشوں کا دل لبھانے لگیں شنبیم دوش صبا پر گلاب پاش لیے ہوئے منہ ہاتھ دھلانے دوڑی۔ مرغان خوش الحان جھوم جھوم کر خوشی کے ترانے گانے لگے۔ سب اہل جہاں اپنی اپنی آرامگاہ چھوڑکر استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ہم بھی اپنے دوست حافظ ارشاد کے ہمراہ توسن خیال پر فراٹے بھرتے ہوئے قطب صاحب کی لاٹ واقع دہلی کے سب سے اونچے درجے پر بہار قدرت کا تماشا دیکھنے میں مصروف ہیں۔

ارشاد۔ تروسر سبز نگیں اندنوں ہر اک گلستاں ہے ‖ رسوا نظر جائے جہانتک تختۂ گلشن بیاباں ہے

〃 کہیں گلنار رشک لعل لبہائے حسیناں ہے ‖ 〃 کسی جا جعد سنبل غیرت زلف پریشاں ہے

〃 کسی تختہ میں ہر گل غیرت لعل بدخشاں ہے ‖ 〃 کہیں ناصر علی کا شعر ورد مرغ بستاں ہے

〃 بہار آمد بصحرا باز کن چشم تماشا را ‖ 〃 کہ چون آئینہ گل در بر گرفت اطراف دریا را

اس قسم کی باہم شعر خوانی ہو رہی تھی کہ دفعۃً ملک دکن کیجانب سے ایک عجیب سی شے سطح ہوا کی صاف سڑک پر ہماری طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔

ارشاد۔ دشانہ ہلاکر مرزا صاحب ادھر دیکھئے۔ یہ عنقا ہے یا کوئی بادل کا ٹکڑا۔

مرزا رسوا۔ آپکو معلوم نہیں یہ ایک نئی صنعت اور اہل فرنگ کی معجز نما ایجاد ہے۔

اسکو ہوائی جہاز کہتے ہیں ؎

ارشاد۔ بھئی یہ تو ہماری طرف آرہا ہے؟ ۔

مرزا رسوا۔ یقیناً۔ طرفۃ العین میں وہ ہوائی جہاز زمین سے دو میل اونچا اسی سبزہ زار پر بہار پر ٹھہر گیا۔ آہا اسپر تو حضرت آصفجاہ دکن خلد اللہ ملکہ جلوہ گر ہیں حضرت مہاراجہ کے یمین و یسار آپکے چار سکڑی یعنی استاد جہاں میرزا غالب سعدی جدید میر مصحفی۔ امیر الشعرا امیر مینائی۔ فصیح الملک میرزا داغ رونق افروز ہیں ان حضرات نے بحکم شاہ جمجاہ اطراف شرق و غرب جنوب و شمال کیجانب سے باواز بلند پکارنا شروع کیا۔ خدا جانے ان آوازوں میں کس بلا کا اثر اور کیسی کشش مقناطیسی تھی کہ چشم زدن میں تمام شعرائے ہند ماضی و حال اسی صحرائے پر بہار میں جمع ہوگئے پھر زور کی ہوا چلی اور سمت لاہور سے تند و پرشور ایک ابر اٹھا اور چادر ظلمات پھاڑتا ہوا چشمۂ آبحیات پر جھکا اسکا سب پانی پیا پھر بدن میں غوطے لگانے لگا اور ہزاروں من گوہر آبدار اپنے وسیع دامنوں میں بھر کر بسرعت برق و باد اسی سبزہ زار پر بہار پر محیط ہوگیا۔ پھر ہوا کی نوری جنبش سے آبحیات اور موتی برسانے لگا تمام شعرائے دوڑ دوڑ کر موتی لوٹے اور آبحیات پیا۔ پھر اس ابر میں دو آفتاب درخشاں متصل نظر آئے پھر وہ ابر سمٹا اور روبرو حضرت آصفجاہ خلد اللہ ملکہ کے بصورت گلدستہ گیا بن اور اس گلدستہ کے چپ و راست وہ دونوں سورج بشکل انسان متمثل ہوگئے تمام شعرائے چاروں طرف سے اشعار مبارکباد پڑھنا شروع کیے۔ اسکے بعد وہ تمام طلسم اور ہوائی جہاز نظروں سے غائب۔ ہم یہ نمونہ طلسم دیکھ کر محو حیرت ہوگئے ؎

ارشاد۔ بھئی ایسی ہوش ربا کیفیت کبھی دیکھی نہ تھی ۔

رسوا۔ حافظ صاحب وہ ہوائی جہاز اعلی حضرت شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کی توجہ خاص ہے اور وہ ابر جو گلدستہ بن گیا "خمخانۂ جاوید" ہے۔ آبحیات جو آپنے برسایا گویا

شاعروں کو زندۂ جاوید بنایا اور وہ گوہر آبدار شعرا کے اشعار۔

ارشاد۔ اور وہ دو سورج منفصلہ باہم۔؟

رسوا۔ پہلا سورج گوہرِ درجِ اقبال لالہ **مدن گوپال** بیرسٹرایٹ لا۔ اور دوسرا سورج مخدومِ انام مرجعِ خاص و عام جامع کلام ایم اے۔ منشی **سری رام** منصف صاحب چیف کورٹ لاہور جنکی تصاویر خمخانۂ جاوید کے ٹائیٹل پر موجود ہیں۔ ہمنے جو اشعار مبارکباد اس جلسۂ شعرا میں پڑھے تھے وہ مؤلف ممدوح کی نذر کرتے ہیں اور قطعہ تاریخ اسکے علاوہ۔ ❊

چمک دکھلا رہا ہے دُرِ تاجِ آصفی کیا کیا
نمایاں ہے رخِ انور سے شانِ قیصری کیا کیا

حضورِ حضرتِ والیِ دکن مسرور رہ ہو کر
ترانے گا رہی ہے آج مضموں کی پری کیا کیا

سوادِ حرف سے عالی گہر منصف مؤلف نے
جمائی ہے لبِ مضموں پہ مسّی کی دھڑی کیا کیا

جھلک نورِ معانی کی عیاں ہے صاف لفظوں سے
پری شیشہ میں دکھلاتی ہے شانِ دلبری کیا کیا

مسرت سے مبارکباد دیتی ہے مؤلف کو
مناتی ہے خوشی بزمِ سخن میں شاعری کیا کیا

زمیں سے تا فلک اسکے خریداروں کی کثرت ہے
بنے ہیں چاند سورج اور زہرہ مشتری کیا کیا

مضامیں نذر کرکے عالمِ جاوید تک پہنچے
ہوئی ہے شاد پڑھکر روحِ میر و مصحفی کیا کیا

وہ نظمِ منتخب خمخانۂ جاوید میں پائی
کہ جسکی داد دیتی ہے نگاہِ منصفی کیا کیا

کنول روشن کئے ہیں تذکرے میں نورِ مضموں کے
مؤلف نے سجایا ہے یہ ایوانِ پری کیا کیا

سری رام ایم اے والا گہر منصف مؤلف نے
دُرِ مضموں کے یکجا کر دیئے ہیں جوہری کیا کیا

سوادِ حرف ہے کحل الجواہر میرزا رسوا
ہوئی ہے چشمِ نابینا کو حاصل روشنی کیا کیا

قطعہ تاریخ طبع خمخانۂ جاوید

چھپا ہے یہ رسوا عجب تذکرہ
بنا جو خدائی کا محبوبِ طبع

پئے سال ہاتف نے دی یہ ندا
کہ ہے تذکرہ کیا ہی مرغوبِ طبع

۱۳۲۹

قطعہ تاریخ محررہ منشی حیدر علیخاں نوشاد مصاحب راجہ صاحب ونپرتی حیدرآباد دکن شاگرد مہاراجہ مدارالمہام پیشکار بہادر

پھولا ہے نیا گلشن خمخانہ جاوید	ہر بلبل دل جس کا خریدار ہوا آج
ارشاد کو لازم ہوا تاریخ کا لکھنا	گلدستۂ سری رام کا گلزار ہوا آج

۱۳۲۵

قطعات تاریخ طبع از نتیجۂ فکر گرامی مرزا واجد حسین صاحب واقف لکھنوی ملازم خاص سرکار نواب مرزا محمد باقر علیخاں صاحب رئیس اعظم شیش محل لکھنو

کیوں نہ ہوں مشہور عام خاص سری رام بھی	صاحب علم ادب شاعر شیریں سخن
انکے صفات اسطرح پھیل گئے ہند میں	دیتا ہے بو جس طرح آپ ہی مشک ختن
آپکی توصیف میں اسکے سوا کیا لکھوں	اسے یہ ثنا ہے مگر لعل زبان و دہن
ایسی چھپی یہ کتاب جس کا نہیں ہے جواب	قول مضامین یہ ہے اپنا یہی ہے وطن
کردے یہ واقف رقم مصرعۂ تاریخ سال	گلشن صاحب سخن ہے شعرا کا چمن

دیگر

ماشاء اللہ کیا سری رام	ہیں فن سخن میں فیض بنیاد
مطبوع ہوا کلام جن کا	مشہور نہ کس طرح ہوں استاد
اس فن کو دی ہے کیا ترقی	اجڑا ہوا گھر کیا ہے آباد
دل میں جو کرے کوئی تصور	آنکھوں سے کرے بصدق و صاد
کہتا ہے قلم جھکائے سر کو	ممنوں ہوں میں بھی انکا آزاد
خالق نے دیا کمال جنکو	سب کرتے ہیں آجتک انھیں یاد
یہ بھی ہوئے ہیں انھیں کی مانند	اللہ رکھے انھیں بھی آباد
کیا خوب یہ تذکرہ لکھا ہے	سبحان اللہ طرز ایجاد

واقف نے کہا یہ مصرع سال	شعر زار کا چمن یہ ہے خداداد

تقریظ از نتیجۂ افکار گوہر بار نقشبند گلزار معانی بلبل بوستان شیوا بیانی مولانا سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشین حضرت داغ مرحوم

حریفان خمخانۂ سخن را مژدہ باد کہ دومی جلد خمخانۂ جاوید تذکرۂ اردو گویان بہ آئین بہین با تمام رسید و بہ طبع در آمد۔ درہائے شادی بر روئے مشتاقان باز شد۔ بسے زاویہ گزینان خاک را بلند آوازہ ساخت۔ و بسیارے زندگان را زندگی جاوید بخشید الواحش از رنگینی رشکِ بالِ طاؤسِ چمن ست۔ و اوراقش از خوبی و زیبائی غیرتِ خیابانِ گلشن۔ گوش از شنیدنش دامانِ گلچیں و دیدہ از دیدنش نگارخانۂ چین ؛

بحرفش صدائے روئے رباب	بسطورش شکنجِ زلفِ ایاز
باشد از نقشہائے نگار رنگ	صفحۂ او نمونۂ ارژنگ

مؤلف این ہمایون نامہ فرزانہ مکرمی معظمی لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے سابق منصف لاہور کارے کردہ است کہ بجاست آفرین از لب مہر و منتِ بسیار بر اردو زبان نہاد و این ہیچدان را تازہ جانے داد۔ و بہ ترتیبش کمر بست و ہمت گماشت بسیار سعی بکار برد و فراوان کوشش بعمل آورد۔ سعی مشکور شد و کوشش بجائے رسید۔ از لبِ فرو بستگان جوشے و خروشے سر زد و از افسردہ طبعان ذوقے و شوقے روئے نمود۔ پنداشتنی کہ در دلہائے سوختہ آتشِ نغمے اثر مہر زد و در جگرہائے برشتہ سوزے از نو نہاد۔ روزگار طرح دیگر انداخت و زمانہ رنگ دگر ریخت۔ در این بوستانِ خزاں دیدہ نوبہار رسید و ابرہائے لولو بار بارید۔ گلہائے گوناگون شگفتہ و سبزہ ہائے مطرا دمید۔ در ہر چمن بلبل پر غولہ نوائے کہ دم در کشیدہ بود صفیرے برکشید و شورے برانگیخت۔ و در ہر گلشن عندلیبے خوش صفیرے کہ زبان بستہ بود خروشے در انداخت

وعلغلہ در افگندہ۔ در ہر شہرے غزل سرائے غزلہائے تازہ بتازہ نو بنو سرودن گرفت و در ہر دیارے تازہ خیالے خیالہائے تازہ بروئے کار آوردہ۔ آرے کہ بلبل بہ نوا آید واز نوا کردن ؛ بندہ بیخود از افسردہ دلی و پریشان خاطری سالہاست در از لب بہ حرف نکشودہ بود بگفتار درآمدہ۔ وبتقریب تقریظ زمرمۂ چند سرودہ۔ امید کہ این صحیفہ قبول خاطرے اہلِ کمال شود۔ واز ہرچہ باید و نشاید در امان باشد ؛

خاکسار سید وحید الدین احمد بیخود دہلوی عفی عنہ

اقتباس از تحریر حکیم محمد مظہر الہادی سہیل صاحب امروہوی ملازم ریاست کوٹہ درجہ (چہارم)

محسن شعرا و مسیحائے اُردو۔ تسلیم۔

میر محمود حسن صاحب وکیل کی عنایت سے آپکی بے نظیر کتاب تذکرہ نظر سے گزرا۔ اس موقعہ پر میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ آپنے ایک ایسا کارنامہ مرتب کردیا ہے کہ آیندہ نسلیں گزشتہ خیالات کے معلوم کرنے میں ہمیشہ آپکی احسان مند رہیں گی۔ اور تمام مرحوم شاعروں کی روحیں ابدالآباد تک آپکے لیئے دعا کرنا اپنی ادنی مشکوری سمجھیں گی ؛

اقتباس از تحریر جناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خانصاحب بہادر رئیس دہلی

تذکرہ کی خوبیوں کے متعلق پہلے ہی اپنی ناچیز رائے میں ریویو میں ظاہر کرچکا ہوں۔ مگر جب اُسکا کوئی جزو نظر سے گزرتا ہے تو بے اختیار احسنت زبان سے نکلتا ہے ؛

فی الحقیقت جسقدر بلیغ کوشش و ہمت آپنے اس تالیف میں کی ہے وہ ایک غیر معمولی اہتمام ہے۔ علاوہ تالیفی محاسن کے اسکے انطباع کی خوش سلوبی

ندرت۔ انوکھاپن۔ یہ ایسی دلکش ہیں کہ جدت و نفاست پسند طبیعت کی خاص تفسیر ہیں۔ آپ نے کوئی دقیقہ اسکے مرغوب بنانے میں اٹھا نہیں رکھا۔

تقریظ نگاشتہ قلم مشکین رقم شفیق کرم گستر محقق والانظر خواجہ محمد عبد المجید خاں صاحب بی اے پروفیسر مشن کالج و رئیس دہلی

درین خرابہ آباد نماے گیتی دیارے است کہ ہندوستان نام نہادہ اند و مینو نظیر و جنت نشان خوانند خال رخ دلبران است و غنچہ شگفتہ دہان۔ آرے۔ آن راکہ دولت حسن بیشتر باشد آسیب چشم زخم کمتر رسد۔ بارہا پامال حوادث دوران شدہ و سالہا لذت شربت امن و امان نچشیدہ۔ تا آن زمان فتنہ خیز کہ راحت از میان مردمان برخاستہ شد۔ و غم و اندوہ بر جان ایشان تسلط گرفت باغیان بغاوت آغاز کردند و ہوائے روزگار را بسے ناساز۔ خون ناحق ریختند و مردمان لائق و فائق را بخاک و خون آمیختند۔ پریشانی فرزودند و دولت امن ربودند۔ بے کسان را بے خانمان ساختند و خوان یغمائے خود آراستند۔ حتی کہ اقبال مملکت انگلشیہ یاوری کرد و بخت ایشان بمددگاری برخاست چمن خزان دیدہ را بار دگر پیراست۔ لذت امن و امان کام و دہن مردمان چشید و لعل گم کردہ راحت در جیب آفت رسیدگان رسید **بیت** فلک گہ خزان آورد گہ بہار ٭ کہ بر یک نمطے نگیرد قرار ٭ خجستہ بلاد دہلی و لکھنؤ کہ ازین باد مخالف گزند زہر افعی بہ آنہا رسیدہ بود در سایہ دولت عظمت مدار انگلشیہ رونق دگر یافتند۔ و چمن خضر لائے سخن کہ عبارت ازین بلدین مینو سواد باشد برگ و بار آورد باغبانان گلشن سخنوری نو بر سخن را آراستہ کردند و سرو آزاد معنی را پیراستہ۔ نونہالان برخاستند کہ صیت گوہر فشانی شان اقصائے عالم را فرا گرفت و چشمان عالمیان را روشن ساخت۔ در ہر صنف کلام بر مسند عزت متمکن شدند و افاضہ خود در بسیط عالم جاری داشتند۔ ہمہ بلاد و امصار ہند غاشیہ شاگردی ایشان را بر دوش بہ رضا و رغبت کشیدند و از جام جمشیدی ہوش ربائے ایشان مے مرام چشیدند۔ افضل تر بلدہ دہلی کہ دایہ مہربان اردو زبان است و گہوارہ بلبلان شیرین بیان

بعد این دورِ فتنه و فساد آن گوهرهائے نایاب را در کنارِ خویش بپرورید که دیدهٔ روزگار چو ایشان
ندید۔ مثل ستارهٔ صبح بر اُفقِ شهرت درخشیدند و زود غروب شدند ع پس از چنین خرابی باز این
خرابه جائیست ٭ درین دورِ آخری نیز از خاکِ پاکِ دهلی حالی و داغ برخاستند و زبانِ ریخته را
زیب و زینتِ نو دادند و رونقِ رفتگان را در چشمِ ما افزودند و دل از دست ربودند۔ داغ بازار
هنرِ این خرابهٔ دهلی را گذاشت و رختِ اقامت سوئے ملکِ دکن کشید و بخاک خفت۔ آرے
بیت هر کجا چشمه بود شیرین ٭ مردم و مرغ و مور گرد آیند ٭ چون نام ملکِ دکن بر زبانِ قلم رفت
در سرِ او سودائے پدید آمد و در بنیانِ قصیدن آغاز نهاد۔ مرحبا بلدهٔ حیدرآباد خجسته بنیاد و خجسته
آن والیِ نیک نهاد که در کنفِ عاطفتِ گوهرشناسی او مایه دارانِ سخن جاگیرند و از خوانِ نوالِ او بهره
چینند۔ تا دیدهٔ طمع سیر گردد و دل بر سخن دلیر شود۔ خود صاحبِ تخت و تاجِ سخن دان است و کاوش
گوهر آفرینیِ شاعرانِ نازک بیان بر خاطرِ عاطرِ او پنهان نیست و این دلیلِ دلدهیِ ایشان را لازم و از
هنروران دور و نزدیک را پیشِ خود خواند۔ دلجوئی نماید و دل را از دست رباید۔ تا آنکه خاکِ دکن را دامنگیر
گرداند و خاطرِ شان از خاکِ اوطان برگرداند بیت ثنائے آن شهِ والا چسان کنم آغاز ٭ که کوته دست
مجالِ کلام و قصه دراز ٭ نیرنگیِ زمانهٔ بوقلمون بحدے رسیده است که دهلیِ مرحوم اگرچه از شعرائے
عالی مقام خالی شده است و در آشیانهٔ زرتارِ بلبل زاغِ سیاه بال بیضه نهاده است. تاهم یک مردِ
میدان پدید آمده که در سخن فهمی و سخن سنجی ید طولیٰ داشته است و همت خود برین گماشته که نامِ پیشینیان
را روشن کند و آوازهٔ روشِ نیکوئے شان را در آفاق رساند۔ سعی سے بردو بیکار کمتر نشیند تا کارے
کرده است که از یک گروه و للامشان سرانجامِ آن دشوار می نمود۔ از گلبنهائے سخن گلها چیده است
که همه گلِ سر سبد بوده اند و این را یکجا آورده۔ خمخانهٔ جاوید نام نهاده. لاریب این نسخهٔ زیبا
را این نامِ نامی سزاوار است۔ چرا که این خمخانه ایست که در آن جنسِ مے پر جوشِ سخن لبالب اندان است
و جاوید بودن یکے از لوازمِ آن۔ این نوجوانِ ره نوردِ جادهٔ سخن‌بندی از خانوادهٔ برخاسته که در شعر
و سخن گستری درین شهرِ دهلی از قدیم سر آمدِ روزگار بوده و بهر کارے که توجه نمودند گوئے سبقت از

دیگران ربودند. پدر بزرگوار این نوجوان پاکیزه نسبیان در کشور پنجاب بر مسندِ عزت نشسته بود و از دولت انگلشیه اعزاز خطاب **اونریبل** یافته و در آئین دانی و آئین فهمی نظیرے نداشت. آرے چنان مدبر را چنین پسر لازم است که از همه کمالات آراسته باشد و بهره از علوم مغربی کما حقه بر داشته و علومِ مشرقی که در معرضِ زوال اند هم فراموش نکرده. بلکه روح دیگر در قالب آن از سعی خود دمیده۔

خُلق عمیمش شاعران و سخندانان را گرویدهٔ خود گردانیده و احسانی بر زبان اردو کرده که تا این زبان زنده ماند احسانِ او از یاد نرود۔

اکنون آن بے بصران کجا اند که میخواهند در حجلهٔ آراستهٔ اردو عجوزهٔ سال خورده برج بها شا را نشانند۔ اگر در قواے دماغیِ ایشان خلل نه پذیرفته است خمخانهٔ جاوید را ببینند و انصاف کنند آیا هندی آن قدر و منزلت دارد که پیشِ نوعروسِ اردو شکل کرده خود را از چادر بیرون آرد. و دلانِ نوجوانانِ هند را از غمزهٔ پیرانهٔ خود بربایند. هیهات. دماغے را که بوئے سیر مختل ساخت کے داند بهائے عنبر سارا و ارزِ نافهٔ مشکین۔

دلخواه این بندهٔ درگاه بود که سطرے چند بر این کتاب نایاب نویسد. اما از بے بضاعتی خود شرم داشت که در صفِ مایه داران نشیند که ناگاه قبله گاهی ادام الله برکاته امر کردند و گفتند که لاله **سری رام** صاحب ایم اے دوست دیرینهٔ من است و ترا لازم است که از پاسِ خاطر آنجناب قلم عجز را تا سیاهی بگردان. چون امر ارشاد چاره ندیدم و سطرے چند از نظم و نثر فراهم آوردم که هرگز در نظر نگارنده این ارز ندارد که شامل نسخهٔ لاجواب خمخانهٔ جاوید شود. چرا که بر آن کتاب سکهٔ شهرت قلمِ اول از دستِ خود زده است و از سعی کسے کم و بیش نمی شود. به مصداق این شعر

مشکِ ختن نهفته نماند ز رنج کس	از بوئے خوش نسیم به گیتی خبر برد

محمد عبد المجید

فہرست اسماء شعراء مندرجہ تذکرہ خمخانہ جاوید

جلد دوم